عہدِ بنگش

کی

سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ

مؤلفہ

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی

مترجمہ

حکیم شریف الزماں شریف اکبرآبادی

مرتبہ

محمد ایوب قادری ایم۔اے

تعارف

سید الطاف علی بریلوی

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

۱۹۶۵ء

ناشر

سید الطاف علی بریلوی بی۔اے (علیگ)

ڈائرکٹر

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

سعیدہ منزل

متصل سرسید گرلس کالج ناظم آباد

بی روڈ

کراچی

تعداد طبع — ایک ہزار

قیمت Rs 2 4

طابع

جاوید پریس۔ کراچی (۱۹۶۵ء)

فہرستِ مضامین

تعارف

از سید الطاف علی بریلوی)

جن اصحاب نے میری تالیف "حیاتِ حافظ رحمت خاں" مطبوعہ بار اول ۱۹۳۶ء دبار دوم ۱۹۶۶ء ملاحظہ فرمائی ہے ان کو اندازہ ہوگا کہ کتاب میں نواب نجیب الدولہ اور ان کے جانشین نیز نوابانِ بنگش کے کافی حالات درج ہیں۔ ۱۷۰۷ء میں حضرت اورنگزیب عالمگیرؒ کے وصال کے بعد دہلی کی مرکزی حکومت کمزور ہو جانے کے باعث شمالی ہند میں روہیل کھنڈ، نجیب آباد اور فرخ آباد کی ریاستیں قریب قریب ایک ہی زمانہ میں عالمِ وجود میں آئی تھیں اور سرزمین ہند میں اسلام کی سربلندی کے لئے اُن کے اولوالعزم حکمرانوں کے کارہائے نمایاں کچھ اس طرح ملے جلے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا قدرتاً مجھے یہ خواہش ہوئی کہ حیاتِ حافظ رحمت خاں کی طرح ایک ایک معیاری و مبسوط کتاب نواب نجیب الدولہ اور تاریخ بنگش پر بھی ہو جائے۔ لیکن اس کے واسطے ضرورت تھی کہ جس طرح حیاتِ حافظ رحمت خاں کے لئے گلستانِ رحمت۔ گل رحمت اور نقشِ سلیمانی وغیرہ اصل ماخذ بہم دست ہو گئے تھے اسی طرح متذکرہ بالا خانوادوں کے حالات وواقعات پر مشتمل کمیاب قلمی کتابیں بھی دستیاب ہو جائیں۔

یہ آرزو دل ہی دل میں موجزن تھی کہ اوائل جون ۱۹۶۹ء میں مجھے عزیز گرامی قدر مسٹر محمد مختار آزاد

(ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی علیگ (حال لیبر لیڈر کراچی) کی شادی میں قائم گنج ضلع فرخ آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جس جگہ بھی جاتا ہوں وہاں کی تاریخی عمارات دیکھتا ہوں اور اس مقام کے مشاہیر اہلِ علم سے ان کے مکانوں پر جاکر شرفِ نیاز حاصل کرتا ہوں۔ یہ چیز میں نے حضرت نواب صدر یار جنگ بہادر، مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی مرحوم و مغفور سے سیکھی تھی۔ چنانچہ قایم گنج کی بابت بھی مجھے پہلے سے علم تھا کہ وہاں ایک ذی علم بزرگ مولوی عبدالحافظ خاں نامی جو بخشی محمود خاں آفریدی دیوان نواب محمد خاں بنگش کی اولاد میں سے ہیں موجود ہیں[1]۔

مولوی صاحب کے دیدار سے مشرف ہوا تو ان کو سراپا خلق اور معارف پرور پایا۔ میری کتاب حیاتِ حافظ رحمت خاں ملاحظہ فرما چکے تھے اور وہ اس سے حد درجہ متاثر تھے میں نے جب عرض کیا کہ میں اسی قسم کی ایک کتاب بنگش پٹھانوں پر لکھنا چاہتا ہوں تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ

"میرے پاس بنگشوں سے متعلق ضروری قلمی کتابیں موجود ہیں جو میں نے آج تک کسی کو نہیں دیں لیکن چونکہ آپ "حیاتِ حافظ رحمت خاں" لکھ کر اپنا اعتماد قایم کر چکے ہیں اس لئے آپ ان کو مستعار لے جائیں۔ جب آپ کا کام ختم ہو جائے تو میری کتابوں کو واپس کر دیجیے گا۔"

اب مولوی عبدالحافظ خاں صاحب نے جو کتابیں مجھے عنایت فرمائیں ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) تاریخ فرخ آباد (فارسی قلمی) از مفتی ولی اللہ۔

(۲) وقائع خاندان نواب محمد خاں (قلمی) مکتوبہ منور علی خاں مولف لوحِ تاریخ۔

---

[1] مولوی عبدالحافظ خاں صاحب کے تفصیلی حالاتِ زندگی کے لئے دیکھو سہ ماہی رسالہ العلم کراچی بابتہ اپریل تا جون ۱۹۶۴ء

(۳) تاریخ فرخ آباد (نقل قلمی) مولفہ ولیم اروِن
(۴) خجستہ کلام (قلمی فارسی) مرتبہ منشی صاحب رائے۔

ان کتابوں کی ندرت و اہمیت کا تفصیلی حال آئندہ صفحات میں آپ محمد ایوب قادری صاحب کے دیباچہ کتاب ہٰذا میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

قائم گنج سے کتابیں لانے کے بعد نیک ارادہ کے باوصف میں کچھ بھی کام نہ کرسکا آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کی دفتری ذمہ داری اور میدانی کاموں میں ہمہ تن مصروفیت کے باعث وہ یکسوئی خاطر نصیب ہونا تھی نہ ہوئی جو ایک تحقیقی تصنیف کے لئے ضروری ہے۔

ترتیبِ کتاب کا کام ہات میں نہ لینے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ متذکرۂ بالا ماخذوں کے علاوہ ایک اہم ماخذ "تاریخ محمد خانی" فارسی قلمی مؤلفہ شیخ حسام الدین گم الیاری کی کمی شدت سے محسوس ہوتی رہی کیونکہ یہ بزرگ نواب محمد خاں اور احمد خاں بنگش کے ہمعصر تھے اور انھوں نے چشم دید حالات قلم بند کئے تھے۔ باقی سب کتابیں بعد کی تھیں ولیم اروِن نے اس کتاب سے کام لیا تھا میں اس کو نظر انداز کرکے کس طرح قلم اٹھا سکتا تھا۔

اسی لیت ولعل میں سال پر سال بیتنے لگے اور اس عرصہ میں مجھے قلبی رنج اور صدمہ ہے کہ میرے محسن جناب مولوی عبدالحافظ خاں صاحب کا نومبر ۱۹۴۰ء میں بعمر ۸۰ سال انتقال بھی ہو گیا اور مرحوم نے مجھ سے جو توقع قائم کی تھی اس کو میں ان کی حیات میں پورا نہ کرسکا۔ اعتبار بے اعتباری میں تبدیل ہو گیا۔ اور بجا طور پر مولوی صاحب کے معزز صاحبزادگان جناب ابراہیم احمد خاں و الیاس احمد خاں (الیاس مجتبیٰ مرحوم) نے مجھ پر اپنے والد مرحوم کی مستعار دی ہوئی کتابوں کی واپسی کا تقاضہ شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب تک کو جو ننہالی سلسلہ سے صاحبزادگان موصوف کے ہم جد ہیں مجھ پر واپسی کتب کے لئے اثر ڈالنے کی نوبت آگئی۔

میری نیت میں کوئی کھوٹ نہ تھی لیکن میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ بغیر کچھ کیے ہوئے اگر یہ کتابیں ایک دفعہ میرے ہاتھ سے نکل گئیں تو پھر ان کا دستیاب ہونا اور صحیح زاویۂ نگاہ سے بنگش پٹھانوں کی سیاسی۔ علمی اور ثقافتی تاریخ مدوّن و مطبوع ہونا ناممکن ہو جائے گا۔ لہٰذا پٹنہ کے مولوی خدا بخش مرحوم کے ایجاد کردہ ٹال مٹول کے میں نے سارے ہی توحربے استعمال کر ڈالے ساتھ ہی اس دوران میں تاریخ بنگش پر اہم ترین کتاب نوشتۂ مفتی ولی اللہ کا دفتر کانفرنس میں اپنے رفیقِ کار جناب حکیم شریف الزماں صاحب شریف اکبر آبادی سے اُردو ترجمہ کرانا شروع کر دیا اور دوسری کتابوں کی نقل کرالی۔ حکیم شریف الزماں صاحب مرحوم فارسی کے ماہر، پورے منشی اور ایک بے نفس محنتی انسان تھے انھوں نے اس کافی ضخیم کتاب کے دفتر کے دفتر قلم برداشتہ ترجمہ کر ڈالے۔ تا آنکہ آخری دو ابواب (مقالۂ دہم شعراء و خوشنویس اور یازدہم حالاتِ مولّف مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) ترجمہ ہونا باقی تھے کہ کتاب مع اپنی ساتھی کتابوں کے مجھ سے واپس لے لی گئی۔ ع

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کیے

بعد ازاں تقسیمِ ملک کی ہماہمی شروع ہو گئی جس نے حالت سکون کے سارے مشاغلِ علمی کو درہم و برہم کر دیا۔ بحمداللہ مسلمانانِ ہند کی ایک آزاد مملکت کا قیام عمل میں آیا اور جب میں جون ۱۹۵۰ء میں بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان حاضر ہوا تو جو تھوڑی سی کتابیں سینہ سے لگا کر اپنے ہمراہ لایا ان میں تاریخ بنگش سے متعلق متذکرہ بالا کتابیں بھی شامل تھیں۔ لیکن بے سکونی اور عدمِ فرصت نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ علاوہ بریں نئے ملک اور نئی زندگی کے تقاضوں نیز قوائے جسمانی و دماغی میں اضمحلال کے باعث فرائض منصبی کا ادا کرنا ہی دشوار ہو گیا چہ جائے کہ کسی شوقیہ کام کے لئے وقت نکالا جاتا۔ عزیزی سید مصطفےٰ علی بریلوی بی۔ کام البتہ مذکورہ کتابوں کو پیشِ نظر رکھ کر بنگش حکمرانوں پر "العلم" میں وقتاً فوقتاً تحقیقی مقالے لکھتے رہے۔ لیکن ایک مبسوط و بلند پایہ تحقیقی کتاب کی

ضرورت اپنی جگہ بدستور قائم رہی تا آنکہ

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

کے مصداق برادر مکرم پروفیسر محمد ایوب قادری ایم۔ اے نے سنہ ۱۹۶۲ء میں اس اہم علمی کام کا بیڑا اُٹھایا۔ برادر موصوف قبل ازیں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی شائع کردہ کتاب "علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی)" ایڈٹ کرکے علمی اور تحقیقی دُنیا میں نام پیدا کر چکے ہیں۔ انھوں نے قریب ۲ سال کی محنتِ شاقہ کے بعد عہدِ بنگش کی ایک ایسی سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ مرتب کردی جو انشاءاللہ رہتی دُنیا تک فیض بخشِ انام رہے گی۔ بقولے

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

مطالعۂ کتاب سے ناظرین کرام کو اندازہ ہوگا کہ اس ہونہار مُرتب نے تحقیق و تدقیق کا واقعی حق ادا کر دیا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں ترتیب و طباعتِ کتاب میں جس قدر موانع بشمول میری کوتاہ قلمی پیش آئے وہ قدرت کی جانب سے اسی لئے تھے کہ ایوب قادری جیسا جفاکش، مستقل مزاج اور چابکدست نوجوان اس خدمت کو انجام دے۔ اور مسلمانوں کے لئے غلام ہندوستان میں طبع ہونے کے بجائے اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اس کو طبع کرانے کی سعادت حاصل کرے۔

اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی عیسوی کی تاریخِ مسلمانانِ پاک و ہند ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ زیرِ نظر کتاب، بالخصوص اس کا علمی و ثقافتی حصہ، طلباء و محققین تاریخ کی معلومات میں نہ صرف بالکل نئے اور اچھوتے مواد کا اضافہ کرے گا، بلکہ تاریخ کا ایک قطعی گم شدہ ورق ہمدست ہوگا جس سے عبرت بھی حاصل ہوگی اور بصیرت بھی۔ ہمارے اسلاف میں سے صدہا باکمال گوشۂ گمنامی سے نکل کر پہلی مرتبہ ضیاء بارِ حیاتِ جاوید ہوں گے۔

خدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سید الطاف علی بریلوی
کراچی۔ ۵ جولائی ۱۹۶۴ء

دیباچہ

از محمد ایوب قادری ایم اے (مرتب)

اورنگ زیب عالمگیر (ف ۱۷۰۷ء) کے کمزور جانشینوں نے مغلیہ سلطنت کو اتنی جلد ختم کردیا کہ تعجب ہوتا ہے تخت نشینی کے لئے متواتر جنگیں ہوئیں۔ اُمراء و وزراء ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ مغل دربار میں ایرانی اور تورانی دو مستقل پارٹیاں تھیں۔ ایرانی پارٹی زیادہ بااثر تھی۔ سیّد برادران، عبداللہ خاں قطب الملک (ف ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۰ء) اور حسین علی خاں امیر الامراء (ف ۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۰ء) صفدر جنگ (ف ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء) عماد الملک (ف ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء) اور نجف خاں (ف ۱۷۸۲ء) وہ امراء و وزراء ہیں جن کی خود غرضیوں اور ناکارہ پالیسیوں نے سلطنت کو بلبلے کی طرح بٹھا دیا، مغل متاخرین کے زمانے میں برصغیر پاک و ہند میں دوسری غیر ملکی طاقتیں بھی اپنے قدم جما رہی تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ کامیاب انگریز تھے۔ اس کے علاوہ ملک کے بعض دوسرے عناصر بھی سر اُٹھا رہے تھے۔ مرہٹے، جاٹ، سکھ بندیلے اور راجپوت مغل حکومت کی کمزوری سے اتنے طاقتور ہوگئے تھے کہ وہ مرکزی حکومت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور پھر اُمراء کی آپس کی رقابتیں اور جنگیں نہ صرف ان طاقتوں کو قوت و استحکام بخشتی تھیں بلکہ یہ امرائے سلطنت بسا اوقات ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ان طاقتوں سے مدد کے خواہاں ہوتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کی اہمیت اور حیثیت اور بھی بڑھ جاتی تھی۔

اسی زمانے میں مغربی پاکستان کے سرحدی علاقے کے بعض صاحب عزم مسلم قبائل

دوآبے میں قسمت آزمائی کے لئے پہونچے اور انھوں نے اس افراتفری کے زمانے میں موقع سے فائدہ اُٹھایا پہلے اپنے مختصر سے گروہ قائم کئے مقامی رئیسوں اور زمینداروں کو مدد دی اور اس طرح آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی حیثیت متعیّن کرالی۔ نواب محمد خاں بنگش (ف ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء) داؤد خاں (ف ۱۱۳۹ھ) نواب علی محمد خاں (ف ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء) حافظ الملک حافظ رحمت خاں (ف ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء) اور نواب نجیب الدولہ (ف ۱۱۸۳ھ/۱۷۷۰ء) ان ہی مردان کار میں سے ہیں۔ ان تمام سرداروں نے انفرادی اور اجتماعی طور سے مغلیہ سلطنت کی ہر موقعہ پر مدد کی اور مرکزی حکومت کو سہارا دیئے رہے اور جن علاقوں میں ان کی ریاستیں قایم تھیں، وہاں امن و امان قایم کیا۔ رعایا ان کے دَور میں خوش حال رہی۔ رفاہی کاموں پر پوری توجہ دی۔ پُل۔ چاہ۔ سرائیں۔ مدرسے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ تہذیب و تمدّن کو جلا بخشی اور حقیقت یہ ہے کہ صفدر جنگ اور شجاع الدولہ (ف ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۵ء) اگر فرخ آباد، روہیل کھنڈ اور نجیب آباد کی ریاستوں کے دشمن نہ ہوتے تو برِصغیر کی تاریخ ہی دوسرے انداز سے مرتب ہوتی۔

نواب محمد خاں بنگش نے فرخ سیر (ف ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) اور محمد شاہ (ف ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کے زمانے میں عروج و اقتدار حاصل کیا۔ اس نے بندیلہ راجپوتوں کی مسلسل بغاوتیں فرو کیں اور ان کی سرکوبی کرکے مرکزی حکومت کو استحکام بخشا۔ محمد شاہ نے اس کے انتقال پر سخت افسوس کیا اور "ستونِ بابِ ہند اُفتاد" سے اس کے انتقال کی خود تاریخ نکالی۔ محمد خاں بنگش کا جانشین اس کا بیٹا قائم خاں (۱۱۵۶ھ) ہوا مگر صفدر جنگ کی سیاست نے اس کو ٹھکانے لگا دیا۔ علی محمد خاں (ف ۱۷۴۹ء) کے انتقال کے بعد قایم خاں کو نواب سعد اللہ خاں سے بھڑا دیا۔ قائم خاں مارا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد دوسرے فرزند احمد خاں بنگش نے زمامِ ریاست ہاتھ میں لی صفدر جنگ سے سخت مقابلہ کے بعد اپنی ریاست کو حاصل کیا۔ احمد خاں کی تمام زندگی جنگ و جدال میں گذری وہ اپنے پڑوسی صفدر جنگ اور شجاع الدولہ کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ احمد خاں بنگش کے جانشین ناکارہ ثابت ہوئے اور

مظفر جنگ (ف ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء) کے زمانے میں ۱۷۷۲-۳ء میں ریاست فرخ آباد شجاع الدولہ نواب اودھ کے ماتحت ہو گئی۔ اور پھر ۱۸۰۱-۲ء میں انگریزی حکومت کے قبضہ میں آگئی۔ فرخ آباد کے مندرجہ ذیل چھ نواب ہوئے۔

(۱) نواب محمد خاں بنگش غضنفر جنگ	المتوفی	۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء
(۲) نواب قائم خاں بنگش قائم جنگ	"	۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء
(۳) نواب احمد خاں غالب جنگ	"	۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء
(۴) نواب دلیر ہمت خاں مظفر جنگ	"	۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء
(۵) نواب امداد حسین خاں ناصر جنگ	"	۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء
(۶) نواب خادم حسین خاں شوکت جنگ	"	۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء

ان نوابین میں محمد خاں بنگش اور احمد خاں بنگش اٹھارھویں صدی کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

فرخ آباد کی ریاست نوّے سال قائم رہی۔ اس زمانے میں فرخ آباد ایک اہم سیاسی و ثقافتی مرکز تھا۔ دہلی میں مرہٹہ گردی، نادر شاہ، اور ابدالیوں کے حملوں کی وجہ سے امن و امان ناپید تھا۔ امرار و علمار، حکمار و فضلار اور شعرا و ادبا دہلی چھوڑ کر اودھ، روہیل کھنڈ، فرخ آباد اور دوسری ریاستوں کی طرف رُخ کرتے تھے۔ اسی زمانے میں بہت سے اہلِ علم و فن فرخ آباد پہنچے مرزا محمد رفیع سودؔا (ف ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) اور میر محمد سوزؔ (ف ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء) جیسے ممتاز شعرا نے فرخ آباد کا رُخ کیا۔ اس طرح فرخ آباد اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز بن گیا۔

فرخ آباد کے بنگش نوابوں کے تاریخی مواد کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو مندرجۂ ذیل کتابیں قابلِ ذکر معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) **خجستہ کلام** (فارسی) — یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو محمد خاں بنگش کی طرف سے لکھے گئے ہیں اور دوسروں نے محمد خاں بنگش کو لکھے ان خطوط میں بادشاہ، وزیر قمرالدین، نظام الملک

خان دوراں خاں، امیر الامراء اور روشن الدولہ کے نام اکثر خطوط ہیں۔ ان میں بہت سے خط سنہ ۱۱۳۰ھ تا ۱۱۵۶ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کا مرتب محمد خاں بنگش کا منشی "صاحب رائے" کا نسخہ ہے اس کا ایک ناقص الآخر نسخہ ولیم ارون کو مرتب کے پرپوتے بھوانی پرشاد سے ملا تھا۔

(۲) تاریخ محمد خانی (فارسی) — اس کتاب کے مولف حسام الدین گوالیاری ہیں۔ نوابانِ فرخ آباد کے حالات میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور اس میں بیشتر چشم دید حالات ہیں۔ حسام الدین گوالیاری سنہ ۱۷۴۳ء سے قبل فرخ آباد پہونچے اور ریاست میں ملازم ہو گئے وہ اکثر مواقع محاصرہ الہ آباد (اکتوبر سنہ ۱۷۵۰ء تا اپریل سنہ ۱۷۵۱ء) محاصرہ فتح گڑھ (اپریل و مئی سنہ ۱۷۵۱ء) اور جنگ روہیل کھنڈ (اپریل سنہ ۱۷۵۲ء) وغیرہ میں خود موجود تھے۔ آخر میں انھوں نے درویشی اختیار کر لی تھی۔ حسام الدین گوالیاری کا انتقال سنہ ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵-۶ء میں ہوا۔

اس کتاب میں محمد خاں بنگش سے لے کر احمد خاں غالب جنگ تک کے حالات ہیں محمد خاں اور قائم خاں بنگش کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ ولیم ارون کو اس کتاب کا "مصوّر" نسخہ ملا تھا۔ ولیم ارون نے اس کی ایک صاف اور خوشخط نقل کرائی تھی جو انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے ہمارے پیش نظر انڈیا آفس کا نسخہ رہا ہے۔ اس نسخہ کی مائکروفلم کاپی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (کراچی) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۳) لوحِ تاریخ (اردو) — بخشی منور خاں (ف ۱۳؍ شعبان سنہ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) کی تالیف ہے جو محمد خاں بنگش کی لڑکی دولت خاتون کا پرپوتا ہے اس کا مآخذ تاریخ فرخ آباد از مفتی ولی اللہ، خلاصہ بنگش اور ایک معمر شخص الہ داد خاں چیلہ کی زبانی روایات ہیں۔ اس پر نظر ثانی میر بہادر علی چھپراموی (ف ۲۳؍ شعبان سنہ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) نے کی ہے۔ بہادر علی نے سنہ ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹-۴۰ء میں اس کام سے فراغ حاصل کیا۔ انھوں نے اس کا تاریخی نام "لوحِ تاریخ" یا "عنوانِ خاندان بنگش" رکھا۔ اس کتاب میں دیباچہ کے علاوہ آٹھ حصے ہیں۔ حصہ

اوّل میں نواب محمد خاں غضنفر جنگ حصۂ دوم میں نواب قائم خاں حصۂ سوم میں نواب احمد خاں غالب جنگ، حصۂ چہارم میں دلیر ہمت خاں مظفر جنگ، حصۂ پنجم میں امداد حسین خاں ناصر جنگ، حصۂ ششم میں نواب خادم حسین خاں شوکت جنگ. حصۂ ہفتم میں تجمل حسین خاں ظفر جنگ کے حالات ہیں، آخری حصۂ ہشتم میں دو باب ہیں پہلے باب میں منور علی خاں کے اور دوسرے باب میں بہادر علی کے حالات ہیں۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ ہماری نظر سے مسلم یونیورسٹی لائبریری، علی گڑھ میں گذرا ہے۔

۴۔ **خلاصہ بنگش** خاندان بنگش سے متعلق کتاب ہے اس کا حوالہ "لوح تاریخ" میں ملتا ہے ولیم اروِن کو بھی اس کتاب کا کوئی نسخہ نہ مل سکا۔

۵۔ **وقائع خاندان نواب محمد خاں بہادر** نوابان بنگش کے حالات میں نہایت دلچسپ کتاب ہے اس کا خاص ماخذ تاریخ فرخ آباد (از مفتی ولی اللہ) ہے بہت سی روایات معتبر اور معمر بزرگوں سے جمع کی گئی ہیں۔ ہر واقعہ کو "حکایت" کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے کتاب میں کہیں مولف کتاب کا نام درج نہیں ہے اس کے کاتب "لوح تاریخ" کے مولف منور علی خاں ہیں۔ اس کتاب کا ترقیمہ یہ ہے :-

"۶ رجب المرجب ۱۲۵۳ھ وقائع خاندان نواب محمد خاں بہادر
از کاتب العبد ان الضعیف الراجی الی رب الغنی منور علی خاں
بنگش او ستوزئی عفی اللہ عنہ بانجام رسید برائے خاطر لالہ شام لال"

اس کتاب کا قلمی نسخہ سید الطاف علی بریلوی صاحب کی ذاتی لائبریری میں ہے ہم نے اس کا حوالہ "وقائع خاندان بنگش" کے نام سے دیا ہے۔

تاریخ فرخ آباد (ولیم اروِن) ولیم اروِن فرخ آباد کا کلکٹر رہا۔ اس نے فرخ آباد کی تاریخ انگریزی میں لکھی ہے۔ ۱۸۸۷ء میں شیخ حسین بخش مہتمم مطبع حسینی کی تحریک و توجہ سے یہ کتاب انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوئی۔ یہ کتاب دو جلدوں پر

مشتمل ہے حصہ اول میں نواب محمد خاں غضنفر جنگ کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور دوسرے حصہ میں نواب احمد خاں غالب جنگ اور اس کے جانشینوں کا حال ہے اروِن کی کتاب بڑی حد تک مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کی تاریخ فرخ آباد کے حصۂ اول کی کامیاب تلخیص ہے۔ اروِن نے مفتی صاحب کی کتاب کے دوسرے حصہ سے اعتنا نہیں کیا ہے جس میں انھوں نے مشائخ وعلما و شعرا وغیرہ کے حالات لکھے ہیں۔ اروِن کی کتاب کے اکثر عنوان اور ترتیب مفتی صاحب کی کتاب کے مطابق ہیں:-

ڈاکٹر مختار الدین آرزو لکھتے ہیں:-

"فرخ آباد کے بنگش نوابوں پر جو اس (ولیم اروِن) نے تفصیلی مقالہ لکھا ہے اس میں اس کتاب سے بہت مدد ملی ہے اور یہ کتاب اس کے مقالہ کے نہایت اہم ماٰخذ میں داخل ہے"

تاریخ فرخ آباد (اُردو)

یہ کتاب نواب لفٹیننٹ گورنر یو۔پی کی تحریک پر پنڈت دیبی پرشاد وزیر ضلع فرخ آباد نے مرتب کی اور ۱۸۵۹ء میں گورنمنٹ پریس الہ آباد سے شائع ہوئی ہے مختصر سی کتاب ہے۔ اس کتاب کو ہم گزیٹر ضلع فرخ آباد کا نقش اول کہہ سکتے ہیں۔ اس کتاب کا مطبوعہ نسخہ ہمیں مولوی محمد سلیمان بدایونی (ف یکم جون ۱۹۶۳ء) کے ذریعہ سے ملا۔

تاریخ فرخ آباد (مفتی ولی اللہ)

اس سلسلے کی سب سے اہم کتاب "تاریخ فرخ آباد" ہے جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔ فرخ آباد کے بنگش نوابوں کے حالات اس دور کی دوسری عام تاریخوں یا اودھ اور روہیل کھنڈ کی کتب تواریخ میں بھی ملتے ہیں اس سلسلے میں سیر المتاخرین از غلام حسین طباطبائی، عماد السعادت از غلام علی نقوی، قیصر التواریخ از کمال الدین حیدر، تاریخ اودھ از نجم الغنی خاں رام پوری، گلستانِ رحمت از مستجاب خاں

گلِ رحمت از سعادت یار خاں، اخبار الصنادید از نجم الغنی خاں رام پوری، نخبۃ التواریخ از مرزا نصیر الدین برلاس حیاتِ حافظ رحمت خاں از الطاف علی بریلوی۔ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

اب ہم تاریخ فرخ آباد کے مولف مفتی ولی اللہ کے حالات پیش کرتے ہیں [۱]

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کا اصل وطن قصبہ سانڈی (مضافات خیرآباد) ہے۔ ان کی پیدائش قصبۂ سانڈی میں ۱۴ر شوال ۱۱۶۵ھ مطابق ۲۶ر اگست ۱۷۵۲ء بروز جمعہ ہوئی اور "جزاک اللہ فی الکونین خیراً" سے ان کی تاریخِ ولادت نکلتی ہے۔ نو سال کی عمر میں مفتی ولی اللہ اپنے والد سید احمد علی بن غلام حسین کے ہمراہ فرخ آباد میں آئے۔ اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ ان کے والد کی دوسری شادی فرخ آباد کے ایک مشہور بزرگ سید فضل امام کے صاحبزادے غیاث امام کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی جس سے تین لڑکے سید وجیہ اللہ۔ لطف اللہ اور اشرف علی پیدا ہوئے۔ وجیہ اللہ کا انتقال ۲ر ربیع الاول ۱۲۳۳ھ بروز جمعہ شہر عظیم آباد میں ہوا۔ اور وہیں تکیہ پیر و مرزا میں مدفون ہوئے۔

مفتی صاحب نے اپنے والد کا سرسری طور سے ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد کو صوفیاء، مشائخ اور مجاذیب سے خاص تعلق تھا۔ اعمال و وظائف کا بھی ذوق تھا۔ انہوں نے بعض اعمال میاں محمد صلاح (ف ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء) سے سیکھے اور شاہ غلام قطب الدین

---

[۱] مفتی ولی اللہ کے حالات کا خاص ماخذ خود اُن کی کتاب تاریخ فرخ آباد ہے کچھ روشنی تاریخ قنوج (قلمی) مولفہ نواب صدیق حسن خاں، اور بعض اشارے تاریخ فرخ آباد (ولیم ارون) میں ملتے ہیں۔

(ف ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ء) سے بھی ان کے تعلقات تھے۔ شاہ عنایت اور چناشاہ مجذوب اکثر ان کے گھر آیا کرتے تھے۔ ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں اکیاون سال کی عمر میں مفتی ولی اللہ کے والد احمد علی کا انتقال ہوا اور وہ سید فضل امام کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔ مفتی صاحب نے ان کے انتقال کی مندرجۂ ذیل تاریخ لکھی ہے:-

سیادت مرتبت احمد علی رفت
بجنت بست باعز و مکرم
پئے تاریخ چو رفتم بفکرش
خرد گفتا ز شعبان بود ہشتم
۱۱۸۷ھ

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی نے علوم متداولہ کی تحصیل فرخ آباد، بریلی اور قنوج میں کی۔ مولوی فضل اللہ بہاری (ف ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۷۶۸ء) سے متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی، مولوی فضل اللہ ملا حسن لکھنوی کے شاگرد تھے۔ مولوی دائم علی کرڑوی (ف ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء) سے موجز اور شرح اسباب پڑھیں اس زمانے کے نامور عالم مولانا عبدالباسط قنوجی (ف ۱۲۲۳ھ) سے فاتحہ فراغ پڑھی اور تکمیل علوم کی۔ مولوی حکیم رحم علی خاں (ف ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء) سے طریقۂ طب حاصل کیا حکیم رحم علی خاں فرخ آباد کے مشہور طبیب تھے۔

مفتی ولی اللہ نے ۱۲۳۲ھ یعنی ۶۸ سال کی عمر میں حفظ قرآن فرمایا۔ اس کے متعلق نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں[۱]:-

---

[۱] تاریخ قنوج از نواب صدیق حسن خاں (قلمی) صفحہ ۲۶۳ (حبیب الرحمن خاں کلکشن) مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ)

"فاضل جید و عالم مستعد بوده اند در علوم رسمیه درسیہ نسبت تلمذ
بخدمت حضرت مولوی عبد الباسط قنوجی قدس سرہ دارند فاتحہ
فراغ ایشان در مدرسہ حضرت ممدوح اتفاق افتاد و ایشان را
در علوم صرف و نحو و فقہ و تفسیر و حدیث دست گاہ کامل بود
کتب متداولہ را بالترتیب از بدایت تا نہایت گزرانیدہ
بودند۔"

مفتی صاحب کو صرف و نحو میں خاص دسترس حاصل تھی علم صرف میں نقود الصرف کے نام سے ایک رسالہ لکھا ایک مرتبہ اس سلسلے میں مولوی روشن علی جون پوری سے تحریری مذاکرہ ہوا جس کا تفصیلی ذکر انہوں نے مولوی روشن علی جون پوری کے حالات میں کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کو علم صرف و نحو میں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔

مفتی صاحب کو تاریخ گوئی میں بھی درک حاصل تھا ان کے والد کے انتقال کی تاریخ جو ان کی خود کہی ہوئی ہے اوپر درج ہو چکی ہے۔ تاریخ فرخ آباد میں انہوں نے چند اور تاریخیں نقل کی ہیں۔

فرخ آباد کے ایک رئیس نواب امین الدولہ (ف ۱۲۴۱ھ) نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی اس کی تاریخ مفتی صاحب نے یہ کہی ہے۔

امین الدولہ نواب ببر جنگ
بنا فرمود مسجد بہر عبّاد
پئے اتمام آں ہاتف بتاریخ
"عُبادت خانۂ حق" کرد ارشاد
۱۲۴۱ھ۔

اتفاق سے اسی سال نواب امین الدولہ کا انتقال ہوا ان کی تاریخ انتقال مفتی صاحب نے یہ کہی ہے:۔

نواب امین دولت و دین
در زمرۂ سروران سر آمد
چوں کرد وفات، بہرِ تاریخ
"پیوستہ برحمتِ حق" آمد
۱۲۴۱ھ

حکیم ثناء اللہ (ف ۱۲۰۶ھ-۱۷۹۱ء) کے فرزند حکیم مظہر علی کا جب ۵ رمضان ۱۲۳۲ھ کو انتقال ہوا۔ تو مفتی صاحب نے "پنجم ماہ رمضان" سے تاریخ انتقال نکالی، ۱۲۳۲ھ
اسی طرح انہوں نے اپنے حفظِ قرآن کی تاریخ "اِنّا فتحنا لک فتحاً مبیناً" سے ۱۲۳۲ھ نکالی ہے۔

مفتی صاحب نے ۱۲۲۴ھ میں جب فرخ آباد میں ایک مدرسہ قایم کیا تو اس کا نام "فخر المرابع"، "ربع المفاخر"، رکھا ان میں سے ہر ایک کلمہ سے ۱۲۲۴ھ برآمد ہوتے ہیں۔

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کا حلقۂ احباب نہایت وسیع تھا، امراء، مشائخ، علماء اور شعراء سے ان کے خاصے تعلقات تھے امراء میں نواب یحییٰ خاں، نواب عبدالباقی خاں، اور ان کے بیٹے مرزا مغل اور سید حشمت خاں، مشائخ میں، شاہ ہدایت بنگالی، شاہ غلام عماد الدین بلگرامی (ف ۱۲۰۴ھ-۱۷۸۹ء) حاجی خدایار خاں (ف ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء) رسول شاہ (مجذوب) علماء میں مولوی ولی اللہ فرنگی محلی مولوی علیم اللہ شاہجہانپوری مولوی محمد اکرام شاہجہاں پوری، مولوی عبدالجبار، مولوی محمد ابراہیم بنارسی۔ مولوی روشن علی جونپوری، مولوی عبدالحق نیوتنوی۔ مولوی منیر علی آسیونی اور شعراء

میں محمد صادق خاں اختر، حیدر حسین صفدر، میر محمد عسکری، محمد ناصر خاں ناصر، نصیر شاہجہان پوری، اسلم بلگرامی، اور غلام مصطفیٰ بردوانی سے تعلقات اور ملاقاتوں کا ذکر خود مفتی ولی اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

مولوی اسلم بلگرامی نے اپنی مثنوی لیلےٰ مجنوں اور مولوی غلام مصطفیٰ بردوانی نے مثنوی قصۂ سیر من اللہ منظوم کر کے مفتی ولی اللہ صاحب کو بھیجیں۔ مفتی ولی اللہ شعر و شاعری کا بھی اعلےٰ ذوق رکھتے تھے۔ جس شاعر یا شعر و سخن سے دلچسپی رکھنے والے کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا نمونۂ کلام ضرور درج کرتے ہیں مگر افسوس کہ مفتی صاحب نے اپنے کلام کا نمونہ شامل کتاب نہیں کیا بعض منظوم تاریخیں ضرور ان کی مل جاتی ہیں۔

۱۱۸۹ھ میں مفتی صاحب حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے راستے میں رحمت آباد میں جو دکن کا ایک شہر ہے۔ خواجہ رحمت اللہ نقشبندی کی ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۱ء سے نقشبندیہ و قادریہ سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ خواجہ رحمت اللہ اپنے زمانے کے نامور مشائخ میں سے تھے مفتی ولی اللہ ۱۱۹۰ھ میں حرمین شریفین پہونچے اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ اسی زمانے میں انہوں نے مشہور محدث شیخ احمد سفر اور ان کے والد شیخ محمد سعید سفر اور شیخ عبد الملک مفتی مکہ (مفتی حنفی) اور شیخ ابراہیم (مفتی شافعی) سے کتب حدیث پڑھ کر اور سن کر اجازت حاصل کی۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک ان مقامات مقدسہ میں مقیم رہے۔ اواخر ۱۱۹۱ھ میں فرخ آباد پہونچے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

جب ۱۸۰۱-۲ء میں فرخ آباد کی ریاست براہ راست انگریزوں کی حکومت میں شامل ہو گئی تو یہاں انگریزوں کا نظم و نسق قایم ہو گیا اور ۲۹ راگست ۱۸۰۶ء کو ولی اللہ فرخ آبادی مفتی عدالت مقرر ہوئے اور ۱۳ ر اکتوبر ۱۸۲۶ء تک وہ اس عہدہ پر برقرار

رہے۔ ان کے بعد ان کے ایک رشتہ دار ولایت علی مفتی عدالت مقرر ہوئے۔
مفتی صاحب نے درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ وہ خود لکھتے ہیں:-
"میں نے اپنی طویل عمر میں کئی مرتبہ طلبا کو درسی کتابیں ختم کرائیں۔"
ان کے تلامذہ میں مولوی محمد مکرّم خاں فرخ آبادی، مولوی امین الدین جالیسری اور مولوی غلام حسنین قنوجی (ف ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ عیسوی) مشہور و معروف ہیں۔

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی نے اپنی آمدنی سے پس انداز کر کے کچھ آراضی خریدی اور ایک مدرسہ "فخر المدارس ربیع المفاخر" کے نام سے تعمیر کرایا اور ان دو کلموں میں سے ہر ایک سے اس کی تاریخ ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۹ء برآمد ہوتی ہے، اس مدرسہ کے تمام مصارف مفتی صاحب خود برداشت کرتے تھے۔ مؤلف مآثر صدیقی لکھتے ہیں[۱]:-

"مولوی صاحب (ولی اللہ فرخ آبادی) نے اپنے
عہدۂ افتاء کے زمانے میں ایک مدرسہ قائم
کیا تھا اس مدرسہ پر اپنے پاس سے بہت کچھ زر خطیر
ماہوار صرف کیا کرتے تھے۔"

مدرسہ سے متعلق ایک کتب خانہ بھی تھا، ولیم ارون لکھتا ہے[۲]:-

"ولی اللہ کا کتب خانہ ابھی مدرسہ میں موجود ہے لیکن
اب نہ کوئی طالب علم ہے اور نہ وہاں کچھ تعلیم ہوتی ہے"

۱؎ مآثر صدیقی از نواب حسن علی خاں جلد اول ص ۶۳ (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۲۴ء)

۲؎ تاریخ فرخ آباد از ولیم ارون ص ۸

ولیم اروِن کو حسام الدین گوالیاری کی کتاب (تاریخ) محمد خانی اور خود تاریخ فرخ آباد مولفہ مفتی ولی اللہ میر فضلِ علی کے ذریعہ سے اسی کتب خانہ سے ملی تھیں۔ مفتی صاحب کا مدرسہ ۱۲۷۰ھ تک قائم و برقرار تھا نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں[۱]۔

"امروز مدرسہ کلانی از ایشاں (مفتی ولی اللہ)
یادگار است"

نواب صدیق حسن خاں نے ایک اور واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں[۲] کہ جب حضرت شاہ اسماعیل شہید دہلوی (ش ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) رائے بریلی جاتے ہوئے فرخ آباد سے گذرے اور فرخ آباد کی لال سرائے میں مقیم ہوئے تو مفتی ولی اللہ فرخ آبادی ان سے مُلاقات و مناظرہ کے لئے گئے اور دریافت کیا کہ آپ کے ہمراہ کوئی کتاب نہیں ہے، شاہ اسمٰعیل نے جواب دیا کہ ہاں ہمارے پاس کتاب اللہ ہے اور وہ ہمارے سینہ میں محفوظ ہے اس پر مفتی صاحب نے کہا کہ عوام و خواص میں احکام الٰہی کی تبلیغ کے لئے کتب خانہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس پر شاہ اسماعیل نے جواب دیا کہ ہم احکامِ الٰہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ پر پہونچاتے ہیں اور اگر کوئی نہیں مانتا ہے تو تلوار سے بتاتے ہیں۔ مفتی صاحب یہ بات سُن کر خاموش ہو گئے۔ پھر خلاصۃ الحساب کے چند سوالات پر شاہ اسمٰعیل سے گفتگو ہوئی شاہ صاحب نے ان کو حل کر دیا۔

۱؎ تاریخ قنوج (قلمی) صفحہ ۲۶۳

۲؎ تاریخ قنوج (قلمی) "

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کا انتقال ۵ رجمادی الثانی ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۸۳۳ء کو ہوا اور فرخ آباد میں دفن ہوئے۔[1] مندرجۂ ذیل مصرعوں سے ان کی تاریخ انتقال نکلتی ہے۔

ع "گنج معانی برفت زیر زمیں"

ع "دفن کردند گنجِ علم بہ خاک"

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مفتی ولی اللہ لاولد فوت ہوئے کیونکہ نہ تو انہوں نے اپنے حالات میں اولاد کا ذکر کیا ہے اور نہ بعد کے کسی مورخ نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی صاحبِ تصنیف و تالیف ہیں مگر اب تک ان کی کوئی کتاب زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے بلکہ بعض کتابوں کے متعلق تو یہ بھی یقینی طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ آیا وہ موجود بھی ہیں یا ضائع ہوگئیں۔ مفتی صاحب کی مندرجہ ذیل کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

(۱) شرح ورد التقرب[2]

(۲) حزب التوسل الی جناب سید الانبیاء والرسل

(۳) نقود الصرف، علم صرف میں ایک رسالہ ہے

(۴) المطر الثجاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج (شرح مسلم شریف)[3]

(۵) رسالہ "تاریخہائے وفات مختلف بزرگان" (مسلم یونیورسٹی لائبریری۔ علی گڑھ)

---

[1] تاریخ تنوج قلمی ص ۲۶۳

[2] پہلی چاروں کتابوں کے صرف نام ملتے ہیں۔

[3] نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں المطر الثجاج (شرح مسلم شریف) مکمل نہ ہو سکی۔ (اتحاف النبلاء ص ۱۵۳)

عبدالسلام کلیکشن) میں ایک رجسٹر ہے جو خود مفتی ولی اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے
اس پر عنوان ہے :-

"تاریخہائے وفات مختلف بزرگان"

اس کتاب کا نمبر سلسلہ (۱۷۰۷) ہے۔

(۶) نظم الجواہر، یہ قرآن کریم کی تفسیر ہے "نظم الجواہر" تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۳۶ھ مطابق ۲۱-۱۸۲۰ء برآمد ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب اپنی تصانیف میں تفسیر کو خاص اہمیت دیتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں :-

"تفسیر نظم الجواہر دیدنی است و بدیدہ و دل سپردنی"

یہ تفسیر ۱۲۳۶ھ مطابق ۲۱-۱۸۲۰ء میں لکھنی شروع کی اور چھ سال کے عرصہ میں ۱۲۴۲ھ میں مکمل ہوئی اس کے اختتام کی تاریخ "اکمال نظر" سے نکلتی ہے۔ نظم الجواہر کا ایک بہت خوش خط اور اچھا قلمی نسخہ، رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ یہ کتاب ایک بہت بڑے رجسٹر سائز کے (۱۴۱۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت خط نستعلیق میں جلی حروف میں ہوئی ہے۔ یہ تفسیر علوم قرآنی کا دائرۃ المعارف[1] ہے۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے :-

"بحمدہ حمدا طیبا مبارکا زاہرا کلماتہ التامۃ وکفاء الآئہ
العامۃ حمد الشاکرین ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ
لاشریک لہ ونشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ خاتم الانبیا

---

[1] نواب حسن علی خاں لکھتے ہیں کہ اس تفسیر پر مولوی اوحدالدین احمد بلگرامی اور مرزا حسن علی محدث وغیرہ نے کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ (مآثر صدیقی جلد اول صفحہ ۶۳)

وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم وبارک علیہ...

اما بعد می گوید بندہ محمد ولی اللہ بن احمد علی حسینی فرخ آبادی افاض اللہ تعالےٰ علیہ ولا رجلائل النعم وسجان جزائل الایادی[1]، پس از اتمام حفظ قرآن مجید در اوائل ۱۲۳۳ھ سنہ یک ہزار و دو صد و سی و سہ ہجریہ کہ اعداد حروف آیہ" انا فتحنا لک فتحا بینا بآں مشعر است...... وآں را نظم الجواہر و تصید الفرائد نامیدم

نظم الجواہر کا خاتمہ اس طرح ہوا ہے۔

کتاب نامیٔ نظم الجواہر	کہ باشد در مسلمانان مسلم
مؤلف ثانیاً در وے نظر کرد	فند منظور تا در جملہ عالم
ز ہجرت یک ہزار و دو صد و چل	دگر دو بود رفتہ تا بایں دم ۱۲۴۲ھ
بہنگام تمام ماہ رمضان	شروع شہر شوال مکرم
بوقت مغرب و ما بین شہریں	کہ بودند اہل دیں خوشنود و خرم
ز اکمال نظر چوں گشت فارغ	پے تاریخ شد از غیب ملہم
کو"اکمال نظر" تاریخ باشد	دگر "مغربا" فان الیوم قد تم ۱۲۴۲ھ

وربی کل حین الف الف
علی خیر الوری صل وسلم

وعلیٰ جمیع اخوانہ من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین وصحابۃ الخیرۃ البررۃ اجمعین الحمد للہ رب العالمین ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شئ قدیر وبالاجابۃ جدیر"

---

[1] کذا فی الاصل

تاریخ فرخ آباد

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کی سب سے مشہور و معروف کتاب "تاریخ فرخ آباد" ہے جس کی بدولت وہ زندہ جاوید ہیں۔ یہی کتاب ہمارا اصل مقصود ہے۔ تاریخ فرخ آباد ۱۲۴۳ھ کے قریب لکھنی شروع ہوئی اور ۱۲۴۹ھ تک مکمل ہوئی۔ بعد میں اس کتاب میں ترمیم و اضافہ بھی ہوتا رہا کیونکہ شاہ محمد زاہد شاہجہانپوری کے صاحبزادے چھوٹے صاحب کی تاریخ انتقال ۲۸ صفر ۱۲۴۶ھ درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد کو بھی اضافہ کرتے رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی یہ کتاب دو اقسام پر مشتمل ہے۔

قسم اوّل میں چھ باب ہیں اور ان میں

(۱) نواب محمد خاں غضنفر جنگ

(۲) نواب قائم خاں قائم جنگ

(۳) نواب احمد خاں غالب جنگ

(۴) نواب دلیر ہمت خاں مظفر جنگ

(۵) نواب امداد حسین ناصر جنگ

(۶) نواب خادم حسین خاں شوکت جنگ کے حالات ہیں اور دوسری قسم میں پانچ باب ہیں:۔

(۱) ملوک و امراء

(۲) مشائخ

(۳) علمائے حکماء

(۴) شعراء و خطاط

(۵) مصنف مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کے حالات ہیں۔

اس طرح کل کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ آخر کے دو ابواب جن میں مشائخ

علما، حکما اور شعرا، وخطاط کے حالات بیان کئے گئے ہیں نہایت قیمتی ہیں۔ کیونکہ یہ حالات عام تاریخوں میں نہیں ملتے ہیں اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے اس دور میں یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں، حدتیں علوم وفنون کی کتنی سرپرستی کرتی تھیں۔

مفتی ولی اللہ کی کتاب تاریخ فرخ آباد کافی مقبول رہی ہے اس کے اکثر قلمی نسخے برصغیر پاک وہند اور انگلستان کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے مندرجۂ ذیل نسخوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) نسخہ جامعہ علی گڑھ، لٹن لائبریری، فارسیہ اخبار ۔۷، صفحات ۲۸۷، سطور ۱۷ فی صفحہ، مکتوبہ احمد علی خاں فرخ آبادی ۱۲۸۹ھ

(۲) نسخہ جامعہ علی گڑھ، ذخیرہ عبدالسلام ۵۵/۱۸۹، اوراق ۱۵۵، سطور ۱۷ فی صفحہ، مکتوبہ پنجم ماہ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ بمقام بلند شہر، کاتب نامعلوم

(۳) نسخہ جامعہ علی گڑھ، ذخیرہ سبحان اللہ ۱/۹۵۴، اوراق ۱۸۴، سطور ۱۵، مکتوبہ ابو نصیر سید محمد نظیر بہفتم شوال ۱۲۸۴ھ بمقام فرخ آباد۔

(۴) نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) نمبر ۱۹۴، اوراق ۲۹۷، سطور ۱۱، مکتوبہ غلام علی ۱۲۷۷ھ (ملاحظہ ہو فہرست مخطوطات فارسی، جلد اول صفحہ ۶۱)

(۵) نسخہ متحف برطانیہ، اورینٹل ۱۷۱۸، صفحات ۲۳۳، سطور ۱۵، مکتوبہ ۱۸۵۲ء (دیکھئے فہرست کتب خانہ صفحہ ۹۵۹، مرتبہ چارلس ریو)

(۶) نسخہ کتب خانہ فرخ آباد تقطیع ۱۰×۱/۲-۶ صفحات ۳۷۰، سطور مختلف، یہ نسخہ ولیم ارون کو میر فضل علی کی وساطت سے مولف کتاب مفتی ولی اللہ کے کتب خانہ سے ملا تھا معلوم نہیں اب یہ نسخہ کہاں ہے۔

(۷) نسخہ حافظ احمد علی خاں رام پور، جناب امتیاز علی خاں عرشی نے اس نسخہ کا ذکر کیا ہے اور دستور الفصاحت کی تصحیح میں اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

(۸) نسخہ کتب خانہ رضا لائبریری رام پور، یہ سابق الذکر نسخہ کی نقل ہے۔

علی گڑھ کے تینوں نسخے، انڈیا آفس لندن کا نسخہ (جو کتب خانہ فرخ آباد والے نسخہ کی نقل ہے)، اور رضا لائبریری رام پور کا نسخہ ہمارے پیش نظر رہے ہیں ان نسخوں کے علاوہ دو اور نسخے بالخصوص قابل ذکر ہیں:

(۱) نسخہ مملوکہ ڈاکٹر اسلم فرخی، فل اسکیپ سائز کے ۳۱۱ صفحات ہیں فی صفحہ میں سترہ سطریں ہیں۔ خط صاف نستعلیق ہے۔ ترقیمہ کتاب درج ذیل ہے:۔

"تمام شد کتاب تاریخ فرخ آباد حرسہ اللہ عن الفتنہ والفساد من تصنیف حاجی مفتی مولوی محمد ولی اللہ فرخ آبادی قدس سرہ بتاریخ ہفتم ماہ شعبان المعظم ۱۲۹۱ھ یک ہزار و دو صد و نود و یک ہجری بروز شنبہ بسرعت ہرچہ تمام تر خادم الطلبہ احمد علی خاں فرخ آبادی غفر اللہ ذنوبہ تحریر نمود۔"

اس نسخہ سے ہم نے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے اور اس کا حوالہ "نسخہ فرخی" کے نام سے دیا ہے۔

(۲) نسخہ مملوکہ عبدالحافظ خاں فرخ آبادی اسی نسخہ سے اردو ترجمہ کیا گیا ہے جس کی طباعت "عہد بنگش کی سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ" کے نام سے عمل میں آئی ہے۔

تاریخ فرخ آباد، اٹھارہویں صدی کے حالات کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ اس میں ہمیں مغل متاخرین کی پوری تصویر نظر آتی ہے۔ مؤلف نے بڑی قابلیت سے کتاب کے پہلے چھ ابواب میں تو متعلقہ نوابین مثلاً:۔ محمد خاں غضنفر جنگ، قائم خاں قائم جنگ احمد خاں غالب جنگ کے حالات قلم بند کئے ہیں پھر ان سے یا اس دور سے متعلق جو اہم واقعات ہیں ان کو اس باب میں بیان کیا ہے اس طرح نوابان بنگش کے حالات

کی ترتیب بھی قائم رہتی ہے اور اس دور کے دوسرے اہم اور ضروری واقعات بھی معلوم ہوجاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کتاب مغل متاخرین کے حالات کا قابل اعتماد ماخذ ہے، اور اب تک اس تاریخی ماخذ سے بہت کم استفادہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا نصف آخر حصہ تو علمی و ثقافتی اعتبار سے نہایت قابل قدر ہے ساتویں باب میں امراء کے حالات آٹھویں میں ۴۶، مشائخ و فقراء کے اور نویں باب میں ۶۷، علما و حکماء کے اور دسویں باب میں ۱۴، شعراء[۵] کے حالات بڑی تحقیق سے درج کیے گئے ہیں اس طرح یہ کتاب ہماری علمی تاریخ کے مصادر میں بھی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں مُرتب کو رام پور اور علی گڑھ کے سفر پیش آئے اور ہم نے رضا لائبریری (رامپور) اور مسلم یونیورسٹی لائبریری (علی گڑھ) سے استفادہ کیا،

ہم اس سلسلے میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی مہتمم رضا لائبریری رام پور اور جناب اکبر علی خاں، نائب مہتمم رضا لائبریری رام پور کے خاص طور سے شکر گذار ہیں کہ اُنھوں نے رام پور کے دَورانِ قیام میں ہر قسم کی سہولت بہم پہونچائی، اسی طرح علی گڑھ میں جناب مولوی معین الدین صاحب افضل گڑھی، مولوی عبدالشاہد خاں شروانی، عزیزی فرخ علی جلالی مقیم الدین ایجاد بدایونی کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے لائبریری سے استفادہ میں ہر قسم کی مدد فرمائی۔ اسی طرح مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

میں جناب ڈاکٹر اسلم فرخی کا بھی دل سے شکر گذار ہوں کہ موصوف نے تاریخ فرخ آباد کا اپنا ذاتی نسخہ مجھے مرحمت فرمایا جس سے میں نے مقابلہ کیا اور یہ نسخہ بہت

---

[۵] یہ اصل فارسی مقالہ "شعرائے فرخ آباد" کے عنوان سے ڈاکٹر مختار الدین آرزو کی تصحیح و تحشیہ کے ساتھ "اُردو ادب" علی گڑھ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں شائع ہوچکا ہے۔

دنوں تک میرے پاس رہا ان کی اس علمی اعانت اور پُر خلوص تعاون کا میرے دل پر گہرا نقش ہے۔

میرے مخدوم سید الطاف علی بریلوی، سکریٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس سب سے زیادہ میرے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کی سرپرستی میں ترتیب و حواشی و تعلیقات کا یہ کام انجام کو پہونچا اور ان کے ذاتی نیز کانفرنس کے کتب خانہ سے میں نے کافی فائدہ اُٹھایا اور انھوں نے کانفرنس کی مطبوعات میں اس کتاب کو شامل کر کے نہ صرف میری ہمت افزائی فرمائی بلکہ درحقیقت تاریخ و ادب کی بڑی گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔

آخر میں اپنے مخلص بزرگ پروفیسر محمد حامی الدین خاں، پروفیسر حبیب اللہ خاں غضنفر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، پیر حسام الدین راشدی، شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی، مولوی حکیم محمد موسیٰ امرت سری اور حکیم محمود احمد برکاتی کا شکر گذار ہوں جن کی ہمت افزائیاں میرے شامل حال رہیں۔

کتاب کے آخر میں تین ضمیمے (۱) شاہان مغلیہ

(۲) نوابانِ فرخ آباد

(۳) نوابان و شاہان اودھ

بھی شامل کئے گئے ہیں۔

محمد ایوب قادری

۳ / جولائی ۱۹۶۴ء

۱۴۱ وحید آباد۔ کراچی ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ مؤلّف

اے نامِ تو تاجِ فرقِ آغاز | وز نامِ تو نامہا سرافراز
عام است یکے ز رحمتِ تو | خاص است دگر بخاص ہمراز

تمام تعریفیں مقدس خداوندا علیٰ کردگار کو شایان ہیں جس نے بنی آدم کو آیہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ نازل فرماکر دیگر مخلوقات سے امتیاز بخشا۔ اور قبیلوں اور گروہوں میں تقسیم ہونے کے بعد ان ہی میں سے بعض کو چند بڑی بڑی خصوصیتوں کے ساتھ مخصوص کیا ؎

تشریف کرامت و بزرگی | دادی بہ بشر کہ گشتہ ممتاز
ابوابِ فتوحِ دین و دولت | بر بعضے ازاں تو کردہ باز

درود وسلام کے پاک تحفے اسی رسولؐ کی روح پرفتوح کو شایان ہیں۔ جو بمصداق حدیث انا سیّد ولد آدم سے مفخر ہے۔ اور جس کے اہل بیت، صحابہؓ اور فرماں برداروں کی نیک کوششوں سے ایمان کی روشنی اور اسلام کی شہرت اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہے ؎

جبریل بخدمت براقش | ہمراہ رکاب در تگ و تاز
از امتِ او بسے برفعت | تا عرش بریں لوائے افراز

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ یہ چند اوراق شہر فرخ آباد کی تاریخ اور نواب محمد خاں بہادر غضنفر جنگ افغان بنگش کے خاندان کی شرح میں ہیں۔ جو اس کا بانی ہے۔ نیز اس شہر کے رہنے بسنے والوں کا تھوڑا سا بیان ہے جو محمد ولی اللہ فرخ آبادی کے دوات و قلم سے زمانہ کے دفتر کی زیب و زینت ہوا ہے[1]۔ اور وہ دو[2] قسم پر ترتیب دیا گیا ہے۔ پہلی قسم ایک مقدمہ اور چھ مقالوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں چند بیان ہیں۔

شہر فرخ آباد کی بنیاد اس کی بنیاد فرخ سیر بادشاہ کے زمانہ میں ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء میں ڈالی گئی۔ اور کلمہ "اللہ غنی" جس کا اس سرکار کے کاغذات کی پیشانی پر لکھنے کا معمول ہے۔ اس کی تاریخ (۱۱۲۶ھ) کی خبر دیتا ہے۔ اس کا لمبان جزائر خالدات سے ۱۱۵ درجہ ۲۴ دقیقہ ہے۔ قنوج کے لمبان سے ۲۶ دقیقہ کم ہے۔ کہ جس کا لمبان ۱۱۵ درجہ ہے اور دقیقہ ۵۰ ہے۔ چوڑان خطِ استوا سے ۲۶ درجہ اور ۴۰ دقیقہ ہے جو قنوج کے چوڑان سے پانچ دقیقہ زائد ہے۔ کیونکہ قنوج کا چوڑان ۲۶ درجہ اور ۳۵ دقیقہ ہے۔

اس شہر کا پہلا زمیندار یم ٹیلہ ہوا ہے۔ جو قوم راجپوت سے[2] تھا۔ فرخ سیر بادشاہ سے اجازت طلب کرنے کے بعد نواب غضنفر جنگ نے اس سرزمین پر شہر کی بنیاد رکھی اور اپنی اولاد اور ذی مرتبہ لوگوں کو شہر کے چاروں طرف جگہ دی۔ صرافوں۔ سوداگروں اور پیشہ ور لوگوں کو وسط شہر میں بسایا اور چند قطعات زمین کو قلعہ کی دیواروں سے مستحکم کیا شہر کے چاروں طرف باغ لگائے۔ اور بازار اور گلیوں کو نیم کے درختوں سے جن کا سایہ

---

[1] کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲۴۵ھ / ۳۰-۱۸۲۹ء میں کتاب مکمل ہو گئی ہے اور اس میں بعد کو بھی ترمیم و اضافہ ہوتا رہا ہے چنانچہ شاہ محمد زاہد دہلوی کے فرزند چھوٹے صاحب کی تاریخ انتقال ۲۰ صفر ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء ملتی ہے۔

[2] فرخ آباد کے قدیم ہندو راجاؤں اور زمینداروں کا ذکر تاریخ ضلع فرخ آباد مؤلفہ پنڈت دیبی پرشاد مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد ۱۸۶۹ء میں ملتا ہے۔

اچھا ہوتا ہے۔ زینت بخشی۔ حاصل کلام یہ اگر کوئی اس شہر کو باہر سے دیکھے تو وہ یہ خیال کرے گا کہ باغ بہشت ہے۔ اور اس کے درخت جنت کے سے ہیں۔ ان کی سایہ گستری سے شہر کے مکانات خلد بنیاد ہو گئے ہیں۔ ایک کوس کے فاصلے پر جانبِ شمال آبِ گنگا جنت کی نہر کی مانند جاری ہے۔ یہاں کی زمین پھلوں اور کھیتی کے لئے نہایت موزوں ہے یہاں اچھی قسم کے آم اور قلمی بیر نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ تربوز بہت بڑے بڑے سُرخ اور میٹھے بکثرت ہوتے ہیں[۱]۔ ایک روپئے میں ایسا کنواں کھودا جاتا ہے کہ برسوں تک اس میں خرابی واقع نہیں ہوتی۔ اور کنوئیں کا پانی شیریں اور خوش گواری کی وجہ سے گنگا کے پانی پر فوقیت رکھتا ہے۔ بعض کنوؤں کا پانی ٹھنڈا ہونے میں پگھلے ہوئے برف سے مقابلہ کرتا ہے۔ خاکسار عرب اور عجم کے شہروں میں گھوما ہے۔ کوئی زمین کا خطّہ ایسی اچھی آب و ہوا والا نہ دیکھا[۲]۔ حافظِ حقیقی اس کو ابناءِ روزگار کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھے۔ اور مددِ الٰہی سے قیامت تک آباد رہے۔

فرخ آباد وہ فرح افزا ‏ ‏ ‏ ‏ در فضا، خوش چو جنّت الماوا
مثل طوبیٰ درخت چند ہزار ‏ ‏ ‏ ‏ سایہ افگن براہل شہر و دیار
آب ہر چاہ ہمچو آبِ گہر ‏ ‏ ‏ ‏ خوش مزہ تر ز چشمۂ کوثر

۱؎ فرخ آباد آلو کی پیداوار کے لئے بہت مشہور رہا ہے۔

۲؎ فرخ آباد کی تمام عمارات آدم نامی معمار کے اہتمام میں تیار ہوئیں۔ قلعہ فرخ آباد کی ایک دہلیز پر اس کے نام کا ایک کتبہ بھی تھا۔ اس زمانے میں مزدور کو دو فلوس عام معماروں کو چار فلوس مزدوری ملتی تھی، قلعۂ فرخ آباد نیک نام خاں چیلہ کی نگرانی میں تیار ہوا۔ اس میں شمال رُخ تین دروازے تھے۔ قلعہ کے گرد ایک خندق تھی اور بیس برج مٹی کے تھے۔ جن کے نشانات ۱۸۳۹ء تک باقی تھے۔ نیک نام خاں نے ایک محل ایک مسجد اور ایک دیوان خانہ بنوایا تھا وہ بڑا محل کہلاتا تھا شہر فرخ آباد کے بارہ دروازے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فرخ آباد (اردو) ص ۳۲-۳۹

باد ہر کوچہ عطر و عنبر بو | با نسیمِ بہار ہم پہلو
چار فصلش باعتدال ہوا | با خطِ استوا بود ہمتا
بر زنگالش بوقت بارانی | ابرِ نیساں بگوہر افشانی
میوہ اش ہمسرِ ثمارِ بہشت | نازک و خوش مذاق و مشک سرشت
انبہ اش سرخ و سبز بس شیریں | ہمچو لعل لبِ بتانِ نوشین
سیب ہا شد اگر سمرقندی | بہ بود زاں گُنارِ پیوندی
خُربزش جملہ چوں قلال کہار | پُر ز قند و نبات و آبِ انار
ہمہ بازار و رستہ گل رویاں | سرو قداں و یاسمن بویاں
قلعہ اش بس بلند و بس عالی | سرفراز از منازل والی
گرد آں قصرہائے چند امیر | کہ برفعت بود بچرخ نظیر
شہر از اہلِ ثروت آباد است | فرخ آباد دولت آباد است

نسلِ طالوت حضرت طالوت افغان قوم کے جدِ اکبر یعنی مورثِ اعلیٰ ہیں بعض کے نزدیک یہ قوم، قبطی نسل سے ہے۔ جو فرعون کے ڈوبنے کے بعد اور بنی اسرائیل کے غلبہ پانے کے بعد تباہ ہوئی۔[1] زمانہ گذرنے پر افغان کوہ سلیمان کے اطراف میں اور ہند پاکستان کے شہروں میں آکر بسے اور بعض کے نزدیک یہ قوم خالد بن عبد اللہ کی اولاد میں ہے، جو کہ خالد بن ولید کی اولاد میں ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ افغان طالوت کی اولاد میں ہیں۔ اس کی شرح اس طرح ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اور یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین کی نسل میں ایک شخص

---

[1] محمد قاسم ہندو شاہ نے اپنی مشہور کتاب تاریخ فرشتہ میں افغانوں کو قبطی نسل سے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ ص۱۷ (مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۲۳ھ)

طالوت تھا۔ جو بارگاہِ الٰہی سے بنی اسرائیل کی درخواست پر ان کے ملک پر حاکم ہوا وہ جالوت رئیسِ عمالقہ سے فی سبیل اللہ لڑا اور اس کو مار ڈالا پھر اس کے باقی ماندہ لوگوں نے شکست ہی کو غنیمت سمجھا۔ چنانچہ آیہ کریمہ الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذ قالوا لنبی لّھم اُبعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ الا یہ اس پر ناطق ہے۔

اس اجمال کی تفصیل بر سبیل اختصار یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے جالوت اور اس کی قوم عمالقہ سے جو دریائے روم کے سواحل کی رہنے والی ہے اور یہ علاقہ مصر و فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ طرح طرح کے ظلم و ستم اُٹھائے۔ اور خانماں برباد ہوئے۔ انھوں نے پھر جماعت بندی کر کے اپنے پیغمبر اشموئیل بن ریّان کے پاس جو یعقوب علیہ السّلام کے بیٹے لاوی کی اولاد میں ہیں جا کر دادرسی کے طالب ہوئے اور عرض کیا "آپ ہمارے لئے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کریں کہ وہ ہم پر ایک بادشاہ مقرّر فرمائے تاکہ اس کی رائے اور تدبیر سے ہم کفار سے لڑیں" چونکہ اشموئیل لڑنے کے لئے مامور نہیں فرمائے گئے تھے۔ انھوں نے فرمایا:

ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ اگر خدائے تعالےٰ تم پر لڑائی فرض کر دے اور بادشاہ بھی مقرّر فرمائے۔ تو تم نافرمانی سے پیش آؤ گے اور جنگ نہ کرو گے" انھوں نے کہا:۔

ایسا کیسے ہوگا کہ ہم نہ لڑیں۔ کیونکہ ہم اپنے شہروں سے نکال دیئے گئے ہیں اور ہمارے بال بچے قید کر لئے گئے ہیں۔ ایسا بیان کیا گیا ہے کہ رئیسوں کی اولاد سے چار سو چالیس آدمی قید ہوئے ہیں۔ اور ان کے ماسوا بے شمار ہیں" پس جب ان پر جہاد فرض ہوا۔ اور طالوت بن قیس بادشاہ مقرّر ہوا۔ تو سب نے لڑائی ترک کرنے کا ارادہ کیا اور طالوت کے ساتھ موافقت نہ کی۔ مگر تھوڑے لوگ جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی اس کے ساتھ رہے۔

ان کو جب سمجھا گیا کہ طالوت بادشاہ ہوگیا ہے۔ لڑائی چھوڑنا مناسب نہیں ہے

تو اس پر وہ لوگ کہنے لگے ،۔

"طالوت کب بادشاہی کے لائق ہے۔ کیونکہ وہ تو پانی پلانے والا یا کھیتی کرنے والا ہے۔ اور اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ مال بھی نہیں رکھتا ہے بادشاہ کو مالدار ہونا چاہیئے۔ وہ بنیامین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں ہے اور ہم لاوی بن یعقوب کی۔ اور یہودا ابن یعقوب کی اولاد ہیں۔ نبوت اور سلطنت ہمارے ہی خاندان میں رہی ہے اور ہم ہی بادشاہی کے لائق ہیں"۔

نبی نے فرمایا:۔ "اللہ تعالےٰ نے طالوت کو تم پر بادشاہ منتخب کیا ہے۔ گو وہ مال نہیں رکھتا۔ مگر علم اور طاقت سے اس کو پورا پورا حصّہ عطا فرمایا گیا ہے۔ اور علم و دانش کی وجہ سے ملکی سیاست کا کام بخوبی سرانجام دے گا۔ اس کی قوت اور جسامت اس کے رعب و دبدبہ کا سبب ہوگی اور اس وجہ سے وہ لڑائیوں اور سفروں کو برداشت کر سکے گا۔ ایک اور علامت اس کے مستحق سلطنت ہونے کی یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں تابوت آئے گا اور اس کے آنے سے تمھارے دلوں کو تسلّی ہوگی وہ شمشاد کی لکڑی کا سنہرا، آب زر کیا ہوا صندوق ہوگا اور اس میں تبرکات ہوں گے۔ جیسے توراۃ کی تختیاں اور عصائے موسےٰ اور ہارون کی پگڑی، موسیٰ علیہ السلام لڑائی کے وقت اس کو پیش کیا کرتے تھے، اور موسےٰ علیہ السلام کے بعد آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ فرشتوں نے اس کو طالوت پر نازل فرمایا"۔

پس یہ سب باتیں سمجھانے بجھانے کے بعد جب طالوت بھاری لشکر کے ساتھ جالوت اور عمالقہ سے لڑنے کے لئے متوجہ ہوا تو اثنائے راہ میں گرمی کی شدّت کی وجہ سے لوگوں نے ایک نہر کی درخواست کی۔ طالوت نے کہا اللہ تعالےٰ تمھیں ایک نہر سے آزمائیگا جو کوئی اس سے پانی پیئے گا وہ مجھ سے نہ ہوگا اور جو اس کا پانی نہ چکھے گا وہ مجھ سے ہے بہ استثناء اس شخص کے جو ایک چلو ہاتھ میں پیاس دفع کرنے کے لئے لے کہ اس کی اجازت ہے۔

اس نہر پر پہنچنے کے بعد لوگوں نے پانی پیا۔ مگر تھوڑے لوگوں نے نہیں پیا جو تعداد میں تین سو تیرہ تھے۔ جب وقت اس نہر سے گزرے۔ اُن سب نے کہا کہ ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ مگر اس قلیل جماعت نے کہا کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ تھوڑی جماعت والے بہت سی جماعت والوں پر غالب ہوئے ہیں۔ ہم لڑنے کے لئے موجود ہیں۔ اور جس وقت جالوت کے لشکر کے مقابل ہوئے دعا کی ربنا افرغ علینا صبراً و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔ پس ان لوگوں نے کفّار کو شکست دی اور جالوت داؤد کے ہاتھ سے جو اس لشکر میں تھا مارڈالا گیا۔ اس کے بعد طالوت نے اپنی بیٹی داؤد علیہ السلام کو دی، اور داؤد علیہ السلام نبی بنا دیئے گئے[۱]۔

افغان کی وجہ تسمیہ

طالوت کے دو بیٹے ارمیا اور برخیا تھے۔ برخیا سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام آصف تھا اور وہ سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا ارمیا سے بھی ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام افغان رکھا گیا جو سلیمان کے لشکر کا سردار اور دیووں کا افسر ہوا۔ طبری کی روایت کے مطابق ارمیا عربی لفظ ہے اور اس کا نام عربی میں عزیر ہے۔ قرآن مجید میں عزیر کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔ جس وقت بخت نصر نے ملک شام پر تسلط پایا۔ ارمیا ان شہروں میں نبی تھا۔ ارمیا نے حضور خاتم المرسلین محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی خوش خبری دی ہے اور کہا ہے۔ "بصرہ قلبی بالسید صاحب البردہ والقضیتہ والسیف" غرض کہ افغان ارمیا کے بیٹے کا نام ہے۔

اس قوم کو افغان اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کا نام ان کے دادا کے نام پر ہے

---

[۱] افغانوں کا نسب مورخین کے درمیان ما بہ النزاع رہا ہے۔ اس مسئلہ پر بڑی تفصیل سے لکھا گیا ہے ان تمام معلومات کو مشہور مورخ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری (ف ۱۹۳۲ء) نے اپنی مشہور کتاب اخبار الصنادید ص ۲۷ تا ۴۴ (مطبوعہ مطبع نول کشور ۱۹۱۸ء) میں اور نواب عبدالسلام خاں نے نسب افاغنہ میں درج کیا ہے نیز ملاحظہ ہو تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی از خواجہ نعمت اللہ ہروی مرتبہ ڈاکٹر محمد امام الدین ص ۶۰ تا ۶۸ (ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان۔ ڈھاکہ ۱۹۶۰ء)

افغانوں کے رئیس کو ملک اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کو ان کے بڑے دادا ملک طالوت کے ساتھ ملقب کرتے ہیں۔ اگرچہ اصلی افغان افغان بن ارمیا ہی کی اولاد ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ ان میں رہنے کی وجہ سے ان ہی میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ معلوم ہوگا۔

تاریخ فرشتہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بعضوں نے اس قوم افغان کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کی ہے کہ بعض لڑائیوں میں اس قوم سے نہایت شور و شغب ظاہر ہوا ہے۔ ان کے مخالفین ایک دوسرے سے کہتے تھے عجب افغان ہے یعنی شور ہے پس اس لفظ سے وہ مشہور ہوگئے۔ اور یہ وجہ ان کے افغان بن ارمیا بن طالوت کی اولاد ہونے کے منافی نہیں ہے[۱]۔

سلیمانی کی وجہ تسمیہ

قوم افغان کو سلیمانی بھی کہتے ہیں جیسا کہ شیخ قاسم سلیمانی جو چنار گڑھ میں مدفون ہیں۔ شیخ حسن سلیمانی جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلیفہ ہوئے ہیں۔ شیخ محمد سعید سفر سلیمانی مدنی اور شیخ احمد سفر سلیمانی کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس نام کے رکھنے کے چار سبب معلوم ہوئے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ سلیمان بن داؤد کے خاندان سے نسبت رکھتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس قوم کی پہلی سکونت اطراف کوہ سلیمان میں ہوئی جو کشمیر اور کابل کے درمیان واقع ہیں۔ یا دوسرا کوہ سلیمان ہے جو ملک شام میں واقع ہے۔ تیسرے یہ کہ فرملتان کے بزرگ شیخ محمد سلیمان کے مرید تھے۔ اور یہ بڑے صاحب کرامت تھے۔ ابتداءً فرملتان کو لوگوں نے سلیمانی کہا اور رفتہ رفتہ یہ لقب تمام افغانوں پر حاوی ہوگیا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ شروع شروع میں جب مسلمان ترکوں کا لشکر

---

[۱] ملاحظہ ہو اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۷ و شروانی نامہ از عباس خاں شروانی ص ۱۶-۱۷۔ (علی گڑھ ۱۹۵۳ء)

ہندپاکستان آیا تو ہندوان کو تُرک کہنے لگے۔ اس کے بعد عام بات ہوگئی کہ تمام مسلمانوں کو ترک کہنے لگے۔ چوتھے یہ کہ ان میں سے بعض حضرات ایک قول کے بموجب سلیمان بن خالد و لید کی اولاد میں ہیں اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ تمام افغانوں پر سلیمان لقب رائج ہوگیا۔[۱]

روہیلہ روہ ایک بہت وسیع پہاڑ ہے۔ اس کی مشرقی حد جبال کشمیر اور اس کی مغربی حد دریائے ایلمن ہے ان دو حدوں کے درمیان واقع ہے۔ اس کی مسافت تخمیناً ڈھائی ماہ سے زیادہ ہے، اس کی شمالی حد کوہ کاشغر اور اس کی جنوبی حد بلوچ قوم کے رہنے کی جگہ بلوچستان ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کو روہیلہ کہتے ہیں۔ کوہ سلیمان، قندھار، کابل، پشاور، خیبر، باجوڑ، حسن ابدال اور ان کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے شہر اس کوہستان میں واقع ہیں[۲]۔ اس ملک کی زبان ہندی اور فارسی کے درمیان ہے اکثر اس زبان کے الفاظ ان ہی دو لغت سے لئے گئے ہیں[۳]۔

پٹھان کی وجہ تسمیہ یہ کلمہ اصل میں اس لکڑی کے تختے کے معنی میں ہے جس پر کشتی کی بنیاد ہو۔ بعض رسالوں میں دیکھا گیا ہے کہ سب سے پہلے اس لفظ کا اطلاق قیس پر کیا گیا۔ اور اصل میں بائے موحدہ عربی اور تائے مثناۃ فوقانی سے تھا یعنی بتھان تھا۔ پھر اس لفظ کو اس قوم نے اپنے لہجہ کی وجہ سے بائے فارسی اور تائے ہندی سے ادا کیا۔ یعنی "پٹھان"، جو بہادر کے معنی دیتا ہے۔ اور ملک طالوت کے ساتھ قیس کی

۱؎ ملاحظہ ہو نسب افاغنہ صفحہ ۴۸ و ۴۹ و اخبار الصنادید اول صفحہ ۳۲-۳۳ و تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی صفحہ ۶۸-۷۵

۲؎ ملاحظہ ہو اخبار الصنادید جلد اوّل صفحہ ۴۶-۴۷

۳؎ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو "اردو میں پشتو کا حصہ" از امتیاز علی قریشی۔ (پشتو اکیڈمی پشاور سنہ ۱۹۶۰ء)

نسبت سینتیس واسطوں سے ملتی ہے اور الفاظ کی صحت کی اطلاع نہ ہونے کے سبب سے ان ناموں کو یہاں تحریر نہیں کیا گیا۔ یہ بھی امکان ہے کہ لفظ پٹھان پہلے ہی پہل بٹن بن قیس کی اولاد پر استعمال کیا گیا ہو اور اس کے بعد اس کے ماسوا کے لئے جاری کیا گیا ہو۔

کہتے ہیں کہ خالد بن ولید نے اسنے اسلام لانے کے بعد ایک خط افغان کی اولاد کو جو کہ شہر غور میں رہتی تھی اپنے سابقہ تعارف کی وجہ سے لکھا۔ اور ان کو مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ چند لوگ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس جماعت میں قیس بھی تھا وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوا اور حضور سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے مشرف ہو کر عبدالرشید کے نام سے موسوم اور ملک کے نام سے ملقب ہوا۔ اگرچہ یہ روایت حقیقت نہیں رکھتی، اسمار الرجال اور شرح صحابہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن تاریخ خان جہاں خانی اور دوسرے رسائل میں اس قوم کے نسب کے سلسلے میں مذکور ہے اور اس قوم کے اکابر کی زبان پر بھی اس روایت کا چرچا ہے۔ اس لئے یہاں بھی اس کا ذکر کر دیا گیا۔ قیس عبدالرشید کی وفات ۴۱ھ میں ستاسی سال کی عمر میں لکھی ہے۔ خلاصہ یہ کہ قیس عبدالرشید جس کا لقب پٹھان ہے۔ اس قوم کا نوح ہے اور افغان بن ارمیا اس قوم کا آدم ہے۔ جیسا کہ طوفان کے بعد آدم علیہ السلام کی اولاد سے کوئی نہیں پایا جاتا۔ مگر وہی لوگ جو نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ایسے ہی افغان کی اولاد کُلیتاً مفقود ہے۔ مگر قیس عبدالرشید کے فرزند پٹھان سے نسل چلی۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ سربن۔ بٹن۔ غرغشت ہوئے۔ لہٰذا اصل افغان ان ہی تین آدمیوں کی اولاد ہیں اور دوسرے لوگ ان میں داخل ہو گئے ہیں۔[۵]

---

۵ ملاحظہ ہو اخبار الصنادید ص ۳۲-۳۳، شروانی نامہ ص ۱۴-۱۵

افغانوں کا ملک شام سے غور و غزنی کی طرف سے منتقل ہونا اور اسلام کی اشاعت

جب بخت نصر کے پیروؤں نے ظلم و ستم کا ہاتھ شام کے شہروں پر دراز کیا۔ ان شہروں کے رہنے والے جو یہود تھے انھوں نے جان سے تنگ آکر بھاگنا شروع کیا۔ ارمیا کی اولاد میں سے چند آدمی غور اور غزنی کے اطراف میں پہنچے اور وہاں اپنے مکان بنالیے اس کے بعد وہاں سے کوہستان روہ اور کوہ سلیمان میں منتقل ہو گئے۔ سنہ ۴۲ھ - ۶۶۲ء میں عبدالرحمٰن بن سمرہ اور مہلب بن ابی صفرہ کی سرکردگی میں اور اس کے بعد سنہ ۶۲ھ - ۶۸۱ء میں مسلم بن ابی زیاد کی سرکردگی میں جب لشکر اسلام غور و غزنی و خراسان، سیستان، کابل، قندھار، کوہ سلیمان، پشاور اور ملتان پہونچا تو اکثر ان شہروں کے رہنے والے کیا افغان اور کیا دوسرے لوگ اکثر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی۔ اور شہاب الدین غوری کے زمانے میں اس علاقے میں اسلام نے خوب ترقی کی اور ہند پاکستان کے دوسرے شہروں کے رہنے والے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ جس وقت امیر تیمور ہند پاکستان پر تاخت کا ارادہ کرنے والا ہوا تو اس نے ملک خضر لودی لور ملک بہاء الدین جلوانی اور ملک یوسف شروانی اور ملک حبیب نیازی کو کوہ سلیمان سے بلاکر عنایتیں فرمائیں۔ خلعت اور تلوار سے سرفراز کرکے ان کو اپنے ہمراہ لیا۔[۱]

سربن کی اولاد

سربن کا نام ابراہیم ہے چونکہ وہ نہایت بُردبار تھے اس لئے ان کو سربن کہنے لگے۔ کیونکہ یہ لفظ ان کی زبان میں سرد طبیعت والے کے معنی میں ہے۔ سربن کے دو بیٹے تھے۔ ایک تو شرف الدین جو شرفیوں کے نام سے مشہور ہوئے اور دوسرا خیرالدین جو خرشبیوں کے نام سے مشہور تھا۔ شیرانی۔ ترین،

---

[۱] ملاحظہ ہو شروانی نامہ صفحہ ۱۷-۱۹

میانہ، بریچ اور امیرالدین اوڈمر کا باپ یہ سب اشرف الدین کی اولاد ہیں لیکن شیرانی نے اپنی ماں کے مرنے کے بعد اپنی سوتیلی ماں کی ناموافقت کی وجہ سے غرغشت کے یہاں اپنا ٹھکانا بنایا اور غرغشت کی اولاد میں شمار ہونے لگا۔ البتہ سیدائی، جلوائی، شریانی اور بابر سب شیرانی ہیں اور ان کی سکونت ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور غازی خاں کے اطراف میں ہے اور میانہ کی سکونت ان کے نزدیک ہے اور اوڈمر کی سکونت ایک گرم کان کے علاقہ میں ہے اور ابدال ترین سے ہے اور احمد شاہ دُرّانی، ابدال سے ہے اور ان کی سکونت اطرافِ قندھار ہے۔ کند و زمند، کاشی، خیرالدین کی اولاد ہیں۔ اور ابراہیم جو غوری کے عرف سے مشہور ہے۔ کند کا بیٹا ہے اور داؤد خلیل اور مہمند غوری کے بیٹے ہیں اور مند اور یوسف زئی بھی کند کی اولاد سے ہیں۔ درجڑار مندر کی اولاد ہیں اور خیشگی زمند کی اولاد ہیں۔ اور خلیل اور مندر اور داؤد پشاور کے اطراف میں سکونت رکھتے ہیں۔[۵۱]

بتن کی اولاد بتن کا نام شیخ ہیبت ہے اور وہ صلاحیت و پرہیزگاری کے سبب سے اس نام سے موسوم ہوا۔ کیونکہ بتن کے معنی ان کی زبان میں "پارسا" ہے اور بتن کے تین لڑکے اسمٰعیل، شیون اور کجین اور ایک لڑکی متّو نام تھی۔ اسمٰعیل کی قبر کشمیر کے نزدیک کوہ سلیمان پر زیارت گاہ ہے اور اسی سے ملا ہوا اُس پہاڑ پر ایک اور مقام ہے جس کو مقام خضر کہتے ہیں اور بتن کے لڑکے اور اولاد اپنے باپوں کے نام سے مشہور نہیں ہوئیں بلکہ سب کو عام طور پر بتن کہتے ہیں۔ مگر اس کی لڑکی مسماۃ متّو کی اولاد جس کا شوہر شاہ حسین، معزالدین کا بیٹا ہے علیحدہ مشہور ہوئی یہ قول زیادہ صحیح ہے کہ متّو کا شوہر ضحاک کی اولاد سے ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ امام زین العابدین کی اولاد سے ہے اور مسماۃ متّو کی اولاد کے چند گروہ ہیں:۔ غلزئی

---

[۵۱] ملاحظہ ہو اخبارالصنادید جلد اول صفحہ ۳۵ - ۳۶ و شروانی نامہ صفحہ ۱۹ - ۲۲

لودی ۔ شروانی ۔ برکی غلزئی میں سے ہیں ۔ اور نیازی ، نوحانی اور سور لودی کی شاخ ہیں بادشاہ شیر شاہ سور سے ہے ۔ غلزیوں کا رہنے کا مقام کابل اور قندھار کے درمیان ہے اور لودیوں کے رہنے کی جگہ شہر کمند کے اطراف میں ہے ۔ اور شروانیوں کے رہنے کی جگہ لوہانی کے متصل ہے[۵] ۔

غرغشت کی اولاد

اس کا نام اسمٰعیل ہے ۔ اور زیادہ کھیل کود کے سبب سے غرغشت کے نام سے مشہور ہوا ۔ کیونکہ غرغشت ان کی زبان میں لہو و لعب کو کہتے ہیں ۔ اور کاکر اور ناغر اور بالی اور بنی اس کی اولاد میں سے ہیں ۔

افغانوں کے دخیلوں کا بیان

ان میں سے کرلانی ہیں ۔ ایک دن امیرالدین اوڑمڑ کا باپ ایک جماعت کے ساتھ شکار کو جا رہا تھا ۔ راہ میں ایک سیّد زادہ پڑا ہوا ملا ۔ انھوں نے اس کا نام کرلانی رکھا اور اس کے بالغ ہونے کے بعد اپنی قوم کی عورت سے اس کی شادی کردی ۔ اس سے جو اولاد ہوئی اس کو کرلانی کہتے ہیں ۔ ولازاک ۔ آفریدی ۔ خٹک ۔ اور ملک میری کرلانی کی اولاد ہیں ۔ اس حکایت پر اعتماد کرنے کے سبب سے کرلانی اپنے آپ کو سادات میں سے شمار کرتے ہیں اور کرلانی کے لقیط ہونے کے سبب سے کرلانی اپنے آپ کو سادات میں سے شمار کرتے ہیں ۔ اور کرلانی کے لقیط ہونے کے سبب سے اوڑمڑ اقوام کرلانیوں کو سربن کی نسل سے جانتے ہیں ۔ لقیط اُس بچہ کو کہتے ہیں جو راہ میں پڑا ہوا پایا جائے اور اُس کو اُٹھالیں اور ان ہی دخیلوں میں سے صواتی ہیں ۔ جو ملک صوات کے رہنے والے ہیں اور وہ اصل میں تاجک ہیں اور ان ہی دخیلوں میں سے فرمولی ہیں ۔ ان کا دادا نلبنی تھا ۔ جو کاکر قوم کا کاکر تھا اور فرمولی کے نزدیک رہنے کی وجہ سے جو غزنی اور کابل کے درمیان واقع ہے ۔ فرمولی کے

---

[۵] ملاحظہ ہو شروانی نامہ صفحہ ۱۹ ـ ۲۳

نام سے موسوم ہوئے۔ اور انہی دخیلوں میں سے کچھ سید بھی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں سید محمد نام ایک سید نے کاکر اور شیرانی اور کرلانی کے مقامات سکونت پر رہنا اختیار کیا اور انہی تینوں گروہ میں سے ایک ایک لڑکی اپنے نکاح میں لایا۔ چنانچہ سید محمد کی اولاد میں سے کاکر کی لڑکی سے تو منواتی اور کرلانی کی لڑکی سے درک زئی اور شیرانی کی لڑکی سے استرانی پیدا ہوئے۔ اور یہ بھی لوگ کہتے ہیں کہ سید اسحٰق روشی سے شیرانی میں سکونت اختیار کی اور وہ شیرانی میں سے ایک لڑکی اپنے نکاح میں لایا۔ اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا بختیار نام ہوا اور خواجہ قطب الدین اوشی بختیار اسی کی اولاد میں سے ہیں[۱]۔

بنگش اور کاغزئی

بنگش اصل میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو لوگ بنگش کے اوپر رہتے ہیں ان کو بالا بنگش اور جو اس کے دامن میں رہتے ہیں ان کو پایئں بنگش کہتے ہیں۔ اور دامنِ کوہ کا نام کوہاٹ ہے۔ اور کاغزئی کا بیان ایسا ہے کہ جس وقت شیخ ہیبت نے جو بتن کے نام سے مشہور ہے۔ چاہا کہ اپنی لڑکی کا شاہ حسین سے نکاح کر دے تو اس نے نسب کی تحقیق کے لئے قوم کاغ کے ایک شخص کو شہر غور میں بھیجا جو شاہ حسین کی پیدائش کی جگہ ہے۔ کاغ تحقیق کر کے واپس آگیا مگر اس نے شاہ حسین سے کہا کہ اگر تو میری بیٹی کو بھی اپنی زوجیت میں قبول نہ کریگا تو تیرے نسب کو خراب طریقے سے ظاہر کروں گا۔ اس پر شاہ حسین نے کاغ کی بیٹی کو اپنی زوجیت میں قبول کر لیا۔ اس لڑکی کا مہی نام تھا اور وہ سروکے نام سے مشہور تھی۔ مہی کے چونکہ اولاد نہ تھی اس لئے اس نے متو کے لڑکے کو اپنا متبنٰی بنا لیا اور وہ سروانی ہے۔ اور سروانی شیخ حسین کے بیٹے سروانی کو اس وجہ سے کہ وہ

---

[۱] ملاحظہ ہو سروانی نامہ صفحہ ۱۹ - ۲۱

کاغ کی بیٹی کا متبنیٰ تھا۔ لوگ کاغزئی کہنے لگے۔ اور حافظ رحمت خاں نے سرواقی کو سروہ کا لڑکا کہا ہے۔ اور شاہ حسین کی تمام اولاد کو متبنیہ کہتے ہیں۔ اور شاہ حسین کا نسب اس طور پر ہے:۔

حسین بن معزالدین محمود بن جمال الدین حسن بن سلطان بہرام اور یہ بہرام سلطان شہاب الدین غوری کا دادا ہے۔ اور ضحاک کی اولاد میں سے ہے۔ جو فریدوں کے غلبہ پانے کے زمانہ میں شہر غور میں جا بسے تھے۔ اسی طرح شاہ حسین بھی جب غور میں سیاسی ابتری اور پراگندگی پھیلی ہوئی تھی تو افغانیوں کے شہر میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد بعض سروانی جنھوں نے کہ پہاڑ کے اوپر سکونت اختیار کر لی تھی۔ بالا بنگش میں شمار ہونے لگے اور کاغزئی مشہور ہو گئے۔ اور باقی سروانی سروانی نام سے مشہور رہے۔ اس کے بعد کرلانی کا ایک گروہ جو سروانی اور کاغزئی کے ساتھ بالا بنگش میں رہتا تھا۔ وہ بھی کاغزئی کے نام سے موسوم ہو گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ تو سروانی ہیں اور نہ کاغ کی اولاد ہیں۔ اور نہ ہی کاغ کی لڑکی کی اولاد سے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ کاغزئی کے گروہ ہیں۔ کرلانی کاغزئی اور سروانی کاغزئی اور نواب غضنفر جنگ کرلانی کاغزئی سے ہیں۔

مقالۂ اوّل

نوابِ محمدّ خاں بنگش غضنفر جنگ

پہلا مقالہ نواب محمد خاں بہادر غضنفر جنگ کے بیان میں ہے جو چند فصلوں پر مشتمل ہے پہلی فصل میں ان کی نسل کا بیان ہے ؎

آں امیرِ امیر سراں باشد | کہ جہاں را نگاہ باں باشد
ذاتِ او شیرِ بیشۂ پیکار | دستِ او رشکِ بحروکاں باشد
چاکرِ او بزرم ترک فلک | زہرہ کمترز ولیاں باشد
ظلم در عہدِ او براہِ عدم | مفلسے خارج از جہاں باشد
دشمن و دوست بر سرِ خوانش | از رہِ لطف مہماں باشد

خاندان ان کے والد ماجد ملک عین خاں بن ملک گوہر خاں بن ملک سبزہ خاں بن ملک جہاں خاں بن ملک سارنگ خاں کاغزئی کرلانی رئیس بنگش، عالمگیر اورنگ زیب بادشاہ کی سلطنت کے زمانہ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے اور عین خاں سروانی کے رسالے میں انصاریوں کی سرکار میں شامل ہوئے۔ کاغزی کرلانی کے چند گروہ ہیں۔ ان میں سے عین خاں ہریہ ایک گروہ ہے۔ اور گروہ ہبریہ میں سے شامل زئی ہے۔ اور شامل زئی سے دولت خیل ہے۔ دولت خاں کی اولاد میں حاجی

بہادر تھے اور یہ حاجی بہادر، حاجی بہادر کوہاٹی[۱] کے علاوہ ہیں جو شیخ آدم بنوری کے خلیفہ ہیں۔[۲]

ملک عین خاں ہندوستان میں آنے کے بعد رشید آباد مئو میں قیام پذیر ہوئے اور انھوں نے شہر میں نکاح کیا ان کے دو لڑکے ہمت خاں اور محمد خاں پیدا ہوئے محمد خاں، ہمت خاں سے دو برس چھوٹے تھے۔ ہمت خاں تیرہ برس کا تھا کہ ملک عین خاں کا انتقال ہو گیا۔

ایک درویش کی پیشین گوئی

اس زمانہ میں ایک دن محمد خاں اپنے بڑے بھائی سے کسی بات پر ناراض ہو گئے[۳] اور ایک فقیر کے مکان پر جا کر رنجیدہ بیٹھ گئے۔ فقیر نے ان کو تسلی دی۔ اور کہا "رنجیدہ نہ ہو۔ باون[۵۲] ہزاری ہو گے"۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ تیموری بادشاہوں کے زمانے میں منصب کا دس ہزار سے بڑھانا شاہزادوں کے ساتھ مخصوص تھا۔ یہ کلمہ جو اس فقیر کی زبان پر جاری ہوا وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ شیر شاہ، اعظم خاں سروانی کے زمانے میں باون ہزار کے منصب پر سرفراز تھا اور اسی زمانے میں گوالیار کا قلعہ اس کے ہاتھ پر فتح ہوا[۴] تھا۔

حُسنِ اتفاق سے جس وقت محمد خاں بہادر غضنفر جنگ معہ اصلی و وصلی فرزندوں کے

۱؎ شیخ آدم بنوری حضرت مجدد الف ثانی رح کے اجل خلفا میں ہیں ۲۳ شوال ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء میں انتقال ہوا مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو علماء ہند کا شاندار ماضی جلد اول از مولانا محمد میاں ص ۳۵۴-۳۶۳ دہلی ۱۹۴۶ء)

۲؎ ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (نوابان بنگش) از ولیم ارون (اردو ترجمہ) ص ۲۲ (مطبع حسنی فتح گڑھ، ۱۸۸۷ء)

۳؎ محمد خاں بنگش اپنے بڑے بھائی کے گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں گئے تھے جب واپس آئے تو گھوڑا پسینے پسینے تھا اس پر بھائی نے کچھ سخت سست کہا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد ص ۲۳)

۴؎ شیر شاہ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ شیر شاہی از عباس خاں سروانی اردو ترجمہ مظہر علی خاں ولا (ترتیب و حواشی ڈاکٹر معین الحق) سلمان اکیڈمی کراچی ۱۹۶۳ء و صولت شیر شاہی از احمد مرتضیٰ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ ۱۹۳۴ء)

منصبوں پر سرفراز ہوئے اور سب مناصب کو جمع کیا گیا تو اس حق شناس فقیر کی پیشین گوئی کے موافق باون ہزار ہوئے۔ ہمّت خاں، محمد خاں بہادر کے بڑے بھائی عین جوانی میں دکن جاکر لاپتہ ہو گئے۔ ان کی ایک لڑکی زندہ رہی تھی جو عنایت علی خاں بنگش کا غزنی کے نکاح میں آئی۔

یٰسین خاں کے جرگہ میں شمولیت

محمد خاں بہادر بیسؔ سال کی عمر میں بلند فطرتی اور عالی حوصلگی کی وجہ سے اپنے ماموں محمد یٰسین خاں بنگش اوسترزئی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو مئو رشید آباد کے رئیسوں میں سے تھے اور بندھیل کھنڈ میں چار ہزار سوار اور پیادوں کی جمعیت کے ساتھ کسی راجہ کے دربار میں نوکر تھے۔ محمد یٰسین خاں نے عین خاں کے خاندان کی پرورش، اپنی عالی حوصلگی، صلۂ رحمی اور جوہر شناسی کے اقتضا سے محمد خاں کا خیر مقدم اور عزت افزائی کی اور اپنے جرگہ اور جماعت میں داخل کر لیا جب کسی شہر کے ایک قلعہ کے محاصرہ کرنے میں محمد خاں بہادر سے نمایاں کام ظاہر ہوئے۔ تو ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ محمد یٰسین خاں نے ان کی عزت افزائی میں نہایت کوشش کی۔ اسی زمانہ میں محمد یٰسین خاں راجا اورچھ کی درخواست پر قلعہ ہتولی کے محاصرے میں مشغول ہوئے۔ بندوق کی گولی یٰسین خاں کی پیشانی پر لگی اور اس کی وجہ سے وہ انتقال کر گئے۔

جرگہ سے علیحدگی

ہمراہیوں نے جمعیت میں انتشار پیدا کرنا چاہا مگر محمد خاں بہادر کی حسن تدبیر سے پھوٹ پیدا کرنے سے باز رہے۔ اور محمد یٰسین خاں کی سالاری کا عہدہ شادی خاں بنگش کو ملا۔ لیکن محمد خاں بہادر شادی خاں کے ساتھ نہ رہا۔ چند سوار اور پیادے لے کر علیحدہ ہو گیا اور بندھیل کھنڈ میں گذر بسر کرنے لگا۔ ایک دن اپنی

لہ نواب محمد خاں بنگش غضنفر جنگ کا اسّی سال کی عمر میں ۱۷۴۳ء میں انتقال ہوا اس طرح ان کا سال پیدائش تقریباً ۱۶۶۳ء ہو سکتا ہے۔

جماعت کے ساتھ ایک گڑھی کی دیوار کے نیچے سے گذر رہا تھا۔ اس گڑھی کے رہنے والوں نے حملہ کے وہم کی وجہ سے بندوق چھوڑی۔ اس پر محمد خاں بہادر کو غصہ آ گیا اور انھوں نے حملہ کر دیا۔ اور گڑھی فتح کر لی۔ بہت مال و نقد اور سامان انھیں ملا۔ اس واقعہ میں بارہ آدمی محمد خاں بہادر کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور چند زخم محمد خاں کو بھی آئے۔ لیکن اسکی بہادری اور دلیری دیکھنے والے لوگ حیران تھے۔

محمد خاں بنگش کی قسمت آزمائی

ایک دن معلوم ہوا کہ فلاں قلعہ میں طرح طرح کا سامان اور کثرت سے مال ہے۔ محمد خاں نے اس پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا اور اس ہنگامہ میں بیس آدمی محمد خاں بہادر کے ہاتھ سے اور اسی طرح دوسروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور فتح کے بعد چار سو گھوڑے اور دوسری جنس اور نقد وغیرہ ان کے ہاتھ لگے۔

راجہ دتیا کی تخت نشینی میں مدد

جب راجا دتیا اس جہاں سے گذرا تو اس کا بڑا لڑکا پرتھی سنگھ گدی پر بیٹھا۔ مگر چھوٹے لڑکے رام چند نے اپنے بھائی کی بربادی کا مصمم ارادہ کیا اور اس نے محمد خاں بہادر کی طرف رجوع کیا۔ اور ان سے التجا کی کہ آپ میری مدد کیجیے۔ اور اس کے عوض بہت سا سامان بھی دینا قبول کیا۔ مقابلہ اور لڑائی کے بعد پرتھی سنگھ محمد خاں کے ہاتھ سے مارا گیا اور رام چند نے مال غنیمت کے علاوہ بھی وعدہ سے زیادہ دیا۔ جب محمد خاں کے ساتھیوں کے طرح طرح کے سامان سے جیب اور دامن بھر گئے تو محمد خاں بہادر مع اپنے ہمراہیوں کے مؤ رشید آباد کو لوٹے۔[1]

راجہ سبھیری کی مدد

مؤ پہونچنے کے بعد سبھیری اور جالون کے راجا مدار شاہ کا ایک خط پہونچا کہ بادشاہی فوجیں چالیس ہزار سوار اور پیادوں سے زیادہ محمد امین خاں

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۲۵

کی زیر نگرانی میرے سر پر پہونچ چکی ہیں۔ میری مدد کرنا باعثِ شکر گذاری ہوگا اور میں آپ کا ممنون ہوں گا۔ محمد خاں بہادر جنھوں نے ابھی دم بھی نہیں لیا تھا۔ اور ان کے ساتھی بھی متفرق تھے۔ مگر جتنے بھی سوار اور پیادے موجود تھے۔ ان کو ساتھ لے کر راجا کی مدد کا ارادہ کیا لیکن محمد امین خاں نے محمد خاں بہادر کے پہنچنے سے پہلے راجا پر حملہ کر دیا۔ اور راجا شکست کھانے کے بعد محمد خاں بہادر کے لشکر کی جانب متوجہ ہوا اور دونوں فریقوں کے درمیان چند بار مردانہ مقابلے ہوئے۔ آخر کوئی کسی پر غالب نہ ہوسکا اور صلح ہوگئی۔[1]

محمد خاں بنگش کی شاہی لشکر میں طلبی

محمد امین خاں کا قضیہ ختم ہونے کے بعد جس وقت محمد خاں بہادر گوہد کے اطراف میں سات آٹھ ہزار سوار اور پیادوں کی جماعت کے ساتھ گھوم رہے تھے تو ایک خاص فرمان عبداللہ خاں اور حسین علی خاں بارہہ کے خطوط کے ساتھ سوادِ کچھوہ سے ان کی طلبی میں پہونچا۔ محمد خاں بہادر نے صاحب رائے کا ئستھ کو جو سپاہیوں کے جرگے میں شامل تھا حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بادشاہی لشکر میں روانہ کیا اور اسی کے ہاتھ خطوط کے جواب بھی بھیجے صاحب رائے کے واپس آجانے اور حقیقتِ حال دریافت ہونے کے بعد محمد خاں خود بارہ ہزار سوار اور پیادوں کی جماعت کے ساتھ شاہی لشکر میں شامل ہوکر مقدمۃ الجیش کے جرگہ میں داخل ہوگئے اور بادشاہ کی شرف حضوری دشمن پر فتح پانے تک ملتوی رہی۔[1]

جہاندار شاہ کی تخت نشینی

بہادر شاہ نے پانچ سال اور چند مہینے مستقل طور سے سلطنت کی جس وقت اس کی لشکر گاہ اطرافِ لاہور میں تھی تو اس نے ۱۹ ماہ محرم الحرام ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء کو بہتر سال کی عمر میں ایک خفیف سی بیماری

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۲۵

میں اس جہان سے رحلت کی۔ اور چار لڑکے چھوڑے۔ محمد معز الدین[1] محمد عظیم الشان[2]۔ خجستہ اختر[3] رفیع القدر[4]۔ بہادر شاہ کی وفات کے بعد محمد عظیم الشان فوراً ہی امین الدولہ سنبھلی[5] میر تزک اور نعمت اللہ کے مشورہ سے تخت سلطنت پر بیٹھا اور مہابت خاں، شاہ نواز خاں، حمید الدین خاں اور اکثر بادشاہی ملازم اس سے مل گئے۔ مگر ذوالفقار خاں جو عظیم الشان کے ساتھ کدورت رکھتا تھا۔ اس نے محمد معز الدین کو جہاندار شاہ کے لقب سے ملقب کر دیا۔ اور دونوں بھائیوں خجستہ اختر اور رفیع القدر کو ملک اور خزانوں کی تقسیم کے وعدہ پر اس کا موافق بنالیا۔ اور عظیم الشان کے مقابلہ میں برانگیختہ کیا۔ تھوڑا سا کشت و خون ہو کر جنگ ختم ہوگئی۔ شکست سے قبل عظیم الشان کا ہاتھی دریائے راوی میں گر پڑا۔ اور اس (عظیم الشان) کی نعش نہیں ملی، امین الدولہ گرفتار رہوا۔ اور فرخ سیر کے پہونچنے تک قید رہا۔ زرِ سُرخ و سفید خزانہ کی ایک سو اسی گاڑیاں اس عظیم الشان فتح سے حاصل ہوئیں مگر ان کی تقسیم کے سلسلے میں تینوں بھائیوں میں جھگڑا ہوا۔ اور لڑائی تک نوبت پہنچی خجستہ اختر نے اپنے کو جہان شاہ کے لقب سے مُلقّب کیا اور رستم دل خاں، رحمت خاں اور امیر خاں کی معیّت میں صف آرا رہا۔ پہلے فتح جہان شاہ کی طرف ہوتی دکھائی دی۔ لیکن آخر میں ذوالفقار خاں کی تدبیر سے جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اس طرح کہ ذوالفقار خاں نے چار سو خاص برقندازوں کو معقول انعام دے کر بھیجا کہ نذر کے بہانہ سے جاکر اچانک بندوقیں سر کر دیں جیسے ہی وہ لوگ وہاں پہونچے تو اس وقت جہان شاہ چند آدمیوں کے ساتھ جہاندار شاہ کے مال غنیمت کو دیکھ رہا تھا۔ اور فوج لوٹنے کی طرف متوجہ تھی۔ انھوں نے ذوالفقار خاں کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور جہان شاہ کا کام تمام کر دیا۔

---

[5] امین الدولہ انصاری ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۵ء میں سنبھل کے ناظم تھے انھوں نے سنبھل میں کئی عمارتیں بنوائی تھیں ملاحظہ ہو تاریخ امروہہ جلد اول از محمود احمد عباسی صفحہ ۸۴ (طبع دہلی سنہ ۱۹۳۰ء) تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو ماثر الامرا جلد اول ص ۳۵۷-۳۵۸

جب جہاندار شاہ کی فتح ثابت ہو گئی تو رفیع القدر نے اپنا ایک خواجہ سرا مبارکبادی کے لئے جہاندار شاہ کے پاس بھیجا۔ جہاندار شاہ کے خواجہ سراؤں نے ورود دولت پر اس سے بطور مذاق کہا کہ تو نے دیکھا کہ عظیم الشان اور جہان شاہ کے سر پر کیا گذری اور تیرا آقا کیا اُمید رکھتا ہے۔ خواجہ سرا نے لوٹ کر حقیقت حال عرض کی۔ رفیع القدر عزت کا لحاظ کرکے لڑائی کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اور بہادروں کی طرح جان دی۔ جہاندار شاہ تینوں بھائیوں یعنی عظیم الشان، جہان شاہ اور رفیع القدر کے ختم ہونے کے بعد مستقل طور سے سلطنت کرتا رہا۔ اس کا سکہ حسب ذیل تھا ؎

بزد سکہ بر ملک چوں مہر و ماہ شہنشاہ غازی جہاندار شاہ

جہاندار شاہ لاہور سے کوچ کرکے دارالسلطنت شاہجہاں آباد میں آیا۔ سلطان کریم الدین، عظیم الشان کا بڑا بیٹا گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔ اسد خاں وکالت مطلقہ پر بحال رہا۔ ذوالفقار خاں عہدہ وزارت پر اور کوکلتاش خاں کو کہ امیر الامرائی کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ مگر کوکلتاش خاں کی ترقی ذوالفقار خاں کو ناگوار ہتی۔ اور جہاندار شاہ کے امراء میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

جہاندار شاہ کی شکست و قتل اور فرخ سیر کی تخت نشینی

قصہ مختصر بہادر شاہ اول کے زمانے میں صوبۂ بنگالہ، اُڑیسہ، عظیم آباد، الہ آباد کا مالک و مختار عظیم الشان۔ اور اس کی طرف سے عظیم آبا میں حسین علی خاں بارہہ اور الہ آباد میں عبداللہ خاں بارہہ اور بنگالہ اور اُڑیسہ میں جعفر خاں تھے۔ اور عظیم الشان فرخ سیر کو راج محل میں چاروں صوبوں کی نیابت چھوڑ کر اپنے آپ بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ فرخ سیر اپنے باپ عظیم الشان کے قتل کی خبر سُن کر سلطنت کے دعوے کیلئے اُٹھا۔ حسین علی خاں اور عبداللہ خاں کو عاجزی اور منت سے اپنا ساتھی بنا کر جہاندار شاہ سے مقابلہ کا ارادہ کیا۔

جعفر خاں نے جو خزانہ دار السلطنت شاہجہاں آباد بھیجا تھا جب وہ خزانہ الہ آباد پہونچا تو فرخ سیر نے اس پر قبضہ کرلیا۔ اور الہ آباد کے قلعہ کی توپیں بھی اٹھوالے گیا۔ اس حال کے سننے کے بعد جہاندار شاہ نے عبدالغفار خاں گردیزی کو الہ آباد کی صوبہ داری پر متعین کیا اور بارہ ہزار جمعیت بھیجی۔ فرخ سیر کی طرف سے نورالدین علی خاں نجم الدین علی خاں سیف الدین علی خاں عبداللہ خاں بارہہ اور ابوالحسن خاں بخشی کے بھائی سات آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ مدافعت کے لئے آگے بڑھے۔ دونوں طرف سے مردانہ حملے ہوئے۔ نورالدین خاں نے شربت شہادت پیا۔ آخر کار شکست عبدالغفار خاں کو ہوئی۔

اس واقعہ کے معلوم ہونے کے بعد جہاندار شاہ نے اپنے بڑے لڑکے اعزالدین کو پچاس ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے روانہ کیا، کوکلتاش خاں کے بہنوئی خواجہ حسن خاں کو سنگین توپخانہ کے ساتھ ہمراہ کیا۔ اور چین قلیچ خاں کو مدد کے لئے پیچھے سے بھیجا۔ جب یہ لشکر کھجوہ کے اطراف میں پہونچا جہاں عالمگیر خلد مکان کا شاہ شجاع سے مقابلہ ہوا تھا اور اس کو فرخ سیر کی فوج کی کثرت معلوم ہوئی تو شاہزادہ اعزالدین مرعوب ہوگیا تاہم مورچہ باندھنے، خندقیں کھودنے اور فوج آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ فرخ سیر بھی مع اپنے سرداروں کے پہونچ گیا۔ اور مورچال کے اندر داخل ہوگیا شاہزادہ اعزالدین اس کے اور ساتھی تین پہر تک لڑے اور پھر اشرفی اور جواہرات ساتھ لے کر اور کچھ چھوڑکر آخر رات میں بھاگ نکلے۔ فرخ سیر کے سپاہیوں نے خیمہ گاہ پر خوب لوٹ مار کی بہت سا مال اور جنگ کا سامان فرخ سیر کی سرکار میں ضبط ہوا۔ چین قلیچ خاں بھاگ کر اکبر آباد تک پہونچا وہاں دوسرے مفرورین بھی اس سے جاکر مل گئے۔ شاہزادہ اور چین قلیچ خاں بحیثیت مجموعی اکبر آباد کے اطراف میں نکل گئے اور جہاندار شاہ کو مطلع کیا۔ جہاندار شاہ یہ اطلاع پاکر بے قرار ہوگیا اور اس نے اسی ہزار سوار اور ارکان دولت کے ساتھ بذات خود فرخ سیر سے مقابلہ کا ارادہ کیا۔

۱۲ر ذی قعدہ ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء کو دار السلطنت سے نکلا ذوالفقار خاں کو کلتاش خاں تو ہراول فوج میں اور جانی خاں، اعظم خاں اور محمد امین خاں میمنہ اور میسرہ پر مقرر ہوئے۔ اثنائے راہ میں جب مرزا رفیع تونی کو جو سربلند خاں کے نام سے مشہور ہے عظیم الشان کی موت کی خبر ملی تو وہ اسد خاں کی تحریر کے بموجب فرخ سیر سے علیحدہ ہو کر جہاندار شاہ سے مل گیا۔ اور خزانہ جو ساتھ لایا تھا پیش کیا۔ اور آفرین و تحسین کا مستحق ہوا۔ حالانکہ پہلے وہ اطراف کوڑا میں عظیم الشان کی جاگیر کا عامل اور فرخ سیر کا طرفدار تھا اور اس کو گجرات کی صوبہ داری پر متعین کیا گیا تھا کیونکہ وہاں فساد کا اندیشہ تھا۔ چھبیلی رام، علی اصغر خاں اور دوسرے لوگ شہزادہ اعز الدین سے علیحدہ ہو کر فرخ سیر سے مل گئے۔ اور اطراف اکبر آباد میں پہونچنے کے بعد اکثر لوگ جہاندار شاہ کی بدوضعی سے متنفر ہو کر فرخ سیر کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ ہر چند جہاندار شاہ کے پاس کثیر لشکر اور جنگ کا ساز و سامان بہت تھا لیکن کوکلتاش خاں اور ذوالفقار خاں کے اختلاف اور تنازعہ نے فرخ سیر کے حق میں اکسیر کا کام کیا، جہاندار شاہ کو کوکلتاش خاں کی رائے پر اعتماد تھا مگر وہ صائب رائے نہیں رکھتا تھا اس وجہ سے اس کے منصوبے پورے نہیں ہوتے تھے۔ اور جہاندار شاہ خود بھی امتیاز محل لال کنور کے عشق میں ہوش و حواس کھوئے ہوئے تھا فرخ سیر اور عبد اللہ خاں بارہہ دریائے جمن کو پایاب پاکر رات کے وقت دریا کو عبور کر گئے۔ جہاندار شاہ کے لشکر کی چار ٹولیوں نے شاہجہاں آباد کی طرف پہونچ کر جہاندار شاہ کے لشکر کے پیچھے مقام کیا اور حسین علی خاں بارہہ مغالطہ کے لئے دشمن کے مقابل رہا، ایک دن کے بعد اس نے بھی جمنا کو عبور کیا۔

جہاندار شاہ جب حقیقت حال سے مطلع ہوا تو اس نے لشکر کے نقشہ کو بدل دیا۔

۱۴ر ذی الحجہ ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء کو دونوں فوجوں کا اس طرح مقابلہ ہوا کہ ایک طرف سے تو جہاندار شاہ شاہی کر و فر کے ساتھ سوار ہوا۔ اور ذوالفقار خاں ایک معقول فوج کے ساتھ بنیان مرصوص کی طرح مقدمۃ الجیش میں پہونچا کوکلتاش خاں، اعظم خاں اور جانی خاں میمنہ پر، اور

محمد امین خاں، عبدالصمد خاں، چین قلیچ خاں اور جاں نثار خاں میسرہ پر اور راجی محمد خاں، اسلام خاں، مرتضےٰ خاں اور حفیظ اللہ خاں ملتمس میں اور رضا قلی خاں توپ خانہ کے اہتمام پر مقرر ہوئے اور اسی طرح لشکر کے دوسرے سردار بھی مناسب طور پر صف آرائی میں مشغول ہو گئے۔ دوسری طرف فرخ سیر بادشاہی قوانین کے مطابق سوار ہوا۔ عبداللہ خاں بارہہ اور محمد خاں بہادر کے ساتھ فوج کے اگلے دستے میں حسین علی خاں بارہہ اور صف شکن خاں داہنی جانب اور مقابلے میں ذوالفقار خاں، خان زماں خاں، علی صفر خاں اور چھبیلی رام، کوکلتاش خاں کے مقابلے میں پہونچے۔ پہلے عبداللہ خاں بارہہ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تورانیوں کا مقابلہ کیا اور پھر اچانک اس نے جہاندار شاہ کے توپخانہ پر حملہ کر دیا اور جو اس نے پہلے کہا تھا وہ کر دکھایا۔ حسین علی خاں بمعیت صف شکن خاں، فتح علی خاں اور زین الدین خاں فرزند بہادر خاں روہیلہ، میر مشرف اور میر اشرف اور ان کے علاوہ دوسرے جاں باز بھی مارے گئے۔ حسین علی خاں ساتھیوں کی یہ حالت دیکھ کر ہاتھی سے کود کر اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور بہت سے زخم کھا کر بے ہوش ہو گیا۔ عبداللہ خاں جہاندار شاہ کی وسط فوج میں پہونچ گیا اور ایسی معرکہ کی لڑائی لڑا کہ ستّو سواروں کے سوا ساتھیوں میں سے اور کوئی نہ رہا۔ اس حالت میں سیّد عبدالغفار خاں اس کے ہاتھی کے سامنے پہونچا اور اپنا نام اپنے جدِ امجد کے طریقہ پر لیا جو انھوں نے جنگِ اُحد میں فرمایا تھا۔ یعنی (انا النبی لا کذب، میں نبی ہوں جھوٹ نہیں) اس نے ایک تیر عبداللہ خاں کی طرف چھوڑا۔ وہ تیر سر سے گذر گیا پھر عبداللہ خاں نے تیر پھینکا اور وہ زخمی ہو گیا۔ عبداللہ خاں کے ہمراہی ہر چند گرفتار کرنے کے لئے دوڑے لیکن وہ زخمی ہونے کے باوجود جان سلامت لے گیا۔

اسی جنگ اور حملوں کے درمیان عبداللہ خاں بارہہ ایک اونچے مقام پر آیا اور جہاندار شاہ کو معہ ہمراہیوں کے غافل پایا۔ اس نے فرصت کو غنیمت جانا اور محل معلی کے

فیل سواروں پر سخت حملہ کر دیا جو بڑی پریشانی کا سبب ہوا۔ اور لڑائی میں یک قیامت برپا ہو گئی۔ امتیاز محل اور خواجہ سرا جو ہاتھیوں پر سوار تھے انھوں نے تیروں کی بارش کے صدمے سے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ جہاندار شاہ نے ہر چند چاہا کہ ان کی مدد کو پہونچے۔ لیکن اس کا ہاتھی مہاوت کے حکم سے باہر ہو گیا۔ عبداللہ خاں کے ہمراہیوں نے جوش و خروش میں آکر ایسا حملہ کیا کہ جہاندار شاہ کے تمام لشکر میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی اور بھاگڑ مچ گئی۔ تمام لشکر پسپا ہو گیا۔ اس وقت کوکلتاش خاں نے چاہا کہ لشکر کی مدد کو پہونچے مگر خان زماں خاں اور چھبیلی رام گھاٹ میں سے ایسے اس پر ٹوٹے کہ کوکلتاش خاں بھی ہمت ہار گیا اور مار ڈالا گیا۔ اسی کے ساتھ رضا قلی خاں داروغہ توپخانہ بھی مارا گیا۔ مختار خاں جو حسین علی خاں کے مقابلہ میں آیا تھا وہ بھی مارا گیا، اعظم خاں کوکلتاش خاں کا بھائی زخمی ہو کر جہاندار شاہ کے پاس پہونچا۔ جہاندار شاہ نے امتیاز محل کو سواری میں اپنے کو پہونچایا اور اکبرآباد کی طرف بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا ذوالفقار خاں ایک پہر رات تک میدان میں رہا۔ جہاندار شاہ اور اعزالدین کو تلاش کرتا رہا مگر باوجود تلاش کے نہ ملے بادشاہ اور شاہزادے کا حشر معلوم ہونے کے بعد فتح و مسرت کے شادیانے فرخ سیر کے لشکر میں بجائے گئے۔

فرخ سیر نے ذوالفقار خاں کی استقامت دریافت کر کے پیغام بھیجا کہ سلطنت کا دعویدار بھاگ گیا۔ اب تمہارا دعویٰ کیا ہے۔ اگر عالمگیر کی نسل سے بادشاہی چاہتے ہو تو معزالدین نہیں ہے میں حاضر ہوں۔ ذوالفقار خاں یہ پیغام سُن کر استقلال اور استقامت کے ساتھ دارالسلطنت کو روانہ ہوا۔ اور جہاندار شاہ نے بھی اکبرآباد پہونچنے کے بعد ہیئت بدل کر امتیاز محل اور چند لوگوں کے ہمراہ شاہجہاں آباد کا ارادہ کیا۔ حاصل کلام آصف الدولہ خاں نے جو دارالسلطنت میں تھا معزالدین کو موقع سے قید کر لیا پیچھے پیچھے ذوالفقار خاں بھی پہونچا۔ فتح کے بعد عبداللہ خاں اپنے بھائی حسین علی خاں کے ڈھونڈنے میں

مشغول ہوا اور اسے بے ہوش زخمیوں میں پایا اس کے ساتھی شکر اللہ خاں اور نثار خاں کھڑے ہوئے اس کی نگاہ بانی میں مشغول تھے۔ بہر حال معتمد بھائیوں کو بھیج کر اپنے پاس بلایا۔ ذوالفقار خاں نے فرخ سیر سے یہ چاہا کہ معزالدین کو پھر سلطنت پر پہونچا دے مگر آصف الدولہ مانع آیا۔ ذوالفقار خاں نے دکن کا ارادہ کیا۔ آصف الدولہ اس سے بھی مانع آیا۔ اور فرخ سیر سے تصفیہ کی فکر کرنے لگا۔ آصف الدولہ نے عالمگیر کے خاندان کی جو خدمات انجام دی تھیں ان کے بھروسہ پر فرخ سیر کی ملازمت کا ارادہ کرنے لگا اور ذوالفقار خاں کے قصوروں کی معافی کا اُمیدوار ہوا۔

پندرھویں ذی الحجہ ۱۱۲۴ھ میں فتح تحقیق ہونے کے بعد چین قلیچ خاں، عبدالصمد خاں، محمد امین خاں اور دوسرے تورانی سردار عبداللہ خاں کے توسط سے بارگاہ شاہی میں شرف ملازمت سے سرفراز ہوئے اور ان کی خطائیں معاف ہو گئیں۔ فرخ سیر نے عبداللہ خاں کو لطف اللہ خاں صادق کے ہمراہ دارالسلطنت کے انتظام اور بندوبست کے لئے پہلے ہی بھیج دیا اور خود ایک ہفتہ قیام کے بعد روانہ ہوا اور ۱۴ محرم ۱۱۲۵ھ کو پہونچا۔ عبداللہ خاں کو قطب الملک کا خطاب مرحمت فرمایا اور ہفت ہزاری منصب ذات و سوار اور وزیر اعظم کے عہدہ سے سرفراز کیا۔ اور اس کے بھائی حسین علی خاں کو عمدۃ الملک کا خطاب دیا اور ہفت ہزاری منصب ذات و سوار سے سرفراز فرمایا اور اس کو داؤد خاں کی بجائے جو ذوالفقار خاں کا نائب تھا۔ دکن کی صوبہ داری پر مامور کیا اور داؤد خاں جو دراصل برہان پور کا صوبہ دار تھا۔ گجرات کی صوبہ داری پر تبدیل ہوا۔ خواجہ عاصم خاں صمصام الدولہ خان دوراں خاں کے خطاب اور ہفت ہزاری منصب ذات اور چھ ہزار سوار کے منصب سے سرفراز ہوا۔ اور داروغہ دیوان خاص مقرر ہوا۔ اور احمد بیگ کو کہ معزالدین نے ساتھ رہنے کے صلہ میں غازی الدین خاں غالب جنگ کا خطاب چھ ہزاری منصب ذات اور پانچ ہزار سوار کا منصب اور بخشی سوم کا عہدہ پایا۔ اور قاضی عبیداللہ جو پہلے جہانگیر نگر

ڈھاکہ کا قاضی تھا۔ خان خاناں میر جملہ کے خطاب اور ہفت ہزاری منصب ذات و سوار اور نیابت و تخط کے عہدہ پر مقرر ہوا اور محمد جعفر منشی تقرب خاں، اور خان ساماں کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ اور اسی قیاس پر دوسرے امیروں اور سرداروں نے خطاب پائے۔

جب بادشاہ فرخ سیر شاہجہاں آباد پہونچا تو میر جملہ نے آصف الدولہ اور ذوالفقار خاں کی سفارش کی اور ان دونوں کو حضور میں حاضر کیا۔ آصف الدولہ، ذوالفقار خاں کے لئے عذر کے کلمات زبان پر لایا۔ فرخ سیر نے مہربانی کی باتیں کیں۔ خلعت اور جواہر دیئے۔ اور آصف الدولہ کو بڑھاپے کے عذر کی وجہ سے رخصت کیا اور ذوالفقار خاں کو باہر کے خیمے میں بیٹھنے کا حکم دیا کہ ان سے کے ساتھ کچھ مشورہ کرنا ہے اس کے بعد عظیم الشان سے مقابلہ کرنے اور سلطان کریم الدین کے قتل کی سزا میں کچھ سخت کلمے کہلا کر بھیجے۔ ذوالفقار خاں نے حالات کا اندازہ کر لیا اور جان دینا طے کر لیا۔ سخت سُست جواب دیئے۔ اسی اثنائے گفتگو میں لاچین قلماق مخاطب بہ بہادر دل خاں نے پیٹھ کے پیچھے سے اس کی گردن میں تسمہ ڈال کر اس کو کھینچا اور دوسرے قلماقوں نے ہجوم کر کے خنجر اور چھری سے ذوالفقار خاں کا کام تمام کر دیا اور اس دن ۱۶ محرم ۱۱۲۵ھ (۱۲، ۱۷۱۳ء) کی تاریخ تھی۔ معزالدین کو بھی تسموں سے کھینچکر مار ڈالا اور اس کے سر کو نیزوں پر لاش کو ہاتھی پر رکھا اور ذوالفقار خاں کو ہاتھی کی دُم سے باندھا اور آصف الدولہ کو پالکی پر زنانہ سواری کے ساتھ شہر میں پھرایا اور تشہیر کے بعد لاشوں کو قلعہ کے دروازے پر ڈال دیا آصف الدولہ کو خان جہاں کی حویلی میں قید کر دیا آخرکار ۱۱۲۹ھ (۱۷۱۶ء) میں چورانوے سال کی عمر میں آصف الدولہ نے اس جہان سے رحلت کی قید کے وقت اس کے خاندان کا تمام مال ضبط کر لیا گیا اور ذوالفقار خاں کے دیوان راجہ سبھا چند کی جو بہت زبان دراز تھا زبان کھینچ لی گئی۔ ذوالفقار خاں کے ہمراہی اور اس کے خاندان والوں نے وہم اور ڈر سے اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ فرخ سیر کے چھوٹے

بھائی ہمایوں بخت کے حکم سے معزالدین کے لڑکے اعزالدین اور عالی خاندان اعظم شاہ کے لڑکے کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔

ان حالات کے ظاہر ہونے سے تمام ملک اور شہروں کے تمام چھوٹے بڑے آدمیوں نے زندگی سے دل اٹھا لیا۔[1] اور فرخ سیر کے لئے سکہ مقرر ہوا ؎

سکہ زد از فضلِ حق بر سیم و زر
بادشاہ بحر و بر فرخ سیر

محمد خاں بنگش کی فرخ سیر کے دربار میں سرفرازی

جب جہاندار شاہ کے مقابلہ میں عبداللہ خاں ہراول کے ساتھ محمد خاں بہادر سے نمایاں کام ظاہر ہوئے اور اس کے ساتھیوں میں سے شیر محمد خاں جماعت دار فیل سوار کام آیا تو فرخ سیر بادشاہ نے اطمینان کے بعد محمد خاں بہادر کو بوساطت عبداللہ خاں بارہہ حضور میں طلب کیا اور خلعت فاخرہ، ہاتھی، گھوڑا، تلوار جڑاؤ قبضے والی اور چار ہزاری منصب سے سرفراز کیا۔ محالات ایلچ، بھاندیر، کالپی، کونچ، سیونده، مونده اور سیپری جالون کے محالات عنایت کیے۔

محمد خاں بہادر نے محالات مذکورہ میں سے کونچ، سیونده پر اپنے چیلے دلیر خاں کو عامل کر کے بھیجا۔ اور ایلچ اور بھاندیر پر احمد خاں ننکزی کو۔ اور کالپی اپنی بیوی کے چچا پیر خاں بنگش کو اور سیپری جالون پر شجاعت خاں غلزئی کو عامل مقرر کیا۔[2]

---

[1] ان واقعات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہسٹری آف فریڈم موومنٹ جلد اول صفحہ ۸۶ - ۹۲
(۱) تاریخ سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۳۸۱ - ۳۸۹ (۲) تاریخ ہندوستان جلد نہم از ذکاء اللہ ۵۵ تا ۱۰۱
(۳) تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۲۷ - ۲۹

[2] ہمعصر مورخ میر حسام الدین گوالیاری لکھتا ہے:۔ میاں دوآب و میاں دو کاف شده حاصل این ملک جملہ معاف
شود قصبۂ کول و کورا مدو د بدریائے گنگ و جمن انصراف

راجہ انوپ شہر کو تنبیہہ

جب راجا مبدو اور راجا انوپ شہر کے فساد انگیزی کی خبر بادشاہ کو ہوئی تو اس نے محمد خاں بہادر کو تنبیہہ کے لئے بھیجا۔ چنانچہ محمد خاں بہادر نے راجا انوپ شہر کو تو خوب تنبیہہ کردی اور راجا مبدو کو گرفتار کرکے اپنے چیلے داؤد خاں کے ہمراہ بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا۔ خود حضور اشرف سے اجازت لے کر مئو رشید آباد میں آیا۔ موضع چلولی کے جوار میں جو مئو سے ایک کوس کے فاصلے پر ہے۔ اپنے بڑے لڑکے کے نام پر قصبۂ قایم گنج[۱] کی بنیاد ڈالی۔

قاسم خاں بنگش کا قتل

مئو میں پہونچنے کے وقت معلوم ہوا کہ بم ٹیلہ کے راجپوتوں نے جو دریائے گنگا کے کنارے متصل موضع امکھی میں رہتے ہیں۔ بی بی صاحبہ کے والد قاسم خاں بنگش کو جان سے مار ڈالا گیا قاسم خاں نوکر پیشہ آدمی تھا دو تین سو سوار اور پیادوں کے ساتھ راجاؤں کی نوکری کرتا تھا وہ اس وقت پورب کی طرف سے مئو رشید آباد آ رہا تھا جب موضع امکھی کے قریب پہونچا تو گنواروں نے اکٹھے ہو کر اس جگہ پر جو موجودہ زمانے میں قاسم باغ کے نام سے مشہور ہے تیروں اور بندوقوں سے حملہ کیا۔ قاسم خاں کے ساتھیوں نے بھی بہادری دکھائی مگر بمقتضائے قضا خان مذکور شہید ہوا۔ محمد خاں بہادر نے راجپوتوں سے بدلہ لینا بادشاہ کی اجازت پر موقوف رکھا اور دارالسلطنت روانہ ہوا وہاں محمد خاں کو عنایات شاہی سے خلعت، نقارہ اور علم عطا کیا گیا اور نظامت گوالیار بھی بخشی گئی اور فرخ آباد نام سے ایک شہر موضع ماہند اور اس کے اطراف میں اس موضع کے قریب جہاں قاسم مارا گیا ہے بسانا تجویز کیا تاکہ وہاں گاؤں پرگنہ بھوج پور اور شمس آباد وغیرہ کے اس نو تعمیر شہر کے تابع کر دیئے جائیں۔ اس درمیان میں

---

[۱] ولیم اروِن قائم گنج کے متعلق لکھتا ہے یہ قصبہ اب بڑی تجارت کا مقام ہے باشندے یہاں کے ۱۸۷۲ء میں تعداد میں دس ہزار تئیس تھے نیز یہاں تحصیل کا صدر مقام ہے۔ تاریخ فرخ آباد صفحہ ۳۱۰ و تاریخ محمد خانی از میر عصام الدین گوالیاری قلمی (مائیکرو فلم پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی)

محمد خاں گوالیار کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور وہاں سے انتظامات کرنے کے بعد مئو میں شہر فرخ آباد کی بنیاد رکھی[۱] پھر دارالسلطنت پہونچے۔ فرخ سیر نے چھ سال اور چند مہینے سلطنت کی اور آپس کے اختلافات کی وجہ سے سید برادران کے ہاتھ سے مارڈالا گیا۔[۲]

محمد شاہ کی تخت نشینی ۸ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) کو بدھ کے دن سادات بارہہ نے رفیع القدر کے لڑکے شمس الدین ابوالبرکات کو تختِ سلطنت پر بٹھا کر رفیع الدرجات کے لقب سے ملقب کیا۔ رفیع الدرجات کو سل کی بیماری تھی وہ جلوس کے چوتھے مہینے انتقال کر گیا۔ عبداللہ خاں اور حسن علی خاں نے اس کے بھائی کو جس کا نام رفیع الدولہ تھا ۹ ماہ رجب ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) کو تخت سلطنت پر شاہجہاں کے لقب سے ملقّب کیا۔ اسی زمانہ میں نیکو سیر فرزند محمد اکبر نے جو اکبر آباد کے قلعہ میں قید تھا۔ قلعدار اور دوسرے متعینہ لوگوں کی مدد سے قید سے نکل کر تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اس سے بڑا آشوب اور فتنہ ظاہر ہوا۔ قطب الملک عبداللہ خاں اور امیرالامراء حسین علی خاں رفیع الدولہ کے ہمراہ نیکو سیر کے مقابلہ کے لئے اکبر آباد پہونچے اور نیکو سیر اور اس کے مددگاروں کو مغلوب کر کے قید کر لیا۔ اس حالت میں رفیع الدولہ نے اسی سال شوال کی آخری تاریخوں میں دستوں کی بیماری میں انتقال کیا۔

---

[۱] میر حسام الدین لکھتا ہے:-

"دو خرصہ سن یک ہزار و یک صد و بست و چہارم نبوی (۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء) شہرے بنام بادشاہ فرخ سیر بنا نمودہ مسمّیٰ فرخ آباد نہاد عرض و طول آں شہر پنج سنگش کردہ است و دوازدہ در دارد و بہر در سرائے است و پیش شہر پناہ خار بندی و یک قلیچہ پیش ہر در و درون شہر قلیچہ جا بجا" (تاریخ محمد خانی ص ۶) اور ولیم اروِن نے فرخ آباد کی تعمیر کے متعلق لکھا ہے کہ "۱۱۲۶ھ میں مطابق ۷ر جنوری ۱۷۱۴ء لغایت ۲۷ر دسمبر ۱۷۱۴ء میں نیک نام خاں کی نگرانی میں فرخ آباد کی بنیاد پڑی (تاریخ فرخ آباد ص ۳۵) اور مقدمہ میں خود شنی ولی اللہ نے بھی ۱۱۲۶ء میں فرخ آباد کی بنا تاریخ بتائی ہے مادہ تاریخ اللہ غنی بتایا

[۲] فرخ سیر کو ۹ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ (۱۸ فروری ۱۷۱۹ء) کو محبوس کیا گیا پھر مار ڈالا گیا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے سیر المتاخرین جلد ۲ ص ۴۱۸-۴۲۰

مرزا عبدالقادر بیدل نے فرخ سیر کی عزل کی تاریخ یوں کہی ہے:- دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند / صد جور و جفا ز راہِ خامی کردند

قطب الملک عبداللہ خاں اور امیرالامراء حسین علی خاں نے اپنے بھائیوں میں سے ایک کو دارالسلطنت بھیج کر روشن اختر فرزند خجستہ اختر جہاں شاہ کو طلب کیا اس وقت اس کی عمر ۱۸ سال تھی اور روشن اختر کو ناصر الدین ابوالفتح محمد شاہ کے لقب سے ملقب کیا اور اس کو ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء کو سنیچر کے دن اطراف فتح پور میں تخت سلطنت پر بٹھایا۔[1]

محمد خاں بنگش کو شش ہزاری منصب

اس افراتفری کے زمانے میں سرکشوں کی تنبیہ کی غرض سے محمد خاں بہادر نے اجازت لے کر اپنی جاگیر جانے کا ارادہ کیا۔ کہ پیر خاں اور اس کے لڑکے ہمیر خاں کو جان سے مار ڈالا گیا تھا۔ محمد خاں سرکشوں کو ان کے عملوں کی سزا دے کر دارالسلطنت کی طرف لوٹے اور کالپی کی فوجداری دلیر خاں کے علاقہ میں شامل کر دی گئی اور حضور میں پہنچنے کے بعد محمد خاں کو خلعت، جڑاؤ خنجر، دو[2] گھوڑے اور چغہ، جواہر دار پگڑی اور چھ ہزاری منصب ذات و سوار کا عنایت ہوا۔

سید برادران کا خاتمہ

میر جملہ قاضی عبیداللہ اور قطب الملک عبداللہ خاں کے درمیان بعض ملازمان شاہی کی علیحدگی اور تقرر کے بارے میں ہمیشہ اختلاف رہتا تھا اور اسی وجہ سے تورانی امرا امیر جملہ کی طرفداری میں اور دوسرے لوگ عبداللہ خاں کی موافقت میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن محمد امین خاں اور حسین علی خاں کے درمیان ناشائستہ گفتگو ہوئی۔ اور تورانیوں نے اپنی حفاظت سادات کے خاتمہ میں دیکھی نظام الملک جو مالوہ کا صوبہ دار تھا۔ محمد امین خاں کے ارشاد سے قطب الملک عبداللہ خاں کے بھتیجے عالم علی خاں کے مقابلہ میں دکن کی طرف متوجہ ہوا۔ عالم علی خاں حسین علی خاں امیرالامراء کا دکن میں نائب تھا۔ خود امیرالامراء اسا ہو را جہ مرہٹے کے ساتھ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) تاریخ چو از خرد بجستم فرمود سادات بوے نمک حرامی کردند

سرو آزاد (از غلام علی آزاد بلگرامی بہ تصحیح و تحشیہ عبداللہ خاں، ص ۱۶۹ حیدرآباد دکن)

[2] ملاحظہ ہو سیر المتاخرین جلد دوم ص ۴۲۲۔۴۲۳

صلح کرنے کے بعد قطب الملک عبداللہ خاں کے اصرار و طلب پر دارالسلطنت آیا تھا تمام سردار راستے بھر نظام الملک کی موافقت میں رہے۔ حسین علی خاں کی طرف سے دلاور علی خاں عالم علی خاں کی مدد کے لئے دارالسلطنت سے روانہ ہوا۔ برہان پور سے چودہ کوس پر محمد غایت خاں کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا۔ عنایت خاں ایک معقول فوج کے ساتھ نظام الملک کی طرف سے آیا تھا۔ دلاور علی خاں معہ دوسرے ساتھیوں کے مارا گیا اور جو زندہ بچے۔ وہ عالم علی خاں سے مل گئے۔ نظام الملک اور عالم علی خاں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں عالم علی خاں مارا گیا[1]۔ جب یہ خبر دارالسلطنت میں پہونچی تو یہ رائے قرار پائی کہ قطب الملک عبداللہ خاں شاہجہاں آباد کی نظامت پر رہے اور حسین علی خاں تمام اُمراء اور بادشاہ کے ساتھ نظام الملک کی تنبیہ کے لئے روانہ ہو۔ چنانچہ اسی کے موافق عمل کیا گیا۔ اور اکبر آباد تک قطب الملک بھی ساتھ ساتھ گیا۔

---

[1] اس جنگ کے مفصل حالات قدیم اُردو میں غضنفر حسین نے منظوم (۹۰۴۔اشعار) لکھے ہیں۔ اس منظوم دستاویز کو بابائے اُردو مولوی عبدالحق (ف ۱۹۶۱ء) نے "جنگ نامہ عالم علی خاں" کے نام سے اپنی ترتیب و تصحیح کے ساتھ انجمن ترقی اُردو (ہند) اورنگ آباد دکن کی طرف سے ۱۹۳۲ء میں شائع کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ رسالہ "ولیم اروِن" نے انگریزی ترجمہ کے ساتھ انڈین انٹی کیوری (INDIAN ANTIQUERY) بابت ماہ جنوری و مارچ ۱۹۰۴ء میں شائع کر دیا تھا مگر اول تو اس کا نسخہ ناقص تھا دوسرے وہ اسے اچھی طرح سے ترتیب بھی نہ دے سکا تھا مولوی عبدالحق "جنگ نامہ عالم علی خاں" کے متن سے حالات اخذ کر کے مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"عالم علی خاں بارہہ جس کی عمر بیس سال کی تھی فرخ سیر کے وزیر عبداللہ خاں قطب الملک کا بھتیجا اور متبنٰی تھا وہ اپنے دوسرے چچا حسین علی خاں کے دہلی چلے جانے پر (ستمبر ۱۷۱۸ء) دکن کا نائب صوبہ دار مقرر کیا گیا تھا اسے نظام الملک کے مقابلہ کے لئے احکام پہونچے تو وہ ..... برہان پور اور اورنگ آباد کے درمیان خیمہ زن ہوا۔ نظام الملک برہان پور سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے ..... تو عالم علی خاں ۵ رشوال ۱۱۳۲ھ/۱۷۲۰ء کو مع اپنے رفقا ..... وغیرا اور سرداران دکن و مرہٹہ مقابلہ کے لئے آگے بڑھے .... عالم علی خاں بڑی مردانگی اور شجاعت سے لڑا اور اگرچہ اس کا سارا بدن زخموں سے چور تھا مگر اس کا ہر قدم آگے ہی بڑھتا تھا۔ آخر اسی طرح لڑتے لڑتے یہ بہادر نوجوان اس دُنیا سے کوچ کر گیا" ملاحظہ ہو جنگ نامہ عالم علی خاں از غضنفر حسین مرتبہ مولوی عبدالحق صفحہ ۲۰-۲۳ (انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۲ء)

جب قطب الملک عبداللہ خاں دارالسلطنت آرہا تھا تو اس وقت راستہ میں محمد خاں بہادر سے ملاقات ہوئی۔ محمد خاں نے چند لاکھ روپئے جو سید حسین علی خاں سے لئے تھے مگر پچاس ہزار روپے قطب الملک سے بھی لئے۔ بادشاہ امیرالامراء حسین علی خاں اور تمام دوسرے اُمراء کے ساتھ دکن کی طرف متوجہ ہوئے۔ محمد امین خاں اعتمادالدولہ نے راستے میں بادشاہ سے ترکی زبان میں کچھ کہا۔ یعنی امیرالامراء حسین علی خاں کے مار ڈالنے کی اجازت لے لی“۔ میر حیدر خان کاشغری کو اس کام کے انجام دینے کا ذمہ دار کیا۔ میر حیدر خاں نے ایک عرضی جو امین خاں کی شکایت پر مشتمل تھی تیار کی اور اپنے ایک معتمد کو ساتھ لے کر حیدر خاں کاشغری ٦ ذی الحجہ ۱۱۳۲ھ/۱۷۲۰ء بروز بدھ مطابق سنہ دوم محمد شاہی اکبر آباد سے ۳۵ کوس پر لشکر میں پہونچا جس وقت کہ امیرالامرا نے بادشاہ کو دولت خانہ میں پہونچایا ہے۔ اور خود بادشاہی خیمہ سے نکل کر اپنے خیمہ کی طرف متوجہ ہوا تو کلال کے نزدیک حیدر خاں ایک بار دکھائی دیا، اور امیرالامرا کو عرضی دکھائی آدمی ہر طرح اہتمام سے پیش آئے، امیرالاُمرا نے اس کو آگے آنے کا حکم فرمایا۔ کاشغری نے دوڑ کر عرضی کو پالکی میں ڈال دیا اور عرض مطلب شروع کیا امیرالامراء جب عرضی دیکھنے میں مشغول ہوا تو حیدر خاں کاشغری نے اپنی کمر سے پیش قبض کھینچ کر ایسا مارا کہ پشت کی طرف سے نکلا اور ایک ہی ضرب سے امیرالامراء کا کام تمام ہو گیا۔ اسی حالت میں امیرالامرا نے اس پر لاتیں مارنے کا ارادہ کیا جس کی وجہ سے اس کی لاش پالکی سے باہر زمین پر گر پڑی۔ فوراً اسداللہ خاں کے بیٹے نوراللہ نے جو امیرالاُمرا کا پھوپی زاد بھائی تھا تلوار مار کر حیدر خاں قاتل کو مار ڈالا اور حیدر خاں کے ایک ساتھی نے نوراللہ خاں کا کام تمام کر دیا وہ بھی میر مشرف کے ہاتھ سے ہلاک ہو گیا لوگوں نے چاروں طرف سے ہجوم کر کے امیرالامراء اور نوراللہ خاں کے سروں کو تن سے جدا کر دیا اور محمد شاہ کے حضور میں پہونچایا۔

قطب الملک عبداللہ خاں کا بھانجا غیرت خاں جب اس ماجرے سے خبردار ہوا تو بغیر

سوچے سمجھے ہاتھی پر سوار ہو کر بادشاہ کے خیمے کی طرف چلا مگر مارڈالا گیا۔ محمد امین خاں نے امیر الامرا اور نور اللہ خاں کے جسموں کو تعظیم کے ساتھ اجمیر روانہ کیا کیونکہ مدفن سید عبداللہ خاں کلاں کا جو کہ سیدین کا باپ ہے وہاں تھا غالب عدوک" سے اس واقعہ کی تاریخ نکلتی ہے۔ بحساب ابجد ۱۱۳۲ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اور ایسے ہی "بلغ وعدک" سے بھی تاریخ نکلتی ہے۔

اس واقعہ کے بعد اعتماد الدولہ محمد امین خاں آٹھ ہزاری منصب ذات وسوار اور ایک کروڑ پچاس لاکھ درم انعام پانے کا مستحق ہوا۔ اور اس کو وزیر الملک کا خطاب ملا صمصام الدولہ خاں دوراں بخشی اول امیر الامرا منصور جنگ ہشت ہزاری منصب ذات وسوار اور قمر الدین خاں بخشی دوم داروغہ غسل خانہ ہفت ہزاری منصب ذات وسوار سے سرفراز ہوئے معز الدولہ سید رقلی خاں اسفرائنی ہفت ہزاری ذات اور چھ ہزار سوار کے منصب اور ناصر جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوا اور سعادت خاں کو پنج ہزاری کا منصب ملا۔

قطب الملک عبداللہ خاں دار السلطنت سے چالیس کوس کے فاصلہ پر تھا جب وہ اس ماجرے سے آگاہ ہوا جلدی سے وہ دار السلطنت پہونچا سلطان محمد ابراہیم رفیع القدر کے بیٹے کو ابوالفتح ظہیر الدین کے لقب سے ملقب کر کے تختِ سلطنت پر بٹھایا۔ اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کو منصب اور خطاب سے سرفراز کیا اور بعجلت تمام دار السلطنت سے نکل کر محمد شاہ کے مقابلے کے لئے متوجہ ہوا۔

محمد خاں بہادر تین ہزار کے ساتھ اور عزیز خاں روہیلہ اور بازید خاں میواتی راجا جینگا کے چار ہزار سوار اور ساتھیوں کے ساتھ پہونچے اور محمد شاہ کے ساتھ ہو لئے ۱۳ محرم الحرام ۱۱۳۳ھ م ۱۷۲۰ء کو مقابلہ ہوا۔ محمد شاہ کی طرف سے حیدر قلی خاں ہراول میں، سعادت خاں اور محمد خاں بہادر میمنہ پر صمصام الدولہ، نصرت یار خاں اور ثابت خاں میسرہ پر اعتماد الدولہ محمد امین، قمر الدین خاں، عظیم اللہ خاں، طالع یار خاں اور دوسرے لوگ ملتمس یعنی شیر افگن خاں اور تربیت خاں بادشاہ کے حضور رہیں، عنایت اللہ خاں، میر جملہ ظفر خاں

اخلاص خاں اور راجہ گوپال سنگھ وغیرہ ڈیروں کی حفاظت کے لئے اسد علی خاں سیف اللہ خاں محامد خاں اور امین الدین خاں محل کے نوکر چاکروں کی حفاظت کے لئے ہاتھی ساز و سامان کے ساتھ توپخانہ کی مدد کے لئے مقرر ہوئے۔ قطب الملک نجم الدین علی خاں سیف الدین علی خاں سید محمد خاں، تہوّر علی خاں، شجاعت اللہ خاں، ذوالفقار علی خاں، عبدالنبی خاں، اور منظفر خاں کو معہ اپنوں اور بھائیوں کے ہراول میں حامد خاں، سیف خاں، بیرام خاں نعمت اللہ خاں، امیر خاں، صلابت خاں، عبدالغنی خاں، اخلاص خاں افغان عمر خاں روہیلہ، دیندار خاں، عبدالعزیز خاں، صبغۃ اللہ خاں، غلام محی الدین خاں، دلیر خاں شجاع خاں بلوچی اور عبداللہ خاں ترین کو بہت سی جماعتوں کے ساتھ دائیں اور بائیں مقرر کیا گیا۔ محکم سنگھ اور خداداد خاں اپنی جماعتوں کے ساتھ محمد شاہ سے علٰحدہ ہو کر قطب الملک عبداللہ خاں سے مل گئے۔

پہلے ہی حملے میں قطب الملک نے رتن چند دیوان کا سر علٰحدہ کر کے محمد شاہ کے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈال دیا اور توپیں اور بان طرفین سے چھوٹنے شروع ہو گئے۔ حیدر قلی خاں نے توپخانہ کے اہتمام و انتظام میں معجزہ کر دکھایا۔ سادات بھی بہادری سے لڑتے اور پیش قدمی کرنے سے باز نہ رہے۔ نجم الدین علی خاں نے توپخانہ کی طرف متوجہ ہو کر بڑا ہنگامہ برپا کیا۔ اور صبح سے آخر رات تک میدانِ جنگ قایم رہا۔ اس ہنگامہ میں اکثر فیل نشین اور جماعت دار نا پید ہو گئے۔ جمعہ کے دن صبح کو محرم کی ۱۴ تاریخ ۱۱۳۳ھ ۱۷۲۰ء قطب الملک کے ہمراہیوں میں سے ہزار سے زیادہ ختم ہو گئے۔ نجم الدین علی خاں نے محمد شاہ کے ہاتھی پر حملہ کر دیا۔ حیدر قلی خاں صمصام الدولہ اور نصرت یار خاں نے اس کے دفع کرنے میں جان کی بازی لگا دی، سعادت خاں، محمد خاں بہادر اور شیر افگن خاں محمد شاہ کے ساتھیوں کی مدد کے لئے پہونچے۔

نظم

سپاہ از دو جانب در آمد بجنگ نمودند سر صد ہزاراں خدنگ

زہر سو دلیران و کیں آوران | کشیدند شمشیر کیں از میاں
چو پیلِ دماں و چو شیرِ ژیاں | بکف تیغ و خنجر کمند و کماں
بلرزید کوہ و بجنبید دشت | غریو از نہم آسماں در گذشت
تو گوئی کہ شورِ قیامت دمید | زمین پارہ شد، آسمان بردرید

قطب الملک نجم الدین علی خاں کے کام کو دیکھ کر باقی ماندوں کے ساتھ اس کی مدد کو پہونچا۔ اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بہ چاہا کہ ہاتھیوں سے اُتر کر بہادری سے لڑے کہ اسی حال میں وہ خود ہی ہاتھی سے زمین پر گر پڑا۔ اسی کے سرداروں نے اس کو کشتہ سمجھ کر اپنے کو پسپا کیا۔ قطب الملک، نجم الدین علی خاں دستگیر اور سلطان محمد ابراہیم کا کہیں نشان نہیں ملا۔ حیدر قلی خاں دونوں بھائیوں کو ہاتھی پر سوار کر کے محمد شاہ کے حضور میں لایا۔ محمد شاہ نے دونوں کو حیدر قلی خاں کے سپرد کر کے شادیانے بجانے کا حکم دیا اور بہت سے لوگ مغلوب لشکر میں سے محمد شاہ کے لشکر میں شامل ہو گئے بسنہ مذکور (۱۱۳۳ھ ۱۷۲۰ء) محرم کی ۲۲ تاریخ کو محمد شاہ دار السلطنت میں آیا۔ اور چند دن کے بعد قطب الملک قید خانہ میں زہر دے کر مار ڈالا گیا۔[1]

محمد خاں بنگش پر شاہی عنایات اور غضنفر جنگ کا خطاب

قطب الملک عبد اللہ خاں کی نہایت توجہ محمد خاں بہادر کے حال پر اکبر آباد کے اطراف میں تھی لہٰذا جب اس نے سلطان ابراہیم کو بادشاہ بنایا اور محمد شاہ سے مقابلہ کیا تو پرانے احسانات اور محبت کے بھروسے پر مدد طلب کرنے کے متعلق چند خطوط محمد خاں بہادر کو لکھے۔ محمد خاں بہادر سلطنت کے حق نمک کی پاسداری اور موافقت کی وجہ سے تورانی امیروں کے ساتھ جانب طرفداری کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا اور اپنے آدمیوں کے انتظار میں تھا۔ مختلف

---

[1] ملاحظہ ہو (۱) تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۳۹-۴۳ (۲) سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۴۳۵-۴۳۹

مقامات سے طلب کئے گئے تھے ناگاہ ایک حکم محمد شاہ کی طرف سے اور دوسرا محمد شاہ کی ماں نواب مہر پرور قدسیہ بیگم کی طرف سے اور بہت سے خطوط تورانی امیروں کی طرف سے اس کے پاس پہونچے اور بہت سے مددگار بھی بڑی جمعیت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ محمد خاں بہادر پندرہ ہزار سواران جرار سے زیادہ کے ساتھ محمد شاہ کے لشکر کی طرف متوجہ ہوا۔

حکایت:۔

دوپہر کے وقت محمد خاں اثنائے راہ میں سو گیا تھا کہ ایک شخص فقیری لباس گدڑی پہنے ہوئے اور ہاتھ میں کٹار لئے ہوئے خیمہ میں آیا خدمت گاروں نے شور مچایا محمد خاں جاگ اٹھا۔ اس کے ہاتھ سے کٹار چھین ایک گھونسا مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ اتنے میں آدمی آپہونچے اور انھوں نے اس فقیر کو گرفتار کر لیا۔ ہر چند اس سے پوچھا گیا کہ کس نے بھیجا ہے اس نے نہیں بتایا۔

آخر لشکر شاہی میں پہونچنے کے بعد محمد خاں بہادر محمد شاہ اور نواب قدسیہ بیگم کے حضور میں کورنش و آداب بجا لایا اور اس کو دو خلعت جڑاؤ تلوار اور ہاتھی عنایت کیا گیا اسی دن محمد خاں بہادر نے اعظم خاں بڑا خیل سے جو اس کے مخلص ساتھیوں میں سے تھا۔ ایک خواجہ سرا لیکر اس کا نام یاقوت خاں رکھا۔ اور یہ یاقوت خاں وہی شخص ہے جس نے بڑے بڑے مراتب پر ترقی پائی اور خان بہادر کے لقب سے ملقب ہوا قصبہ خدا گنج، بنی گنج، علی گنج، کا گنج اسی کے آباد کئے ہوئے ہیں۔ اور آخر کار نواب قائم جنگ نے یاقوت خاں کو مار ڈالا اور اس کی لاش کو اس کے ہاتھی نے علی گنج پہونچایا۔ وہ وہاں دفن ہوا۔ اور خدا گنج کی مسجد کی بنیاد کی تاریخ سنہ ۱۱۵۲ھ ۱۷۳۹ء ہے۔

القصہ فتح تحقیق ہونے کے بعد محمد شاہ کے حضور سے محمد خاں بہادر کو ہفت ہزاری منصب ذات و سوار، خطاب غضنفر جنگ، خلعت، تلوار، خنجر، دو گھوڑے، ہاتھی، پگڑی، صوبہ اکبر آباد سات لاکھ روپیہ نقد اور پرگنہ بھوجپور اور شمس آباد کی جاگیر سے سرفراز فرمایا گیا۔ اور یہ جاگیریں

پہلی جاگیروں سے ماسوا ہیں[1]۔

نامدار چیلوں، اچھے ساتھیوں اور بیٹوں نے جو ابھی حضور دربار کی قابلیت نہ رکھتے تھے مختلف مراتب، خلعتیں، جاگیریں اور خطابات پائے۔ ان مراتب کے حاصل کرنے کے بعد غضنفر جنگ نے صوبہ اکبرآباد کی نیابت پر بھورے خاں کو ایلچ بھانڈیر اور سرکار کالپی پر محمد دلیر خاں متبنیٰ کو پرگنہ شمس آباد پر داؤد خاں کو بھوجپور پر نیک نام خاں کو، سیپری اور جالون پر کمال خاں کو بدایوں سہسوان اور مہرآباد پر شمشیر خاں کو مقرر فرمایا۔

دلیر خاں کا قتل

اور اسی سال یعنی ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۰ء میں اخبار کے طور پر اکبرآباد کے واقعات بادشاہ کے حضور میں پیش ہوئے کہ محمد دلیر خاں[2]، غضنفر جنگ کے متبنیٰ[3] اور ترھواں کے زمینداروں سے سونده مونده کے متصل بندیل کھنڈ کے علاقہ میں جاگیر کی سرحد پر جھگڑا ہوا اور نوبت کشت و خون تک پہونچی۔ چھترسال، ہردے نرائن، جگت نرائن اور موہن سنگھ نے چالیس ہزار سواروں کے ساتھ زمینداروں کی مدد کی اور محمد دلیر خاں تقریباً ہزار سواروں کے ساتھ بڑی بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ بادشاہ نے غضنفر جنگ کو خلعت مع دستار جرا و بطور تعزیت مرحمت فرمایا۔ چونکہ محمد دلیر خاں کمال بہادری سے لڑتا ہو

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اروِن) صفحہ ۴۳۔

[2] ولیم اروِن نے دلیر خاں کا نام دلیل خاں بھی لکھا ہے (تاریخ فرخ آباد صفحہ ۱۶۹) حالانکہ اصل بیان میں دلیر خاں لکھا ہے (تاریخ فرخ آباد صفحہ ۴۳-۴۹)

[3] ولیم اروِن نے دلیر خاں (دلیل خاں) کے حالات خاص طور سے جمع کرکے لکھے ہیں وہ لکھتا ہے :۔
مصنف کتاب ہذا (تاریخ فرخ آباد) مسٹر الان کھنڈل صاحب حاکم بندوبست کے نہایت مشکور ہیں کہ اس کے ذریعہ سے دلیل خاں کے حالات جو اس کے مقدم بندوبست پنڈت متھرا پرشاد نے جمع کئے تھے حاصل ہوئے اور مقدم مذکور نے یہ حالات زبانی حکایات سے اخذ کئے ہیں اکثر حال تو اس کو روپ رام نام ایک برہمن دیرینہ سال اور پرگنہ موہا کے دیگر باشندگان سے زبانی معلوم ہوا ہے۔ سُنا ہے کہ دلیل خاں محمد خاں بنگش کا بیٹا تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے والد نے اس کو راجہ چھترسال کے حوالہ کیا تھا، راجہ مذکور نے اس کو اپنا متبنیٰ کیا۔" (تاریخ فرخ آباد صفحہ ۱۶۹)

مارا گیا تھا اس لئے اس شہر کے لوگ برکت حاصل کرنے کی غرض سے اس کے مرقد پر آکر اور کمر میں تلوار باندھتے تھے[1]۔ محمد دلیر خاں کے مارے جانے کے بعد نواب قائم خاں زمینداروں سے بدلہ لینے پہونچا اور وہ نرسواں کو اپنے قبضہ میں لایا۔

چورامن جاٹ کو تنبیہ

یہاں ان لڑائیوں کا بیان ہے جو غضنفر جنگ بہادر نے سرکشوں سے لڑیں اور اس کے بعد اس کا اعتبار بہت زیادہ ہو گیا اور یہ اس کے علاوہ ہے جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں چورامن جاٹ کو تنبیہ کرنا قابل ذکر ہے۔ چورامن جاٹ کی تنبیہ میں راجہ جے سنگھ، خان جہاں خان قطب الملک کا خالو، اور حیدر قلی خاں میر آتش وغیرہ بائیس امیر کبیر شریک تھے ان میں محمد خاں بہادر بھی تھے اور اس مقہور چورامن نے ایک سال کے محاصرہ کے بعد نارنول کی طرف راہ فرار اختیار کی اور ادھر ہی زہر کھا کر مر گیا اس کی زمینداری چورامن کے بھتیجے بدن سنگھ اور سورج مل کو سونپی گئی[2]۔ یہ چورامن صوبہ اکبر آباد کا ایک زمیندار تھا اس کے باپ دادا سے فساد ہوتا

---

[1] ۱۸۷۸ء میں ولیم ارون مولف تاریخ فرخ آباد لکھتا ہے کہ آخر کار بندیلے دلیل خاں کو موڈھا تک ہٹالے گئے اور یہاں اس نے شربت شہادت نوش کیا یہاں اس کا مزار ہے اور ایک مسجد اور ایک کنواں ہے اور آج تک بدستور باقی ہے...... اس زمانے کے ہندی شاعروں نے بہت سے دوہے دلیل خاں کی شجاعت کی مدح میں تصنیف کئے ہیں جواب تک زبان زد خلائق ہیں روپ برہمن، موڈھا کے شاکر نام ایک مسلمان اور سیورا کے سردار خاں نام ایک پٹھان کی زبان سے سن کر تحریر ہوئے (تاریخ فرخ آباد ص ۱۸۲) ارون نے ۳۵ دوہے نقل کئے ہیں، نمونہ یہ ہے:-

گگ بھر چھاتی دلیل کی بیس برس کا جوان ۔۔۔ جُوت میں جُوت سماگئی پایو پد بردان

ساری سرن سکیل کے مرن کیو اک ٹھور ۔۔۔ جیوں پتنگ دیپ جرے پایو دعنیہ دلیل

دلی سے دلیل خاں چلیو کھر گ گہہ باہہ

(تاریخ فرخ آباد صفحہ ۱۸۵ ۔ ۱۸۶)

[2] یہ واقعہ ۹ صفر ۱۱۳۵ھ (۱۰ نومبر ۱۷۲۲ء) کا ہے (تاریخ فرخ آباد ص ۲۱)

جلد آ گیا تھا جب محمد شاہ کا قطب الملک عبداللہ خاں سے مقابلہ ہوا۔ تو یہ اس کی طرف تھا راجہ جے سنگھ اکبر آباد کا صوبہ دار، خطاب ادھے راج، جواہر، ہاتھی اور چند لاکھ روپے کی عنایات سے سرفراز فرمایا گیا اور وہ ادب آموزی اور سرکشی کا انسداد کرنے کے لئے مامور ہوا۔[۱]

تادیب اجیت سنگھ

اجیت سنگھ راٹھور زمیندار مارواڑ کی تادیب بھی قابل ذکر ہے کہ افواجِ قاہرہ کے پہنچنے سے پہلے وہ بخت سنگھ نامی اپنے لڑکے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اجیت سنگھ کا بھائی دھونکل سنگھ غضنفر جنگ کے ذریعہ سے بادشاہ کی اطاعت و ملازمت سے مشرف ہوا۔[۲] اور اجیت سنگھ اجمیر اور گجرات کا صوبہ دار بھی تھا۔ چونکہ دونوں صوبوں کے اکثر رئیس اس کے ظلم کے شاکی ہوئے۔ اور محمد شاہ بادشاہ کے مقابلہ کے وقت وہ قطب الملک عبداللہ خاں کے موافق تھا۔ لہٰذا یہ سب اسباب اس کی علیحدگی کے ہوئے اور وہ دونوں صوبوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔ گجرات کی صوبہ داری حیدر قلی خاں کو اور اجمیر کی صوبہ داری مظفر خاں صمصام الدولہ کے بھائی کو سونپی گئی اور ایک فوج اجیت سنگھ کی تنبیہ کے لئے غضنفر جنگ کے زیر اہتمام مامور ہوئی۔ اس کے علاوہ مرہٹوں کا مقابلہ بھی ہے جو گوالیار کے اطراف میں ہوا۔ اور اس کے دفع کرنے کے لئے بادشاہ نے خود ارادہ کیا۔

فرمان شاہی :-

"لائق العنایت والاحسان سزاوار مراحم بے کراں شائستۂ الطاف نمایاں محمد خاں بہادر غضنفر جنگ اُمیدوار عنایت خاصہ بودہ بداند وقت رُخصت بمقتضائے رسوخ فدویت بعرض رسانیدہ بود کہ ہر گاہ کارے رود ہے بے توقف و اہمال بحضور

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد صفحہ ۴۳-۴۴

[۲] یہ واقعات ۱۱۳۳ھ کے ہیں ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد صفحہ ۴۴ تفصیل کے لئے دیکھئے سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۴۵۲ - ۴۵۵ -

پرنور برسد دریں ولا مرہٹہ بطرف ہندوستان رفت ازوبار کشیدہ چوں آں فدوی دولت خواہ وخیراندیش است وحسن تمددات وے منقوش خاطر لہٰذا رسالۂ پنج ہزار سوار باو مرحمت شدہ و جاگیر نیز تفضل فی شود باید کہ بمجرد ورود فرمان والا شان بسرعت خود را بحضور پُرنور رساند وبہ ہیچ وجہ توقف وتاخیر نکند مفصل از نوشتہ وزیرالممالک معلوم خواہد شد زیادہ عنایت ما را درحق خود روز افزوں داند۔"

ترجمہ:-

"عنایت اور احسان کے لائق بے انتہا رحمتوں کے مستحق نمایاں مہربانیوں کے سزاوار محمد خاں بہادر غضنفر جنگ عنایت خاں کا اُمیدوار ہو کر مطلع ہو کہ فدویت کے رسوخ کے اقتضا سے رُخصت کے وقت ہم سے یہ عرض کیا گیا کہ جس وقت کوئی کام ہوبے توقف ہمارے حضور میں پہونچے، اس زمانہ میں مرہٹوں نے ہندوستان کی طرف مصیبت برپا کر رکھی ہے۔ چونکہ آں فدوی (غضنفر جنگ) دولت خواہ اور خیر اندیش ہے، اور اس کی خیر اندیشی دل پر نقش ہے۔ اس لئے پانچ ہزار سواروں کا رسالہ اس کو مرحمت کیا گیا ہے اور جاگیر بھی بڑھائی جاتی ہے چاہیئے کہ اس فرمان والا شان کے پہونچتے ہی بہت جلد ہمارے حضور میں حاضر ہو۔ اور کسی سبب سے بھی دیر نہ ہو۔ مفصل حال وزیرالملک کے خط سے معلوم ہوگا۔ زیادہ ہماری عنایتوں کو اپنے حق میں بڑھتا ہوا جانے۔"

مین پوری کے راجہ دلیپ سنگھ کا واقعہ

مین پوری کا راجا دلیپ سنگھ جو سرکشی میں مشہور تھا۔ غضنفر جنگ کے گوالیار سے لوٹنے کے وقت ملازمت میں حاضر نہ ہوا۔ اور درخواست کی کہ سرکار کے سربرآوردہ لوگوں میں سے کوئی شخص اس کے مائل کرنے کو آئے تاکہ میں اس کے ساتھ حاضر ہوں۔ غضنفر جنگ نے پانسو سواروں کے ساتھ بھورے خاں کو اس کے راضی کرنے کو بھیجا یہاں تک کہ راجہ سوار ہو کر حاضر ہوا مگر آداب

کورنش بجا لانے میں گردن کشی کی بھورے خاں نے اس کی گردن پکڑی تاکہ اُسے آداب گذار بنائے اس نے اپنی گردن بھورے خاں کے ہاتھ سے چھڑا کر تلوار کھینچ لی غضنفر جنگ نے ایک تیر ایسا مارا کہ اس کا سر تیر قضا کا نشانہ بن گیا اور وہ اسی وقت مرگیا غضنفر جنگ نے اس کے لڑکے جسونت سنگھ کو راجہ بنا دیا اور خود فرخ آباد آیا۔

چھتر سال سے مقابلہ

غضنفر جنگ کا چھتر سال سے مقابلہ ہوا اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس مقابلہ میں بادشاہ نے غضنفر جنگ کی مدد کے لئے سیف الدولہ عبدالصمد خاں دلیر جنگ اور شیر افگن خاں کو بھیجا تھا۔ ایک مہینہ اور اکیس دن طرفین کے بہادروں نے دلاوری اور شجاعت کی داد وسعت سے زیادہ دی۔ آخرکار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس مقابلہ میں فیل سواروں میں سے بھورے خاں، امام خاں، عبدالرسول خاں، احمد خاں آفریدی، ارادت خاں، سردار خاں اور حسین خاں شہید ہوئے۔ اور غضنفر جنگ کے بیٹے نواب اکبر خاں کی پیشانی پر بندوق کی گولی کا زخم آیا جعفر حسین خاں۔ اللہ یار خاں جنگل خاں اور رحمت خاں زخمی ہوئے اور بادشاہی فوج کے چار ہزار سوار اور پیادے زخمی ہوئے اور مارے گئے۔ اس ہنگامہ میں راجا بھدوریہ، راجہ باندا اور کھلواران اور سچی پور کے لوگ اور گونڈوانہ اور رگوہ اور مالوہ کی فوجیں جو امداد کے لئے آئی تھیں قریب ۴۵ ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادوں کے تھیں۔ لشکر اسلام کی فتح کے بعد سب متفرق ہوگئے ان میں سے ہردے نرائن، جگت نرائن، موہن سنگھ اور بند و سنگھ چندیلہ زخمی ہوئے چھتر سال، دس ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ ایک کچے قلعہ میں گھس گیا۔ قیام کی تاب نہیں رہی اور بھر کر میں جو بانجلے کے قریب ہے پناہ لی۔[1]

---

[1] راجا چھتر سال سے لڑائی کے تفصیلی واقعات کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۱) تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۵۲ - ۵۹

(۲) تاریخ ہندوستان از ذکاء اللہ جلد نہم صفحہ ۲۴۴

محمد خاں بنگش غضنفر جنگ کا قلعہ جیت پور میں محصور ہونا!

جب غضنفر جنگ الہ آباد کا صوبہ دار تھا تو قرب کی وجہ سے بندھیل کھنڈ کے راجاؤں کے ساتھ ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا اور اس لڑائی میں چھتر سال وغیرہ سے ہوئی تھی اس میں غضنفر جنگ کو غلبہ بھی حاصل ہوا تھا لہٰذا اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اسی علاقے پر قیام رکھا جائے اس لئے اطراف جیت پور میں قیام کیا اور اطمینان ہونے پر اکثر ہمراہیوں کو وطن جانے کی رخصت دے دی راجگان بندھیل کھنڈ نے مرہٹوں سے امداد طلب کرنے کے سوا کوئی تدبیر نہ دیکھی۔ مرہٹے اور بندھیل کھنڈی متفق ہو کر غضنفر جنگ پر حملہ آور ہوئے۔ غضنفر جنگ نے دشمنوں کی زیادتی کی وجہ سے قلعہ جیت گڑھ میں محصور ہونے کے سوا اور کوئی راستہ نہ پایا چنانچہ وہ قلعہ جیت گڑھ میں آیا کھانے کی کمی کی وجہ سے ایسی نوبت پہونچی کہ جو اشیا کھانے کے قابل نہ تھیں ان کو بھی کھایا گیا اور بادشاہی امیروں میں سے کسی نے مدد نہ کی۔ آخر کار اس کا بیٹا محمد قائم خاں بہادر اپنی ہی قوم کے ایک کثیر لشکر کے ساتھ مدد کے لئے پہونچا اور غضنفر جنگ کو اس مشکل سے نجات دلائی۔

زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ غضنفر جنگ مغلوبیت کے جرم میں الہ آباد کی صوبہ داری سے علیحدہ کر دیا گیا اور یہ صوبہ سربلند خاں مبارز الملک کو دے دیا گیا۔ یہ سانحہ سنہ ۱۱۴۱ھ ۱۷۲۸-۲۹ء میں واقع ہوا۔[1]

دوسرا شاہی فرمان:۔

لائق العنایت والاحسان سزاوار مراحم بے کراں شایستہ الطاف نمایاں محمد خاں بہادر غضنفر جنگ اُمیدوار عنایات خاص بودہ بداند امسال ہجوم و انبوہ و خیرگی و شوخی مرہٹہ از حد اعتدال بیروں است یک فوج اشقیا از راہ بندیل کھنڈ و پسران ستر سال (چھتر سال)

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۵۸۔ ۷۸

(۲) سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۴۶۴۔ ۴۶۶

می خواہند کہ از حدود خود ہا راہ بدہند دریں صورت انتشار آں جماعہ ضالہ سمت کوڑا و کالپی و اٹاوا احتمال دارد ازیں جہت مبارز الملک سربلند خاں بہادر مامور گردید کہ پیش روی آنہا گرفتہ نگزارد کہ از دریا گزشتہ بہر طرف کہ خواہند منتشر توانند گردید چوں دریں ایام بمقتضائے حمیت اسلام و پاس نمک سعی بکار بردہ معطل نباید نشست آں فدوی خاص سمت گوالیار رفتہ بنشیند انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ونستاب رایات عالیات بہ مستقر الخلافت نزول اجلال می فرمایند و تفضل خواص نسبت با حوال خود روز افزوں باید دانست"[1]

ترجمہ:۔

"عنایت اور احسان کے لائق، مراحم بے انتہا کے مستحق، نمایاں مہربانیوں کے سزاوار محمد خاں بہادر غضنفر جنگ خاص عنایت کا اُمیدوار ہو کر معلوم کرے کہ اب کی سال مرہٹوں کی شرارت اور کثرت حد اعتدال سے بڑی ہوئی ہے۔ بدبختوں کی ایک فوج بندھیل کھنڈ کے راستہ سے آئی ہے اور چھتر سال کے لڑکے چاہتے ہیں کہ اپنی حدود میں سے اس کو راستہ دیں۔ اس صورت میں اُس گمراہ جماعت کا کوڑا، کالپی، اور اٹاوہ میں پھیل جانے کا احتمال ہے۔ اس وجہ سے مبارز الملک سربلند خاں بہادر مامور کیا گیا ہے کہ ان کو آگے نہ بڑھنے دے کیونکہ وہ دریا عبور کر کے جس طرف چاہیں گے پھیل سکتے ہیں۔ ان دنوں میں جمعیت اسلام کے تقاضہ سے اور نمک کی پاسداری کر کے خوب کوشش سے کام لینا چاہیئے۔ اور بے کار نہ بیٹھنا چاہیئے۔ وہ فدوی خاص گوالیار کی طرف جا کر بیٹھے۔ اگر خدا نے چاہا تو عنقریب اور جلد بلند پرچم دار السلطنت میں نزول

---

[1] اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد خاں بنگش کے خلاف درباری سازشیں کس طرح کامیاب ہو رہی ہیں۔

فرمائیں گے اور اپنے حال پر خاص عنایات دن بدن بڑھتی ہوئی جاننا چاہیئے"۔

ملہار راؤ مرہٹہ کا مقابلہ جو ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء میں صوبہ داری مالوہ کے قریب چالیس ہزار پیادہ اور سواروں کی جمعیت کے ساتھ عمل میں آیا یہ بھی قابلِ ذکر ہے۔

مالوہ کی صوبے داری پر

"شجاعت پناہ بسالت لائق العنایت والاحسان قابل المرحمت والامتنان محمد خاں بہادر غضنفر جنگ بعنایت بادشاہی اُمیدوار بودہ بداند دریں زمانِ ظفر طراز فیروزی نشاں بمقتضائے بندہ نوازی و عاطفت گستری آں شجاعت پناہ را بہ عطائے خدمت صوبہ داری مالوہ و فوجداری صوبہ مسطورہ با شروط معلومہ بدستور معمول عز امتیاز بخشیدیم باید کہ سپاس و ستائش نوازش و بخشائش اقدس اعلےٰ بہ تقدیم رسانیدہ در نظم و نسق آنجا و تالیف و استمالت مالگذاری و تنبیہ و گوش مالی مفسداں و منع منہیات و مسکرات و قطع و فیصل دعاوی و معاملات موافق شریعت غرا و عدالت عالم آرا دقیقہ از دقائق سعی و کوشش شایاں نمایاں فرو نگزارد و از قوی بر ضعیف میلے نرود و بدعتے حادث نشود دریں باب از جناب جہانیاں مآب تاکید اکید داند ہفدہم شہر ربیع الاول سال دوازدہم از جلوس والا نوشتہ شد۔

(ترجمہ)

"شجاعت پناہ، لائق عنایت اور احسان، قابل مرحمت اور امتنان، محمد خاں بہادر غضنفر جنگ عنایت بادشاہی کا اُمیدوار رہ کر معلوم کرے کہ اس فاتح اور کامیاب زمانہ میں بندہ نوازی اور مہربانیوں کے تقاضہ سے اُس شجاعت پناہ کو مالوہ کی صوبیداری اور فوجداری کی خدمت عطا کر کے بدستور معمول معلومہ شرائط کے ساتھ امتیاز کی عزت ہم نے بخشی، چاہیے کہ ہماری مہربانیوں اور بخششوں کا شکر اور تعریف بجا لا کر وہاں کے انتظام اور بندوبست میں اور مالگذاروں کی تالیف، قلوب اور ان کو راضی

کرنے میں اور مفسدوں کی سزا اور تنبیہ میں اور بُرے کاموں اور شراب خوری وغیرہ کے انسداد میں اور معاملات اور قضیوں کو روشن شریعت کے موافق فیصل کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے۔ اور کوئی زبردست کمزور پر ظلم نہ کرے اور کوئی نئی بات پیدا نہ ہو۔ اس معاملہ میں ہماری بارگاہ سے سخت تاکید جانے۔ ماہ ربیع الاول کی ۱۱ تاریخ کو جلوس والا کے بارھویں برس لکھا گیا۔"

اس کے بعد ۱۱۴۸ھ ۶-۱۷۳۵ء میں الہ آباد کی صوبہ داری سے سربلند خاں کی علیحدگی کے متعلق حکم ہوا۔

غضنفر جنگ کی اولاد و فرزندان

غضنفر جنگ کے بائیس بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں ان میں وہ اولاد شامل نہیں ہے جس نے بچپن میں وفات پائی۔

(۱) نواب محمد قایم خاں سب سے بڑا بیٹا نواب قایم خاں ہے۔ اس کا حال دوسرے مقالہ میں مفصل درج ہوا ہے۔

(۲) نواب احمد خاں جس کا حال تیسرے مقالہ میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

(۳) نواب امام خاں، قائم جنگ کے مقتول ہونے کے بعد باقیماندہ لوگوں نے اس کو مسند ریاست پر بٹھایا تھا۔ پانچ مہینے اور چند دن گزار کر بی بی صاحبہ کے ہمراہ قید ہوا[1] اور الہ آباد کے قلعہ میں قتل ہوا۔ اس کے دو بیٹے تھے جلال خاں اور نعمت خاں۔ جلال خاں کے نو لڑکے صاحبزادہ خاں، قادر داد خاں، خان دوراں خاں، حاتم دوراں خاں، محمد دوراں خاں، حسن علی خاں، احسان علی خاں، الفت علی خاں، فضل علی خاں تھے اور نعمت خاں کے سات لڑکے بو علی خاں، نجف علی خاں، انتظام علی خاں، اصغر علی خاں

---

[1] پانچ مہینے چند روز تک اس نے مسند نوابی پر حکمرانی کی وہ گرفتار ہو کر بشمول حسین خاں، فخرالدین خاں، اسماعیل خاں، کریم داد خاں کے الہ آباد بھیج دیا گیا اور وہاں ۱۷۵۰ء میں بحکم صفدر جنگ مقتول ہوا۔
(تاریخ فرخ آباد اردو ص ۱۵۵)

نظام علی خاں، شمس الدین خاں اور نظر علی خاں پیدا ہوئے۔

(۴) نواب خدا بندہ خاں جس نے ۹ر ذی الحجہ ۱۱۹۴ھ کو وفات پائی[1]۔ اس کا ایک بیٹا امین الدولہ خرومند خاں تھا، اس کا مفصل حال چوتھے مقالے میں بیان کیا جائیگا۔

(۵) نواب اکبر خاں[2]۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ خان خانان خاں اور خان زماں خاں، خان خانان کے ۲ لڑکے انور علی خاں اور حسن علی خاں، اور خان زماں خاں کے پانچ لڑکے صاحب زماں خاں، محمد زماں خاں، احمد زماں خاں، واصل زماں خاں، شیر زماں خاں تھے۔

(۶) نواب عطاء اللہ خاں جو شکار میں روشن خاں کے ہاتھ سے غلطی سے مار ڈالا گیا اس کے دو بیٹے ہدایت اللہ خاں اور فتح اللہ خاں تھے اور ہدایت اللہ خاں کے چھ لڑکے سعادت اللہ خاں۔ کالے خاں یٰسین خاں۔ نور علی خاں۔ ذوالفقار علی خاں اور امیر علی خاں تھے اور فتح اللہ خاں کا ایک لڑکا ولی اللہ خاں تھا۔

نقل عرضداشت نواب غضنفر جنگ:۔ یہ عرضداشت بادشاہ کے فرمان کے جواب میں لکھی گئی جو عطاء اللہ خاں کی تعزیت پر مشتمل تھا:۔

فرمان والاشان مرحمت عنوان تفضل ترجمان متضمن قدسی ارشاد باستمالت خاطر فدویت ذخائر کہ بنا بر ناگزیر سانحہ عطاء اللہ خاں خانزاد قدسی آستاں قریب صنطر آ

---

[1] خدا بندہ خاں نے ۹ر ذی الحجہ ۱۱۹۴ھ (۷ر دسمبر ۱۷۸۰ء) کو دہلی کے قلعہ میں وفات پائی۔ اس کی بیٹی امراؤ بیگم کی نواب مظفر جنگ سے شادی ہوئی تھی۔ (تاریخ فرخ آباد، اردو صفحہ ۱۵۵)

[2] نواب اکبر خاں سکندرہ راؤ میں مارا گیا اس کے لڑکے خانخاناں کی لڑکی سعادت علی خاں پسر نواب شجاع الدولہ کو منسوب تھی لیکن نواب احمد خاں نے یہ شادی روک دی اور یہ کہا کہ جب تک لکھنؤ کے خاندان کی کوئی لڑکی میرے بیٹے محمود خاں کو نہ ملے گی تب تک خانخاناں کی لڑکی لکھنؤ نہ جائے گی۔

(تاریخ فرخ آباد اردو صفحہ ۱۵۳)

بود شرف ورود ارزانی فرمود غلام عقیدت التیام با ستقبال شتافتہ بتقدیم آداب عبودیت امتیاز اندوخت و بدریافت مضمون ہدایت مشحون آں مثال لازم الامتثال شوریدگی و اضطراب دل فدویت منزل بار امیدگی انجامید و خاطر عقیدت گزیں دامن صبا برات و تسکین بدست آورد اگرایں مقدمہ برکارہائے خداوند نعمت برروئے کار می آمد چہ جائے تحسر و تالم بلکہ موجب افتخار روزگار نیز غلام و خانزاد رقوم بود ازآنجا کہ ذات مقدس معلیٰ ہمیں واسطہ آرامش جمہور عباد و ہمیں ذریعہ پرورش غلاماں و خانزاداں راسخ الاعتقاد است صحت و سلامت شخص اقدس و اعلےٰ از جناب ایزد توانا استدعا می نماید او سبحانہ تعالیٰ شانہٗ ظل ظلیل اشرف اقدس را تا یوم التناء برفرق روزگار فدویاں سراپا انقیاد مخلد و مستدام داراد زیادہ عرصہ عنبر البمعات الویہ فلک فرسا پرطرز و ضیار باد۔"

ترجمہ:-

"فرمان والاشان مرحمت عنوان بزرگ ترجمان قدس ارشاد سانحہ عطاء اللہ خاں خانہ زاد کے سلسلہ میں جب کہ فدوی کا دل بہت بے قرار تھا۔ شرف ورود لایا۔ غلام معمور از عقیدت نے آداب عبودیت بجالاکر امتیاز حاصل۔ مضمون ہدایت مشحون پڑھ کر فدوی کے دلِ بے قرار کو سکون و آرام نصیب ہوا اور عقیدت گزین کے دل کو صبر اور تسکین حاصل ہوئی، اگر یہ سانحہ حضور کی خدمت گذاری میں وقوع پذیر ہوتا تو کچھ رنج و تکلیف نہ ہوتی۔ بلکہ بوڑھے غلام اور خانہ داد کے لئے فخر کا سبب ہوتا۔ حضور کی ذاتِ مقدس تمام خدا کے بندوں کے لئے آرام کا ذریعہ ہے اور پرورش کا سبب ہے۔ حضور کی صحت اور سلامتی کا یہ فدوی درگاہ باری تعالےٰ سے خواستگار ہے حق تعالیٰ آپ کو ہم فدویوں کے سر پر قیامت تک برقرار رکھے اور فلک فرسا اور پرنور جھنڈوں کی چمک سے گرد آلود میدانِ دُنیا روشن اور تاباں رہے۔"

(۷) نواب اعظم خاں۔ اس کے دس بیٹے اشرف علی خاں۔ اکبر علی خاں عظمت علی خاں معظم علی خاں فضل علی خاں۔ نور علی خاں۔ امانت علی خاں بکالے خاں غوث علی خاں قائم علی خاں تھے۔

(۸) نواب مرتضےٰ خاں۔[1] اس کے سات بیٹے مصطفےٰ خاں۔ محمد زماں خاں۔ حاتم زماں خاں رستم زماں خاں۔ روشن زماں خاں۔ شجاعت زماں خاں تھے۔

(۹) نواب سید خاں۔ مرتضےٰ خاں کا حقیقی بھائی تھا جو نواب قائم خاں کے ساتھ مارا گیا۔ اس کے تین بیٹے شیر زماں خاں۔ دولت زماں خاں۔ قادر زماں خاں تھے۔

(۱۰) نواب عبد النبی خاں جو قائم جنگ کے ساتھ مارا گیا۔ اس کا ایک بیٹا عبد المجید خاں تھا۔[2] اور عبد المجید خاں کا لڑکا عبد الکریم خاں تھا۔

(۱۱) نواب صلابت خاں[3]۔ اس کے چار بیٹے امام الدین خاں۔ صاحب علی خاں۔ رسول علی خاں۔ کرم خاں تھے۔

(۱۲) نواب حسین خاں[4]۔ اس کے تین بیٹے ذو الفقار علی خاں۔ مظفر علی خاں۔ ثابت علی خاں تھے۔

(۱۳) نواب فخر الدین خاں۔ حسین خاں کا حقیقی بھائی جو نواب قائم خاں کے معرکہ میں لاولد مارا گیا۔

---

[1] نواب مرتضےٰ خاں، نواب مظفر جنگ خلف احمد خاں کے حکم سے مبارک محل میں بحالت قید قتل کیا گیا۔ (تاریخ فرخ آباد اردو صفحہ ۵۳)

[2] جب عبد النبی خاں قایم خاں کے ساتھ لڑائی کیلئے ہاتھی پر سوار ہوا تھا تو اس کو چھینک آئی اور ایک بلی کاٹ گئی نواب عبد النبی خاں زندہ نہ لوٹا۔ اس تاریخ سے چھینک اور بلی اس کے لڑکے عبد المجید خاں کی چڑھ ہو گئی۔ تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۱۵۲-۱۵۳

[3] نواب صلابت خاں سنہ ۱۸۰۲ء تک زندہ تھا (تاریخ فرخ آباد اردو ۱۵۶ ۴)

[4] یہ شخص لہ آباد میں امام خاں کے ہمراہ صفدر جنگ کے حکم سے قتل ہوا۔ (تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۱۵۳)

(۱۴) نواب منور خاں۔ اس کے چھ بیٹے۔ نور علی خاں۔ محمد علی خاں فضل علی خاں قادر داد خاں شبیر علی خاں۔ سبحان علی خاں تھے۔

(۱۵) نواب محمد امین خاں[۵]۔ اس کے دوؔ بیٹے۔ عوض علی خاں۔ غلام حسین خاں تھے۔

(۱۶) نواب اسمٰعیل خاں۔ اس کے چار بیٹے۔ فتح علی خاں۔ خلیل خاں۔ خیر خاں ابراہیم خاں تھے۔

(۱۷) نواب بہادر خاں۔ جو قائم جنگ کے ساتھ مارا گیا۔ اس کے دوؔ بیٹے۔ دلیر ہمت خاں اور یوسف خاں تھے۔

(۱۸) نواب کریم داد خاں۔ اس کے دوؔ بیٹے۔ رحیم داد خاں اور رازق داد خاں تھے۔

(۱۹) نواب شائستہ خاں[۶]۔ اسمٰعیل خاں کا حقیقی بھائی تھا، اس کا ایک بیٹا علی مردان خاں تھا۔

(۲۰) نواب منصور علی خاں۔ اس کی اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی۔

(۲۱) نواب شادی خاں، بے اولاد مرا۔

(۲۲) نواب ہادی داد خاں۔ جو قایم جنگ کے ساتھ لاولد مارا گیا۔

---

[۵] اس نے ایک زمیندار کو گالی دی تھی اس نے امین خاں کو تلوار سے مار ڈالا پیرزادہ علیم اللہ شاہ نے جو قلعہ کے دروازے پر جان علی خاں کی مسجد میں رہتے تھے اسی زمیندار کو قتل کر دیا۔ (تاریخ فرخ آباد (اردو) ص ۱۵۶)

[۶] شائستہ خاں ۱۱۷۲ھ تک زندہ رہا عالمگیر ثانی کے عہد (۱۷۵۴ء – ۱۷۵۹ء) میں احمد خاں غالب جنگ تین سال دربار میں حاضر رہا تو بخشی گری کے عہدہ پر شائستہ خاں مقرر تھا۔ وہ احمد خاں کے غیبت میں بادشاہوں کی طرح حکمرانی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کئی ہزار روپئے سترہ سترہ آنے کے ڈھلوائے جن پر یہ سکہ درج تھا۔

سکہ زد در بحر و بر از اوج ماہی تا بماہ ثانی تیمور و بابر حضرت شائستہ شاہ

احمد خاں کو اطلاع ملی تو اس نے تمام روپیوں کو فراہم کروایا اور ضائع کیا شائستہ خاں محبوس ہوا مگر پھر آزاد ہو گیا۔

(تاریخ فرخ آباد، اردو، صفحہ ۱۵۶ - ۱۵۷)

دُختران:-

(۱) لڑکیوں[1] میں سے ایک لڑکی روشن خاں کی بیوی تھی جس نے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔[2]

(۲) دوسری لڑکی عنایت علی خاں کی بیوی تھی وہ[3] ہمت خاں برادر غضنفر جنگ کی لڑکی کے وفات پانے کے بعد عنایت علی خاں کے نکاح میں آئی اور اس کا کوئی حقیقی بھائی نہ تھا یہ سلطان علی خاں اور رستم علی خاں کی ماں تھی۔

(۳) تیسری لڑکی بھی عنایت علی خاں کے نکاح میں آئی یہ غضنفر جنگ کی پہلی لڑکی کے وفات پانے کے بعد عنایت علی خاں کے سلسلہ ازدواج میں منسلک[4] ہوئی۔ اس کے بھی کوئی حقیقی بھائی نہ تھا اور یہ مراد علی خاں اور اعظم علی خاں کی ماں تھی۔

(۴) چوتھی لڑکی شجاعت علی خاں ولد عنایت علی خاں کی بیوی تھی جو ہمت خاں کی لڑکی کے بطن سے تھی جس کے نہ کوئی حقیقی بھائی تھا اور نہ اولاد تھی۔

(۵) پانچویں لڑکی محمد علی خاں کی بیوی تھی جو شجاعت علی خاں کا حقیقی بھائی تھا۔ اس کے بھی کوئی حقیقی بھائی نہ تھا۔ امیر علی خاں اور قطب علی خاں کی ماں تھی۔

(۶) چھٹی لڑکی ارادت علی خاں ولد شجاعت علی خاں کی بیوی تھی[5]۔ اس کے بھی کوئی حقیقی بھائی اور اولاد نہ تھی۔

---

[1] مفتی ولی اللہ فرخ آبادی محمد خاں بنگش کی تعداد اٹھارہ بتلاتے ہیں اور ولیم ارون نے ان کی تعداد بائیس بتائی ہے۔ اس نے اکثر کے نام بھی بتلائے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد ص ۱۵۱-۱۴۳)

[2] شمس آباد کا بازار روشن آباد اسی خاتون نے بنوایا تھا۔ وہاں اس نے ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنوائی تھی اس کے پاس ہی ایک کنواں ہے اس پر ایک پتھر پر یہ مصرع کھدا ہوا ہے۔ ع خیریں آب چاہ روشن آباد
(دیکھئے تاریخ فرخ آباد (ارون) ص ۱۵۰)

[3] ولیم ارون نے اس کا نام رحمت النسا لکھا ہے۔ (تاریخ فرخ آباد ص ۱۵۰)

[4] ارون نے اس کا نام کریم النساء لکھا ہے۔ (تاریخ فرخ آباد ص ۱۵۰)

[5] ارون نے اس کا نام "بیگم صاحبہ" بتایا ہے۔ (تاریخ فرخ آباد ص ۱۵۹)

(۷) ساتویں لڑکی اسمٰعیل خاں اور شائستہ خاں کی حقیقی بہن اور رستم خاں کی بیوی تھی۔ اس کے بھی کوئی اولاد نہ تھی۔[1]

(۸) آٹھویں لڑکی اسمٰعیل خاں اور شائستہ خاں کی حقیقی بہن تھی اور مصطفےٰ خاں کی بیوی تھی۔ اس کے بھی کوئی اولاد نہ تھی۔

(۹) نویں لڑکی خداداد خاں کی بی بی تھی[2] جس کا کوئی حقیقی بھائی نہ تھا۔ سکندر علی خاں کی ماں تھی اور سکندر علی خاں کے دو بیٹے سرفراز علی خاں اور غضنفر علی خاں پیدا ہوئے۔

(۱۰) دسویں لڑکی بنگش خاں کی بی بی تھی[3]۔ عطاء اللہ خاں کی حقیقی بہن اور ولی محمد خاں کی ماں تھی۔

(۱۱) گیارھویں لڑکی یوسف خاں کی بیوی اور منصور علی خاں کی حقیقی بہن تھی۔ اس کے بھی کوئی اولاد نہ تھی۔

(۱۲) بارھویں لڑکی مراد خاں کی بیوی تھی۔ اس کا کوئی حقیقی بھائی نہ تھا[4] خیراتی خاں کی ماں

---

[1] اروِن نے اس کا نام بی بی کا نیہ بتایا ہے (تاریخ فرخ آباد صفحہ ۱۵۹)

[2] اروِن نے اس کا نام بی بی دولت خاتون بتایا ہے۔ خداداد خاں کے پرپوتے منور علی خاں نے بنگشوں کے حال میں ایک کتاب "لوحِ تاریخ" ۱۲۵۵ھ ۴۰-۱۸۳۹ء میں لکھی ہے اس کا شجرہ یہ ہے۔
"منور علی خاں بن سرفراز خاں علی بن سکندر علی خاں بن خداداد خاں" اور منور علی خاں نے اپنی پردادی کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ جب مظفر جنگ نے بنگش خاندان کی پنشن روک لی تو دولت خاتون بادشاہ کے حضور میں گئی۔ بادشاہ نے بنگش گھاٹ کا محصول اس کو معاف کر دیا اپنے بیٹے سکندر علی خاں کے مرنے کے بعد بی بی دولت نے فقیری اختیار کر لی اور اپنا وقت چرخا کاتنے میں گذارتی تھی اسے معماری اور نجاری کے کام میں بھی کمال حاصل تھا ۱۶ ربیع الاول ۱۲۳۴ھ ۲ مئی ۱۸۱۸ء کو دولت خاتون کا انتقال ہوا تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فرخ آباد (اروِن) ص ۱۵۹-۱۶۲)

[3] اروِن نے اس کا نام اصالت خاتون بتایا ہے۔ (تاریخ فرخ آباد ص ۱۶۲)

[4] اروِن نے اس کا نام کاملہ خانم بتایا ہے۔ (تاریخ فرخ آباد ص ۱۶۲)

تھی، یہ مراد خاں، عنایت علی خاں کے چچا کا بیٹا تھا، عنایت علی خاں، الف خاں، امیر خاں کا بیٹا تھا۔ امیر خاں کے تین لڑکے تھے ایک الف خاں، عنایت علی خاں کا باپ دوسرا قاسم خاں جو مراد خاں اور محمد خاں کا باپ تھا۔ تیسرا اللہ یار خاں جس کے صرف ایک ہی لڑکی تھی۔ اور اس کو محمد علی خاں سے بیاہ دیا تھا، اس سے ایک لڑکا صفدر علی خاں نام اور ایک لڑکی نواب امین الدولہ خرد مند خاں کی ماں پیدا ہوئی۔

(۱۳) تیرھویں لڑکی کریم داد خاں کی حقیقی بہن اور خان عالم خاں کی بیوی تھی۔

(۱۴) چودھویں لڑکی علی داد خاں کی بیوی اور بہادر خاں کی حقیقی بہن تھی۔

(۱۵) پندرھویں لڑکی، حرمت خاں کی بیوی تھی جس کا کوئی حقیقی بھائی نہ تھا۔[۱]

(۱۶) سولھویں لڑکی جوہر خاں کی بی بی تھی۔ جس کا کوئی حقیقی بھائی نہ تھا۔[۲]

(۱۷) سترھویں لڑکی۔ بابر خاں کی بیوی تھی۔

(۱۸) اٹھارویں لڑکی سردار خاں کی بیوی اور بہادر خاں کی حقیقی بہن تھی۔

غضنفر جنگ کی وفات

۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء میں غضنفر جنگ کے گلے میں ایک پھوڑا نکلا۔ ہر چند حاذق طبیبوں اور ماہر جراحوں نے علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار جمعرات کے دن ماہ ذی قعدہ کی دوسری تاریخ ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء میں انتقال کیا۔[۳] فرخ آباد کے

---

[۱] اروِن نے اس کا نام عابدہ خانم بتایا ہے (تاریخ فرخ آباد صفحہ ۱۶۴)

[۲] اروِن نے اس کا نام صاحب خاتون اور شوہر کا نام جوہر خاں بتایا ہے۔ (تاریخ فرخ آباد ص ۱۶۴)

[۳] محمد شاہ نے محمد خاں بنگش کی بیماری کی خبر سن کر مزاج پرسی فرمائی اور علاج کے لیے حکیم علوی خاں کو بھیجا لیکن ان کے علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور ۲ ذی قعدہ ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء کو انتقال ہو گیا۔ محمد خاں حیات باغ میں دفن ہوا۔ بلند چبوترہ پر ایک مقبرہ بنا ہوا ہے جو دور سے نظر آتا ہے۔ یہ مقبرہ نواب نے اپنی حالت حیات ہی میں بنوایا تھا۔ (تاریخ فرخ آباد از اروِن ص ۱۳۱) محمد خاں نے آخر وقت تک اپنی سادہ وضع اور سپاہیانہ طریقوں کو نہیں چھوڑا۔ اس کی عادت تھی کہ اپنی حیثیت سے زائد کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ غرور اس کے پاس سے ہو کر نہیں گزرا اور خود آرائی اس میں نہیں تھی وہ ہمیشہ بالکل سادہ کپڑے پہنتا تھا اس کے دیوان خانے اور مکان میں صرف چٹائی کی صفوں کا فرش تھا اور اس پر

اطراف میں حیات باغ میں دفن ہوا۔ اس کی قبر پر ایک بلند مینار ہے جو چند کوس سے دکھائی دیتا ہے اور محمد شاہ بادشاہ نے اُس کی تاریخ وفات کہی ہے۔

ستون باب ملک ہند اُفتاد (۱۱۵۶ھ)

شاہی رقعہ:۔ یہ اُس خاص رُقعہ کی نقل ہے جو عین حالتِ مرض میں بادشاہ کے دستخط خاص سے صادر ہوا۔

"فدوی خاص ما محمد خاں بہادر غضنفر جنگ، بیماری آں طول کشیدہ است اگر بحضور می بود در رکابِ سعادت اکثر اطبا، کہ حاذق اند بمعالجہ می پرداختند شاید بدیدن ما شفا حاصل می شد و مارا نیز مشتاق خود داند۔

ترجمہ:۔

"محمد خاں بہادر غضنفر جنگ، ہمارا خاص فدوی اس کی بیماری طول کھینچ گئی ہے۔ اگر ہمارے پاس ہوتا تو بڑے بڑے حاذق طبیب اس کا علاج کرتے شاید ہمارے دیکھنے ہی سے وہ اچھا ہو جاتا۔ ہم کو وہ اپنا مشتاق جانے"۔

بسلسلہ صفحہ گزشتہ:۔ پٹھان اور چیلے اور دوسرے لوگ بیٹھے تھے۔ نواب خود کبھی کبھی گدی پر بیٹھتا تھا اور کبھی وہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ پٹھان جب حاضر ہوا کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے اجی نواب سلام علیک اور انہیں صفوں پر بیٹھ جاتے تھے۔ (تاریخ فرخ آباد صـ۱۳۲)

نواب محمد خاں بہت حسن پرست تھا اس کے بائیس لڑکے اور بائیس لڑکیاں تھیں جو جوان ہوئیں اور ان کی شادیاں ہوئیں۔ ...... اس کے محلات میں سترہ سو عورتیں تھیں اس کے علاوہ ڈھائی سو عورتوں کے علیحدہ تھے جس میں کاچھی، چمار، کوری، راجپوت، بنئے۔ برہمن، سید، مغل۔ پٹھان ہر ذات کی عورتیں تھیں ان میں سے بہت سوں نے اپنے مالک کا چہرہ تمام زندگی میں ایک ہی مرتبہ دیکھا تھا لیکن تمام عمران کو ماہوار تنخواہ جو ابتداءً مقرر ہوئی تھی برابر ملتی رہی۔ سترہ سو محل میں سے کوئی نو سو تو نواب کی زندگی ہی میں مر چکی تھیں۔

(تاریخ فرخ آباد صـ۱۳۴-۱۳۵)

سادات بارہہ

سید عبداللہ خاں قطب الملک اور سید حسین علی خاں امیرالامراء کے آبا و اجداد زید شہید کی اولاد میں سے ہیں۔ جو حضرت زین العابدینؑ[1] کے بیٹے تھے اور زین العابدینؓ حضرت حسینؓ کے بیٹے تھے اور حضرت حسینؓ امیرالمومنین علیؓ ابن ابی طالب کے صاحبزادے تھے۔ ان کی اولاد میں سب سے پہلے بزرگ ابوالفرح واسطی ہند پاکستان میں آئے اور اطراف بارہہ میں قیام کیا۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

ابوالفرح بن داؤد بن حسین بن یحییٰ بن زید بن علی بن محمد بن عیسےٰ موتم الاشبال بن زید شہید[1]۔

ان کی اولاد کو روزافزوں ترقیاں نصیب ہوئیں۔ ہمیشہ بادشاہوں اور حاکموں کے نزدیک عزت و احترام سے اوقات بسر کرتے تھے۔ اور دونوں سیدوں عبداللہ خاں اور حسین علی خاں کا باپ سید عبداللہ خاں کلاں عالمگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں پورے اعزاز سے رہتا تھا[2]، اس سے بڑے بڑے کام ظہور میں آئے اس کے مرنے کے بعد حسن علی خاں جو بڑا بیٹا تھا۔ اس کو بادشاہ نے عبداللہ خاں کا لقب دیا پھر فرخ سیر کے زمانہ میں اس کو قطب الملک خطاب دیا گیا[3]۔ چھوٹا بھائی حسین علی خاں تھا اس کو امیرالامرا کا خطاب دیا گیا[4]۔

---

[1] جن لوگوں کے نسب نامے ابوالفرح واسطی سے ملتے ہیں ان میں اکثر اختلاف ہے ملاحظہ ہو خاندان برکات از محمد میاں مارہروی صـ۳-۴ (مطبوعہ چشتی پریس بریلی سنہ ۱۹۲۷ء) اصح التواریخ از محمد میاں مارہروی صـ۷۹-۸۴ (خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ سنہ ۱۳۴۷ھ)

[2] اس کے حالات کے لئے دیکھیں مآثرالامراء جلد دوم صفحہ ۴۸۹-۴۹۱ (کلکتہ سنہ ۱۸۹۰ء)

[3] قطب الملک عبداللہ خاں کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) مآثرالامراء جلد دوم صـ۱۳۰-۱۴۰ (کلکتہ سنہ ۱۸۹۱ء) (۲) سرو آزاد صـ۱۵۴-۱۶۲

[4] امیرالامراء حسین علی خاں کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔
(۱) مآثرالامراء جلد اول صـ۳۲۱-۳۳۸ (کلکتہ سنہ ۱۸۸۸ء)
(۲) سرو آزاد صـ۱۶۲-۱۶۳

نواب نظام الملک آصف جاہ فتح جنگ اور اعتماد الدولہ قمر الدین خاں وزیر

نظام الملک آصف جاہ، ایک بزرگ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد اور ماوراء النہر کے شہر سمرقند کے رہنے والے تھے۔ شیخ سہروردی کتاب عوارف المعارف کے مصنف ہیں۔ ان کا نسب حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اوّل وراشد ہیں منتہی ہوتا ہے اور یہ شیخ عالم کے نام سے مشہور تھے جب خادمہ کے پیٹ سے ان کا لڑکا پیدا ہوا اس کا نام شہاب الدین رکھا گیا اور ان کے نکاح کرنے کے بعد جب بی بی کے پیٹ سے لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام بہاء الدین رکھا گیا۔ اس کے بعد ان بزرگ کو سفر حجاز پیش آیا۔ اور سنہ ۱۱۰۶ھ (۱۶۹۴-۵ء) میں شہاب الدین کے ساتھ ہندوستان پہونچے۔ شاہجہاں بادشاہ کو جب ان کے دارالسلطنت کے قریب پہونچنے کی خبر ہوئی تو دارا شکوہ کو استقبال کا حکم دیا۔ اور اپنے دولت کدہ پر پہونچنے کے وقت خود بھی قدم رنجہ فرما کر اندر لایا۔ لوازماتِ بزرگی اور مہمانداری میں مشغول ہوا۔ ملبوس، خیمہ و خرگاہ کے علاوہ پانچ لاکھ روپیہ نقد زادِ راہ کے طور پر دئے۔ شیخ مکہ معظمہ گئے اور حج ادا کر کے وہیں وفات پائی۔

شہاب الدین نے وطن لوٹ کر بادشاہ کی خدمت میں ایک عرضی اس مضمون کی بھیجی کہ پیرزادگی کا خیال میرے سر سے نکل گیا ہے بزرگوں کا سجادہ چھوٹے بھائی بہاء الدین کو سونپ دیا ہے۔ بندگی کا ارادہ دل میں کر لیا۔ جیسا حکم ہو تعمیل کی جائے۔ بادشاہ کی بارگاہ سے اس مضمون کا حکم صادر ہوا کہ جب آپ نے ہماری ملازمت کا ارادہ کر لیا ہے۔ اطمینان سے آئیں۔ مراحم خسروانہ سے نوازے جائیں گے چنانچہ شہاب الدین دارالسلطنت پہنچے صدر الصدور کے بعد جو عہدہ تھا اس پر سرفراز ہوئے۔ پانچ ہزاری منصب اور عابد خاں کا خطاب عطا ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد اپنے بال بچوں کو بلا کر اپنے لڑکے کا نکاح شاہجہاں کے وزیر سعد اللہ خاں کی لڑکی سے کر دیا۔ اور عابد خاں سنہ ۱۰۹۸ھ (۱۶۸۶-۷ء) میں گول کنڈہ کے محاصرہ میں

انتقال کر گئے۔

یہ لڑکا عہد عالمگیری میں غازی الدین خاں بہادر فرزند ارجمند فیروز جنگ کے خطاب سے مخاطب ہوا۔ اور ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء میں گجرات کی صوبہ داری کے زمانہ میں انتقال کیا۔ سعد اللہ خاں کی لڑکی سے اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ میر قمر الدین اس کا نام تھا۔ آخر میں اس کو بھی خطاب چین قلیچ خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ ملا۔

شیخ بہاء الدین جو شہاب الدین کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس کا ایک لڑکا ۱۱۰۵ھ/۱۶۹۳ء میں ہند پاکستان آیا اور اعتماد الدولہ محمد امین خاں کا خطاب پایا۔ اور محمد شاہ کی بادشاہت کے شروع زمانے میں وزارت کا عہدہ اُسے عطا ہوا۔ اور اس کے مرنے کے بعد یہ عہدہ نظام الملک آصف جاہ کو ملا۔ اور ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء میں بادشاہ اور امرا کی مخالفت کی وجہ سے اسے اس عہدہ سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اور اعتماد الدولہ قمر الدین خاں چین قلیچ خاں بہادر نصرت جنگ کو جو محمد امین خاں کا بیٹا تھا مرحمت ہوا۔ قمر الدین خاں نے نظام الملک کی اجازت اور رضامندی سے اس کو قبول کر لیا۔ اور نظام الملک مستقل طور سے تمام دکن کے ملکوں کا مالک ہوا۔ ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں محمد شاہ، نظام الملک[1] اور قمر الدین[2] خاں تینوں نے ایک ہی سال میں وفات پائی۔ میر غلام علی آزاد نے ان کی تاریخ وفات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

گفت تاریخ چوں کشیدم آہ — موت شاہ و وزیر و آصف جاہ

نظام الملک بھی شعر و سخن کی طرف بھی مائل تھے۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

ز بیگانہ حرفے نگر گوش کردی — کہ ایں آشنا را فراموش کردی

---

[1] نظام الملک کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔ (۱) مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۸۷۵ - ۹۲۷۔
(۲) سرو آزاد صفحہ ۱۷۳ - ۱۸۴۔

[2] اعتماد الدولہ قمر الدین کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۳۵۸ - ۳۶۱

نواب صمصام الدولہ خان دوراں خان!

یہ خواجہ علاء الدین عطار کی اولاد میں ہیں۔ جو خواجہ بہاء الدین نقش بندی کے داماد تھے۔ اسی خاندان کے ایک شخص خواجہ قاسم نے اکبر آباد میں سکونت اختیار کی۔ اس کے پانچ لڑکے تھے:۔

(۱) خواجہ باقر (۲) خواجہ جعفر (۳) خواجہ انور، یہ تینوں ایک ماں سے اور (۴) خواجہ عاصم اور (۵) خواجہ مظفر یہ دوسری ماں سے تھے۔ ان میں سے خواجہ عاصم بانکی وضع قطع کا آدمی تھا، فرخ سیر کی بادشاہت کے زمانے میں اس نے ترقی کر کے صمصام الدولہ خان دوراں خان بہادر منصور جنگ کا خطاب پایا۔ اور محمد شاہ کے زمانہ سلطنت میں امیر الامرا بخشی الملک کے منصب پر پہونچا[۱]۔

خان دوراں خان بہادر مردان کار کو بہت چاہتا تھا اور علما کی عزت کرتا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد اس کی محفل میں بہت سے عالم جمع ہوتے تھے اور نکتہ سنجیاں کرتے تھے

ایک رات معمہ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ نواب نے کہا: "قرآن مجید میں ہر خشک و تر موجود ہے مگر معمہ کہاں ہے؟ حاضرین میں سے ایک نے کہا کلام مجید کے آغاز میں اول حرف "با" ہے اور آخر میں اس کے "سین" ہے جس کا مجموعہ "بس" ہوا۔ یعنی یہ کتاب تم کو بس ہے۔ اور اس معمہ کے استخراج کی نسبت امیر المومنین علی ؓ بن ابی طالب سے کی۔ نواب نے کہا "بس" لفظ فارسی ہے اس کا استخراج امیر المومنین سے کیا معنی رکھتا ہے؟ حاضرین اس کے جواب میں ہر چند گفتگو کرتے تھے۔ نواب قبول نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میر عبد الجلیل[۲] بلگرامی نے "بس" کا عربی ہونا قاموس کی عبارت سے ثابت کر دیا۔ اور نواب نے بھی پسند کر لیا۔

بندہ مولف کا شعر ہے:۔

۱؎ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ماثر الامراء جلد اول ص ۸۱۹-۸۲۵

۲؎ میر عبد الجلیل بلگرامی ۱۱۳۸ھ / ۱۷۲۵ء میں فوت ہوئے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) مرتبہ محمد ایوب قادری ص ۲۷۴-۲۷۶ کراچی سنہ ۱۹۶۰ء

اوّل و آخر کلام اللہ — بادو سین آمدہ در حرفِ شگرف
یعنی اے اہلِ دل برائے شما — بس بود ایں کتاب بن یہ حرف

نواب برہان الملک سعادت خاں

نیشاپور میں موسوی نسب سیدوں میں سے ایک شخص تھا جس کا نام سید محمد تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے مرزا نصیر اور مرزا یوسف اور مرزا نصیر کے بھی دو بیٹے تھے مرزا محمد باقر اور مرزا محمد امین بہادر شاہ کے زمانے میں مرزا نصیر بڑے بیٹے مرزا محمد باقر کے ہمراہ دریا کے راستہ بنگالہ روانہ ہوا مگر راستہ میں عظیم آباد ہی میں ٹھہر گیا۔ وہیں مرزا محمد باقر کا نکاح کیا۔ اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نثار محمد خاں نام رکھا۔ جو آخر میں شیر جنگ کے خطاب سے مخاطب اور کشمیر کا صوبیدار رہا۔ مرزا نصیر عظیم آباد میں مرا۔

۱۱۲۰ھ ۹-۱۷۰۸ء میں مرزا محمد امین ولایت سے ہندوستان آیا۔ اور عظیم آباد میں مرزا باقر سے ملا پھر دونوں بھائی شاہجہاں آباد میں آئے۔ چند دن تک مرزا محمد امین، سربلند خاں بہادر جنگ صوبہ دار گجرات کی سرکار میں میر منزل کی خدمت پر مامور رہا۔ اتفاقاً سفر میں ایک رات ایسی سخت بارش ہوئی کہ نشیب زمین میں خیمہ نصب ہونے کے باعث نواب نے تمام رات رتھ میں گذاری۔ صبح کے وقت مرزا محمد امین سے غصہ ہو کر کہا کہ تم فرودگاہ کی طرف توجہ نہیں کرتے، تمہارے دماغ میں پنج ہزاری ہونے کا خیال ہے ہماری نوکری سے الگ ہو جاؤ مرزا محمد امین نے عرض کیا کہ "حضور کے منہ سے ایسی بات کا نکلنا میرے حق میں نیک فال ہے" اور یہ کہہ کر چلا گیا اور شاہجہاں آباد پہونچ کر سادات بارہہ سے مل گیا۔

۱۱۲۸ھ ۱۷۱۶ء میں منڈیاؤں اور بیانہ پرگنات کی تحصیل پر مامور ہوا۔ اسی زمانہ میں محمد تقی خاں صوبیدار اکبر آباد کی لڑکی سے شادی کی اور اس سے پہلے وہ ایک عورت خانم صاحبہ سے نکاح کر چکا تھا جس سے ایک لڑکی تھی۔ بیانہ پہونچنے کے وقت اس لڑکی کی عمر پانچ برس کی تھی اسی لڑکی کا نکاح نواب صفدر جنگ سے ہوا جو شجاع الدولہ کی ماں ہوئی۔ اور خانم صاحبہ کی قبر

شہر لکھنؤ کے اطراف میں منڈیاؤں باغ میں ہے۔

مرزا محمد امین۔ امیر الامراء حسین علی خاں کے قتل کے بعد مرزا محمد باقر اپنے بڑے بھائی کے ساتھ چودہ ہزار سوار اور پیادوں کی جمعیت کے ہمراہ بیانہ سے کوچ کر کے محمد شاہ اور تورانیوں کی لشکرگاہ کے قریب پہونچا، معزالدولہ حیدر قلی خاں میر آتش کی وساطت سے بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوا، سعادت خاں کا خطاب پایا۔ اور مرزا محمد باقر کو سیادت خاں کا خطاب ملا۔ اور جب قطب الملک عبداللہ خاں نے بادشاہ سے مقابلہ کیا اور اس وقت سعادت خاں سے نمایاں کام ظاہر ہوئے۔ قطب الملک گرفتار ہوا تو سعادت خاں خواصوں کی داروغگی کی خدمت پر اور اکبرآباد کی صوبہ داری پر مامور رہا۔ اس صوبہ میں آکر اس نے مناسب انتظامات کئے۔ سعادت خاں کی کارگزاریوں اور تجربہ کاریوں کی خوبیاں معلوم ہونے کے بعد اودھ کا صوبہ اختر نگر جس میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ گردھر ناگر کو علیحدہ کر کے اس کے سپرد کیا گیا اور اکبرآباد کی صوبہ داری راجہ اجیت سنگھ راٹھور کو ملی۔

سعادت خاں نے صوبہ اودھ میں پہونچ کر ایسی دادِ شجاعت اور دادِ خدمت دی کہ بیان سے باہر ہے۔ پہلے صوبہ اودھ ستر لاکھ کی آمدنی کا تھا۔ سعادت خاں نے پہلے ہی سال میں اس کی آمدنی ایک کروڑ سات لاکھ تک پہونچا دیا۔ اور دوسرے سال میں دو کروڑ تک، یہ حال معلوم ہونے پر "برہان الملک بہادر جنگ" کا اُسے خطاب ملا۔ اس وقت اپنے بھانجے مرزا محمد مقیم کو نیشا پور سے بُلایا اور اپنی لڑکی رضیہ کا نکاح اس سے کر دیا یہ لڑکی خانم کے بطن سے تھی۔ برہان الملک کی دوسری بیوی سے بھی چار لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی ھیگا بیگم، نصیر الدین حیدر خاں کی بیوی ہے۔ دوسری محمدی بیگم، محمد قلی خاں کی بیوی ہے، تیسری آمنہ بیگم سید محمد خاں کی بیوی ہے اور چوتھی بندی بیگم ہے جو سیادت خاں پسر سیادت خاں کلاں کی بیوی ہے۔ برہان الملک نے سرطان کی بیماری میں ۱۱۵۱ھ ۱۷۳۸ء میں وفات پائی۔ جب نادر شاہ جہاں آباد میں مقیم تھا۔ اس کا بھائی سیادت خاں ۱۱۴۲ھ مطابق

۳ ؎ ۱۷۳۱ء میں مرا۔

وزیر الممالک ابو المنصور خاں صفدر جنگ[1]

اس کا اصل نام مرزا محمد مقیم تھا وہ مرزا یوسف ترکمان کے خاندان میں ہے جو چند بار امیر تیمور صاحب قران کے ساتھ نمایاں لڑائیاں لڑا ہے۔ صاحبقراں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا میراں شاہ اس کے مقابلہ میں آیا۔ اور مارا گیا۔ مرزا یوسف کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے شاہجہاں نے سلطنت کے مقابلہ میں سر اُٹھایا۔ اس کے بعد بداغ شاہ نے اس کے بعد حسن علی مرزا نے اس کے بعد ناصر مرزا نے اس کے بعد منصور مرزا نے اور جب سلاطین صفویہ کو غیر خاندان والوں سے یہ اندیشہ ہوا کہ وہ سلطنت کی بربادی کے درپے ہیں تو شاہ عباس اوّل نے منصور مرزا کو تبریز سے ہٹا کر نیشاپور میں مقرر کیا منصور مرزا نے نیشاپور میں بڑی عزت سے زندگی بسر کی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا مرزا محمد قلی بیگ ہوا اس کے دو بیٹے محمد شفیع خاں بیگ اور جعفر خاں بیگ تھے۔ جعفر خاں بیگ کے دو لڑکے بڑا مرزا محسن اور چھوٹا مرزا محمد مقیم تھے اگرچہ جعفر خاں کی اولاد بہت تھی۔ لیکن مرزا محمد امین سعادت خاں برہان الملک کی بہن سے دو بیٹے تھے۔ برہان الملک نے اپنی لڑکی سے مرزا محمد مقیم کا نکاح کر دیا، اس کو سعادت مند جان کر بادشاہ محمد شاہ سے صفدر جنگ کا خطاب دلوایا۔ اور صوبہ اودھ کی نیابت پر اس کو اپنی طرف سے بھیجا۔ اس نے بہت شائستہ طور پر وہاں حکومت کی اور صفر کی، تاریخ ۱۱۵۶ھ م ۱۷۴۳ء میں حفیظ اللہ خاں پسر سعد الدین خاں کے معزول ہونے کے بعد عمدۃ الملک امیر خاں کے مشورہ سے صفدر جنگ میر آتشی کے عہدہ پر سرفراز ہوا۔ میر آتشی توپخانہ کی افسری

---

[1] برہان الملک سعادت خاں، حکومت اودھ کا بانی اول ہے اودھ کی تمام تاریخوں میں اس کے حالات تفصیل سے درج ہیں (۱) ملاحظہ ہو (۱) تاریخ اودھ جلد اول از نجم الغنی خاں صفحہ ۱۲-۸۳ (لکھنؤ ۱۹۱۹ء)

(۲) قیصر التواریخ جلد اول از کمال الدین حیدر صفحہ ۳۲-۴۴

(۳) مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۴۶۳ - ۴۶۶

ہوتی ہے اور اس کے لشکر میں گھوڑے "س" کے داغ سے داغے جاتے تھے اس میں "سعادت" کے نام کی رعایت ہے۔[۵]

سربلند خاں مبارز الملک

سربلند خاں تونی مبارز الملک ایک سردار تھا۔ اس نے بڑے بڑے نمایاں کام کیے۔ وہ عظیم الشان کے متوسلین میں سے تھا لہذا جس وقت جہاندار شاہ کا فرخ سیر سے مقابلہ ہوا تو اسد خاں کی تحریک کے موافق حاضر ہو کر جہاندار شاہ کا شریک ہوا۔ احتیاط کے طور پر اُسے گجرات کا صوبہ پر مامور کیا گیا۔ فرخ سیر کے تسلط ہونے کے وقت قطب الملک عبداللہ خاں کی وساطت سے حضور میں پہونچا۔ بڑے بڑے انعامات اور اعزازات سے سرفراز ہو کر اودھ کا صوبہ دار ہوا۔ ہندوستان کے اکثر صوبوں پر صوبہ دار رہا اور شاہجہاں آباد میں سنہ ۱۱۵۴ھ م سنہ ۱۷۴۱ء میں وفات پائی۔ حضرت نظام الدین کے قریب کے قبرستان میں دفن ہوا۔

۵؎ صفدر جنگ ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء کو پاپڑ گھاٹ ضلع سلطان پور میں فوت ہوئے اول ان کو گلاب باڑی (فیض آباد) میں دفن کیا گیا تھوڑے دنوں کے بعد صفدر جنگ کی لاش دہلی پہونچی اور شاہ مردان کے پاس دفن ہوئے۔ صفدر جنگ کا نہایت شاندار مقبرہ دہلی میں بنا ہوا ہے۔ اس مقبرہ کو سیدی بلال محمد خاں نے تین لاکھ روپے سے تعمیر کرایا تھا۔ آج کل آثار قدیمہ کی طرف سے نگرانی ہوتی ہے دہلی کی قابل دید عمارتوں میں سے ہے قریب ہی صفدر جنگ کا ہوائی اڈہ ہے یہاں بڑی رونق رہتی ہے مقبرہ کے اندر یہ تاریخ کندہ ہے۔

چوں آں صفدر عرصہ مردمی   ز دار فنا گشت رحلت گزیں
چنیں سال تاریخ او شد رقم   کہ بادا مقیم بہشت بریں   ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء

دہلی کی سیاست میں صفدر جنگ کا خاص اقتدار رہا ہے وزیر الممالک کے عہدہ پر سرفراز تھا صفدر جنگ افاغنہ روہیل کھنڈ و فرخ آباد کی بیخ کنی میں ہمیشہ کوشاں رہتا تھا۔

(۱) تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۲۹۴ - ۲۹۷
(۲) آثار الصنادید باب اول صفحہ ۸۸   (۳) قیصر التواریخ جلد اول
(۴) مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۳۶۵-۳۶۸

شیخ اللہ یار خاں بلگرامی اس کی سرکار میں بخشی رہا ہے۔ کابل کی صوبہ داری کے وقت جو کوئی بلگرام سے آتا تھا پہلی ہی ملاقات میں اس سے معانقہ کر کے ایک ہزار روپیہ اور ایک گھوڑا پیش کرتا تھا، ایک ہزار آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ یہی عمل کیا۔ اگر آنے والا نوکری کا ارادہ کرتا تو نواب کی سرکار میں نوکر کرا دیتا۔ ورنہ رخصت کر دیتا تھا۔ شیخ اللہ یار کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو جو بالغ نہیں ہوا تھا نواب نے علوم عربی، فارسی، خوشنویسی، تیر اندازی اور دفتر کے کاموں کی تعلیم و تربیت دلائی۔ ہر فن کے کامل اُستاد مقرر کئے۔ اس کو طرح طرح کے کمالات سکھائے۔ اور شیخ اللہ یار خاں کا خطاب دیا۔ حدیقۃ الاقالیم کتاب ہی شیخ اللہ یار خاں دوم کی تالیف ہے اس کے ساتھیوں میں سے شیخ روح الامین خاں بلگرامی ہے جو بہادری اور سپہ گری میں کمال رکھنے کے باوجود علم و فضل میں بھی پوری استعداد رکھتا تھا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو اپنے ہاتھ سے اس نے لکھا ہے اور نادر شاہ کی لڑائی میں خان دوراں خاں کے ہاتھ سے مارا گیا۔[۱]

نواب علی محمد خاں

کہتے ہیں کہ اطرافِ پشاور میں قوم بھڑیچ کا ایک آدمی شہاب الدین خاں نام تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔[۲] بڑا حسن خاں جو نواب دُوندے خاں کا باپ ہے اور چھوٹا شاہ عالم خاں جو حافظ رحمت خاں کا باپ ہے اور اس کا ایک متبنٰی داؤد خاں تھا۔ داؤد خاں شہاب الدین خاں سے اجازت لے کر تلاش معاش میں ہندپاکستان آیا اور انتہائی کوشش کے باوجود کامیاب نہ ہوا۔ یہ خبر پاکر شہاب الدین خاں

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۸۰۱-۸۰۶

۲؎ شہاب الدین بڑے مرتاض اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ علاقہ ہزارہ میں متصل موضع شاہی دبریں دفن ہوئے ان کے تین بیٹے تھے:۔ (۱) حسن خاں (۲) محمود خاں (۳) پائی خاں محمود خاں کے پانچ بیٹے تھے
۱۔ آزاد خاں ۲۔ شہزاد خاں (شہداد خاں) ۳۔ حکیم خاں ۴۔ حسن خاں اور شاہ عالم خاں۔
ملاحظہ ہو:۔ (۱) حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۴۴-۴۸ (۲) اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۵۶-۵۷
(۳) گلستان رحمت از محمد مستجاب خاں (قلمی) صفحہ ۱۰-۱۱ (مملوکہ محمد ایوب قادری)

نے مبلغ ایک ہزار روپیہ اس کے پاس بھیجے اور لکھا کہ ہردوار کے میلے سے ان روپیوں کی گھوڑیاں خرید کر لائے داؤد خاں نے دو سو روپوں کی دو گھوڑیاں خرید کر بھیجیں اور باقی سے چند گھوڑے خرید کر اپنے ساتھیوں کو دئے جو ولایت سے اس کے ہمراہ آئے تھے اور ہردوار کے اس میلے میں سے ایک مالدار ہندو شخص روانہ ہوا تو اپنے ساتھیوں کی مدد سے راستہ میں گھات میں بیٹھ کر اس کو مار ڈالا۔ اور اس کا روپیہ پیسہ لوٹ لیا۔ اس طرح مالدار ہو کر دامن کوہ میں ایک عمدہ نیستان تجویز کر کے ایک کچّا قلعہ بنایا جس کا نام بن گڑھ رکھا[1]۔ اور اس میں رہنے لگا اور رہزنی کا طریقہ اختیار کیا۔

ایک روز چاندنی رات میں بسولی کے اطراف کے جنگل میں ایک جاٹنی کو دیکھا کہ بیماری اور بھوک سے ہلاک ہو رہی ہے اور اس کے پاس ایک ڈیڑھ سالہ بچہ ہے چند بھیڑیئے اس کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ داؤد خاں یہ حال دیکھ کر حیران ہوا گھوڑے سے اتر لڑکے کو اٹھایا اور کہا کہ یہ لڑکا اقبال مند ہوگا کہ بھیڑیئے اس کی نگرانی کے لئے مسلط کئے گئے ہیں میرے کوئی بیٹا نہیں ہے میں اس کو فرزندی میں لیتا ہوں وہ اپنے قلعہ میں لے آیا۔ اور علی محمد خاں اس کا نام رکھا[2]۔ جب یہ لڑکا چودہ برس کا ہوا تو داؤد خاں کا انتقال

---

[1] بن گڑھ، تحصیل بدایوں کا ایک موضع ہے۔ بدایوں سے آنولہ جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ روہیلوں کے زمانہ کا ایک وسیع کنواں ابھی تک موجود ہے۔

[2] نواب علی محمد خاں کو داؤد خاں نے موضع بانکولی متعلق پرگنہ کابر تحصیل بہیڑی ضلع بریلی سے پایا تھا چونکہ داؤد خاں روہیلہ تھا اس لئے نواب علی محمد خاں بھی روہیلہ مشہور ہوئے اور ان کی اولاد نوابانِ رام پور بھی روہیلہ کہلائے۔ ریاست رام پور، "رام پور افغانان" کے نام سے مشہور ہوا نواب علی محمد خاں کی تاریخ وفات ایک ہم عصر شاعر کاظم خاں شیدا نے "ہے ہے افغان" سے نکالی، قدرت اللہ خاں شوق ساکن قاضی موئی پرگنہ کابر (ضلع بریلی) نے طبقات الشعراء میں نواب علی محمد خاں کی اولاد کو افغان لکھا ہے۔ نوابان رام پور میں سب سے پہلے نواب کلب علی خاں (۱۸۸۷ء) نے "سید" ہونے کا دعویٰ کیا اس کے بعد ریاست کی طرف سے یا ریاست کے اثر و امداد سے جو تاریخیں (مثلاً گلشن فتوحات از کلب علی خاں منتخب العلوم از غیاث الدین' انتخاب یادگار از منشی امیر احمد مینائی

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہوگیا[1]۔ اور اس کے ساتھی علی محمد خاں کی معیت میں کمربستہ ہوکر رہزنی کرتے رہے۔ شاہ عالم خاں، شہاب الدین خاں کی وفات کے بعد علی محمد خاں کی ترقیوں کا حال سُن کر ہندوستان آیا اور علی محمد خاں سے مواخذہ کیا۔ علی محمد خاں کے ساتھیوں نے اس کا کام تمام کیا[2]۔

علی محمد خاں فارغ البالی سے اپنے کام میں لگے رہے ان کے گماشتے اطراف وجوانب میں لوٹتے رہتے اپنے آپ کو نواب سے ملقب کیا نوبت بجانے کا بھی حکم دیا اس اطراف کے زمینداران کے فرماں بردار ہوگئے۔ اس مُدّت میں ولایت اور ہند پاکستان کے بہت لوگ جمع ہوگئے۔ حافظ رحمت خاں کو مختارِ کل، سردار خاں کمال زئی کو بخشی اور فتح خاں کو اپنی سرکار کا خان ساماں قرار دیا۔ اسی زمانہ میں علی محمد خاں کو ہرنندن کے ساتھ لڑائی کا اتفاق ہوا۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) تاریخ بدیع از منشی امیر اللہ تسلیم۔ تاریخ ریاست رام پور از اکرام عالم بدایونی۔ سفرنامہ مخلص از ڈاکٹر اظہر علی وغیرہ وغیرہ) مرتب و شائع ہوئیں ان میں نوابان رام پور کو سید لکھا گیا ہے اور جانشینوں کے شیعہ سادات نے نوابان رام پور کے لئے ایک شجرہ بھی مرتب کردیا تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری (ف ۱۹۳۲ء) نے اخبار الصنادید کے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ نولکشور پریس ۱۹۰۲ء) میں نوابان رام پور کے نسب پر محققانہ انداز میں بحث کی تھی۔ نواب حامد علی خاں رئیس رام پور (ف ۱۹۳۰ء) نے حکیم نجم الغنی خاں سے جواب طلب کیا اور اخبار الصنادید کے پہلے ایڈیشن کو تلاش کرکے ضائع کیا گیا اس ایڈیشن کا ایک نسخہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اخبار الصنادید کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۱۸ء میں ریاست رام پور کی طرف سے شائع ہوا جس میں حامد علی خاں کی منشا کے مطابق نوابانِ رام پور کو سید لکھا گیا۔ اتفاق کی بات کہ نواب حامد علی خاں کا انتقال ہوگیا اور حکیم نجم الغنی خاں زندہ رہے۔ زمانہ بدل چکا تھا۔ حکیم نجم الغنی خاں نے نوابانِ رام پور کے متعلق ایک کتاب "مختصر تاریخ ریاست رام پور" ترتیب دیدی اور انھوں نے ان کے نسب کے متعلق اپنی پہلی رائے سے رجوع کرلیا جو اخبار الصنادید کے اول ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں لکھی تھی —— مختصر تاریخ ریاست رام پور کا حکیم نجم الغنی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ منشی ظہور النبی خاں مراد آبادی کے پاس موجود ہے اور اس کا ٹائپ شدہ نسخہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

[1] داؤد خاں کا انتقال ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء میں ہوا۔

[2] شاہ عالم خاں، داؤد خاں کی ترقیوں کا حال سن کر ہندوستان آیا تھا اور مشہور ہے کہ داؤد خاں کے ساتھیوں نے ذی الحجہ ۱۱۲۳ھ/۱۷۱۱ء میں اس کا کام تمام کردیا۔ شاہ عالم خاں کی قبر بدایوں سے آنولہ جانے والی سڑک پر متصل درگاہ خواجہ عرب صاحب واقع ہے ملاحظہ ہو۔ (۱) حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۵۰-۵۱ (۲) اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۴۳-۴۰ (۳) گلستان رحمت (قلمی) صفحہ ۱۶-۱۹

ہرنندن نواب قمرالدین خاں اعتمادالدولہ وزیر کی مراد آباد اور بریلی کی جاگیر کا عامل تھا ہرنندن علی محمد خاں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بہت سا مال و اسباب علی محمد خاں کے ہاتھ آیا۔[۱]

جب یہ خبر محمد شاہ کے کانوں تک پہونچی تو بادشاہ بذات خود تمام ارکانِ دولت کے ساتھ علی محمد خاں کی تنبیہ کے ارادہ سے نکل کر بن گڑھ پہونچا۔ علی محمد خاں کو قایم جنگ اور اعتمادالدولہ کی وساطت سے تیسری جمادی الاول ۱۱۵۸ھ؍۱۷۴۵ء کو دست بستہ شاہی ازنت میں شرف حضوری حاصل ہوا۔ اور یہ رائے ہوئی کہ ان کو شاہجہاں آباد لے جاکر چند دن مقید رکھا جائے۔ ان کے ساتھیوں نے کوہ الموڑہ جاکر پناہ لی۔ بادشاہ معہ اُمراء لوٹ کر شاہجہاں آباد پہونچا۔ چند دنوں کے بعد اعتمادالدولہ کی کوششوں سے علی محمد خاں کی رہائی عمل میں آئی۔ اور ان کو سرہند کا عامل مقرر کر دیا گیا۔ ان کے ساتھی الموڑہ سے آکر اس سے مل گئے۔

سرہند میں افغانی اور ہندپاکستانی کثیر تعداد میں ان کے پاس جمع ہو گئے۔ ابدالی ہنگامہ میں علی محمد خاں سرہند کے تمام لشکر کے ساتھ پھر بن گڑھ آکر اپنے مقبوضات پر قابض ہو گئے احمد شاہ فرزند محمد شاہ کا احمد شاہ درانی سے مقابلہ ہوا تو ابدالی شکست یاب ہوا مگر وہ عبداللہ و فیض اللہ خاں پسران علی محمد خاں کو ——— اپنے ہمراہ ولایت لے گیا

---

[۱] ۱۱۵۵ھ م ۱۷۴۲ء میں راجا ہرنندن اور نواب علی محمد خاں کے درمیان مقابلہ ہوا راجا مارا گیا نواب کو فتح حاصل ہوئی اور بہت مال و اسباب ہاتھ آیا اور امارت کے تمام سامان مکمل ہو گئے اس فتح کے بعد نواب علی محمد خاں نے شاہ آباد، مراد آباد، سنبھل اور پرگنات توابع بریلی کو اپنے عامل روانہ کئے اور ان مقامات کو اپنے قبضہ و تصرف میں لے لیا۔ راجا ہرنندن کی لڑائی کے بعد یہ علاقہ کٹھیر کی بجائے روہیل کھنڈ کے نام سے موسوم ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد قمرالدین خاں وزیر اعظم کی کوشش سے روہیلکھنڈ کی گورنری کا حکم بادشاہ دہلی نے علی محمد خاں کے نام جاری کر دیا۔ ملاحظہ ہو:۔
(۱) حیات حافظ رحمت خاں ص ۵۸-۵۹ (۲) اخبار الصنادید جلد اول ص ۱۲۶-۱۳۵
(۳) گلستان رحمت (قلمی) ص ۳۵-۴۰

ہدایت علی خاں[1] نے جو اس اطراف کا عامل تھا۔ اپنے میں وہاں حکومت کرنے کی لیاقت نہ دیکھی تو وہ دارالسلطنت پہونچا قطب الدین خاں حاکم جاگیرات کو مار ڈالا گیا اور وہاں کا تمام علاقہ علی محمد خاں کے زیرِ فرمان ہو گیا۔ محمد شاہ کو نادر شاہ کے مارے جانے اور احمد شاہ دُرّانی کی آمد کی شہرت اور صحتِ مزاج نہ ہونے کی وجہ سے علی محمد خاں کے فساد کی بیخ کنی کی قدرت نہ ہوئی۔ علی محمد خاں طبعی بیماری سے فوت ہوئے[2]۔ عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں جو علی محمد خاں کے لڑکے تھے اور اطرافِ پشاور احمد شاہ ابدالی کے پاس تھے۔ ریاست سعد اللہ خاں کو ملی جو عمر میں چھوٹے تھے اس کے بعد سعد اللہ خاں پانچ شعبان ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۲ء کو لاولد مرے۔

راجا جے سنگھ سوائی

یہ راجا کچھواہہ[3] قوم راجپوت سے تھا۔ اس کے باپ دادا اودھ کے رہنے والے تھے اس کے بزرگ دو بھائی تھے۔ ایک بڑا کہ باپ اس کے ہاتھ سے مارا گیا اور وہ اس تلافی میں ہنود کے معابد میں گھومتا پھرتا تھا اور دوسرا چھوٹا جو زیارت میں مقیم تھا۔ اور جب بڑا سفر سے لوٹا تو چھوٹے نے اس کو ریاست میں کوئی دخل نہ دیا۔ یہاں تک کہ طولِ زمانے کے بعد اس کی اولاد میں سے کسی نے اپنی بہن کی شادی راجہ گوالیار سے کی اور راج پر زور کے ساتھ قابض ہو گیا

---

[1] ہدایت علی خاں عامل بریلی، مشہور مؤرخ غلام حسین طباطبائی مؤلف سیر المتاخرین کا باپ ہے اس لئے سیر المتاخرین میں غلام حسین نے ہر جگہ روہیلوں کو برے الفاظ سے یاد کیا ہے اور نواب علی محمد خاں کی خاص طور سے مذمت کی ہے۔

[2] نواب علی محمد خاں کا انتقال ۳ رماہ شوال ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۴ ر ماہ ستمبر ۱۷۴۹ء کو آنولہ میں ہوا۔ آنولہ میں نواب علی محمد خاں کا ایک شاندار مقبرہ ہے جو حافظ رحمت خاں کا تعمیر کرایا ہوا ہے کاظم خاں شیدا نے "ہے ہے افغان" سے تاریخ نکالی ہے۔ تقسیم ہندوستان سے قبل عید الفطر کے دوسرے دن مقبرہ میں مجلس ایصال ثواب و وعظ منعقد ہوتی تھی جس میں اکثر مولانا عبد المجید قادری (ف ۱۹۴۳ء) وعظ فرماتے تھے اور حافظ عبد الصمد (ف ۱۹۴۴ء) فاتحہ خوانی فرماتے تھے خاکسار مرتب اپنے بچپن میں اکثر ان محافل میں شریک ہوا ہے۔

[3] حکیم نجم الغنی خاں رامپوری نے تاریخ راجگان ہند جلد اول میں کچھواہہ راجپوتوں کی وجہ تسمیہ کے متعلق جتنی دلچسپ باتیں مشہور ہیں ان سب کو یکجا نقل کر دیا ہے ملاحظہ ہو تاریخ راجگان ہند جلد اول ص ۲۷۸ — ۲۵۰

اس کی اولاد ابھی تک اس راج پر قائم ہے۔ اور راجہ جے سنگھ سوائی چھوٹے بھائی کی اولاد میں ہے۔

راجہ جے سنگھ نے اپنی ریاست کے زمانہ میں بڑے بڑے نمایاں کام کئے ہیں ان میں سے جے پور کا آباد کرنا ہے جو دنیا میں اپنی مثال نہیں رکھتا ہے۔ اس نے جے پور شہر میں اور شہر شاہجہاں آباد میں رصد خانے بنوائے اس نے زیچ جدید بنوائی جو زیچ محمد شاہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ زیچ اس کی کوششوں سے مرزا خیر اللہ اور شیخ محمد عابد مہندس اور دوسرے ریاضی دانوں نے بنائی ہے[۱]۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ایسری سنگھ راجہ ہوا جو شہزادہ احمد شاہ ولد محمد شاہ اور دوسرے امیروں کے لشکر کے ساتھ ابدالی کے مقابلہ میں لڑا۔ اس کے بعد اس کا بھائی مادھو سنگھ، اس کے بعد اسکا لڑکا پرتھی سنگھ، اس کے بعد اس کا بھائی پرتاب سنگھ اس کے بعد اس کا لڑکا جگت سنگھ اس کے بعد اس کا لڑکا جے سنگھ ہوا جو اب موجود ہے۔ اور سات سال کی عمر کا ہے۔

راجہ چھتر سال چھتر سال بندیلہ قوم کا نامور راجا ہے جو اپنی قرار گاہ جمنا و پنا میں رہتا تھا۔ چھتر پور شہر اس کا آباد کیا ہوا ہے۔ اس کو ایک فقیر روح اللہ نامی کی صحبت میں اسلام سے محبت ہوگئی یہ فقیر بندھیل کھنڈ میں جی صاحب کے لقب سے مشہور تھا چھتر سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عقیدت رکھتا تھا اور روزانہ

---

[۱] سوائی جے سنگھ راجا جے پور (ف ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء) علم نجوم سے دلچسپی رکھتا تھا محمد شاہ دہلی نے پترہ نجوم کی اصلاح کا کام جے سنگھ کو تفویض کیا تھا ابتدا میں اس نے الغ بیگ سمرقندی کے آلات کا استعمال کیا مگر ان سے اس کی کاربرآری نہ ہوسکی مختلف مقامات کے مناظروں سے سات برس میں اس نے نقشہ حرکات اجرام فلکی مرتب کرایا اور اس کا زیچ محمد شاہی نام رکھا اس کے ذریعے اب تک علم نجوم کا کل حساب اور تربیت ہوتی ہے مرزا خیر اللہ بیگ وغیرہ کے ذریعہ سے مقامات جین۔ جے پور اور دہلی میں بیس لاکھ روپے کے مصارف سے اجرام فلکی کے مشاہدہ کے واسطے رصد گاہیں بنوا کر ان کو زیچ محمد شاہی کے نام سے موسوم کیا چونکہ عمل رصد کے واسطے تیس سال کی مدت درکار ہے جو تمام دورہ زحل کی مدت ہے مگر جے سنگھ اس سے پہلے ہی مر گیا۔ اس لئے اس کا یہ عظیم الشان کام ناتمام رہ گیا ملاحظہ ہو تاریخ راجگان ہند حصہ اول صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۲ (علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد دوم صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۷

نہانے کے بعد دو کبت نعت میں کہہ کر مسند پر بیٹھتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے مسلمان اور کافر ہونے میں اختلاف ہوا۔ اس کے ہم قوموں نے اُسے ہندو ٹھہرایا اور اپنی رسمیں ادا کیں۔ ایک نقل ہے کہ:۔

"ایک دن وہ ڈولی میں شاہ روح اللہ کو سوار کرا کر ڈولی اپنے کندھوں پر اُٹھا کر تین چار کوس چلا۔ شاہ روح اللہ نے فرمایا کہ اس راستے میں ہیرا نکلے گا۔ چنانچہ اب تک اس سرزمین سے ہیرا نکلتا ہے۔ ان میں سے بڑے بڑے ہیرے شاہ روح اللہ کے مزار پر چڑھائے جاتے ہیں۔ شاہ روح اللہ صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ اس شہر کی زبان میں کیا تھا۔ چنانچہ اس ترجمہ کا پڑھنا شاہ صاحب کی قبر پر معمول ہے۔ ہردے نرائن اور جگت نرائن چھتر سال کے بیٹے ہیں اور ہردے نرائن کا لڑکا جہا سنگھ اور اس کا لڑکا ہندپوت ہے اور جگت نرائن کا لڑکا کیرت سنگھ اور اس کا لڑکا کھمان سنگھ ہے۔

راجپوت کھردار میں ایک قوم بندیلہ ہے جو ہردیو کی اولاد میں ہیں۔ اس کا ایک لڑکا لونڈی کے بطن سے مدہ کرسا نام تھا چونکہ کنیز کو ہندوستانی زبان میں باندی کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ لڑکا "باندی والا" مشہور ہو گیا۔ وہ اس قوم کا جدِ اعلیٰ ہے۔ یہ نام زیادہ زمانہ گذرنے کے بعد "بندیلہ" ہو گیا۔ اس کی اولاد میں بیر سنگھ دیو[1] نے شاہزادہ سلیم کی نوکری اختیار کی جو جہانگیر بن محمد اکبر بادشاہ کے نام سے مشہور ہے اور اس نے شہزادہ مذکور کے حکم سے ابوالفضل کو جو دکن سے اکبر آباد آ رہا تھا راستے میں مار ڈالا پھر جہانگیر کے عہدِ سلطنت میں پنج ہزاری

---

[1] بیر سنگھ بندیلہ کو بعض لوگوں نے "نر سنگھ" بھی پڑھا ہے۔ بیر سنگھ نے ابوالفضل کو مروایا تھا اس لئے جہانگیر کے عہد میں اس کو خاص ترقی ہوئی۔ اس نے اپنی ریاست میں بہت شاندار عمارات، محلات اور تالاب تعمیر کرائے۔ بیر سنگھ بندیلہ ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۷ء میں فوت ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھیے:۔

(۱) ماثر الامرا جلد دوم ص ۱۹۷-۱۹۹

(۲) ذخیرۃ الخوانین از فرید بھکری (مرتبہ ڈاکٹر معین الحق) جلد اول ص ۲۴

منصب اور راجا کا خطاب پایا اور ملک بندھیل کھنڈ جاگیر میں ملا اس نے چند بڑے قلعوں کی بنیاد ڈالی اور نو بار اپنے آپ کو سونے سے تُلوا کر برہمنوں میں تقسیم کیا اور چھ، دنیا، نرور، گڑھ منڈلہ اس کے قبضہ میں تھا اس نے ترہواں کو معہ اس کے ملحقات کے اپنے بھتیجے چیت رائے کو دے دیا۔ چھترسال اسی چیت رائے کا لڑکا ہے۔

سورج مل جاٹ

سورج مل جاٹ کی اصلیت یہ ہے کہ راجہ جے پور کے علاقے کے اطراف میں جاٹ قوم کا ایک زمیندار چند گاؤں کا مالک اور آٹھ ہزار روپے کا مالگذار تھا۔ اس کے لڑکے چورامن نامی نے چند گھوڑے گھوڑیاں بہم پہونچائیں اور ایک جماعت کو اپنی قوم میں سے ساتھی بنا کر قزاقی کرنے لگا اور بھورسنگھ کے دادا اننداجاٹ کی واقفیت کی وجہ سے جو ہاتھرس کا زمیندار تھا دیارام کا باپ اور بھپت سنگھ کا دادا سامنی اور مرسان کا زمیندار بھی اس کام میں اس کا مددگار ہو گیا اور سرکار کے عہدہ داروں کو لوٹنے لگا۔ اپنے علاقہ کے جنگل میں تہ خانہ بنا لیا جو کچھ خرچ سے بچتا تھا اس میں رکھتا تھا اور جنگل ہی میں ایک قلعہ کی بنیاد بھی ڈال لی اور اس کے چاروں طرف ایک شہر آباد کیا جس کا نام بھرت پور رکھا۔ چماروں میں سے چند آدمیوں کو اپنا معتمد بنایا اور تہ خانے کی نگرانی ان کے سپرد کی۔

جب عالمگیر بادشاہ دکن جا رہا تھا تو رات کو اس کے لشکر پر حملہ کیا اور بہت سا مال اور روپیہ پیسہ لوٹ کر کسی پہاڑ کی گھاٹی میں بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے اس کے حال سے اطلاع پا کر چند پرگنے جو پچیس لاکھ روپے کی مالیت کے تھے اس کو مرحمت کر کے اس مضمون کا عہد نامہ لیا کہ اپنے قلعہ میں رہے بسے اور مسافروں میں سے کسی کو نہ ستائے۔ راجہ جے سنگھ سوائی کے باپ راجہ جے سنگھ کچھواہہ نے عہدنامہ کے مضمون کی ضمانت کی اور جب قطب الملک (عبداللہ خاں) نے شہزادہ سلطان ابراہیم کے ساتھ محمد شاہ کا مقابلہ کیا تو یہ چورامن سادات کے ساتھ تھا۔ چورامن کے بعد اس کا بھتیجہ بدن سنگھ اس کا قایم مقام ہوا۔ اس نے ایک

دوسرا قلعہ ڈیگ نام کا بنایا اور اپنے چچا سے زیادہ شورش اُٹھائی۔ اور راجہ جے سنگھ کے علاقہ میں بھی فساد برپا کیا راجہ نے آتشِ فساد بجھانے کی غرض سے اٹھارہ لاکھ روپے کی جاگیر اس کو دے دی۔

بدن سنگھ کے مرنے کے بعد ۱۱۴۶ھ/۱۷۳۳ء میں اس کا لڑکا سورج مل قایم مقام ہوا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی پرتاپ نرائن کو پانچ لاکھ روپیہ کی ملکیت پر راضی کر لیا۔ سورج مل نے قلعہ بکسر کی بنیاد ڈالی جب صفدر جنگ نے احمد خاں سے مقابلہ کیا تو یہی سورج مل صفدر جنگ کا طرفدار تھا۔ اس کے بعد سلطنت کمزور ہو جانے کی وجہ سے سورج مل صوبہ اکبر آباد پر بھی قابض ہو گیا۔ اور جب اس نے نجیب الدولہ سے مقابلہ کیا تو ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء میں مارا گیا۔ اس کا لڑکا جواہر مل اس کا قائم مقام ہوا۔ سورج مل کے کئی لڑکے تھے۔ ان میں سے ایک نول سنگھ ہے۔ جو نجف خاں سے لڑا تھا۔ اور اُسی زمانہ میں مر گیا۔ اس کا بھائی رنجیت سنگھ مقابلہ سے بھاگ کر ڈیگ میں داخل ہو کر چند دن نجف خاں سے لڑا۔ اور آخر کار قلعہ کو خالی کر کے بھرت پور کو بھاگ گیا۔

مرہٹے

جہانگیر بادشاہ کے عہد سلطنت میں اودے پور کا ایک راجا تھا۔ بعض تاریخ داں اس کا نسب نوشیرواں عادل تک پہونچاتے ہیں۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ بڑا لڑکا تو بڑھئی کی بیٹی کے پیٹ سے اور چھوٹا لڑکا رانی کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ راجا کے مرنے کے بعد برادری والوں نے اپنے قاعدہ کے موافق اس کے چھوٹے لڑکے کو مسند نشین کیا اور بڑے لڑکے ساہو ناہی نے چھوٹے بھائی کی تابعداری کو باعث ننگ سمجھا اور جنگل کی طرف نکل گیا، لوٹ مار کا طریقہ اختیار کیا۔ بالآخر سرزمین مرہٹ میں پہونچا جو دیوگیر کے اطراف میں ہے۔ تھوڑے ہی عرصے میں بہت سے لوگ اپنے ساتھی بنا لئے۔ یہ لوگ حکام کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور کامیاب ہوتے تھے۔ ابراہیم عادل شاہ نے لاچار ہو کر رفع شر کے واسطے پرگنہ پونا اس کو جاگیر میں دے دیا۔

جب شاہجہاں نے اپنے باپ یعنی جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں دکن کے ملکوں کو اپنے قدموں سے برکت بخشی تو ساہو نے حاضر ہو کر ایسی نمایاں خدمات انجام دیں کہ شاہجہاں اس سے بہت راضی ہوا۔ اور اس کے عوض اپنی بادشاہت کے زمانہ میں انعام و جاگیر سے اُسے سرفراز کیا۔ اور راجہ ساہو کا خطاب دیا۔ اس نے ایک پہاڑ پر قلعہ کی بنیاد ڈالی۔ اور اس کا نام ستارہ رکھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا راجا سیوا اپنے باپ کے طریقہ پر لوٹ مار کرنے لگا اور خشکی و تری دونوں جگہ لوٹ مار کرتا۔ دکن کے شہروں کے علاوہ مشرقی شہروں جیسے ارکاٹ۔ اڑیسہ اور بنگالہ میں بھی ہنگامے برپا کرنے لگا۔

اس کے مرنے کے بعد سنہ ۱۰۹۱ھ ۱۶۸۰ء میں اس کا لڑکا سنتا نامی بھی باپ کی روش پر لوٹ مار کرنے لگا۔ بادشاہ عالمگیر نے تمام ممالک دکن کی فتح کے وقت فسادات کی بیخ کنی کی غرض سے کسی محرر سے راجہ سنتا کو لکھوایا کہ اگر انعام سے راضی ہو اور ہنگامہ آرائی سے باز رہو تو کیا مضائقہ ہے۔ اس امیر نے جب یہ خوش خبری اسے پہونچائی تو اس نے ایک عرضداشت اس مضمون کی لکھی کہ غلام جو اتنے نوکر چاکر رکھتا ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کرنا باعث عار ہے۔ چونکہ تمام غلاموں کی پرورش حضور سے ہوتی ہے اس لئے اگر اس ملک کی آمدنی کا چوتھا حصہ غلام کو عنایت ہو جایا کرے۔ تو اطمینان سے زندگی بسر ہو۔ اور یہ غلام جاں نثاری کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ بادشاہ نے اس کو منظور کر لیا۔ اور اس کی عرضداشت کو اپنے دستخط سے عزت بخشی۔ جب شاہزادہ اعظم شاہ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو اس نے درخواست منسوخ کر دی۔ (بادشاہ نے) ارشاد فرمایا کہ یہ بات عالی ہمتی سے بعید ہے کہ دی ہوئی چیز کو پھر واپس لیا جائے۔ جب یہ خبر راجا سنتا کو پہونچی اس کو بڑا فخر حاصل ہوا۔

راجہ سنتا کے بعد اس کا لڑکا شاہو راجا قائم مقام ہوا امیر الامرا حسین علی خاں نے اپنی صوبہ داری دکن میں ۱۱۲۹ھ ۱۷۱۲ء میں اس امر پر اس کے ساتھ صلح کی کہ وہ لوٹ مار اور

رہزنی کو چھوڑ دے اور پندرہ ہزار سوار صوبہ دار کی خدمت میں موجود رکھے جو اس کو تمام ممالک محروسہ کی چوتھائی آمدنی اور دیش مکھی دی جائے گی۔ دیش مکھی کی شرح دس فی صدی ہوگی اس کا اطلاق دکن کے چھ صوبوں پر ہوگا اور تمام ملک کوکن پر جو مرہٹوں کا قدیم ملک ہے تسلط دیا جائے۔ ساہو راجہ نے اس مضمون کے ساتھ امیر الامرا کی مہری سند حاصل کی۔ اور چار آدمی وزارت کے عنوان سے مقرر کئے ان کا پردھان نام رکھا۔ ان چار آدمیوں میں سے بالاجی، بشنو ناتھ برہمن کوکنی کا بیٹا تھا جو ساہو راجا کے مزاج میں پورا پورا دخیل تھا وہ اس کے ملک و مال اور اس کی فوج سب پر قابض تھا۔ دوسروں کو قرب و جوار میں بھیج دیا تھا۔ ساہو راجا کے مرنے کے بعد راجا کا مہری کاغذ نکلا جس میں تمام ملک خیرات کرنا لکھا تھا۔ اس کی نقل تمام اطراف میں بھیجی گئی۔ سب نے اس کی پیروی منظور کی۔ اس نے ہر ایک کو حوصلہ کے موافق ملک و مال دے کر راضی کیا۔ منجملہ ان کے تیس لاکھ روپے کی جمع کا ملک ناگپور ساہو راجہ کے چچا کی اولاد میں سے کسی کو دے دیا۔ جو رگھوجی بھونسلہ کا دادا ہے۔ ساہو راجہ کے بال بچوں کی سکونت کے لئے قلعہ ستارہ مقرر کیا۔ ان کے کھانے پہننے اور سواری کا سامان امیرانہ مہیا کیا۔ اور قلعہ ستارہ جو ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء-۱۷۰۰ء میں خلد مکان اورنگزیب عالمگیر کے ارکین سلطنت کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ حسین علی خاں امیر الامرا نے مصالحت کے سبب یہ قلعہ بھی ساہو راجہ کے قبضے میں دے دیا۔ چنانچہ اسی بنا پر مرہٹوں کا تمام ملک ان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اور سرکار انگریزی کے قابض ہونے کے باوجود یہ قلعہ اور اس کے اطراف کے گاؤں ساہو راجہ کی اولاد کا مسکن ہیں۔ اور وہی اس پر قابض ہیں۔

مقالۂ دُوم

نوابؔ قائمؔ خاں بنگش قائم جنگ

ابتدائی حالات قائمؔ خاں غضنفر جنگ کا سب سے بڑا بیٹا ہے۔ یہ مالحہ[1] بانو کے بطن سے جو بی بی صاحبہ کے لقب سے مشہور ہیں پیدا ہوا۔ بی بی صاحبہ قاسم خاں کی بیٹی ہیں۔ بی بی صاحبہ نے ۲۰ ر ذی قعدہ ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۹ء میں وفات پائی۔ قائمؔ جنگ کا ایک حقیقی بھائی دائمؔ خاں تھا جو بالغ ہونے سے پہلے ہی مرگیا۔ اور اس کی ایک حقیقی بہن روشن جہاں تھی۔ جس کا نکاح روشن خاں استرزی سے ہوا تھا اور وہ لاولد مرا۔

قائم جنگ بہادر بہت خوش خو اور اہلِ سنت کے عقائد پر پوری طرح مستقیم تھے۔ ہمیشہ پنج وقتہ نماز اور جمعہ، جماعت سے ادا کرتے تھے اور ہمیشہ ایک رکوع قرآن پاک کا لکھتے تھے۔ ان کی بی بیاں بھی حد درجہ نیک اور حیادار تھیں ان کا زیور نامحرم کے ہاتھ سے نہیں بنتا تھا۔ طبیب ان کا قارورہ اور نبض تک نہ دیکھتا تھا۔ ان کے کپڑے مرد نہیں سیتے تھے۔ قائمؔ جنگ کو شکار کا بہت شوق تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا

---

[1] اروِن نے بی بی صاحبہ کا نام مالحہ بانو یا ربیعہ بانو لکھا ہے (تاریخ فرخ آباد ص ۱۵۱) اور حسام الدین گوالیاری نے مالیہ بانو لکھا ہے ملاحظہ ہو (تاریخ محمد خانی از میر حسام الدین گوالیاری ص ۸)

تو اس نے اپنی خاص شکارگاہ میں اُسے شکار کھیلنے کی اجازت دے دی۔ اور نہایت مہربانی سے فرزند خاں بہادر کہہ کر خطاب فرمایا۔ قائمؔ جنگ علماء کی بہت توقیر و عزت کرتا تھا۔[۱]

اس کو تمام عمر میں چند لڑائیاں پیش آئیں۔ جن کی وجہ سے تمام دُنیا میں اس کی شہرت ہے۔ ان میں سے ایک غضنفر جنگ کی مدد کو پہونچنا ہے کہ جب وقت وہ قلعہ جیت گڈھ میں محصور ہوا تھا۔ اور اس کو اس مصیبت سے رہائی دلائی۔ اس کا حال پہلے مقالہ کی تیسری فصل میں غضنفر جنگ کے حال میں گذر چکا ہے۔

صفدر جنگ کی چالبازی

دوسری لڑائی روہیلہ افغانوں سے ہوئی۔ جس میں وہ شہید ہو گیا۔ اس لڑائی کا مجمل حال یہ ہے کہ نواب ابو المنصور خاں بہادر صفدر جنگ افغانوں کا اجتماع اور اقتدار اپنے صوبہ اودھ کے نزدیک ناپسند کرتا تھا اور ہمیشہ اس قوم کی بیخ کنی کی آرزو رکھتا تھا کہ مراد آباد۔ بریلی اور مئو فرخ آباد کی ریاست برباد ہو چنانچہ ایک بار محمد شاہ بھی علی محمد خاں اور ان کے مددگاروں کی بیخ کنی کے لئے حملہ آور ہوا اور اسی نے بادشاہ کو بنگڈھ تک جو علی محمد خاں کی قرارگاہ تھی، پہونچا دیا۔ علی محمد خاں وزیر الممالک اعتماد الدولہ قمر الدین خاں اور قائم جنگ کی پناہ

---

[۱] ایک مرتبہ قائم جنگ کی بہری نے محمد شاہ بادشاہ کے کہنے سے چاندنی رات میں کلنگ پکڑی۔ بادشاہ نے خاص اظہار پسندیدگی فرمایا۔ اور اس روز سے شاہی رمنے میں شکار کی اجازت ملی۔ ایک مرتبہ محمد شاہ بادشاہ نے کہا کہ کوئی ایسا شکار تجویز کیا جائے جو ہمارے سامنے فرش پر کھیلا جائے قائم جنگ نے ایک ڈبیا سے شکر نکال کر رکھی کہ مکھیاں آ گئیں اور دوسری ڈبیہ سے مکڑیاں نکالیں مکڑیوں نے مکھیوں کا شکار کیا بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ ایک مرتبہ احمد شاہ بادشاہ کا ایک خود سر ہاتھی قائم جنگ کے سپرد صفدر جنگ کی شرارت سے ہوا کہ قلعہ کی فصیل پر دوڑایا جائے قائم جنگ جب اس امتحان پر پورے اُترے تو حکم ہوا کہ اس کے چند کوڑے بھی لگائے جاتے قائم جنگ نے اس شرط کو بھی پورا کر دیا احمد شاہ قائم جنگ سے بہت خوش ہوئے اور صفدر جنگ خفیف ہوئے۔

وقائع خاندان بنگش (قلمی ص ۱۱-۱۳)

میں آیا۔ اور اس مصیبت سے نجات[1] پائی۔

علی محمد خاں کی وفات کے بعد حافظ رحمت خاں، دوندے خاں، سردار خاں بخشی، فتح خاں خانساماں اور دوسرے سرداران قوم و لشکر نے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کے بڑے لڑکوں کے حاضر نہ ہونے کے سبب سے علی محمد خاں کے چھوٹے لڑکے سعداللہ خاں کی مسند آرائی پر اتفاق کیا۔ علی محمد خاں کے ملک کو اپنی جائداد کے طور پر تقسیم کر کے قابض ہو گئے۔ اور چند لاکھ کی ملکیت سعداللہ خاں کے لئے چھوڑ دی[۵۲]

سعداللہ خاں بسبب کم عمری اور نزاکت وقت دیکھتے ہوئے خاموش رہا۔ تمام سردار سعداللہ خاں کے فرماں بردار اور اس کے مرتبہ و دولت کی ترقی کے لئے جان سے کوشاں تھے۔ جب صفدر جنگ جو اس وقت خود وزیر اور تختِ سلطنت کا مددگار تھا۔ اس معاملہ پر مطلع ہوا تو اس نے بادشاہ کے حضور سے امیر تیمور کے خاندان کے بادشاہوں کے ضابطہ کے موافق قائم جنگ کو حکم پہونچایا کہ علی محمد خاں متوفی کے تمام مال کو ضبط کر کے بادشاہی خزانہ میں داخل کرے۔ اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ اس ضبطی کے

---

[1] آنندرام مخلص بادشاہ محمد شاہ کے ہمراہ تھا اس نے اس مہم کا حال فارسی میں لکھا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر اظہر علی کے تحشیہ و تصحیح کے ساتھ رام پور سے طبع ہو چکی ہے۔ بادشاہ ۲۳ محرم ۱۱۵۸ھ ۱۷۴۵ء کو دہلی سے روانہ ہوا۔ ربیع الثانی میں معرکہ ہوا۔ آخر میں نواب علی محمد خاں نے بادشاہ سے معافی مانگی اور بادشاہ سلخ جمادی الاول ۱۱۵۸ھ ۱۷۴۵ء کو دہلی پہونچ گئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (۱) سفرنامہ مخلص مرتبہ ڈاکٹر اظہر علی رام پور ۱۹۴۶ء

(۲) اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۱۵۱ — ۱۶۷

[۵۲] حافظ رحمت خاں نے مراد آباد، سنبھل اور کاشی پور کا علاقہ نواب دوندے خاں کو دیا جو ان کے چچازاد بھائی تھے کوٹ اور آنولہ کے مضافات بخشی سردار خاں کو اور بداوں اور اسہت فتح خاں خانساماں کو ملے۔ نواب سعداللہ خاں کو سات لاکھ روپیہ سالانہ اور کچھ جاگیر ملی۔ اس تقسیم سے روہیل کھنڈ کی حکومت کا استحکام ختم ہو گیا اور آئندہ اس کے نتائج اچھے نہیں نکلے۔

(حیاتِ حافظ رحمت خاں ص ۶۵)

بہانہ سے سعد اللہ خاں اور قائم جنگ میں اختلاف ہو جائے۔ لڑائی تک نوبت پہونچے جانبین میں سے کسی کو شکست ہو اس طرح اپنا مقصود حاصل ہو اور قایم جنگ کو اس مضمون کا حکم پہونچا کہ بریلی اور مراد آباد کے محالات جو سعد اللہ خاں پسر علی محمد خاں روہیلہ کے زیر فرمان ہیں اور فردوس آرامگاہ کے زمانہ میں نامبردہ (علی محمد خاں) اس بہادر کے ہاتھ سے گرفتار ہو کر آیا تھا۔ اس کے صلہ میں ہم نے وہ محالات اس بہادر کو عنایت کر دئے اس بخشش کا شکر ادا کر کے دل جمعی اور خوشحالی کے ساتھ ان محالات کو اپنے قبضہ میں لے مواخذہ اور محاسبہ کے لئے اس نمک حرام کو گرفتار کر کے حضور میں پہونچا دے۔ اور یہ کام بہت سرگرمی سے انجام پائے۔

قائم جنگ اس کو بڑی کامیابی سمجھا اگرچہ شجاعت خاں خان بہادر "شمشیر خاں" اسلام خاں اور کمال خاں افغان ہونے کے اقتضا سے چشم پوشی کی رائے دیتے تھے لیکن قائم جنگ نے ملک و مال حاصل کرنے کی توقع پر بادشاہ کے حکم کی اطاعت گذاری کے سبب سے، وزیر کی مرضی کے موافق اور محمد خاں اپنے بخشی کی حرص کی وجہ سے جو آفریدی تھا۔ روہیلوں کے مقابلہ میں کمر ہمت چست باندھ لی۔

نواب سعد اللہ خاں سے مقابلہ

سعد اللہ خاں کم عمر تھا۔ دوسرے سرداروں کے رائے و اتفاق سے ہر چند اس نے عاجزی کی۔ اور میاں شاہ جی کو جو صحیح النسب سید تھے منت زاری کے لئے بھیجا۔ میاں شاہ جی علی بابا ترمذی کی اولاد میں تھے۔ علی بابا، حسین صغر کی اولاد ہیں جو حضرت زین العابدین کے بیٹے ہیں

---

[1] نواب علی محمد خاں کے انتقال (۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء) کے بعد نواب صفدر جنگ نے تخریبی کارروائیاں اور روہیلوں کی بربادی کی پوری کوششیں شروع کر دیں۔ قائم جنگ سے لڑائی میں ڈھکیلنے سے پہلے مراد آباد وغیرہ کے علاوہ کی سند قطب الدین نبیرہ عظمت اللہ خاں شیخ زادے کو دلوائی وہ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ داخل روہیلکھنڈ ہوا۔ روہیلوں نے اس کے دانت کھٹے کر دیئے اور وہ مارا گیا۔ ملاحظہ ہو حیات حافظ رحمت خاں ص ۳۸-۳۹

(۲) اخبار الصنادید جلد اول ص ۱۹۹-۲۰۲

شاہ جی قرآن شریف کی شفاعت درمیان میں لائے اور سعد اللہ خاں کی ماں کی عاجزانہ درخواست پیش کی کہ یہ قرآن ہمارا تمہارا دین و ایمان ہے۔ اور یہ عاجزانہ درخواست ہے۔ افغانوں کا نام و ننگ طرفین سے ایک ہی ہے۔ ان سب پر نظر رکھنی ضروری ہے اور ہم سے درگذر کرنا مناسب ہے۔ جتنا ملک و مال چاہیں لیں اور جتنا ہمارے لئے چاہیں چھوڑ دیں احسان ہوگا۔ محمود خاں بخشی نے قائم جنگ کو صاف دل سے شاہ جی کی بات نہ سُننے دی اور شاہ جی کو ناکام واپس کیا۔[۵۱]

قائم خاں کا خاتمہ

قائم جنگ نے لڑائی کا مصمم ارادہ کرلیا اس نے تمام بھائیوں سرداروں جماعت داروں اور اکابر شہر کے ساتھ دریائے گنگ کو عبور کیا۔ روہیلوں نے اس مصیبت کے موقع پر کوئی راہ خلاصی نہ پائی سوائے اس کے کہ مرنے کے لئے آمادہ ہوجائیں۔ وہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ پندرہ ذی الحجہ ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء کو شہر بدایوں کے اطراف میں جانبین سے صف آرا ہوئے۔ روہیلوں نے اپنے لشکر کی دو (۲) جماعتیں کیں۔ ایک جماعت گھات میں بیٹھی اور دوسری لڑنے کے لئے مقابل ہوئی۔ قائم جنگ ہاتھی سواروں کے ساتھ تھا اور تمام لشکران کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ جب کمین گاہ میں پہونچے ناگاہ جنگ آزمودہ اور تجربہ کار روہیلے ایکبارگی بان اور بندوقیں لے کر گھات سے نکلے اور

۵۱؎ تاریخ محمد خانی از حسام الدین گوالیاری (قلمی ص ۲۵) اور تاریخ فرخ آباد (اردو ص ۱۰۲) میں تحریر ہے کہ سفارت پر سید معصوم بن سید احمد گئے تھے۔ لیکن گلستان رحمت قلمی ص ۱۳ اور دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ سید احمد سفارت کر گئے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۰۵

۵۲؎ ذی الحجہ ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء غلط ہے بلکہ ذی الحجہ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء ہونا چاہیے۔ تاریخ فرخ آباد (اردو ص ۱۹۹) وغیرہ میں تاریخ غلط درج ہے۔ مگر گلستان رحمت (قلمی) ص ۱۵ اور تاریخ محمد خانی (از حسام الدین گوالیاری (قلمی ص ۴۴) سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں ہوئی۔ یہ بات مسلّم ہے کہ یہ لڑائی نواب علی محمد خاں کے انتقال کے بعد ہوئی اور نواب کا انتقال ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں ہوا۔ اور قایم خاں کی قتل کی تاریخ بھی

قائم بہشت شد (۱۱۶۲ھ)

نکالی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے۔ اخبار الصنادید جلد اول ص ۲۰۹)

ایک ہی حملہ میں تمام فیل نشینوں اور بہادروں کو ختم کردیا۔ چند لوگ اس معرکہ سے مع نعش قائم جنگ نکل کر فرخ آباد پہونچے[1]۔ قایم جنگ کو غضنفر جنگ کی برابر دفن کیا۔ اور امام کو ریاست کا گدی نشین کردیا[2]۔

---

[1] روہیلوں نے قائم خاں پر فتح حاصل کرکے اپنے اقتدار و عظمت کو چار چاند لگادیئے، قائم خاں کے سر کو جسم کے ساتھ سلوا کر لاش کو فرخ آباد بھجوادیا گیا اور قائم خاں کی والدہ کے نام ایک معذرت کا خط بھی لکھا گیا اور ریاست فرخ آباد میں سے گنگا کے ادھر کے پرگنات بدایوں، اسہت، پرم نگر وغیرہ روہیل کھنڈ میں شامل کرلئے اور بقیہ علاقہ بی بی صاحبہ کو چھوڑ دیا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیئے۔

(۱) حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۴۶ - ۴۷

(۲) اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۲۱۰ - ۲۱۸

(۳) تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۱۹۹ - ۲۰۸

(۴) گلستان رحمت (قلمی) صفحہ ۷۸ - ۹۷

(۵) تاریخ محمد خانی از حسام الدین (قلمی) صفحہ ۳۳ - ۴۵

[2] امام خاں گدی نشین تو ہوگیا مگر صفدر جنگ نے ریاست فرخ آباد کو ضبط کرنے کا سامان پیدا کردیا اور اگر احمد خاں اپنی کوشش شروع نہ کردیتا تو ریاست فرخ آباد کا خاتمہ ہی ہوگیا تھا لہذا امام خاں کی ریاست کو کوئی استحکام نصیب نہیں ہوا اور احمد خاں نے اپنی بہادری و تہوری سے صفدر جنگ کو نیچا دکھایا اور ریاست فرخ آباد کے اقتدار کو کسی قدر سنبھالا۔

مقالۂ سوم

نواب احمد خاں بنگش غالب جنگ

صدر جنگ کا والدۂ قائم خاں کو گرفتار کرنا

نواب احمد خاں غالب جنگ ایک ایسا امیر تھا جو سخاوت و شجاعت میں مثل سمندر کے تھا۔ اس کی ریاست کی ابتدا یوں ہے۔ کہ قایم جنگ کے مارے جانے کے بعد صفدر جنگ نے چاہا کہ قائم جنگ کے پسماندگان سے ملک و مال نکال لے۔ اس نے پہلے والدۂ قائم جنگ بی بی صاحبہ کو لکھا کہ قائم خاں بہادر میرے حقیقی بھائی کے مثل تھا۔ اس کے مارے جانے سے گویا میرا بازو ٹوٹ گیا اگر خدا نے چاہے تو روہیلوں کا بیج ہندوستان میں نہ چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد قائم جنگ کے پسماندوں پر ضبطی کا مطالبہ عائد کیا۔ اور ان سے ملک نکالنے کے لئے احمد شاہ بادشاہ کے ساتھ روانہ ہوا اس نے بادشاہ کو توکول میں چھوڑا اور خود دریا گنج پہونچا۔ یہ مقام فرخ آباد سے بیس کوس ہے۔ ضبطی کا پیام جوگل کشور کی معرفت بھیجا یہ شخص مہابت جنگ صوبہ دار بنگالہ کی وکالت میں کام کیا کرتا تھا۔ بی بی صاحبہ نے معاملہ ساٹھ لاکھ نقد اور جنس پر کیا۔ صفدر جنگ نے یہ کہلا کر بھیجا کہ مجھے تم سے بالمشافہ گفتگو کرنی ہے۔ اس لئے یہاں آیئے۔ بی بی صاحبہ غضنفر جنگ کے پانچ لڑکوں امام خاں فخرالدین خاں، اسمٰعیل خاں، کریم داد خاں، حسین خاں اور پانچ چیلوں شمشیر خاں،

مقیم خاں، سردار خاں، اسلام خاں اور جعفر خاں کے ساتھ صفدر جنگ کے پاس پہنچیں صفدر جنگ نے بی بی صاحبہ کو اپنے پاس مقید رکھا اور لڑکوں کو الہ آباد اور چیلوں کو شاہجہاں آباد روانہ کر دیا۔ بی بی صاحبہ کسی طریقہ سے اور کسی وساطت سے اجازت لے کر مئو فرخ آباد پہونچ گئیں[1] اور صفدر جنگ نول رائے کو اپنے ملک کی نیابت پر چھوڑ کر دار السلطنت گیا۔ نول رائے نے جابجا گماشتے بھیج کر قنوج کو اپنی قرار گاہ کر لیا۔

نول رائے کا قتل

بی بی صاحبہ نے احمد خاں کو سردار بنایا یہ قائم جنگ کا علاتی بھائی تھا اس نے دوسرے افغان آفریدی اور بنگش پٹھانوں کو متحد کر کے اس بات پر تیار کیا کہ نول رائے پر چڑھائی کریں۔ کالی ندی کے قریب جو ایک مشہور نہر ہے۔ خدا گنج کے پاس ان لوگوں نے خیمے لگائے۔ دوسری طرف سے نول رائے بھی قنوج سے نکلا اور کالی ندی عبور کر کے اس کے گھر خیمے لگائے اور دونوں گروہ کے عزائم سے صفدر جنگ کو خبر ہوئی۔ صفدر جنگ نے ۱۲ر شعبان ۱۱۶۳ھ ۱۷۵۰ء کو بادشاہ سے رخصت لے کر دریائے جمن کو عبور کیا اور پیچھے سے سرداروں اور لشکر کو نول رائے کی کمک کے لئے بھیجا۔ نول رائے اور احمد خاں میں چیلوں اور بھائیوں کی رہائی اور مصالحت کی گفتگو جاری تھی۔ یہاں تک کہ ۱۰ر رمضان ۱۱۶۳ھ م ۱۷۵۰ء جمعہ کے دن کمکی فوجیں پہونچنے سے پہلے افغان سواروں

---

[1] بی بی صاحبہ کی رہائی منشی صاحب رائے ملازم قدیم نواب بنگش کے ذریعہ سے عمل میں آئی ایک روایت تو یہ ہے کہ وہ نول رائے سے بہت دوستی رکھتا تھا اس لئے ایک روز شراب کے نشہ کی حالت میں ایک پروانہ پر دستخط کرا لئے اور بعد کو اس میں بی بی صاحبہ کا نام بڑھا دیا۔ دوسری روایت ہے کہ ایک روز نشہ کی حالت میں نول رائے نے اپنی مذہبی زندگی پر فخر کیا تو صاحب رائے نے اس کو طعنہ دیا کہ تمہارے قول و فعل میں تضاد ہے۔ تم نے ایک عورت کو قید کر رکھا ہے اور ایک رقعہ پر اس سے رہائی کے احکام حاصل کر لئے۔ ملاحظہ ہو

(۱) تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۱۵۵ - ۱۵۷

(۲) تاریخ فرخ آباد (اردو) جلد دوم صفحہ ۱۰-۱۲

نے سنگر کے ایک طرف سے آکر شورش کی اور دوسری طرف سے پیادوں نے ہنگامہ آرائی کی اور ایک افغانی کے ہاتھ سے بندوق کی گولی نول رائے کے سر پر لگی[1] اس کا کام تمام ہوگیا اطراف لکھنؤ کے قصبات کے بہت سے آدمی جاں نثاری میں مر گئے۔ تمام مال اور توپ خانہ لٹ گیا۔ صفدر جنگ نے نول رائے کے حال سے مطلع ہونے کے بعد غضنفر جنگ کے بیٹوں کے قتل کا حکم الہ آباد کے قلعہ دار کو بھیجا کہ چیلوں کے قتل کے لئے بھی جو شاہجہاں آباد میں قید تھے۔ حکم دیا خود بادشاہ کے حضور میں پہونچا اور چند امیروں کو اپنی مدد کے لئے ہمراہ لیا۔ ہمراہیوں میں نجم الدولہ محمد اسحاق خاں شیر جنگ فرزند سید سیادت خاں، نصیر الدین حیدر خاں خلف صفدر جنگ اور میر بقا خاں فرزند اعتماد الدولہ قمر الدین خاں تھے صفدر جنگ ان سب کے ساتھ قصبۂ مارہرہ تک گیا اور نول رائے کے مفصل حالات معلوم کرنے کی غرض سے ایک مہینہ تک ٹھہرا رہا۔ اس نے تقریباً ستر ہزار سوار جرار جمع کر لئے تھے۔

مارہرہ کی غارت گری مارہرہ ٹھہرنے کے زمانے میں صفدر جنگ کے لشکر کے ایک شتربان نے ایک بڑا درخت جو عنایت خاں کے دروازے پر تھا کاٹنا چاہا عنایت خاں وزیر کی سرکار میں نوکر تھا اور مارہرہ کا رہنے والا تھا۔ اسی بنا پر عنایت خاں ساربان کے ساتھ لڑا۔ دوسرے ساربان نے اطلاع اس کے آقا کو اطلاع کردی۔ آقا نے جو جماعت داروں میں سے تھا۔ اپنے لوگوں کو عنایت خاں کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا اہل لشکر نے بھیجے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر گمان کیا کہ مارہرہ لوٹنے کا حکم صادر ہوا ہے ایک گروہ طمع کی وجہ سے مارہرہ پر ٹوٹ پڑا۔ اور اس کو خاک کر دیا۔ جب صفدر جنگ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے نصیر الدین حیدر خاں اور دوسرے لوگوں کو متعین کیا تاکہ بلوہ کو

---

[1] نول رائے بڑا مغرور اور ظالم حاکم تھا اس نے پٹھانوں پر بہت ظلم کئے اور ان کی سخت بے عزتی کی تھی جس کے نتیجہ میں تمام مسلم آبادی اس سے ناراض اور متنفر تھی۔ خدا کی قدرت کہ نول رائے مارا گیا اور (باقی اگلے صفحہ پر)

دبائیں ۔ عورتیں اور بچے جو لشکریوں کے ہاتھ سے گرفتار ہوئے تھے انھیں رہا کر دیں[1]۔

نواب احمد خاں کے ہاتھوں صفدر جنگ کی شکست

اس عرصہ میں نواب احمد خاں بھی مشرق سے پہونچا اور ۲۲ شوال ۱۱۶۳ھ م ۱۷۵۰ء کو ایک پہر دن چڑھے دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوا۔ سورجمل جاٹ نے میمنہ سے اور اسمٰعیل بیگ خاں نے میسرہ سے رستم خاں آفریدی کے مقابلہ کا قصد کیا جو احمد خاں کے لشکر کا بڑا سردار تھا۔ رستم خاں کو اس کی جماعت کے ساتھ مار ڈالا۔ پسماندوں کے تعقب میں گئے مگر صفدر جنگ کے لشکر سے دور جا پڑے۔ صفدر جنگ اکثر لوگوں کو مع توپ، بان اور بندوقوں کے ساتھ ان کی مدد کے لئے بھیجتا تھا تاکہ پیچھا کرنے والے کسی گھات میں پہنچکر مارے نہ جائیں۔ یہاں تک کہ صفدر جنگ کے لشکر میں بہادروں اور جنگی سازو سامان میں سے بہت کم باقی رہ گیا۔ اور احمد خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ موقع محل دیکھ کر کسی جگہ سے ظاہر ہوا اور سخت لڑائی ہوئی۔ کامگار خاں بلوچ صفدر جنگ کے مقدمۃ الجیش سے بھاگا اور دوسرے بھی اس کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر قائم نہ رہ سکے۔ صفدر جنگ نے فوراً ہی محمد علی خاں اور نور الحسن بلگرامی کو مقدمۃ الجیش کی مدد کرنے کے لئے حکم دیا۔ ہر چند انھوں نے مدد کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس وقت نصیر الدین حیدر خاں مست ہاتھی کی طرح مع ہمراہیوں کے افغانوں پر حملہ آور ہوا اور بہادروں کی طرح مصطفٰے خاں کے ہاتھ

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) احمد خاں فتح یاب ہوا۔ نول رائے کے علاوہ بڑے بڑے سردار مارے گئے اور احمد خاں کے لشکر کے ہاتھ بہت مال غنیمت ہاتھ لگا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (۱) تاریخ اودھ جلد دوم ص ۱۲۷-۱۲۸

(۲) تاریخ فرخ آباد (اردو) جلد دوم ص ۱۶-۳۲

[1] شاہ حمزہ مارہروی کاشف الاستار میں لکھتے ہیں "فقیر بر بالاخانہ بود دیدکش سواران و پیادہ می بیند چنانچہ شہر بہ نیمان رفت قریب صد کس زخمی کشتہ شدند" تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) کاشف الاستار از شاہ حمزہ مارہروی (قلمی) ص ۷۵-۷۷ (۲) تاریخ اودھ جلد اول ص ۱۷۸-۱۸۲

سے مارا گیا۔ اس لڑائی میں مصطفےٰ خاں بھی زخموں کی کثرت کی وجہ سے مر گیا۔ افغانوں نے ہجوم کر کے صفدر جنگ کے ہاتھی کو چاروں طرف سے پکڑ لیا ہاتھی بان اور خواصی کو مار ڈالا صفدر جنگ پر بندوق کی گولی کے زخم سے غشی طاری ہوئی۔ افغان ہودے کو خالی سمجھ کر اُس سے علیحدہ ہو گئے اور نجم الدولہ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ نجم الدولہ بہادری سے کہہ رہے تھے "میں ابوالمنصور خاں ہوں" اور کمال بہادری سے مرا۔ لچھمی نرائن کے بھائی جگت نرائن نے فیلبان کی جگہ سنبھالی اور صفدر جنگ کے ہاتھی کو معہ دل شکستہ سواروں کی جماعت کے دو سو کے قریب تھے میدان جنگ سے نکال لایا۔ تمام لشکر گنواروں کے ہاتھ سے لُٹ گیا۔[1]

صفدر جنگ کی مرہٹوں سے ساز باز

بادشاہ کا حکم نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کی وساطت سے احمد خاں کو ملا جس میں تحسین و آفرین کا مضمون تھا صفدر جنگ نے ۲۹ شوال ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء شاہجہاں آباد کے متصل دریائے جمنا کے کنارے پہونچکر قرار پکڑا۔ احمد خاں سے دوبارہ مقابلہ کرنے کے بارے میں مشورہ ہوا۔ ہر شخص نے رائے دی لچھمن نرائن کی رائے پسند آئی کہ سرداران مرہٹہ جی اپا و ملہار راؤ میں سے کسی کو بُلانا چاہیئے ملہار راؤ باجی راؤ کا چھوٹا لڑکا ہے ستر ہزار جری سواروں کے ساتھ کوٹہ اور بوندی میں گھوم رہا ہے[2]۔ صفدر جنگ نے لچھمی نرائن کے بھائی رام نرائن کو اس کام کے لئے روانہ کیا۔ رام نرائن نے ان کے لشکر میں پہونچکر قیل و قال کے بعد اس بات پر معاملہ طے کیا کہ افغانوں پر فتح پانے کے بعد ایک کروڑ روپیہ دیا جائے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (۱) تاریخ فرخ آباد (اردو) حصہ دوم صفحہ ۲۷-۳۳
(۲) تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۱۸۱-۱۹۲

[2] حکیم نجم الغنی خاں لکھتے ہیں کہ مرہٹوں سے امداد لینے کی طرف سید عبد العلی نے متوجہ کیا تھا اور بادشاہ سے معافی اور احمد خاں بنگش پر چڑھائی کی اجازت جاوید خاں خواجہ سرا کے ذریعہ حاصل ہوئی تفصیل کیلئے دیکھیے تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۲۰۲ - ۲۰۹

رام نرائن واپس آیا اور ملہار راؤ کا پیام اس مضمون کا پہونچایا کہ ہمارا شاہجہاں آباد کے نزدیک آنا مناسب نہیں ہے۔ ہم اپنے طور پر لڑیں گے۔ کوئی دوسری فوج ہماری شریک نہ ہو۔ ملہار راؤ۔ وجسونت راؤ ہلکر کے باپ تکوجی ہولکر اور اپا سیندھیا کے ساتھ روانہ ہوا۔

احمد خاں نے صفدر جنگ پر فتح پانے کے بعد اپنے بڑے لڑکے محمود خاں کو لکھنؤ اور اودھ بھیجا۔ مرتضےٰ خاں کو اٹاوہ، خدا بندہ خاں کو بلگرام، منصور علی خاں کو پھپھوند، اعظم خاں کو شکوہ آباد، منور خاں کو سانڈی پالی، محمد امین خاں کو غازی پور اور خود الہ آباد گیا۔ خانعالم بقاء اللہ خاں فرزند رحمت خاں ابن امیر خاں عالم گیری، علی قلی خاں والہ داغستانی جو وہاں تھے قلعہ بند ہو گئے۔ قلعہ کا دروازہ افغان لشکریوں پر مقفل ہو گیا۔ اور باہر سے راجہ اندر گر گسائیں قلعہ نشینوں کا مددگار رہا وہ اپنے پرگنہ جھانسی سے گنگا میں نہانے آیا تھا۔ اس سبب سے محاصرہ نے طول کھینچا قلعہ فتح نہ ہوا۔ مگر شہر سب لٹ گیا[1]۔

احمد خاں کا نواب سعد اللہ خاں سے مدد طلب کرنا

اسی عرصہ میں احمد خاں نے مرہٹوں کے ساتھ صفدر جنگ کی آمد آمد کا شہرہ عوام سے سُنا۔ فرخ آباد جاکر لڑائی کی تیاری کی لیکن یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ مقابلہ وزیر اور مرہٹہ اور جاٹ سے مشترکہ ہے اپنے میں لڑائی کی تاب نہ دیکھی۔ سعد اللہ خاں وغیرہ روہیلہ سرداروں کو لکھا کہ ہم تم بھائی بھائی ہیں۔ اگر کوئی اختلاف ہمارے درمیان واقع ہو تو ہم خود سمجھ لیں گے۔ اپنی ذلت دوسروں کے ہاتھوں سے جائز نہیں رکھتے۔ قائم جنگ جس نے ساتھیوں کے بہکانے سے سر اٹھایا تھا۔ اس نے بہتری اسی میں دیکھی کہ جو

---

[1] ملاحظہ ہو (۱) تاریخ اودھ حصہ اول صفحہ ۱۹۲ (۲) تاریخ فرخ آباد (اردو) حصہ دوم صفحہ ۳۳
[2] اس سلسلہ میں حکیم نجم الغنی خاں رامپوری نے تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۲۱۹–۲۲۹ میں کافی تفصیل دی ہے۔

ہوا سو ہوا اب اتفاق کر کے دُشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے سرداران مذکور نے جواب میں لکھا کہ ہم کو شروع ہی سے اس خاندان کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہ تھا۔ یہ ہماری بدقسمتی سے ہوا کہ قائم جنگ ہم سے لڑا اور مارا گیا۔ اب جبکہ آنجناب نے ہم سے مدد چاہی ہے ہم اُمیدوار ہیں کہ پہلے قائم جنگ کا خون آج سے لے کر قیامت تک معاف کر دیں۔ اس کے بعد خود دریائے گنگا کو عبور کریں ہم جاں نثاری کے لئے حاضر ہوں گے۔[۱]

احمد خاں کو ہزیمت

احمد خاں نے فوراً ہی ایک خط معافی کے مضمون کا لکھ کر بھیجا اور فرخ آباد میں مرہٹہ کی فوج پہونچنے کے بعد اس نے حسین پور کے متصل دریائے گنگا کو عبور کیا اور مقابلہ کے ارادے سے خیمے نصب کر دیئے۔ صفدر جنگ نے بھی پل باندھ کر مرہٹوں اور جاٹوں کے ساتھ دریا عبور کیا۔ احمد خاں اور روہیلہ سردار ہلکی سی لڑائی کی بھی تاب نہ لا سکے اور میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ مرہٹہ اور وزیر کی فوجوں نے پیچھا کر کے افغانوں کو کمایوں پہاڑ کے دامن میں پہونچا دیا۔[۲]

آخر کار مصالحت اس پر ہوئی کہ بنگش کا آدھا ملک ضبط کر لیا جائے۔ یعنی سولہ لاکھ روپے کی آدھی ملکیت نواب احمد خاں کو چھوڑی اور آدھی صفدر جنگ کے تصرف میں آئی۔

اس کے بعد صفدر جنگ شاہجہان آباد پہونچا اور جاوید خاں ملقب بہ نواب بہادر کو جو بادشاہ کا معتمد خواجہ سرا تھا دعوت کے بہانہ سے اپنے گھر بلا کر مار ڈالا وہ خواجہ سرا وزارت کے کاموں میں دخیل تھا اور روز افزوں خاں کے بعد عہدۂ نظارت بھی اُسے مل گیا تھا۔ جاوید خاں کے قتل کی وجہ سے بادشاہ اور وزیر کے درمیان اختلاف ہوا۔ صفدر جنگ کو وزارت سے معزول کیا گیا اور قمر الدین خاں اعتماد الدولہ کے بڑے لڑکے انتظام الدولہ خاں

---

[۱] احمد خاں بنگش ہزیمت اُٹھا کر آنولہ پہونچے اور پھر جب صفدر جنگ نے روہیلوں پر یورش کی تو سب نے دامن کوہ کی راہ لی تفصیل کے لئے دیکھیے:- (۱) تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۲۲۹ - ۲۴۳

(۲) اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۲۳۵ — ۲۴۹ (۳) تاریخ فرخ آباد (اردو) حصہ دوم صـ ۶۴-۸۳

خانان کو وزارت سپرد کی گئی۔ عمادالملک فرزند غازی الدین خاں فیروز جنگ بن نظام الملک جو اپنے باپ کے بعد امیرالامرا و میر بخشی مقرر ہوا تھا۔ صفدر جنگ کے مقابلہ کے لئے اُٹھا۔ جب کے مہینے ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء میں بڑی لڑائی ہوئی۔ اور اس لڑائی میں راجہ اندر گر گسائیں صفدر جنگ کی طرف سے نمایاں کام کرنے کے بعد مارا گیا اور ہزاروں بین داغ (سوار) صفدر جنگ سے علیحدہ ہو کر بادشاہی لشکر میں شامل ہو گئے چھ ماہ تک یہ ہنگامہ برپا رہا۔ آخر کار صفدر جنگ نے اودھ کی طرف کوچ کیا اور پاپڑ گھاٹ کے مقام پر جو لکھنؤ سے تین منزل پر ہے۔ ۱۷ ماہ ذی الحجہ ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۳ء میں دُبل کے مرض میں انتقال کیا اور چند روز تابوت میں امانت رکھنے کے بعد شاہجہان آباد لے جا کر شاہ مرداں کے متصل دفن کیا[1]

احمد خاں کا انتقال

اس کے بعد انتظام الدولہ اور عمادالملک میں مخالفت ہوئی۔ انتظام الدولہ وزارت سے معزول ہوا۔ اور عمادالملک وزیر ہو گیا عمادالملک کی رائے کے خلاف امراء کے پاس شقہ جات بھیجے جاتے تھے۔ جب اسے ان کا علم ہوا تو اس کے حکم سے محمود خاں نے احمد شاہ کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اس کو معزول کر دیا اور عزیز الدین بن معز الدین جہاندار شاہ کو گمنامی سے نکال کر عالمگیر ثانی کا لقب دیا اور تخت نشین کر دیا۔ عالمگیر ثانی کی بادشاہت اور عمادالملک کی وزارت کے

---

[1] ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۳ء میں پاپڑ گھاٹ ضلع سلطان پور میں انتقال ہوا اول گلاب باڑی (ضلع فیض آباد) میں دفن ہوئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد صفدر جنگ کی لاش نکال کر دہلی لائی گئی اور شاہ مرداں کے متصل دفن کیا گیا اور ایک مقبرہ تعمیر ہوا۔ یہ مقبرہ سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور جا بجا سنگ مرمر کی جالیاں اور چوکے لگے ہوئے ہیں اس کے تمام بُرج سنگ مرمر کے ہیں اور قبر کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا ہے ایک تہ خانے میں اصل قبر بنی ہوئی ہے یہ مقبرہ شیدی بلال محمد خاں کے اہتمام سے تین لاکھ روپے میں تیار ہوا۔ مقبرہ کے اندر یہ تاریخ کندہ ہے۔

چو آں صفدر عرصہ مردمی ۔۔۔ زدار فنا گشت رحلت گزیں
چنیں سال تاریخ او شد رقم ۔۔۔ کہ "بادا مقیمش بہشت بریں" مطابق ۱۷۵۳

زمانے میں احمد خاں نے غالب جنگ شیر ہند امیر الامرا میر بخشی الممالک کا خطاب پایا۔ اور اطمینان بخش زندگی بسر کرنے لگا ۲۸ ماہ ربیع الاول ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۱ء میں احمد خاں نے وفات پائی۔ اور بہشت باغ میں جو شہر فرخ آباد میں واقع ہے دفن ہوا۔ اس کا عالی شان مقبرہ بنا ہوا ہے[1]۔ تاریخ وفات حسب ذیل شعر سے نکلتی ہے۔

کنند گریہ خلائق بنالہ و افغاں ملائک آہ کشند از وفات احمد خاں
۱۱۸۵ھ

اولاد و احفاد نواب احمد خاں غالب جنگ کے تین لڑکے[2] اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکی کا نکاح محمد زماں خاں ولد نواب مرتضٰے خاں سے ہوا تھا۔ لیکن لڑکوں میں سے ایک نواب محمود خاں تھا۔ جو بزرگوار باپ کی زندگی میں اس جہان سے گذر گیا۔ دوسرا لڑکا ہمت بہادر تھا جو ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۴ء میں مر گیا۔ تیسرا لڑکا نواب دلیر ہمت خاں مظفر جنگ ہے جس کا مفصل بیان چوتھے مقالے میں آئے گا۔ چوتھا لڑکا نواب دلیر خاں تھا۔ جو بنارس میں وزیر علی خاں کے قبضہ کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ پر بندوق مار کر مر گیا اور اس کے مرنے کے بعد چار لڑکے اور دو لڑکیاں باقی رہیں۔ چار لڑکے نواب محمد علی بہادر خاں۔ احمد علی خاں بہادر۔ امداد حسن خاں۔ ہمت علی خاں ہیں اور لڑکیاں یہ ہیں۔ ایک ولایتی بیگم جس کا نکاح نواب ناصر جنگ بن مظفر جنگ سے ہوا۔

---

[1] انتقال سے سال دو سال قبل احمد خاں کو آشوب چشم ہوا اور اس کی بصارت جاتی رہی تھی ۲۸ ربیع الاول ۱۱۸۵ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۷۷۱ء احمد خاں کا انتقال ہوا اور اپنے تعمیر کردہ مقبرہ میں دفن ہوا اس کے مرنے کی تاریخ "ہے ہے حاتم ثانی نماند" سے بھی نکلتی ہے۔

نواب احمد خاں بنگش کو راگ کا از حد شوق تھا اس نے اپنی زندگی میں چھ محل تعمیر کرائے۔ نواب نے کئی باغات لگوائے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فرخ آباد (اردو) حصہ دوم ص ۱۲۶-۱۱۲

[2] نواب احمد خاں کے چار بیویاں تھیں اور بہت سی حرم تھیں۔ نواب احمد خاں نے تین چار سو اطفال ہنود کو مسلمان کر کے چیلہ بنایا ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) حصہ دوم صفحہ ۱۲۶-۱۲۷

اس نے سنہ ۱۲۳۹ھ مطابق سنہ ۱۸۲۳ء میں وفات پائی۔ دوسری لڑکی دانشمند خاں ولد نواب امین الدولہ خردمند خاں کے نکاح میں ہے اور موجود ہے۔

نواب احمد خاں نے تمام عمر میں چند لڑائیاں لڑیں ہیں۔ ان میں سے ایک لڑائی نول رائے اور وزیر الممالک ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کی ہے۔ جو بیان ہوئی دوسری وہ لڑائی ہے جو احمد شاہ ابدالی کے ساتھ اور بھاؤ مرہٹہ کے ساتھ ہوئی ہے۔

حملہ نادری اس کا مجمل بیان یہ ہے کہ شاہ طہماسپ ثانی نے غلزئی افغانوں پر غلبہ پانے کے بعد ان کو ایران سے نکال دیا۔ اس کے بعد ایک شخص طہماسپ قلی نے جو ترکمان قوم سے تھا سر اُٹھایا اور خود کو نامور نادر کے نام سے موسوم کر کے چاہا کہ تاج شاہی اپنے سر پر رکھے قزلباش خاندان کے لوگ جو اس کے ساتھی تھے انھوں نے کہا کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بادشاہت صفی الدین کے خاندان سے نکل جائے۔ ناچار عباس مرزا بن شاہ طہماسپ ثانی کو جو شیر خوار تھا بادشاہ قرار دے کر خود مالی و مُلکی مہمات کا کفیل ہوا۔ اور چاہا کہ قندھار پہونچکر غلزیوں کی ریاست کی بیخ کنی کرے اور اس مضمون کا ایک خط محمد شاہ کو لکھا۔ دہلی سے نادر شاہ کے خط کا جواب دو برس سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی نہ دیا گیا اور خیال یہ ہوا کہ مبادا غلزیوں کا غلبہ نہ ہو جائے۔ نادر شاہ نے قندھار پہونچکر غلزیوں کو فتح کر لیا اور حسین خاں غلزئی کو قید کر کے مازندران بھیجدیا اور شہر قندھار کو برباد کر کے اس کے قریب نادر آباد کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد دہلی سے جو جواب وہاں پہونچا وہ غیر مناسب القاب اور مضامین پر مشتمل تھا۔ نادر شاہ نے غصّے میں آکر ہندوستان کا ارادہ کیا۔ ناصر خاں صوبہ دار کابل نے افغانوں کی مدد اور اتحاد سے دس ماہ تک اسے راستہ نہ دیا ہر چند محمد شاہ کے حضور میں اس نے اپنا حال عرض کیا مگر یہاں سے کوئی مدد نہ پہونچی۔ نادر نے افغانوں سے موافقت کرلی۔ قزلباش دوڑ کر ناصر خاں کو کابل سے گرفتار کر کے لے گئے اور نادر پشاور تک پہنچ گیا۔ ایران کے وقائع نگاروں سے معلوم ہوا کہ ابراہیم خاں نادر کے بھائی نے شاہ صفی الدین

کی تمام چھوٹی بڑی اولاد کو قتل کر دیا ہے۔ اس وقت نادر نے اپنے لشکر کے سرداروں کے مشورہ سے اپنے کو شاہ کا لقب دیا اور مرصع تاج سر پر رکھ کر شاہجہاں آباد کی طرف متوجہ ہوا اور لاہور پہونچنے کے وقت زکریا خاں صوبہ دار لاہور تھوڑا بہت لڑ کر مغلوب ہو گیا۔

محمد شاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو تمام امیروں کے ساتھ اس بار کے دور کرنے کی فکر میں پڑے اور جب نادر شاہ کی لاہور سے کوچ کی اطلاع ملی تو محمد شاہ تمام امیروں کے ساتھ شاہجہاں آباد سے نکلا۔ کرنال کے اطراف میں خیمے نصب کئے گئے۔ وہاں برہان الملک بھی صوبہ اودھ سے آکر شامل ہوا اور نادر شاہ بھی قریب پہونچا۔ اور اس وقت آصف جاہ کی رائے ہوئی کہ لڑائی کا دن مقرر کرنے میں توقف کیا جائے۔ برہان الملک اور خان دوراں خاں نے جلدی سے پیش قدمی کی۔ نادر شاہ نے آدھا لشکر تو خیمہ گاہ کی حفاظت کے لئے چھوڑا۔ اور آدھے میں سے ایک حصہ اپنے ساتھ رکھا اور جو باقی رہا اس کو برہان الملک اور خان دوراں خاں کے مقابلہ پر مامور کیا۔ دو گھنٹے تک مقابلہ ہوا کہ اسی عرصہ میں اکثر ساتھی مظفر خاں، خان دوراں کا بھائی دادِ شجاعت دے کر مار ڈالے گئے۔ خود خانِ دوراں بھی سخت زخمی ہوا۔ باقی ماندہ لوگ شام کے قریب محمد شاہ کے لشکر میں پہونچ کر مر گئے۔ برہان الملک زخمی ہونے کے بعد قید ہوا اور نادر شاہ کے حضور میں اچھی باتیں کیں۔ طے یہ پایا کہ محمد شاہ سے نادر شاہ کی ملاقات ہو اور اس طرح تعلقات درست ہو جائیں غرض برہان الملک رخصت لے کر آیا جو کچھ نادر شاہ سے طے ہوا تھا وہ محمد شاہ سے عرض کیا۔

صبح کو آصف جاہ نادر شاہ کے پاس حاضر ہوئے اور پیام پہونچایا۔ کل ہندوستان کا بادشاہ ملاقات کو تشریف لائے گا۔ چنانچہ اس کے کہنے کے موافق محمد شاہ نے چند

نجم الغنی خاں نے بڑی تفصیل سے برہان الملک کا کردار بیان کیا ہے جو حملہ نادری میں انھوں نے ادا کیا ہے ملاحظہ ہو تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۵۹-۷۰

امیوں کے ساتھ ملاقات کا ارادہ کیا۔ نادرشاہ نے اپنے لڑکے نصر اللہ مرزا کو استقبال کرنے کا حکم دیا۔ شاہزادہ محمد شاہ کی سواری دیکھ کر گھوڑے سے اُترا۔ محمد شاہ نے بھی تخت سے اُتر کر شہزادے کو بغل میں لیا اور اس کی پیشانی چومی۔ خیمے کے قریب پہونچنے پر نادرشاہ بھی خیمہ سے نکلا اور معانقہ کیا اپنے ساتھ لے جاکر مسند پر اپنے برابر بٹھایا اس وقت نادرشاہ نے کہا کہ میں چند دن تمھارا مہمان رہوں پھر چلا جاؤں گا تاج و تخت اور ملک و مال تم کو مبارک ہو محمد شاہ نے کہا کہ بادشاہوں کا طریقہ بادشاہوں کے ساتھ ایسا ہی رہا ہے اس کے بعد شاہجہاں آباد کی طرف کوچ کرنے کی ٹھہری۔ جمعرات کے دن ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۹ء کو خطبۂ عید نادرشاہ کے نام سے پڑھا گیا۔

اس کے بعد شہر کے عام لوگوں نے مشہور کردیا کہ محمد شاہ نے نادرشاہ کو مار ڈالا۔ اس کے بعد شاہجہاں آباد کے فتنہ انگیزوں نے نادرشاہ کے بہت سے آدمیوں کو گلی اور بازاروں میں مار ڈالا۔ جب یہ خبر نادرشاہ کو پہونچی تو وہ قلعہ سے نکلا روشن الدولہ کی مسجد میں جو جوہری بازار میں ہے بیٹھ کر قتل عام کا حکم دیا۔ دوپہر تک یہ حکم جاری رہا اس کے بعد آصف جاہ محمد شاہ کی طرف سے پیام لایا کہ مجرمین کیفر کردار کو پہونچے۔ بے گناہ لوگ معافی کے لائق ہیں۔ نادرشاہ نے ننگی تلوار کو جو اُس کے سامنے رکھی ہوئی تھی نیام میں کیا اس کے بعد 'امان امان' شہر میں مشہور ہوگیا۔ جب تک نادرشاہ شاہجہاں آباد میں رہا محمد شاہ کی طرف سے بڑے پیمانے پر دعوتیں ہوتی رہیں اس کے بعد نادرشاہ نے صفر ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء کو ایران کی طرف کوچ کیا۔

صلح کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ "ہندوستان کے صوبوں میں سے دریائے اٹک کے اس طرف محمد شاہ کے قبضہ میں رہیں اور دریائے اٹک کے اُس طرف ایران کے تابع ہوں۔ اور اس طرف کے چند پرگنے جو صوبہ دار کابل کی متعینہ فوجوں کی تنخواہ کے لئے تھے وہ بھی بدستور کابل کا علاقہ رہیں یہ فوجیں ایران میں رہتی تھیں نادرشاہ کو امرائے دہلی سے بہت کچھ

حاصل ہوا اس کے علاوہ بائیس روپیہ نقد اور نوے کروڑ کے جواہرات محمد شاہ نے اس کو دیئے[1]

آخر میں نادر شاہ کو جنون ہوگیا اور اس نے حکم کیا کہ خیمہ میں پہونچنے سے پہلے ایک پورا منارہ گنہگاروں اور بے گناہوں کے سروں سے تیار ہو جائے۔ اس کو دیکھ کر میں خیمہ میں داخل ہوں گا۔ لشکر کے سردار اس کی اس حرکت سے بہت اندیشہ مند ہوئے کہ ہمارے سروں کی خیر نہیں ناچار سب کے سب اس کے مار ڈالنے پر متفق ہوگئے۔ اور جمادی الاول کی تیرھویں تاریخ ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء میں اس کو مار ڈالا گیا۔ اس کے بھتیجے علی قلی خاں فرزند ابراہیم خاں کو بادشاہی کے لئے منتخب کیا۔ علی عادل شاہ اس کا لقب[2] ہوا۔

---

[1] حکیم نجم الغنی خاں نے اس مال کی پوری تفصیل دی ہے۔ جو نادر شاہ دلی سے لے گیا تفصیل درج ذیل ہے شاہی خزانے سے ساڑھے تین کروڑ نقد، پندرہ کروڑ روپے کے جواہرات، ڈیڑھ کروڑ روپے کے سونے چاندی کے برتن تخت طاؤس و تخت رواں قیمتی تین کروڑ روپیہ، اسباب سلاح خانہ، فراش خانہ، آبدار خانہ، خوشبو خانہ باورچی خانہ، کرگری خانہ، زین خانہ قیمتی پندرہ کروڑ روپیہ، پانچسو ہاتھی، دو ہزار گھوڑے، نواب مظفر خاں و خان دوراں خاں وغیرہ سات کروڑ روپے کا اہل کاروں امیروں سوداگروں سے دو کروڑ بارہ لاکھ، آصف جاہ سے ایک کروڑ، اعتماد الدولہ سے ایک کروڑ۔ لطف الدولہ خاں سے ایک کروڑ، محمد خاں بنگش سے نو لاکھ، رائے خوشحال پیشکار بخشی سے پونے تین لاکھ، شیخ سعد اللہ دیوان تن سے اڑھائی لاکھ، ناگر مل دیوان خالصہ سے ساڑھے تین لاکھ، سیتا رام خزانچی سے تین لاکھ۔ جوگل شور سے اڑھائی لاکھ سُجان رائے وکیل افاغنہ دکن سے ڈیڑھ لاکھ، نند رائے پیشکار سے پونے تین لاکھ۔

اسی طرح دوسرے اکابر علماء فضلا، قاضی القضات میں سے کسی کو نہ چھوڑا سب سے روپیہ وصول کیا۔ ان لوگوں پر قراول، چوبدار اور سپاہی نہایت سخت مزاج مسلط کئے گئے بہت سے لوگوں نے اس مطالبہ سے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ ملاحظہ ہو تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۴۲-۴۷

تیز تفصیل کے لئے دیکھیئے وقائع نادری مولفہ معصوم علی محشر (نول کشور پریس لکھنؤ)

[2] نادر شاہ ظالم و سفاک کی تاریخ وفات "فی النار و السقر مع الجد و البدر" سے کسی نے نکالی ہے جو مدتوں زبان زد خاص و عام رہی ہے۔ اس سے ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء برآمد ہوتے ہیں اگرچہ قاعدہ سے "بدر" پر "ال" نہیں آتا ہے۔ (وقائع نادری صفحہ ۱)

احمد شاہ ابدالی کا ہندپاکستان پر حملہ اور ہزیمت پانا

اُس فتنہ وُ شور کے زمانہ میں ہر رئیس ریاست کا سودا اپنے دماغ میں پکاتا تھا۔ چنانچہ احمد ابدالی نے قزلباشوں کی ایک جماعت اور بہت سے افغانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور تاج شاہی سر پر رکھ کر قندھار آیا شورش بپا کی اور دس لاکھ اشرفیاں جو محمد شاہ نے کابل سے نادر شاہ کے لئے ناصر خاں کے ہمراہ ایران بھیجی تھیں وہ لوٹ لیں[1]۔ اور چند دن قندھار میں ٹھیر کر ہندوستان کا ارادہ کیا۔ اس طرف دریائے اٹک کے تمام علاقوں پر قبضہ کر کے تیس ہزار جرار سواروں کے ساتھ دریائے اٹک کو عبور کیا۔

محمد شاہ نے علالت اور زیادتی رنج کی وجہ سے اور نادر شاہ کے قتل کی خبر سُن کر مقابلے کا ارادہ نہ کیا۔ شاہزادہ احمد شاہ کو جو سولہ برس کا تھا۔ عظیم الشان امراء جیسے اعتماد الدولہ قمرالدین خاں اور ابوالمنصور خاں صفدر جنگ اور راجہ ایسری سنگھ کچھواہہ جو مہاراجہ جے سنگھ سوائی کا بڑا لڑکا ہے کے ساتھ مقابلے کے لئے مامور کیا۔ اطراف سرہند میں دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوا۔ پہلے راجا نے ہمراہیوں کے ساتھ زعفرانی لباس پہن کر اقدام کیا اُس طرف سے بیس ہزار سوار مقابلے کے لئے آئے۔ دو دفعہ بندوقیں سر ہوئیں جن کے نتیجہ میں چند ہزار راجپوت گھوڑوں سے زمین پر گرے۔ اور جو باقی رہے وہ ٹھیر نہ سکے۔ ولایتیوں نے تلواریں کھینچ کر بہت سے راجپوتوں کو گھیر لیا اور گگڑی کی طرح کاٹ ڈالا۔ پھر دوسرے دستے جمع کر کے چاہا۔ کہ مسلمانوں کے اس لشکر پر جو شہزادے کے ساتھ تھا۔ ٹوٹ پڑیں کہ اس طرف سے صفدر جنگ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیش قدمی کی۔ بندوقیں چھوڑنے کے بعد گھوڑوں سے اتر پڑے اور آستین چڑھا کر ایسی تلوار چلائی کہ ابدالی تاب نہ لا سکے اور

---

[1] افغانوں نے پنچایت کے ذریعے احمد شاہ دُرانی کو اپنا بادشاہ مقرر کیا یہ انتخاب اکتوبر ۱۷۴۷ء میں قندھار میں ہوا جون ۱۷۷۳ء میں احمد شاہ دُرانی کا انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو ہسٹری آف افغانستان از کرنل جی۔ بی۔ میلیس ص ۲۷۵ لندن ۱۸۷۸ء

بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس ہنگامے میں ایک توپ کا گولہ اعتماد الدولہ کے پاس آکر پڑا جس سے نواب اعتماد الدولہ کی موت واقع ہوگئی۔ یہ ۲۱ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ کا واقعہ ہے۔

اس خبر سے پہلے ابدالی نے محمد تقی خاں آختہ کو صفدر جنگ کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ اس لشکر میں تم صاحب حقیقت ہو اگر تم اس طرف سے قطع تعلق کرکے میرے پاس آجاؤ۔ تو تمھیں عہدۂ وزارت دیدوں گا۔ جب صفدر جنگ نے اسے منظور نہ کیا تو محمد تقی خاں نے کہا کہ یہ بات محض تمھارے امتحان کے لئے تھی اس وقت صفدر جنگ نے اسمٰعیل خاں کابلی کو معین الملک رستم ہند، اعتماد الدولہ کے فرزند رشید کے پاس بھیجا کہ وزیر الممالک کا غم ایسا غم نہیں ہے جو بھلا دیا جائے۔ اس وقت تعزیت کے لئے میرا آنا مناسب نہیں ہے اس لئے کہ دشمن صف آرا ہے۔ معین الملک نے جواب بھیجا کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں۔ غم کا تعلق دل سے ہے آپ لڑائی کے لئے تیار رہیں میں بھی سوار ہوتا ہوں۔ جواب پہونچتے ہی صفدر جنگ سوار ہوا۔ اور معین الملک نے خزانچی کو حکم دیا کہ فوراً پہلی تنخواہ کی بے باقی کے ساتھ دو ماہ کی پیشگی تنخواہ فوج کو دی جائے اور ہاتھی پر سوار ہو کر پہلے تیروں کی بارش کی اس کے بعد تلوار چلائی۔ یہاں تک کہ ابدالی کو سوائے بھاگنے کے کوئی تدبیر نہ سوجھی معین الملک نے اعتماد الدولہ کا تابوت شاہجہاں آباد بھیجا اور خود لاہور تک ابدالی کا پیچھا کیا۔[1] شہزادے نے صفدر جنگ کے ساتھ شاہجہاں آباد کی طرف کوچ کیا اور جس دن کہ پانی پت میں خیمے لگائے جا رہے تھے۔ اسی دن محمد شاہ نے ۲۷ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء کو اس جہان سے کوچ کیا۔ یہ بات لچھمی نرائن کی تحریر سے معلوم ہوئی۔ لچھمی نرائن صفدر جنگ کا دربار شاہی میں وکیل تھا۔ صفدر جنگ نے فوراً چتر درست کرکے شاہزادہ کے حضور میں تاج و تخت کی مبارکباد دی اس وقت شاہزادہ احمد شاہ نے فرمایا کہ مجھے سلطنت اور تمھیں وزارت مبارک ہو

---

[1] اس جنگ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ ہندوستان از ذکاء اللہ جلد نہم ص ۲۸۲-۲۸۴ (دہلی ۱۸۹۶ء)

صفدر جنگ آداب بجا لایا اور رخصت ہو کر شاہجہاں آباد پہونچا جب صفدر جنگ کی وزارت کا حال ظاہر ہوا تو اعتماد الدولہ قمرالدین کا بڑا لڑکا انتظام الدولہ خانخانان اور آصف جاہ کا بڑا لڑکا غازی الدین فیروز جنگ جو خان دوراں خاں کے بعد امیرالامرا ہوا تھا یہ سب رنجیدہ ہوئے۔ صفدر جنگ کی علیحدگی کی فکر میں ہوئے۔ چنانچہ چند دن کے بعد ایسا ہی وقوع پذیر ہوا۔

جنگ پانی پت ۱۷۶۱ء

قصہ مختصر احمد شاہ ابدالی جب قندھار وغیرہ کی سلطنت سے مطمئن ہو گیا تو چند بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ ایک مرتبہ ۱۱۷۴ھ ۱۷۶۱ء میں نواب احمد خاں بھی ہندوستان کے تمام امیروں کے ساتھ شامل تھا۔ اس لڑائی میں بھاؤ مرہٹہ کو جو بالاجی کا چچازاد بھائی اور اس کا مدار المہام تھا۔ مقابلہ کر کے نیست و نابود کیا گیا اس لڑائی کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جب راگھو، جھنکوا اور دتا پٹیل کی افغانوں کے ہاتھ سے شکست کی خبر بالاجی نے سُنی تو اپنے بڑے لڑکے بسواس راؤ کا ہاتھ بھاؤ کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ ہندوستان چلو اور وہاں کے سرداروں کو اپنے ساتھ موافق کر کے افغانوں کی بیخ کنی کرنی چاہیئے۔ میں بھی پیچھے سے آتا ہوں افغانوں کا بیج تک زمین پر نہ چھوڑوں گا پس بھاؤ بسواس راؤ کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوا اس فوج میں ابراہیم خاں گاردی اسّی ہزار سواروں کے ساتھ اور بھاؤ کا بھائی رگھناتھ راؤ اور ایک بھائی شمشیر بہادر جو مسماۃ مستانی گونی کے پیٹ سے تھا شامل تھے۔ شمشیر بہادر علی بہادر کا باپ ہے جو بندھیل کھنڈ میں مرا۔ اس درمیان میں ملہار راؤ بھی آ پہونچا یہ سب سردار مل گئے حاصل کلام جب بھاؤ شاہجہاں آباد پہونچا۔ محی السنت کام بخش بن اورنگ زیب عالمگیر کی اولاد میں تھا اور عالمگیر ثانی کے مار ڈالنے کے بعد اس کو گمنامی سے نکال کر شاہجہاں کا لقب دیا تھا سیف الدین محمد خاں، عاقبت محمود خاں کشمیری کے بھائی اور خواجہ عصمت اللہ خاں، قمرالدین خاں کے ماموں زاد بھائی نے کونے میں بٹھا کر مرزا

جواں بخت فرزند عالی گہر کو باپ کا ولی عہد کیا جب احمد شاہ ابدالی نے کافروں کا غلبہ سنا تو ہند پاکستان پہونچا۔ پہلے بھاؤ کے پاس پیام بھیجا اور صلح کی بات چیت شروع کی کہ سرہند سے اس طرف ولایت کے بادشاہ کے قبضہ میں رہے۔ اور سرہند سے اس طرف ہندوستان کے بادشاہ کے قبضہ میں رہے۔ مرہٹوں نے احمد شاہ ابدالی کے سفیر سے کہا ہم کو بھی لڑائی پر اصرار نہیں ہے۔ کابل سے اس طرف بادشاہ حکومت کرے۔ اور کابل تک ہم کو چھوڑ دے اس کے سوائے کسی اور طریقہ پر صلح ہم کو قبول نہیں۔ احمد شاہ ابدالی گھوڑیوں کی تیز قدمی اور دکھنیوں کی نیزہ بازی سے واقف نہیں ہے۔ ہمارا ایک ایک آدمی سو مغل اور افغانوں کے ساتھ لڑ سکتا ہے اور دشمنوں کو نیزہ کی نوک سے زمین پر ٹیک سکتا ہے۔ اس لایعنی گفتگو کے بعد نرمک داس پنڈت کو بادشاہ کے حضور میں بھیجا۔ اس نے بھی انہی الفاظ سے خدمتِ سفارت انجام دی۔

اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے سواروں کو ہندوستان کے سرداروں کے بلانے کے لئے بھیجا۔ نجیب الدولہ کو شجاع الدولہ کو بلانے کیلئے روانہ کیا۔ شجاع الدولہ نے بتایا کہ جب صفدر جنگ اور احمد خاں کا مقابلہ ہوا تو مرہٹوں نے صفدر جنگ کی مدد کی تھی اور احمد شاہ ابدالی اور اپنے مذہب کے اختلاف کا عذر پیش کیا۔ نجیب الدولہ نے ان سب باتوں کو ختم کر دیا اور سمجھا بجھا کر شجاع الدولہ کو لشکر شاہی میں روانہ کیا۔ نواب غالب جنگ بھی احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں پہونچا۔ اور شاہ ولی خاں وزیر اور جنگ باز خاں کملک میری کی وساطت سے جو بنگش افغانوں کی جماعت کا سردار تھا بادشاہ کی ملازمت حاصل کی۔ سورج مل جاٹ غلہ پہنچانے کے بہانہ سے الگ ہو کر اپنے ملک میں آگیا۔ بھاؤ نے ابدالی لشکر کے غلہ کی رسد بند کرنے کے لئے گوبند پنڈت اور گنگا دھر کو متعین کیا۔ لشکر شاہی سے دو ہزار سوار ان کے مقابلہ کے لئے متعین ہوئے۔ جنھوں نے ان سرداروں کے سر کاٹ کر در دولت پر پہونچائے۔ مسلمانوں کے لشکر نے

بھادوں کا مہینہ ہونے کے باوجود دریائے جمنا کو پار کرلیا اور کافروں کے لشکر کے مقابل ہوئے اور مقابلے کے وقت سب مناسب جگہوں پر کھڑے ہوئے۔ نواب احمد خاں غالب جنگ کو فوج کے پچھلے حصہ میں بگہ دی گئی تاکہ سواروں کو لوٹنے سے باز رکھے دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی ؎

زخونِ دلیراں چمن شد زمیں ـــ نتا دند مرداں بمیداں کیں
فلک گفت احسن ملک گفت زہ ـــ قضا گفت گیرد قدر گفت دہ

مرہٹوں پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ ۵ رجمادی الثانی ۱۱۷۴ھ کو احمد شاہ ابدالی نے محمد شاہ کی لڑکی مسماۃ حضرت بیگم جو صاحبہ محل کے شکم سے تھی نکاح کیا اور عالمگیر ثانی کی لڑکی مسماۃ مہد علیا کا شاہزادہ تیمور سے نکاح کیا۔

فتح کے بعد مرہٹوں سے جو ملک خالی ہوا اس میں سے احمد شاہ ابدالی نے اٹاوہ اور اس کے اطراف حافظ رحمت خاں کو دیئے۔ قنوج، مکن پور، بلہور، اکبر پور اور شاہ پور نواب احمد خاں کو ملے اسی طرح دوسرے لوگوں میں تقسیم ہوئی۔ عالی گہر شاہ عالم کو بادشاہ ہندوستان مقرر کیا۔ نواب شجاع الدولہ کو وزیر اور نجیب الدولہ کو امیر الامراء بخشی الممالک شاہ عالم کی سلطنت کا بنایا۔ شجاع الدولہ کو بادشاہ کی نگرانی کے لئے اور نجیب الدولہ کو اس کے ولی عہد کی نگرانی کے لئے جس کا نام جہاندار شاہ تھا مقرر کیا اور احمد شاہ ابدالی اپنے وطن لوٹ گیا[۱]۔

---

[۱] پانی پت کی لڑائی ۱۷۶۱ء ہندوستان کی مشہور جنگ ہے جس میں مرہٹوں نے اپنی تمام طاقت کو جمع کرکے مسلمانوں کو ختم کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ ہندوستان کی مرکزی حکومت کمزوری ہو چکی تھی لیکن مسلم سرداروں نے احمد شاہ ابدالی کی سرکردگی میں اس لڑائی میں کامیابی حاصل کرکے مرہٹوں کے منصوبوں کو نہ صرف ناکام بنا دیا بلکہ ان کی طاقت کو سخت دھکا پہونچا اور دس برس تک تو وہ بالکل سر اُٹھانے کے قابل نہ رہے۔ اس لڑائی میں نجیب الدولہ کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے تمام سرداروں کو جمع کرکے اس مہم کو کامیاب بنایا۔ شجاع الدولہ کسی قیمت پر شامل ہونے کے لئے تیار نہ تھا۔ مگر نجیب الدولہ نے اس کو بھی آخر شامل کرہی لیا۔ جنگ پانی پت ۱۷۶۱ء مسلمانوں کی تاریخی لڑائی ہے۔ نجیب الدولہ

احمد شاہ کی تخت نشینی

ابو نصر احمد شاہ کی پیدائش ۱۱۳۵ھ/۱۷۲۲-۲۳ء میں اودھم بائی کے بطن سے ہوئی جو طوائفوں میں سے تھی۔ جب محمد شاہ کی خدمت میں پہونچی تو اس کو بائی کا درجہ ملا۔ میر عبد الجلیل بلگرامی نے اس کی تاریخ پیدائش یہ لکھی ہے:-

خسرو جم نشاں محمد شاہ　　رُتبہ افزائے تخت و تاج و نگیں
حق تعالیٰ بہ او کرامت کرد　　بادشاہ زادہ سکّہء بہ جبیں
بہرِ تاریخ مصرعے گفتم　　شہریار ملوک روئے زمیں

احمد شاہ جس کو محمد شاہ کے بعد بادشاہی ملی چھ سال اور چند مہینے بادشاہ رہا۔ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء میں عماد الملک کے ہاتھ سے اندھا ہو کر اس حالت میں مر گیا۔ احمد شاہ کے اندھا کرنے کے بعد عالمگیر ثانی کو گمنامی سے نکال کر تخت نشین کیا گیا۔[۱]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) شاہ ولی اللہ دہلوی (ف ۱۷۶۳ء) کا بہت معتقد تھا شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی نجیب الدولہ کو اس کے لئے تیار کیا تھا۔

[۱] جب عماد الملک نے احمد شاہ کو معزول کرنے کی تجویز اپنے امرا کے سامنے پیش کی تو کسی نے مخالفت نہ کی شمس العلماءٔ ذکاء اللہ لکھتے ہیں:-

"عماد الملک کے خوف کے مارے کس میں دم تھا کہ چوں و چرا کرتا سب نے تسلیم کیا علما بلائے انھوں نے فتویٰ لکھ کر پیشانی پر حدیث اور آیتیں قرآن کی لکھیں اور یہ تحریر کیا کہ بادشاہ سے ایسے افعال قبیح سرزد ہوئے ہیں کہ خدا اور رسول کے حکم کے موافق اس کو معزول ہونا چاہئے حاشیہ پر سب کی مہریں ہو گئیں غرض ۱۰ شعبان ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء کو احمد شاہ کو تخت سے اُتار کر قید کر دیا گیا اور سلطان عزیز الدین کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ احمد شاہ نے ۶ سال دس مہینے سلطنت کی افسوس کہ اس بادشاہ کے عہد میں اکبر اور اورنگ زیب کی سلطنت قابل رحم ہو گئی۔۔۔۔ اس کے قبضے میں دوآبہ کے چند ضلع اور جنوب ستلج کے کئی ایک ضلع رہ گئے تھے گجرات مرہٹوں کی پامالی میں تھا بنگال بہار اُڑیسہ علی وردی خاں کے جانشینوں کے تصرف میں تھا اور اودھ میں صفدر جنگ کا ڈنکا بج رہا تھا وسط دوآب میں بنگش حکمرانی کرتے تھے اور وہ اضلاع جنھیں روہیل کھنڈ کہتے ہیں روہیلوں کے پاس تھے پنجاب احمد شاہ دُرّانی کو حوالہ ہوا تھا باقی سارے ہندوستان میں ہندو مسلط تھے صرف اتنا ٹکڑا دکن کا ان کے ہاتھوں سے بچا ہوا تھا جس میں نظام کی اولاد جھگڑ رہی تھی میدان سلطنت میں کچھ کچھ انگریزی سوداگر بھی پر جملے

قزلباشوں کی اصلیت

قزلباشوں کی اصلیت یہ ہے کہ جب امیر تیمور صاحب قران نے روم کی فتح کے بعد ایران کی جانب مراجعت فرمائی تو وہ شیخ صفی الدین سے بڑے بیٹے شیخ صدر الدین سے ملا اور عرض کیا کہ میرے سپرد کوئی خدمت فرما دیں تاکہ اس کو انجام دے کر سعادت حاصل کروں شیخ صدر الدین نے فرمایا کہ ہمارے دینے والے اللہ تعالےٰ نے ہم کو غیر کا محتاج نہیں کیا ہے اور جس رات ہمارے یہاں فاقہ ہوتا ہے گویا وہ شب قدر ہوتی ہے۔ جب صاحب قران نے اپنی عرضداشت میں بہت الحاح و زاری کی تو شیخ نے فرمایا اگر تمھارے دل میں ایسی ہی خواہش ہے کہ میں کوئی مقصد ظاہر کروں تو روم کے قیدیوں کی جماعت جو تمھارے ساتھ ہے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دو۔ صاحبقرآن نے فوراً حکم دیا کہ روم کے قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے اور وہ سب قیدی توران کے ترک تھے۔ ان سب قیدیوں نے رہائی کے بعد شیخ کے حضور میں آکر عرض کیا کہ چونکہ ہم نے جناب کی توجہ سے دوبارہ زندگی پائی ہے اس لئے ہماری یہ آرزو ہے کہ ہم تمام عمر حضور کی خدمت میں رہیں۔ شیخ نے ان کی التماس قبول فرمائی اور صاحبقران سے زمین کے قطعات ان کو دلائے تاکہ اس کی آمدنی سے وہ اوقات بسر کریں کچھ دنوں کے بعد سلطان حیدر صفوی کے بیٹے شاہ اسمٰعیل نے ترکوں کے بھروسہ پر سلطنت حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا اور جہاں اس نے دشمن سے مقابلہ کیا فتح پائی اور اپنا نام و نشان باقی رکھنے کے لئے ان ترک زادوں کو سُرخ ٹوپی سے سرفراز فرماکر "قزلباش" کا لقب دیا اس لئے کہ ترکی زبان میں قزل کے معنی سُرخ کے ہیں۔ اور باش کے معنی سر کے ہیں اور ترکمان بھی قزلباشوں کے کام میں دخل رکھتے ہیں کیونکہ انھوں نے سُرخ ٹوپی پہننے کے سبب سے قزلباشوں سے مشابہت پیدا کی۔ ترکمان کے معنی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) جاتے تھے بادشاہ کا حال ایسا ہوگیا تھا جیسے پتھر یا کاٹ کے بتوں کا ہوتا ہے خواہ اپنی جگہ پر رکھ کر ان کی پرستش کرو خواہ توڑ پھوڑ کر پیروں تلے ملو۔"

تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۲۹۳ ۲۹۴

"مانند ترک" ہیں۔ آخر کار بادشاہوں کے خاندان میں قضا و قدر کے بموجب ایک خوفناک واقعہ پیش آیا کہ میر اویس غازی کے لڑکے محمود خاں نے ۱۱۳۴ھ-۱۷۲۱ء میں اصفہان پر ایک لشکر جرار سے چڑھائی کی اور شاہ حسین صفوی بادشاہ ایران کو قید کر کے تخت شاہی پر بیٹھا۔ اور سلطنتِ صفویہ جو دو سو تیس برس سے قائم تھی ختم ہو گئی اور افغان ایران پر قابض ہو گئے محمود خاں سات برس بادشاہی کر کے مر گیا اس کے بعد اس کی بیوی کا بھائی اشرف خاں نامی تخت پر بیٹھا اور اس کے چار مہینے بعد شاہ حسین صفوی کا بیٹا شاہ طہماسپ قزوین میں تخت نشین ہوا۔ اور قزلباشوں کی رفاقت میں اشرف خاں پر چڑھائی کی۔ اشرف خاں میں ٹھیرنے کی طاقت نہ رہی وہ بھاگ کر قندھار پہونچا اس نے حسین خاں غلزئی کو جو قندھار پر قابض تھا۔ اس کو مار ڈالا۔ اور شاہ طہماسپ کی سلطنت کے زمانے میں نادر ترکمان نے جس کا اصلی نام طہماسپ قلی تھا۔ سر اُٹھایا[1]

شجاع الدولہ

یہ نواب ابو منصور خاں صفدر جنگ وزیر اعظم کا بڑا بیٹا ہے۔ اس کا اصلی نام جلال الدین حیدر ہے، وہ ۱۱۴۵ھ-۱۷۳۲ء میں نواب برہان الملک سعادت خاں کی لڑکی رضیہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ چونکہ شجاع الدولہ کے سوا صفدر جنگ کے کوئی لڑکا یا لڑکی نہ تھی۔ اس لئے اس نے اس کی شادی میں جتنے بھی تکلفات ہو سکتے تھے کئے ادھر کے اسباب اور سامان کے علاوہ بینتالیس لاکھ روپے خرچ ہوا شجاع الدولہ کی شادی موتمن الدولہ محمد اسحاق خاں کی لڑکی کے ساتھ ہوئی۔ اس بزرگ زادی کے بطن سے[2] ۱۱۶۳ھ-۱۷۴۹ء میں نواب آصف الدولہ پیدا ہوا۔ نواب شجاع صفدر جنگ کی وفات کے بعد صوبہ اودھ کا والی ہوا۔

جب شاہزادہ عالی گہر اپنے باپ عالمگیر ثانی کے عہد میں عماد الملک کی عداوت دیکھ کر شاہجہاں آباد سے نکلا۔ اور مشرقی شہروں کی جانب متوجہ ہوا اور صوبہ اودھ کے

---

[1] نادر شاہ المتوفی ۱۱۶۰ھ-۱۷۴۷ء [2] شجاع الدولہ کی شادی ۱۱۵۸ھ-۱۷۴۵ء میں ہوئی عماد السعادت کے حوالہ سے حکیم نجم الغنی خاں لکھا ہو کر اس شادی میں ۴۶ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ (تاریخ اودھ حصہ اول صفحہ ۱۳۰-۱۳۱)

قریب نزولِ اجلال فرمایا اس وقت نواب شجاع الدولہ نے اس کی ملازمت کی سعادت حاصل کی اور ساٹھ لاکھ روپے معہ دیگر قیمتی سامان و اسباب کے نذر گزرانے شاہزادہ ممدوح نے محمد قلی خاں کو جو عزت الدولہ مرزا محسن کا لڑکا تھا اور مرزا محسن صفدر جنگ کا بڑا بھائی ہے۔ الہ آباد سے وزارت کی اُمیدواری پر اپنے ساتھ لیا اور بنگالہ کو کوچ کیا عظیم آباد تک پہونچے تھے۔ شجاع الدولہ نے محمد قلی خاں کو حیلے اور فریب سے طلب کیا اور اس کو اس کے علاتی بھائی مرزا احسن اور بھتیجے مرزا زین العابدین خاں کے ساتھ جلال آباد کے قلعہ میں قید کر دیا۔ جلال آباد کا قلعہ نواب صفدر جنگ نے جلال الدین حیدر کے نام پر بنوایا ہے۔ آخر کار ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۰-۱ء) میں شجاع الدولہ نے محمد قلی خاں کو اپنا جانی دُشمن سمجھ کر جان سے مار ڈالا۔ اس کا مقبرہ قلعۂ مذکور کے باہر ہے یہ وہ موقعہ تھا جب شجاع الدولہ احمد شاہ ابدالی کی طلب پر پانی پت جا رہا تھا کیونکہ احمد شاہ ابدالی بھاؤ مرہٹہ سے مقابلہ کرنے والا تھا۔

شجاع الدولہ کا احمد خاں کی طرف رُخ اور واپسی

انوپ گر جس کا خطاب ہمّت بہادر ہے اور امراؤ گر دونوں حقیقی بھائی اور راجہ اندر گر گسائیں کے چیلے ہیں۔ ان دونوں میں امراؤ گر کو ترجیح حاصل تھی کیونکہ وہ اندر گر کا دلی عہد معتبر وزیر تھا۔ امراؤ گر سرکار اودھ سے آزردہ ہو کر فرخ آباد پہونچا[۱]۔ نواب احمد خاں کی ملازمت میں داخل ہوا اور وہیں قیام کا ارادہ کیا اس کے بھائی ہمّت بہادر نے بطور نصیحت اسے لکھا کہ پرانے آقا کو کر لڑکپن سے اس کے نمک کے ہم پلے ہوئے ہیں، چھوڑ دینا اور غیروں کے گھر قیام کا ارادہ کرنا عقل مندی کے خلاف ہے۔ امراؤ گر نے جواب میں لکھا میں نے نواب شجاع الدولہ

---

[۱] امراؤ گر ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲-۳ء) میں نواب شجاع الدولہ کی ایک آشنا طوائف کو لکھنؤ سے لے بھاگا اور بارہ ہزار ناگے سپاہی لے کر فرخ آباد میں چلا آیا اور وہ شہر فرخ آباد کے متصل ایک باغ میں خیمہ زن ہوا اور فخر الدولہ بخشی کے توسط سے نواب احمد خاں کی ملازمت حاصل کی تاریخ اودھ حصہ دوم ص ۶۷

کی وجہ سے یہاں ٹھیرنا اختیار کیا ہے۔ شجاع الدولہ نے اس بات سے مطلع ہو کر نواب احمد خاں کو لکھا کہ میرے اس خط کے دیکھتے ہی اس بے ایمان کو نکال دو ورنہ ہماری تمھاری دوستی میں خلل پڑے گا۔ اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔ نواب احمد خاں نے جواب میں لکھا کہ میں سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا ہوں جو تمھاری مرضی ہو کرو میں نے امراؤ گر کو نہیں بلایا تھا۔ وہ خود آیا ہے اس کو جواب دینا میں مناسب نہیں سمجھتا۔[1]

اس خط کے پہنچنے کے بعد نواب شجاع الدولہ کوچ کرتا ہوا مہدی گھاٹ پہنچا اور قنوج کے قریب نجیب الدولہ کے پہونچنے کے انتظار میں مقیم ہو گیا۔ اس عرصے میں امراؤ گر نے لوگوں کے مشورہ اور فہمائش کے بعد نواب احمد خاں کو عرضی دی کہ میرا اس سرکار میں رہنا شجاع الدولہ کی مخالفت کا باعث ہے۔ مجھکو چلے جانے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ احمد خاں نے فرمایا اگر رہتے ہو تو میں تم کو جُدا نہیں کرتا اور اگر جاتے ہو تو میں نے تمھارے پاؤں میں زنجیر نہیں ڈالی ہے۔

پس امراؤ گر رُخصت ہو کر اکبر آباد کی طرف چل دیا جب نواب احمد خاں کو بالتحقیق معلوم ہو گیا کہ شجاع الدولہ مہدی گھاٹ تک پہنچ چکا ہے تو وہ ایک نمایاں فوج کے ساتھ فرخ آباد سے نکلا اور حدا گنج کے قریب خیمے لگا دیے۔ اُمراؤ گر راستہ سے واپس آکر احمد خاں سے مل گیا۔ تمام اردگرد کے افغان پہونچکر احمد خاں کے شریک ہو گئے۔ نجیب الدولہ، شجاع الدولہ کی مدد کو پہونچا۔ نواب احمد خاں نے

---

[1] حکیم نجم الغنی خاں نے اس جنگ کی تین وجہیں لکھی ہیں کہ نواب احمد خاں کے جاہ و جلال کو دیکھکر شجاع الدولہ چڑھ گیا اور بادشاہ کو بتایا کہ احمد خاں نے تمام شاہی طریقے اختیار کئے ہیں اور اب صرف تخت پر قدم رکھنا باقی ہے۔ جنگ پانی پت کے بعد دوآبہ کا ملک جو مرہٹوں سے خالی ہوا تھا وہ حسب سابق احمد خاں نے لے لیا۔ شجاع الدولہ کہتا تھا کہ صفدر جنگ سے جو معاہدہ ہوا تھا اور اس کے مطابق احمد خاں کا جو علاقہ ہے اس پر قبضہ ہو۔ امراؤ گر کا پناہ لینا تیسرا سبب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو

(تاریخ اودھ جلد دوم ص ۶۵–۶۸)

نجیب الدولہ کو بھی دعوت بھیجی اور پیام دیا کہ یہ دعوت تمھاری ہی ذات تک کے لئے ہے اور میرا ملک تمھارے لشکر کی مہمانداری کے لئے ہے۔ نجیب الدولہ نے جواب دیا۔ اگر میرا باپ شجاع الدولہ سے مقابلے کا ارادہ کرے گا تو میں شجاع الدولہ کے ساتھ ہوں گا۔

اس کے بعد نجیب الدولہ نے شجاع الدولہ کو سمجھایا کہ جب تمام افغان احمد خاں کی طرف ہیں تو یقین ہے کہ میرے سپاہی لڑنے کو تیار نہ ہوں گے۔ خاص کر اس سبب سے کہ مقابلہ آنجناب سے ہے قومی اور مذہبی اختلاف دشمنی کا سبب ہے۔ پس مناسب وقت صلح کرنا ہے۔ حاصل کلام نجیب الدولہ اور دوندے خاں نے صلح کی قرارداد اس طرح مرتب کی کہ نواب احمد خاں امراؤ گر کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دے چنانچہ امراؤ گر نے نواب احمد خاں کے حکم سے پھر اکبر آباد کو کوچ کیا اور شجاع الدولہ لکھنؤ اور احمد خاں فرخ آباد چلے گئے۔

اس ہنگامہ میں شجاع الدولہ نے چاہا تھا کہ حضرت شاہ عالم بذات خود قدر نجہ فرما کر اس کی مدد کریں نواب احمد خاں غالب جنگ نے دانشمند سفیر کے ہمراہ نذر میں اور معقول تحفے پیش کر کے اس کی مدد رُکوا دی اور ایک عرضداشت اس مضمون کی پیش کی کہ صفدر جنگ کے خاندان کو فدوی کے خاندان سے قدیم دُشمنی اور بُغض ہے اور ہم لوگ حضور کے پُرانے خدمت گذار ہیں۔ اور آنحضرت ہمارے سروں پر خدائے بزرگ کا سایہ ہیں ہم غلاموں پر ایک سی نظر پرورش رکھتے ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ اس مقابلہ میں قدم مبارک درمیان میں نہ ہو اور اگر فرض کیا کہ ہو تو ایک کنارے کھڑے ہو کر تماشہ ملاحظہ فرمائیں تا کہ اس طرف کے غلاموں کے ہاتھ سے کوئی غبار بساط فیض مناط کے حاشیہ بوسوں کو نہ پہونچے۔ زیادہ آداب[1]

---

[1] اس جنگ کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو (۱) تاریخ اودھ حصہ دوم صفحہ ۶۵ — ۸۰
(۲) تاریخ فرخ آباد (اردو) حصہ دوم صفحہ ۹۱ — ۱۰۹

شجاع الدولہ کا انگریزوں سے معاہدہ

نواب شجاع الدولہ نے سنہ ۱۱۷۸ھ میں موضع بکسر کے اطراف میں انگریزوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور وہ روہیلہ افغانوں کے پاس ملک کٹھیر میں آیا جو کچھ اُسے اُمیدیں تھیں وہ اس نے پوری ہوتے ہوئے نہ دیکھیں تو فرخ آباد کی طرف رجوع کیا۔ نواب احمد خاں نے استقبال کر کے بڑی شاندار مہمانیاں کیں احمد خاں حافظ رحمت خاں اور عماد الملک کی یہ تجاویز ہوئیں کہ ملہار راؤ ہلکر کو طلب کر کے دوبارہ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ نواب شجاع الدولہ نے ان کو چالیس ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیادوں کے ساتھ بُلا لیا اور شجاع الدولہ نے عماد الملک کے ساتھ شامل ہو کر قصبۂ کوڑا جہاں آباد کے اطراف میں دوبارہ انگریزوں سے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ اس کے بعد عماد الملک اور احمد خاں کی رائے ہوئی کہ صلح کرلی جائے اتفاق کی بات کہ بکسر کی لڑائی میں دو انگریز گرفتار ہوئے تھے وزیر الممالک شجاع الدولہ ان کی نہایت توقیر و تعظیم اور مراعات کرتا تھا وہ انگریز ابھی تک ہمراہ تھے شجاع الدولہ نے ان کو بعزت تمام مصالحت کے لئے روانہ فرمایا اور انھوں نے نواب ممدوح کے احسانات اور خوبیاں اچھی طرح بیان کیں اور صلح کرانے میں کوشش کی۔ چنانچہ ان کی سعی سے سنہ ۱۱۷۹ھ / ۶-۱۷۶۵ء میں صلح اس طریقہ پر طے ہوئی کہ نواب وزیر چند آدمیوں کے ساتھ انگریزی لشکر پہونچا اور جرنیل کارنگ جو انگریزی افواج کا افسر تھا وہ دوسرے انگریزوں کے ہمراہ استقبال کے لئے آیا ملاقات کی اور نذر گذرانی اور پالکی کے ساتھ پیدل چل کر اپنے خیمہ میں لایا پوری پوری تواضع اور احترام کیا اور اس مضمون کا عہد نامہ لکھا گیا۔[۱] کہ اس لڑائی میں انگریزوں کا جو پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے وہ شجاع الدولہ ادا کریں۔

---

[۱] یہ ملاقات ۹ رمئی سنہ ۱۷۶۵ء کو ہوئی اور عہد نامہ کی مجلس ۱۲ ر اگست سنہ ۱۷۶۵ء کو منعقد ہوئی۔ ۱۶ ر اگست سنہ ۱۷۶۵ء کو عہد نامہ مرتب ہوا (تاریخ اودھ حصہ دوم صفحہ ۱۴۰-۱۴۲)

آدھا فی الحال - اور آدھا اپنے ملک کی تنخواہ پر اور صوبہ کڑا اور الہ آباد بادشاہ کے مصرف میں ہے۔ مرزا نجف بادشاہ اور انگریزوں کی رائے کے موافق بادشاہ کی خدمت میں رہے۔ ایک لاکھ روپیہ سالانہ بادشاہ کے ہاتھ سے منجملہ تحصیل بنگالہ کے پاتا رہے۔ انگریزی فوج بادشاہ کی ملازم رہے گی اور ایک انگریز شجاع الدولہ کی خدمت میں بطور سفارت کے رہے گا اور دونوں طرف دوستی کی بنا مضبوط رکھی جائے۔ ایک کا دوست دوسرے کا دوست سمجھا جائے۔ اور ایسے ہی ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن سمجھا جائے اور اگر جانبین میں سے کوئی مدد کے لئے ایک دوسرے سے فوج مانگے۔ مصارف کے لئے روپیہ دوسرے کو دے۔ اور راجا بلونت سنگھ جس نے اس لڑائی میں بادشاہ اور انگریز کی جانب داری میں کچھ کلمات کہے ہیں اس کا قصور معاف کیا جائے۔ اور ایک ایک قبالہ طرفین کے مہر و دستخط سے ایک دوسرے کو دیا گیا۔ اس صلح کے بعد نواب وزیر نے اپنے لشکر کے سنوارنے اور تربیت دینے میں نہایت کوشش کی۔ یہاں تک کہ ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء میں پندرہ ہزار سوار اور ایک لاکھ تیس ہزار پیادوں تک فوج ہوگئی اور اس وقت رزیڈنٹ جو سرکار انگریزی کا نائب ہوتا ہے۔ نواب وزیر کی ملازمت میں کرنل بار پر تھا۔

نواب نجیب الدولہ

نجیب خاں یوسف زئی عمر خیل افغان ایک سپاہی آدمی تھا۔[۱] اس نے آہستہ آہستہ ترقی کی اور جب صفدر جنگ سے عماد الملک کا مقابلہ ہوا تو نجیب خاں عماد الملک کی فوج میں شامل ہوگیا اور بڑے بڑے کام انجام دیئے[۲]

ل۱ مولف نجیب التواریخ مرزا نصیر الدین برلاس نے اندازہ کیا ہے کہ نجیب خاں ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء میں پیدا ہوا ہوگا اور اس کی آمد تقریباً ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں ہوئی اور جمعداری پر اس کا تقرر ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء یا ۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء میں ہوا اور تاریخ میں نجیب کا نام اور بیشتر ۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۶ء میں ملتا ہے (ملاحظہ ہو نجیب التواریخ (قلمی) ص۶ (مملوکہ سید الطاف علی بریلوی، کراچی)

ل۲ یہ واقعہ ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء کا ہے صفدر جنگ نے سورج مل جاٹ، راجا بھرت پور اور راجہ اندر گر گسائیں کی مدد حاصل کر کے ایک بڑا لشکر تیار کیا مگر نجیب الدولہ نے بھی وہ حسن انتظام فراہمی لشکر اور داد شجاعت دی کہ عماد الملک کے دل پر اپنی حسن لیاقت کا سکہ بٹھا دیا۔ (نجیب التواریخ (قلمی) ص ۲۹-۱۳۱

عماد الملک اس پر بہت اعتماد کرنے لگا اور جب رسالہ "سین داغ" سوار تنخواہ کے بارے میں عماد الملک سے برسرِ فساد ہوئے تو نجیب خاں نے بڑی سعی و کوشش کی[1]۔ اس کے بعد عالمگیر ثانی عماد الملک کے ظلم سے شہید ہوا تو مغلیہ خاندان کے شریف و عوام اس سے کشیدہ خاطر ہو گئے۔ شاہی ملازمین افغانوں سے متفق ہو گئے اور تنخواہوں کی طلبی میں ایسے سخت تقاضے کئے کہ عماد الملک نے کنارہ کشی کے سوا کوئی علاج نہ دیکھا اور وہ سورج مل جاٹ کے پاس بھرت پور پہونچا اس وقت شاہجہاں آباد اور اس کے اطراف میں نجیب خاں ہی کا دورِ حکومت تھا۔ سورج مل جاٹ نہایت متکبر تھا تمام اُمراء اور رؤسا پر فوقیت ظاہر کرتا تھا۔ وہ نجیب الدولہ کے ساتھ معمولی لڑائی لڑنے کے بعد ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء میں مارا گیا۔

جس وقت سورج مل جاٹ اور نجیب الدولہ میں مقابلہ ہوا تو جاٹ کا وکیل بھول کٹارہ نجیب الدولہ کے پاس آیا۔ اور مالی و ملکی مطالبہ کا پیام دیا۔ . . . .

. . . . نجیب الدولہ نے اپنے میں جنگ کی طاقت نہ دیکھ کر منت و زاری سے جواب دیا کہ میری جانب سے مہاراجا بہادر کی خدمت میں منت و سماجت سے عرض کرنا چاہیئے کہ میں جناب کی مدد کا طالب ہوں۔ مجھ سے کوئی چیز لینا اور مجھ کو ذلیل و خوار کرنا سرداری کی شان کے خلاف ہے۔ اور اگر مجھ پر عنایتوں اور مہربانیوں کی نگاہ رکھی جائیگی تو مجھ سے سوائے لائق خدمتوں اور ضروری جانفشانیوں کے اور کوئی چیز ظہور میں نہ آئیگی اس کے متعلق مجھ سے جیسا چاہیں عہد و پیمان لے لیں۔ بھول کٹارہ نے کہا مہاراجا شیر ہیں۔ یہ ان کی بزرگی ہے کہ ان کی خدمت میں اپنا عرضِ حال کیا جائے وہ کسی کی آہ و زاری نہیں سنتے ہیں۔ سیّد معصوم جو ملک کے مشہور سادات میں سے تھے۔ اور نہایت مستغنی مزاج بزرگ تھے۔ اس مجمع میں موجود تھے۔ انھوں نے اُٹھ کر ایک لات وکیل کے جمائی۔ اور نجیب الدولہ سے کہا اُٹھ اگر شیر ہے تو میں اس کا شکار کردوں گا سورج مل لڑائی کی کارروائی سے غافل تھا۔ افغانوں نے ناگاہ اس کے سر پر پہونچ کر

بندوقیں سر کیں۔ ایک بندوق کی گولی اس کے لگی اور وہ مر گیا[1]

احمد شاہ ابدالی کے ہندپاکستان پر حملے

احمد شاہ اصل میں ابدالی سدوزی افغان رئیسوں میں سے ہے۔ سدوزی کو افغان پرہیزگاری اور پاکیزگی کے سبب سے پیروں میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں کچھ بزرگ لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ نادر شاہ کی بعض لڑائیوں میں احمد شاہ گرفتار رہا ہے اور شاہی غلاموں میں شمار کیا گیا اور اس کی بڑی عزت و شان ہوئی اور نادر شاہ کے قتل ہونے کے بعد محمد تقی خاں آختہ کی رائے سے وہ نادری لشکر سے جُدا ہو کر قندھار آیا اور اس کو بادشاہت کا خیال پیدا ہوا۔

پہلا حملہ

احمد شاہ ابدالی نادر کے بعد چھ بار ہندپاکستان آیا۔ پہلے ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء ہندوستان کے شہزادے احمد شاہ فرزند محمد شاہ نے اطراف سرہند میں مقابلہ کیا۔ اعتماد الدولہ قمرالدین خاں وزیر اعظم کے توپ کے گولہ سے مارے جانے کے بعد ابوالمنصور خاں صفدر جنگ اور معین الملک رُستم ہند فرزند قمرالدین خاں نے ایسی سخت کوششیں کیں کہ فتح شاہزادہ احمد شاہ کی فوج کو فتح ہوئی ابدالی پسپا ہوا۔ اور معین الملک نے اس کا لاہور تک پیچھا کیا[2]۔

دوسرا حملہ

دوسری دفعہ احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء میں لاہور پر لشکر کشی کی اس وقت لاہور اور ملتان کا صوبیدار معین الملک فرزند اعتماد الدولہ قمرالدین خاں تھا۔ معین الملک نے اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی اور شاہ ابدالی سے صلح کی درخواست کی کہ پنجاب کے چند پرگنے سیالکوٹ، گجرات اور اورنگ آباد وغیرہ جو

---

[1] یہ واقعہ ۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۴ء کا ہے۔

[2] اس جنگ کا تفصیلی حال پیچھے گزر چکا ہے۔

نادر شاہ سے صلح میں کابل کے علاقے قرار پائے تھے اسی طرح اب بھی رہیں گے۔ ان کا روپیہ معین الملک وصول کرکے شاہ ابدالی کو پہونچائے گا اور ابدالی اسی پر اکتفا کرکے واپس پھر گیا۔[۱]

تیسرا حملہ تیسری مرتبہ ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۲ء میں شاہ ابدالی لاہور آیا۔ معین الملک نے مزاحمت کی۔ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر کوڑا مل دیوان اور آدینہ بیگ خاں کے مارے جانے کے بعد مغلوب ہو کر صلح کا پیام دیا۔ شاہ ابدالی نے جہان خاں کو استقبال کے لئے بھیجا بڑی عزت سے ملاقات کی۔ اپنی طرف سے نائب صوبہ لاہور قرار دے کر کابل اور قندھار واپس ہو گیا۔ ملتان و لاہور کا صوبہ بادشاہِ ہندوستان کے عمل دخل سے نکل گیا۔[۲]

چوتھا حملہ معین الملک کی وفات کے بعد عماد الملک نے چاہا کہ معین الملک کی لڑکی کو جس کا نام عمدہ بیگم ہے۔ اور عماد الملک سے منسوب ہے اسے اپنے پاس بلائے۔ اس ارادہ سے وہ عالی خاندان شاہزادہ اور بھاری لشکر کے ساتھ انتظام اور بندوبست کے لئے لاہور کی طرف متوجہ ہوا۔ اور راستے میں سے جمیل الدین خاں کو ایک خط دے کر اپنی ممانی کے پاس جو معین الملک کی بی بی اور عمدہ بیگم کی ماں ہے عمدہ بیگم کے لانے کے لئے بھیجا۔ عمدہ بیگم کی ماں نے اپنی لڑکی کو بعض مصلحتوں کی وجہ سے جمیل الدین خاں کے ساتھ کر دیا اور خود مطمئن ہو گئی۔ اس کے بعد عماد الملک نے یکایک بغیر اطلاع کے عباد اللہ خاں کشمیری اور دوسرے سرداروں کو عمدہ بیگم کی ماں کو لانے کے لئے روانہ کیا۔ یہ سردار بغیر اطلاع اس کے پاس پہونچے اور اس کو گرفتار کرکے عماد الملک کے پاس لے آئے۔ عماد الملک نے ملاقات کے وقت عذر پیش کئے۔ اور

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ احمد از عبدالکریم صفحہ ۹ (مطبوعہ سلطان المطابع)

[۲] عبدالکریم نے اس حملہ کا ذکر نہیں کیا ہے ملاحظہ ہو تاریخ احمد صفحہ ۹

ادینہ بیگ خاں سے تیس لاکھ روپیہ نذرانہ لے کر صوبہ پنجاب اس کے حوالے کیا۔ اہلیہ معین الملک اس حرکت سے سخت آزردہ ہوئیں اور احمد شاہ ابدالی کو شکایت لکھی۔ چنانچہ بادشاہ بھاگتا ہوا سنہ ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶-۵۷ء) میں پہونچا۔ ادینہ بیگ خاں ہانسی حصار بھاگ گیا۔ عماد الملک نے معین الملک کی بی بی کو ماں کے پاس بھیج کر سفارش چاہی۔ احمد شاہ ابدالی شاہجہاں آباد کی طرف متوجہ ہوا عماد الملک حاضر خدمت ہوا۔ اور معین الملک کی بی بی اور شاہ ولی خاں وزیر کی سفارش کی وجہ سے سزا سے محفوظ رہا۔

اس کے بعد بادشاہ نے عالمگیر ثانی سے ملاقات کی شہر شاہ جہاں آباد کو لوٹا[۱] اور سورج مل جاٹ کی تنبیہ کے لئے متوجہ ہوا۔ سردار جہاں خاں کو پہلے سے بھیج دیا مگر عماد الملک کو اس کے ساتھ رکھا اور خود بعد میں پہونچا۔ عماد الملک سے نذرانہ طلب کیا۔ عماد الملک نے عرض کیا کہ اگر سرکار کی فوج تیموری خاندان کے کسی شہزادے کو لے کر میرے ساتھ گنگا جمنا کے دوآبے میں چلے تو وہاں سے بکثرت روپیہ وصول کر کے سرکار کو پیش کروں گا۔ اس کے قول کے موافق شاہ ابدالی نے جان نثار خاں کو ایک بھاری فوج کے ساتھ روانہ کیا اور عالمگیر ثانی کے بیٹے مرزا ہدایت بخش اعزالدین بن جہاندار شاہ داماد عالمگیر ثانی کے بیٹے مرزا بابر کو جان نثار خاں کے ہمراہ کر دیا۔ عماد الملک پہلے فرخ آباد پہونچا۔ نواب احمد خاں نے استقبال کیا۔ خیمے ہاتھی گھوڑے اپنے مقدور سے زیادہ شہزادوں کو نذر کئے۔ عماد الملک کی خوب خاطر تواضع کی اور کچھ حصہ اپنی فوج میں سے بھی دیا اور دریائے گنگا عبور کرنے کے بعد شجاع الدولہ نے بڑی حجت کے بعد نواب سعد اللہ خاں کے ذریعہ سے پانچ لاکھ روپیہ پر فیصلہ کیا۔ عماد الملک اور شہزادوں کی واپسی کے بعد شاہ ابدالی نے اپنے آپ کو

---

[۱] احمد شاہ ابدالی نے محمد شاہ کی لڑکی سے خود شادی کی اور عالمگیر کی لڑکی سے اپنے بیٹے تیمور شاہ کی شادی کی۔ عبدالکریم لکھتا ہے: "عوض کہ مال بے شمار از دار الخلافہ شاہجہاں آباد بہ ضبط سرکار در آمدہ و قشون درانیہ مالا مال دولت شدند" تاریخ احمد ص ۹

بلم گڈھ پہونچایا۔ اس کو فتح کیا۔ پھر متھرا پر حملہ کیا۔ بہت لوٹ مار اور خونریزی کی۔ جاٹ لوگ قلعہ میں پناہ گیر ہو گئے۔ گرمی کا موسم تھا لشکر شاہی لو کی تاب نہ لا سکا اسی لئے ہندوستان میں نہ ٹھیر سکا اور ولایت کو واپس چلا گیا۔

پانچواں حملہ احمد شاہ ابدالی متھرا میں خونریزی اور شاہجہاں آباد میں لوٹ مار کرنے کے بعد قندھار اور کابل چلا گیا اور تیمور شاہ کو سردار جہاں خاں کے ساتھ لاہور میں چھوڑ گیا۔ جہاں خاں اس ملک سے عدم واقفیت کی وجہ سے آدینہ بیگ کے ساتھ محبت اور مہربانی سے پیش آیا۔ اس کو اپنی طرف مائل کیا اور اس کو ملک دوآبہ میں جو دو دریا بیاس اور ستلج کے درمیان واقع ہے حاکم بنا کر بھیج دیا اور مطمئن ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد جہاں خاں نے آدینہ بیگ خاں کو اپنے پاس بلایا۔ اس نے آنے سے پہلو تہی کی۔ جہاں خاں نے اس کو علیحدہ کر دیا اور مراد خاں کو ملک دوآبہ کا حاکم بنا دیا۔ بلند خاں اور سرفراز خاں کو آدینہ بیگ کی گرفتاری کے لئے متعین کیا۔ آدینہ بیگ خاں نے سکھوں کو ساتھ لے کر ان کا مقابلہ کیا۔ بلند خاں مارا گیا اور مراد خاں اور سرفراز خاں مقابلہ سے مجبور ہو کر جہاں خاں کے پاس پہونچے۔ سکھوں نے آدینہ بیگ کے اشارہ سے تمام ملک دوآبہ کو لوٹ لیا۔

اسی اثنا میں رگھنا تھ راؤ، شمشیر بہادر، ملہار راؤ اور تکوجی ہلکر جو عماد الملک کے بلانے پر اطراف شاہجہاں آباد میں آئے ہوئے تھے۔ آدینہ بیگ کی درخواست پر لاہور کی طرف چل دئے اور انھوں نے سرہند پہونچنے کے بعد عبد الصمد خاں کو جو شاہ ابدالی کی طرف سے وہاں کا حاکم تھا۔ گرفتار کر لیا۔ اور جہاں خاں اپنی فوج کی کمی اور مرہٹوں کی کثرت دیکھ کر تیمور شاہ کے ہمراہ کابل چلا گیا۔ موسم برسات قریب آگیا تھا مرہٹوں کی فوج نے پچھتر لاکھ روپیہ سالانہ آدینہ بیگ خاں سے نذرانہ طے کیا اور اُسے صوبہ لاہور کا مالک کر کے شاہجہاں آباد واپس ہو گئی۔ اسی اثناء میں

ادینہ بیگ خاں کا انتقال ہو گیا۔

نجیب الدولہ اور ہندوستان کے رئیسوں نے مرہٹوں سے تنگ آکر احمد شاہ ابدالی کو شکایت لکھی۔ بادشاہ کو کفّار کی گستاخیوں کا جو انھوں نے تیمور شاہ سے کی تھیں خیال تھا اور عماد الملک کی نمک حرامی کی وجہ سے جو اس نے جہان خاں اور عالمگیر ثانی سے کی تھی اس کے دل میں ملال تھا مزید برآں ہندوستان کے رئیسوں کی درخواست پہونچی چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۲ھ / ۱۷۵۸-۹ء میں قندھار سے ہندوستان کا رُخ کیا۔ دتا پٹیل مرہٹہ جو اطرافِ شاہ جہاں آباد میں اُترا ہوا تھا مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ عماد الملک بھاگ کر جاٹوں کے ملک میں چلا گیا۔ اور سرہند کے نزدیک دتا پٹیل مرہٹہ اور بادشاہ میں لڑائی ہوئی مرہٹے بھاگ کھڑے ہوئے اور دہلی پہونچے۔ اُس اطراف میں بڑی لڑائی ہوئی۔ جمادی الثانی ۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۰ء میں دتا مارا گیا اور ملہار راؤ اور جھنکو دتا کا بھتیجا جو اطرافِ کول اور جلیسر میں اُترے ہوئے تھے۔ اس واقعہ کو سُن کر دکن بھاگ گئے[1]۔ میر غلام علی آزاد نے تاریخ لکھی ہے ؎

کرد سلطانِ عصرِ درّانی — قتل دتّا بہ تیغِ دشمن کاہ
گفت تاریخ ایں ظفر آزاد — نصرتِ بادشاہ عالی جاہ

اس فتح کے بعد بادشاہ اپنے ملک کو لوٹ گیا۔

چھٹا حملہ چھٹی مرتبہ ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۱ء میں آیا اور ہندوستان کے تمام امراء احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ہوئے۔ پانی پت کرنال کے اطراف میں بھاؤ مرہٹہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس کو نیست و نابود کیا۔ اس کا مفصل بیان پہلے ہو چکا ہے۔

ساتواں حملہ بھاؤ پر فتح پانے کے بعد جب شاہ ابدالی کابل اور قندھار لوٹ گیا۔ تو

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمد صفحہ ۱۰۱-۱۲

سورج مل جاٹ نے نجیب الدولہ کو حقیر اور شاہ عالم کو عظیم آباد میں مقید سمجھ کر قلعہ اکبر آباد پر قبضہ جما لیا اور سکھوں نے شورش کا سر اٹھا کر احمد شاہ کے نائب کو جو لاہور میں تھا مار ڈالا اور جسا نامی ایک شخص کو اپنی قوم میں سے بادشاہی کے لئے انتخاب کیا اور اس کے نام کا سکہ جاری کیا۔ احمد شاہ یہ خبر سن کر سنہ ۱۱۷۵ھ / ۱۷۶۲ء میں اطراف لاہور پہونچا۔ سکھوں کو قرار واقعی سزا دی اور اُن کے گھروں کو برباد کر کے واپس لوٹ گیا۔

مرہٹوں کی شمالی ہند پر تاخت

پہلی مرتبہ — مرہٹوں نے دکن میں فساد پھیلایا اور چند بار دریائے نربدا کو پار کر کے شمالی ہند کے شہروں میں آئے۔ پہلی مرتبہ سنہ ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷-۸ء میں بندیلوں کی مدد سے آئے۔ غضنفر جنگ کو قلعہ جیت گڑھ میں محصور کیا۔ قائم جنگ اپنی قوم کے بھاری لشکر کے ساتھ پہونچا۔ اس مصیبت سے اس کی رہائی دلائی۔ جیسا کہ پہلے مقالہ میں گذرا ہے۔

دوسری مرتبہ — جب ملہار راؤ اور دوسرے سردار نوے ہزار سواروں کے ساتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کی تعداد ہوگی۔ گڑھ مندلہ کی سمت سے سرونج اور چندیری تک پہونچے۔ غضنفر جنگ بادشاہ کے حکم سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا اور ان کی مزاحمت کی۔

تیسری مرتبہ — جب غضنفر جنگ مالوہ میں صوبہ دار تھا تو سنہ ۱۱۴۴ھ / ۱۷۳۱-۲ء میں ملہار راؤ نے دوسرے چند سواروں کے ساتھ دریائے نربدا عبور کر کے فساد برپا کیا۔ غضنفر جنگ نے چالیس ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ رستمانہ مقابلہ کیا اور ان کی مدافعت کی۔

چوتھی مرتبہ — جب آصف جاہ نے بادشاہ کے رویہ اور اس کے امرائے کے رکھ رکھاؤ کو نامناسب سمجھا انھوں نے قوم مرہٹوں کو ہندوستان کا ملک مسخر کرنے پر برانگیختہ کیا۔ باجی راؤ کے ذریعہ سے جو بالاجی راؤ کا بڑا بیٹا ہے۔ صوبۂ مالوہ راجہ گردھر سے اور صوبۂ گجرات راجہ ابھی سنگھ راٹھور سے نکالنا چاہا۔ راجا گردھر مارا گیا

اور راجہ ابھی سنگھ نے شکست کھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صمصام الدولہ خاں دوراں خاں اور جے سنگھ سوائی کی وساطت سے یہ دونوں صوبے باجی راؤ کے لئے قرار پائے۔

پانچویں مرتبہ

باجی راؤ نے ان صوبوں پر تسلط کرنے کے بعد ۱۱۴۶ھ/۱۷۳۴ء میں سابق بقایا کے تقاضے اور ممالک محروسہ کی چوتھائی محاصل کی سند حاصل کرنے کی غرض سے نوّے ہزار جرّار سواروں کے ساتھ شاہجہاں آباد کا ارادہ کیا۔ کوٹلہ پہونچنے کے بعد ملہار راؤ کو لوٹنے کے لئے پہلے بھیجدیا۔ ملہار راؤ نے دریائے جمنا عبور کیا چکلہ اٹاوہ سے اکبر آباد تک لوٹنے میں مشغول ہوا۔ برہان الملک نے اس پر چڑھائی کی۔ بہت کشت و خون اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ ملہار راؤ زخمی ہو کر بھاگ کر باجی راؤ کے پاس پہونچا۔ برہان الملک اس کا پیچھا کر رہا تھا کہ صمصام الدولہ بھی پہنچ گیا۔ اور اعتماد الدولہ اور غضنفر جنگ جو برہان الملک کی مدد کے لئے آئے تھے۔ ابھی اس تک نہیں پہنچے تھے باجی راؤ اور ملہار راؤ نے ان کو غافل کر کے خود کو فرید آباد پہونچا دیا اور ان لٹیروں نے میلہ کالکا کے مجمع پر دست درازیاں شروع کیں اور غضنفر جنگ اور اعتماد الدولہ کی مدد پہونچنے سے برہان الملک کا لشکر مضبوط ہو گیا اور بڑی کوششوں کے بعد مسلمانوں کے لشکر کو فتح نصیب ہوئی۔ اور غنیم مالوہ اور گجرات کی طرف چلا گیا۔

اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کی چٹھی کی نقل جو اس معاملہ میں غضنفر جنگ کو لکھی گئی

"ملاذ مہرباں دوستاں سلامت چوں شورش مقاہیر شقاوت تخمیر زیادہ از حد معروض مقدس معلّے گردید لہذا فدوی درگاہِ آسماں جاہ بنا بر تنبیہ و تخریب کفار ندامت آثار رواخراج فیۂ ضالہ از اضلاع خالصہ شریفہ و بند و بست محالات آں اضلاع از پیشگاہِ خلافت و جاہ دستوری

یافتہ روز مبارک یکشنبہ نوزدہم[۱۹] شہر حال عزیمت گر شدہ انشا اللہ المعین المستعان عنقریب برسر اشقیا مار از دماغ این جہنمیان روسیاہ برآوردہ می شود لہٰذا رقم پذیر می گردد کہ آں مہربان با جمعیت شائستہ و فوج بایستہ مستعد سد راہ آنہا باشند فوج نصرت موج بلا توقف می رسد۔ والسلام!“

(ترجمہ)

”مہربان دوستوں کی جائے پناہ سلامت رہو۔ جبکہ بد اصل مقہوروں کی شورش حد سے زیادہ بارگاہِ عالی میں بڑھ گئی ہے لہٰذا فدوی درگاہِ آسمان جاہ کو شامت آثار کافروں کی بربادی اور تنبیہ کے لیئے اور اس گمراہ گروہ کو اضلاعِ خالصہ شریفہ سے نکالنے کے لئے اور اُن اضلاع کے محالات کا بندوبست کرنے کے لئے بارگاہِ عالی سے اجازت ملی ہے۔ ماہِ رواں کی ۱۹ تاریخ اتوار کے مبارک دن قصد روانگی ہے۔ انشاءاللہ تعالےٰ عنقریب بدبختوں کے سر پر پہونچ کر اُن روسیاہ جہنمیوں کا بھیجا نکالا جائے گا۔ اس واسطے لکھا جاتا ہے کہ وہ مہربان معقول جمعیت اور بہتر فوج کے ساتھ راستہ مسدود کرنے کے لئے تیار رہیں۔ فتح مند فوج بلا توقف پہونچتی ہے۔ والسلام“

چھٹی مرتبہ سنہ ۱۱۵۰ھ ۳۸-۱۷۳۷ء میں باجی راؤ کے معزول ہونے کے بعد جب آصف جاہ صوبہ مالوہ پر مامور ہوا تو باجی راؤ معہ رگھوجی بھونسلہ کے جو ساہو راجہ کے چچا کی اولاد میں سے ہے مقابلہ میں آیا۔ آصف جاہ نے بادشاہ کی طلبی پر صلح کر لی کیونکہ نادرشاہ کی آمد کی خبر مل چکی تھی اور آصف جاہ شاہجہاں آباد پہونچا۔ بادشاہ نے آصف جاہ کو راضی کرنا مناسب جانا۔ اس لئے اس کو ہشت ہزاری منصب اور عہدہ وکالت پر سرفراز کیا۔ اس کے بعد باجی راؤ سنہ ۱۱۵۳ھ ۴۱-۱۷۴۰ء میں مرگیا۔ اس کے لڑکے نے بالاجی کا لقب اختیار کیا اور اس کی جگہ بیٹھا۔

ساتویں مرتبہ جبکہ ملہار راؤ جس کا اصل نام سداشیو ہے بالاجی کا چچازاد بھائی ہے وہ تکوجی ہلکر اور اپاجی سندھیا تینوں نواب صفدر جنگ کی مدد کو پہونچے اور نواب احمد خاں غالب جنگ کا مقابلہ کیا۔

اٹھویں مرتبہ سنہ ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۸ع) میں ملہار راؤ، رگھناتھ راؤ، شمشیر بہادر، تکوجی ہلکر، جھنکو اور دتا پٹیل نے دریائے نربدا کو عبور کیا اور اطرافِ شاہجہاں آباد میں پڑاؤ ڈالا پھر آدینہ بیگ خاں کی درخواست پر لاہور کی طرف متوجہ ہوئے اور عبدالصمد خاں کو شاہ ابدالی کی طرف سے سرہند کا حاکم تھا گرفتار کیا اور آدینہ بیگ خاں سے ۷۵ لاکھ روپیہ نذرانہ لیا۔ افغانوں کی فوج کے خوف سے بھاگ کر شاہجہاں آباد کو واپس آگئے۔ نجیب الدولہ وغیرہ نے مرہٹوں کی شکایت شاہ ابدالی کو لکھی۔

نویں مرتبہ رگھناتھ راؤ جھنکوجی کے لشکر کے ساتھ جو نربدا کے اس طرف پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ نجیب الدولہ پر ٹوٹ پڑا اور مقابلہ کیا۔ نجیب الدولہ نے سکرتال کے قلعہ میں پناہ لی۔ مرہٹوں نے اس کو گھیر کر بہت تنگ کیا۔ یہاں تک کہ نواب شجاع الدولہ مدد کو پہونچا اور اس کو اس مصیبت سے رہائی دلائی۔ مرہٹے بھاگ گئے نجیب الدولہ اس احسان کے بدلے میں آپ کو شجاع الدولہ کا بندۂ زرخرید سمجھتا تھا اور اس احسان کا شکریہ شاہ ابدالی کو لکھ کر بھیجا۔

دسویں مرتبہ جب نجیب الدولہ نے سنہ ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۱ع) میں ہندوستان سے مرہٹوں کی بیخ کنی کے لئے احمد شاہ ابدالی کو طلب کیا اور ابدالی نے ہندوستان آکر ہندوستان کے تمام سرداروں کے اتفاق سے مرہٹوں کا مقابلہ کیا۔ اس معرکہ میں بھاؤ بسواس رائے، ابراہیم گاردی اور شمشیر بہادر مرہٹوں کے بہت سے افسر مارے گئے جب یہ خبر بالاجی کی پہونچی تو زمین پر سر دے مارا۔ اس کی آنکھوں سے خون برسنے لگا۔ اور چند بیہودہ کلمات مسلمانوں کے بارے میں کہے۔ نواب شجاع الدولہ

کو خاص طور سے بُرا بھلا کہا۔ کیونکہ اس کے باپ صفدر جنگ نے مرہٹوں کی مدد سے افغانوں پر فتح پائی تھی۔ اس کے بعد ہندوستان کے راجاؤں کو لکھا کہ سب متفق ہو کر دُنیا سے اسلام کا نام و نشان مٹا دو مستعد ہو کر ہمارے پہونچنے کا انتظار کرو۔ اس نے چار لاکھ سوار اور پیادہ جمع کر کے شاہجہاں آباد کا ارادہ کیا۔ پونا سے چند منزلیں ہی طے کی تھیں۔ کہ نواب نظام علی خاں نظام الملک کا بڑا بیٹا آصف جاہ ثانی ایک بھاری فوج کے ساتھ پونا پر حملہ آور ہوا اور اس کو برباد کیا۔ بالاجی نے اس اطلاع کے بعد نظام علی خاں کو شکایت لکھی کہ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے گھر میں آگ آصف جاہ کی اولاد کے ہاتھ سے لگے گی۔ وگرنہ پہلے جناب کی طرف قصد کرتا۔ افسوس میری دوستی کی قدر نہ کی گئی۔ نواب نے جواب میں لکھا۔ میں نے دوستی کی دیوار میں رخنہ نہیں ڈالا ہے بلکہ روز بروز اس کے مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر ابدالی پونا پر آتا تو میں تمھارے ساتھ تھا۔ مگر جو کچھ تمھاری جانب سے مسلمانوں کے حق میں کہا گیا ہے میرے کان اس کے سُننے کی تاب نہ لا سکے اور وہی اس حرکت کا سبب ہوئے۔ انصاف کرو قصور کس کا ہے؟ بالاجی اس تحریر کو پڑھ کر خاموش ہوا۔ اور چند دن بعد مرگیا۔

گیارھویں مرتبہ ۔۔۔ سنہ ۱۱۷۸ھ ۵-۱۷۶۴ء میں ملہار راؤ اور ہلکر نے نواب شجاع الدولہ کی امداد حاصل کی اور عماد الملک کے ہاتھ قصبہ کوڑا جہاں آباد کے اطراف میں انگریزوں سے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔

بارھویں مرتبہ ۔۔۔ سنہ ۱۱۸۲ھ ۹-۱۷۶۸ء میں مہاجی پٹیل سندھیا، تکوجی ہلکر، رام چندر گنیش اور منساجی نے بالاجی ولد باجی راؤ کے لڑکے نرائن راؤ کے حکم سے اسی ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ دکن سے اکبرآباد کا رُخ کیا۔ پہلے نول سنگھ ولد سورج مل جاٹ سے لڑائی ہوئی۔ جو ایک کرور چودن لاکھ کی ملکیت اپنے قبضہ میں رکھتا تھا۔ مرہٹوں نے فتح پائی اور جاٹ سے بہت سا روپیہ پیسہ حسب مرضی وصول کیا۔

اس کے بعد شاہجہاں آباد کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس زمانہ میں نجیب الدولہ نے وفات پائی تھی۔ اس کا بیٹا نواب ضابطہ خاں شہر چھوڑ کر سکرتال جا چکا تھا۔ مرہٹے شہر پر قابض ہوگئے۔ اور انھوں نے حضرت شاہ عالم کے حضور میں الہ آباد عرضیاں بھیجیں کہ شاہجہاں آباد تشریف لائیں۔ چنانچہ اس کے موافق ۱۱۸۴ھ ۱۷۷۰-۷۱ء میں عمل میں آیا۔ اس کے بعد مرہٹوں نے بادشاہ کے حکم سے ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۱-۷۲ء میں ضابطہ خاں سے اطراف سکرتال میں جنگ کی۔ اور اس کو شکست فاش دی اور اس کے اہل و عیال قید کر دیئے گئے جو پھر نواب شجاع الدولہ وزیر اعظم کی سفارش پر چھوڑ دیئے گئے۔ اس کے بعد ۱۱۸۶ھ ۱۷۷۲-۷۳ء میں مرہٹے بادشاہ سے اجازت لے کر نواب علی محمد خاں اور نواب احمد خاں غالب جنگ افغانوں کے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے متوجہ ہوئے۔ مراد آباد تک پہونچ گئے۔ اور لوٹ مار کرنی شروع کر دی۔ نواب شجاع الدولہ افغانوں کی مدد کو پہونچا۔ اور مرہٹے بھاگ گئے اور مرہٹوں کی بلا ان کے سر سے ٹلی

اُسی زمانہ میں دکن سے خبر ملی کہ نرائن راؤ مارا گیا اور اس کا چچا رگھناتھ راؤ مسند نشین ہوا۔ مرہٹے سردار جو شاہجہاں آباد کے اطراف میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے انھوں نے نواب شجاع الدولہ سے کثیر روپیہ سفر خرچ کے لئے طلب کیا اور لکھا کہ اس رقم کے بدلے میں افغانوں کے ملک پر آپ قابض ہوں گے۔ وزیر الممالک نے اس حقیقت سے حافظ رحمت خاں کو آگاہ کیا۔ حافظ رحمت خاں نے جواب میں لکھا: "میں اور دوسرے سردار چالیس لاکھ کا انتظام کریں گے۔ فی الحال ایک کروڑ روپیہ مرہٹہ کو دید یجئے باقی پھر دیکھا جائے گا۔ چنانچہ وزیر الممالک نے اسی کے موافق عمل کیا۔ مرہٹے دکن روانہ ہوئے۔

تیرھویں مرتبہ

۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴-۰۵ء میں جسونت راؤ ملکر نے اپنے ملک سے کوچ کیا اور نربدا عبور کر کے ہنگامہ پردازی کی۔ اور جنرل لیک بہادر نے اس سے

مقابلہ کیا اور اس کی فوج کو منتشر کر دیا۔ یہاں تک کہ ۱۲ رماہ شعبان ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۶ رماہ نومبر ۱۸۰۴ء کو ہلکر نے فرخ آباد کے اطراف میں جنوب کی طرف خیمے گاڑے۔ نواب ناصر جنگ نے بعض بے وقوفوں کے مشورے پر اس سے ملاقات کی ۱۳ رماہ شعبان ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۴ء کو جنرل لیک بہادر اس کے پیچھے پہونچا اور مقابلہ کیا۔ بندوقوں اور توپوں سے چند ہزار آدمیوں کو ہلاک کیا جسونت راؤ ہلکر کو بھاگنے کے سوا کوئی تدبیر نظر نہ آئی وہ بھاگ کر مین پوری گیا۔ جنرل موصوف کے تعاقب کرنے کی وجہ سے بھاگتا ہوا اطراف لاہور میں پہونچا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کوشش سے صلح کا ہونا قرار پایا۔ ۲ رماہ شوال ۱۲۲۰ھ مطابق ۲۴ رماہ دسمبر ۱۸۰۵ء کو دریائے بیاس کے کنارے بمقام راپور ایک عہد نامہ مرتب ہوا۔ جو نو دفعات پر شامل تھا، یہاں تک مرہٹوں کی اس سرگزشت کا بیان ہوا۔ جو اطراف شاہجہاں آباد میں ہوئیں۔ اس کے بعد مرہٹوں کی اُن واردات کا ذکر ہوتا ہے۔ جو اطراف بنگالہ میں ہوئیں۔

مرہٹوں کی بنگال پر تاخت

پہلی مرتبہ ۱۱۵۴-۵ھ / ۱۷۴۱-۲ء مہابت جنگ کے زمانے میں سنہ ۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۱ء میں بنگالہ میں خبر پہونچی کہ سرفراز خاں کے مارے جانے کے بعد اس کے لشکر سے فرار ہو کر میر حبیب اردستانی ناگپور پہونچا اور اس نے رگھوجی بھونسلہ کو ورغلایا جو ساہو راجہ کے چچا کی اولاد میں تھا۔ بھونسلہ نے امیر حبیب کے ساتھ بھاسکر پنڈت کو چالیس ہزار سوار کے ساتھ بھیجا اور بنگالہ کی چہارم تحصیل کے لئے مقرر کیا۔ فوج پہنچنے کے قریب تھی کہ مہابت جنگ لڑائی پر آمادہ ہوا۔ پہلے ہی مقابلہ میں ایسا اتفاق ہوا کہ مہابت جنگ کرنے کے بعد رات کو اپنے خیمہ گاہ میں نہ پہونچ سکا مرہٹہ فوج نے رات میں مہابت جنگ کے خیمے پر حملہ کر دیا اور قتل و غارت گری کی اور صبح کو مہابت جنگ کا محاصرہ کر لیا۔ مہابت جنگ نے تنگ آکر

صلح کا پیام بھیجا۔ بھاسکر نے جواب دیا کہ مبلغ کروڑ روپیہ اور لشکر کے تمام ہاتھی دیئے جائیں تب صلح ہو سکتی ہے۔

مہابت جنگ کی سرکار کے مختار جانکی رام نے عرض کیا کہ لشکر میں بڑا فتور اور بے اطمینانی ہے باقی ماندہ لوگ بہت بے چین ہیں۔ بھلائی اسی میں ہے کہ یہ بات منظور کر لی جائے۔ بنگالہ میں ہاتھی بکری سے بھی کمتر ہے۔ فیل خانہ اس سے بہتر حاصل کر لیں گے اور چالیس لاکھ روپیہ خزانہ عامرہ میں موجود ہے۔ اور ساٹھ لاکھ کا انتظام میں کروں گا۔ مہابت جنگ نے غیرت، اور شجاعت کے اقتضائے سے فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں اس ذلت پر راضی نہ ہوں گا۔ اگر اللہ نے چاہا تو ان بدبختوں سے مقابلہ کروں گا اور فتح کے بعد دس لاکھ روپیہ فوج کو انعام دوں گا۔ حاصل کلام جب رات ہوئی تو بہت سے سپاہی مرہٹہ کے لشکر میں چلے گئے۔ مشہور و معروف لوگوں کے سوا اور کوئی باقی نہ رہا۔

مہابت جنگ لاچار ہو کر رات میں بغیر خدمت گار اور مشعلچی کے مصطفیٰ خاں بڑیچ کے خیمہ میں آیا اس کے ہمراہ اس کا نواسہ سراج الدولہ بھی تھا جو ہیبت جنگ کا لڑکا تھا مہابت جنگ نے کہا کہ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے مصطفیٰ خاں نے حیران ہو کر تنہائی کر دی اور کہا فرمائیے۔ مہابت جنگ نے کہا انسان کو جان سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہے۔ اور اب میری ایسی حالت ہے کہ اس میں جان سے گزر جانا زیادہ عزیز معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ کو کسی وجہ سے مجھ سے ملال ہے تو زیادہ فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ میں موجود ہوں اور یہ سراج الدولہ ہے جو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے اپنا کام کر کے اس ملال سے فراغت حاصل کیجئے۔ اور اگر میرے حقوق آپ کے دل میں کچھ وقعت رکھتے ہیں تو میرے قصور سے درگزر فرمائیے اور میری مدد اور میری رفاقت کا عہد کیجئے تاکہ میں اطمینانِ خاطر سے مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوں اور جو تقدیر میں ہے ظاہر ہو۔

مصطفیٰ خاں نے کہا: اس بات کا جواب میں تنہا نہیں دے سکتا جس وقت

میرے گروہ کے سردار اکٹھے ہوں گے اُن سب کے اتفاق سے جواب عرض کروں گا۔ مہابت جنگ نے کہا، کیا مضائقہ ہے۔ پس سردار جیسے شمشیر خاں اور سردار خاں وغیرہ طلب ہوئے اور اس کی بات ان سب کے سامنے دہرائی گئی۔ انھوں نے کہا مصطفٰے خاں ہمارا سرحار ہے جو وہ طے کردے وہی ہمارا بھی جواب ہے۔ مصطفٰے خاں نے کہا کہ میرا دل صاف ہے اور میرا سر خداوند نعمت پر فدا ہے۔ مہابت جنگ کو یہ بات سن کر استقلال حاصل ہوا اور غنیم کے مقابلہ کا پکا ارادہ کرلیا۔

مقابلہ کے وقت حیدر قلی خاں داروغہ توپ خانہ مارا گیا۔ مصطفٰے خاں جعفر خاں شمشیر خاں اور سردار خاں نے بہادرانہ حملے کئے اور بہادرانہ کوششیں کیں جب شام ہوئی تو مرہٹوں نے مہابت جنگ کے لشکر کا محاصرہ کرلیا اور ان پر نا اُمیدی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ مرہٹے ان کا حال معلوم کرکے مطمئن ہوگئے اور اُن کی طرف سے غافل ہوکر کھانے پینے کی فکر میں پڑگئے۔ اس حالت میں افغان ڈھالیں اور تلواریں کھینچ کر مرہٹوں پر ایسے گرے کہ مرہٹے اپنا بھاری بھاری سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مہابت جنگ نے اس فتح کے بعد کوچ کرکے اپنے آپ کو مرشد آباد سے کٹوہ پہونچایا اور وہاں سکونت اختیار کی اور مرہٹوں نے مہابت جنگ کے خوف سے بنگالہ میں اپنے قیام کی صورت مناسب نہ سمجھی اور اپنے ملک کا ارادہ کیا۔ لیکن واپس ہونے سے پیشتر اپنے کئی ہزار سوار مرشد آباد روانہ کئے تاکہ جگت سیٹھ کی کوٹھی لوٹ لیں۔ مہابت جنگ بھی کوٹھی لٹنے کے ایک روز بعد پہونچا۔ دارالحکومت اور شہر کے دوسرے بڑے بڑے سرداروں کی غارت گری کا موقع نہ دیا۔ یہ واقعہ ۱۱۵۵ھ ۱۷۴۲ء میں واقع ہوا۔

اس واقعہ کے بعد بعض فتنہ انگیز گمراہ لوگوں جیسے میر حبیب نے بھاسکر پنڈت کو بہت ملامت کرکے دکن کی طرف لوٹنے سے روکا اور اس کی ضروریات کے لئے فوج اور نقد اور غلہ سے خود کفیل ہوئے اور اس کو کٹوہ میں بیٹھنے کا مشورہ دیا اور

اس کو میر بھوم سے کٹوہ میں لاکر ٹھہرایا۔ موسم برسات اور نہروں میں پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے اس سال مہابت جنگ بنگالہ سے مرہٹوں کو نہ نکال سکا۔ برسات بعد مہابت جنگ نے ہیبت جنگ کو عظیم آباد سے بُلایا اور بالاتفاق نکالنے کی فکر کی۔ مہابت جنگ کی درخواست پر عمدۃ الملک امیر خاں صوبہ دار الہ آباد اور ابوالمنصور خاں صفدر جنگ صوبہ دار اودھ کو محمد شاہ بادشاہ کے احکام پہونچے کہ مہابت جنگ کی مدد کی جائے۔ اور بادشاہ نے بالاجی راؤ کو بھی جو مرہٹوں کا سرغنہ تھا لکھا کہ چونکہ ہم پورے طور پر چوتھ کا روپیہ دیتے ہیں مگر اب رگھوجی بھونسلہ نے بانیِ فساد ہوکر بھاسکر پنڈت کو بڑے اصرار کے ساتھ صوبۂ بنگال بھیجا ہے اور فساد کا راستہ کھول دیا ہے تو ضروری ہے کہ آپ جلد اس صوبہ میں پہونچیں اور ان بدبختوں کو ان کے اعمال کی سزا دیں اور ایسی سزا ان کو دی جائے کہ دوبارہ گستاخی پر آمادہ نہ ہوں صفدر جنگ نے بنگالہ کے کوچ کے وقت متعلقین کی حفاظت کے لئے قلعہ چنار گڑھ اور رہتاس گڑھ کے لئے بادشاہ کے حضور میں درخواست گذاری تھی جو منظور ہو گئی۔

پس موسم برسات گذرنے کے بعد مہابت جنگ نے مناسب سامان کے ساتھ مرشد آباد سے کٹوہ کی طرف بھاسکر کے مقابلہ میں آنے کا ارادہ کیا اور آٹھ دن تک ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ آخر کار فتح مہابت جنگ کو نصیب ہوئی اور مرہٹے بھاگے اور مہابت جنگ نے، صولت جنگ، ہیبت جنگ، عطاء اللہ خاں ثابت جنگ، مصطفیٰ خاں ببر جنگ، جعفر خاں شمشیر جنگ اور دوسرے سرداروں کے ساتھ مرہٹوں کا پیچھا کیا اور وہ بنگال کے حدود سے نکال کر مرشد آباد واپس ہوا صفدر جنگ عظیم آباد تک پہونچا تھا کہ اس کو یہ خبر ملی اور وہ اپنے صوبہ کو لوٹ گیا۔ بالاجی راؤ نے بادشاہ کے حکم سے اپنے مقام سے کوچ کیا مگر صورت حال سے مطلع ہوکر وہ پھر لوٹا واپس آگیا۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیر المتاخرین ص ۵۰۵ - ۵۱۳

دوسری مرتبہ ۱۱۵۶ھ بھاسکر پنڈت کی شکست کے بعد پھر ۱۱۵۶ھ مطابق ۱۷۴۳ء میں رگھوجی بھونسلہ مرشد آباد کے قریب پہونچا۔ بالاجی راؤ بھی مہابت جنگ کی مدد کے لئے پہونچا۔ مہابت جنگ نے بالاجی کے استقبال کے مراسم ادا کئے اور پُر تکلّف دعوتیں کیں اور بھونسلہ سے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ رگھوجی بھونسلہ جو کٹوہ اور بردوان کے درمیان لشکر ڈالے ہوئے تھا اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر اپنے علاقہ کی طرف واپس ہوا۔ اور مہابت جنگ اطمینان کے ساتھ مرشد آباد پہونچا۔

تیسری مرتبہ ۱۱۵۷ھ ۱۱۵۷ھ ۱۷۴۴ء میں پھر رگھوجی بھونسلہ نے بھاسکر پنڈت کو بیس ہزار سواروں کے ساتھ بنگال کی طرف روانہ کیا۔ مصطفٰے خاں نے مہابت جنگ سے اجازت لے کر اس مہم کو اپنے ذمہ لے لیا اور بھاسکر پنڈت کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ پنڈت کٹوہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اس کے پیچھے مہابت جنگ روانہ ہوا۔ اور تحفہ وغیرہ بھیج کر پنڈت کے دل کو اطمینان دلایا۔ آخرکار مہابت جنگ اور پنڈت کی مصالحت کے لئے ایک دن مقرر ہوا۔ اور اس دن بڑے بڑے خیمے موضع منگیر کے اطراف میں قائم کئے گئے۔ مہابت جنگ، صولت جنگ، ثابت جنگ اور چند دوسرے معتمد سرداروں کے ساتھ آکر اندر بیٹھا۔ دوسرے بہت سے آدمی اس کے چاروں طرف بیٹھے۔ مصطفٰے خاں اور جانکی رام کو بھاسکر کے استقبال کے لئے بھیجا گیا۔ ایک دوسرا خیمہ بھاسکر کے لئے قائم کیا گیا۔ بھاسکر پچاس آدمیوں کے ساتھ اس خیمہ میں داخل ہوا۔ اس کے دائیں طرف مصطفٰے خاں اور بائیں طرف جانکی رام بیٹھے۔ ساتھی تلواریں ہاتھ میں لئے کھڑے تھے۔ مصطفٰے خاں اور جانکی رام بہانہ سے نکلے۔ مہابت جنگ جو قریب کے خیمے میں پہونچ چکا تھا اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ اپنا کام کریں وہ لوگ بھاسکر کے پاس پہونچے اور اس کو مار ڈالا۔ مہابت جنگ نے مرشد آباد پہنچ کر اپنی فوج کو دس لاکھ روپیہ انعام دیا۔[۱]

۱؎ ملاحظہ ہو سیر المتاخرین ص ۵۲۹-۵۳۱

چوتھی مرتبہ سنہ ۱۱۵۸ھ

رگھوجی بھونسلہ بھاسکر کے مارے جانے کی خبر پاکر نہایت غصہ ہوا سنہ ۱۱۵۸ھ ۱۷۴۵ء میں اس کا بدلہ لینے کے لئے خود پندرہ ہزار سوار کے ساتھ بنگال میں آیا۔ مہابت جنگ نے منعم خاں کو صلح کا پیام دے کر بھیجا۔ رگھوجی نے جواب دیا کہ بغیر تین کروڑ روپیہ پہونچائے صلح قبول نہیں ہے۔ موسم برسات قریب ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ لیت ولعل میں رہا۔ اس زمانے میں رگھوجی بیر بھوم کے اطراف میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اسی زمانے میں مرتضےٰ خاں ولد مصطفےٰ خاں اور دوسرے افغانوں کا ہیبت جنگ سے کسی بات پر اختلاف ہو گیا۔ یہ افغان ہیبت جنگ نے عظیم آباد میں متعین کئے تھے زمین داران افغانوں کو ہیبت جنگ کے راضی رکھنے کی وجہ سے راستہ نہیں دیتے تھے۔ ان افغانوں نے رگھوجی کو لکھا کہ مہاراجہ قدم رنجہ فرما کر ہم کو اس مشکل سے رہائی بخشیں تو ہم تمام عمر تابعدار رہیں گے۔ اس کے بعد رگھوجی بیر بھوم سے روانہ ہوا۔ اور عظیم آباد پہونچا۔ افغانوں کو رہائی دلائی اور اپنا رفیق بنا کر مہابت جنگ کے مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ مہابت جنگ اپنے آپ ہیبت جنگ سے جا کر مل گیا۔ رگھوجی نے کئی مقامات پر مقابلہ کیا اور آخر کار میر حبیب کو دو تین ہزار مرہٹوں اور چھ ہزار افغانوں کے ساتھ مرتضےٰ خاں کی ہمراہی میں چھوڑ کر اپنے ملک کی طرف رجوع کیا۔ مہابت جنگ کئی منزل تک اس کا پیچھا کرتا رہا۔

پانچویں مرتبہ سنہ ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء

پھر سنہ ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء میں رگھوجی کا لڑکا جانوجی بنگال پہونچا اور امیر حبیب اور ان افغانوں کے ساتھ جو ہیبت جنگ سے جُدائی اختیار کئے ہوئے تھے مل گیا۔ مہابت جنگ کے ساتھ سخت لڑائی ہوئی۔ مرہٹہ اور افغانوں نے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا اور انھوں نے مرشد آباد کے لوٹنے کا ارادہ کیا۔ مہابت جنگ نے پوری پھرتی سے ان کا تعاقب کیا اور فرار ہونے والوں کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ مُرشد آباد لوٹ سکیں۔ مہابت جنگ موسم برسات قریب ہونے کی وجہ سے ٹھہر گیا

مرہٹے اور ان کے افغان ساتھی میدنی پور میں ٹھہرے۔ اسی زمانے میں جانوجی اپنی ماں کے مرنے کی خبر سُن کر اپنے علاقے کو لوٹ گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بھائی بانا جی بنگالہ آکر میر حبیب سے ملا۔ اس کے بعد افغانوں نے ہیبت جنگ کے ذریعہ سے معذرت کی اور نوکری کی درخواست مہابت جنگ کی خدمت میں پہونچائی۔ مہابت جنگ نے دور اندیشی اور صلاحِ وقت کے تقاضہ سے اس کو قبول کر لیا۔ افغان نوکری کے بہانے سے ہیبت جنگ کے پاس عظیم آباد پہونچے۔ اور اس کو دغا سے مار ڈالا مہابت جنگ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو وہ افغانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور دشمنوں پر فتح پائی مرہٹے اپنی عادت کے موافق بھاگ گئے۔

آخر کار ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں یہ رائے قرار پائی۔ کہ میر حبیب مہابت جنگ کا نوکر اور ناظم کٹک کا نائب رہے اور اس (کٹک) کا زرِ محاصل رگھوجی کی فوج کی تنخواہ میں پہونچائے۔ اس کے علاوہ بارہ لاکھ روپیہ رگھوجی کے وکیلوں کو مزید دیا جائے۔ اس شرط پر کہ مرہٹہ کی فوج مہابت جنگ کے ملک میں قدم نہ رکھے اور دریائے سون سے جو جالیسر کے قریب بہتا ہے۔ اس طرف عبور نہ کرے۔

چھٹی مرتبہ ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۳ء

اس کے بعد ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۳ء میں جانوجی پھر آیا میر حبیب مرہٹہ کے ہاتھ سے تنخواہ طلب کرنے کے قضیہ میں مارا گیا۔

نجم الدولہ محمد اسحاق خاں ولد مؤتمن الدولہ محمد اسحاق خاں

اس کی اصلیت اس طرح ہے کہ مرزا محمد حسن[۱] شوستری جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دائی حلیمہؓ کی اولاد سے ہیں۔ ایران سے ہندپاکستان آئے، اعظم شاہ کے ملازم ہوئے اسی (اعظم شاہ) کے ذریعہ سے عالمگیر بادشاہ کے دربار میں رسائی ہوئی اور داروغہ باورچی خانہ ہوئے۔ ان کا ایک لڑکا غلام قلی خاں[۲] تھا۔ اس کا لڑکا محمد اسحاق خاں تھا جو

---

[۱] و [۲] حکیم نجم الغنی نے مرزا محمد حسن کا نام مرزا حسن اور غلام قلی خاں کا نام غلام علی خاں لکھا ہے ملاحظہ ہو تاریخ اودھ جلد اول ۱۳۰

چند دن امین الدولہ سنبھلی کے ساتھ رہا اور پھر شاہزادہ عظیم الشان کی سرکار میں عمر گذارتا رہا آخر کار عمدۃ الملک امیر خاں کا مصاحب ہوگیا اور عمدۃ الملک کے توسط سے محمد شاہ بادشاہ کے حضور میں پہونچا، خالصہ کی دیوانی کے عہدہ پر سرفراز ہوا۔ اور موتمن الدولہ بہادر کا خطاب پایا۔ اور اپنے رسالے کے سواروں کو داغ "قاف" سے مختص کیا۔ آخر کار ۲ صفر ۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ء کو پھنسیوں اور ورم کی بیماری میں بینی و کلہ کے اطراف میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں انتقال کر گیا۔ اس کو شعر و سخن سے بھی شوق تھا یہ شعر اسی کا ہے[1] ؎

ازناز اگر باز کنی بندِ قبارا
مہتاب گل نسترن از بوئے تو گردد

اس کے تین لڑکے مرزا محمد، مرزا علی خاں، سالار جنگ اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکی کا نکاح نواب شجاع الدولہ پسر وزیر الملک صفدر جنگ سے ہوا بادشاہ نے مرزا محمد کو نجم الدولہ محمد اسحاق خاں کا خطاب دیا صفدر جنگ کی جو لڑائی احمد خاں سے ہوئی تھی۔ اس میں وہ مارا گیا۔

شیر جنگ ولد سیادت خاں برہان الملک سعادت خاں کا بھائی تھا اصل میں اس کا نام مرزا محمد نثار خاں ہے۔ بہت غیرت دار آدمی تھا۔

ایک بار صفدر جنگ سے آزردہ ہو کر فرخ آباد آگیا۔ نواب احمد خاں نے اس کی عزت اور تعظیم ویسی ہی کی جس کا وہ مستحق تھا۔

علی قلی خاں غستانی متخلص بہ والہ والہ مشہور شاعر تھا اس کی بیٹی گنا بیگم عماد الملک وزیر کے نکاح میں تھی جس کے بطن سے نصیر الدولہ بن عماد الملک پیدا ہوا جنہوں نے

---

[1] حکیم نجم الغنی خاں نے اس کا ایک اور شعر نقل کیا ہے ؎

زبسکہ در دل تنگم خیال آں گل بود ✽ بغیر خواب من امشب صفیر بلبل بود (تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۱۳۲)

کالپی میں اچھی طرح زندگی گزاری اور وہیں مرگیا۔ اس کا نسب عباس بن عبدالمطلب تک پہونچتا ہے۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے ؎

دارو ز زلفِ کسوتِ عباسیاں بر　　　از دودمانِ ماست رُخِ دلستانِ ما

سنہ ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۱-۲ء) میں محمود خاں افغان غلزئی قندھار سے اصفہان میں آیا اور غلبہ حاصل کیا۔ اسی اثنا میں علی قلی خاں ہند پاکستان میں آیا۔ بتدریج ہفت ہزاری کا منصب اور حیدر قلی خاں خان زماں خاں بہادر ظفر جنگ کا خطاب پایا۔ اور سنہ ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶-۷ء) میں انتقال کیا۔ واؔلہ اکثر عاشقانہ کلام کہا کرتا تھا۔ یہ اشعار اسی کے ہیں :۔

دلدار بے مروت و نامہربانِ ما　　　ہرگز نہ داد گوش بآہ و فغانِ ما
واؔلہ چو آتشے کہ بماند ز کاروان　　　باشد بکوئے او دل سوزاں نشانِ ما

یہ اشعار بھی اسی کے ہیں :۔

ہجراں ز زندگانی بیزار کرد مارا　　　آخر بجاں سپردن ناچار کرد مارا
در خواب بود عمرے کامد چو جاں در آغوش　　　واؔلہ طپیدنِ دل بیدار کرد مارا[1]

جاناں بسرِ مزارم آمد　　　آخر مردن بکار آمد
تا گشت چو روزگار از من　　　دیدی چہ بروزگارم آمد
از خندہ نمک بزخم جاں ریخت　　　زخمش بدل فگارم آمد
ہر مو بہ تنم در انتظار است　　　مژدہ واؔلہ کہ یارم آمد

روئے تو ہر آں کہ دیدہ باشد　　　مہرِ تو بجاں خریدہ باشد

---

[1] یہ شعر نسخۂ رنرخی میں نہیں ہے۔

بے تو بفلک رسد فغانم — شاید بتو ہم رسیدہ باشد
بر ہر کہ نظر فگندہ باشی — خوں از جگرش چکیدہ باشد
حاشا کہ چو قامتِ بلندش — سروے بچمن چمیدہ باشد
واؔلہ بتو بار سر گراں است
حرفے زکسے شنیدہ باشد

آتش بود تنِ من و من جاں آتشم — ہر رنگ شعلہ ام گہر کان آتشم
آخر بیانِ حسن نفہمد کسے چو من — پروانہ ساں طپیم کہ زبانِ آتشم
از خوئے یارِ من کنم امشب حکایتے — یاراں حذر کنید کہ طوفانِ آتشم
واؔلہ چو شمع نیست غم از سوختن مرا
آتش از آنِ من شدہ من از آنِ آتشم

زود رنجم بخوئے یار قسم — دلبر صلحم بروزگار قسم[1]
سینہ چاکم برنگِ گل عمریست — داغ دارم بلالہ زار قسم[2]
ہدفِ تیرِ غمزۂ یار قسم — بہ نگاہِ کرشمہ بار قسم
رفت برباد خاکِ ہستیِ من — بسرِ راہِ انتظار قسم
لالہ پروردہ کنارِ من است — بجگر ہائے داغدار قسم
ہمچو نرگس بہ بسترم مائل — ناتوانم بچشمِ یار قسم
مستیِ من زساغرِ لبِ اوست — بمئے ناب خوشگوار قسم
خونِ واؔلہ یکبارہ می آید — بکفِ پایت اے نگار قسم

[1,2] یہ دونوں شعر نسخۂ فرخی میں نہیں ہیں۔

واؔلہ کو جوانی کے زمانہ میں اپنے چچا کی بیٹی خدیجہ سلطان سے محبت تھی۔ شادی سے پہلے محمود خاں کے ہنگامہ میں خدیجہ سلطان بیگم ایک افغانی کے ہاتھ میں پڑ گئی۔ چند سال کے بعد جب وہ افغانی مر گیا تو خدیجہ سلطان کربلا گئی وہاں سے دریا کے راستے سے واؔلہ کی آرزو میں ہندوستان آرہی تھی کہ جہاز دریا کے تلاطم کی وجہ سے مع خدیجہ سلطان ڈوب گیا۔ جب واؔلہ کو یہ خبر ہوئی تو وہ ہمیشہ زار زار رویا کرتا تھا۔ زمانۂ جُدائی میں کبھی جو شعر اس نے خدیجہ سلطان کو لکھے تھے وہ یہ ہیں:۔

عمریست بریدے از صفاہاں نرسید ہیچم خبر از خدیجہ سلطان نرسید
حالِ دلِ من کسے بگوشش برساند افغاں کہ فغانِ من بجاناں نرسید

در دیدہ ہزار دجلہ ساماں دارم در سینہ ہزار درد پنہاں دارم
چوں نے ہمہ دم لب پُر افغاں دارم اینہا ہمہ از خدیجہ سلطاں دارم

راجا اندر گر گسائیں یہ سنیاسی فقیر تھا جب نواب احمد خاں نے الہ آباد کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو اس میں نواب خاں عالم بقاء اللہ خاں اور علی قلی خاں واؔلہ محصور تھے انھوں نے راجہ اندر گر سے جو اپنے مقام پرگنہ جھانسی سے گنگا کے نہان کو آیا ہوا تھا قلعہ کی حفاظت کے لئے مدد چاہی اس نے باہر سے اتنی سخت کوشش کی کہ احمد خاں بغیر قلعہ فتح کئے محاصرہ چھوڑ کر واپس ہو گیا اس کے بعد یہ گسائیں نواب خان عالم کی وساطت سے صفدر جنگ کے حضور میں پہونچا اور اس شرط پر صفدر جنگ کی ہمراہی اختیار کی کہ حضور کی سواری میں میرا اپنی نقّارہ بجایا جائے۔ دوسرے یہ کہ ملاقات کے وقت ہاتھ سر پر نہیں رکھونگا

ناصر خاں صوبہ دار کابل علی مردان خاں کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک لڑکی ایکسجوان حسین زئی خاں سے منسوب کی گئی اور دوسری لڑکی نواب امیر خاں بن خلیل اللہ خاں بن برہان الدین خاں بن میر میرانؔ داماد شاہ عبّاس کے نکاح میں آئی۔

یہی حسین باز خاں شاہجہاں کے زمانہ میں کابل اور قندھار کا صوبہ دار تھا اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا عبدالمومن خاں جو علی مردان کی لڑکی کے شکم سے ہے۔ اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں داروغہ توپ خانہ مقرر ہوا اس نے ناصر جنگ کا خطاب پایا اور چند دن کے بعد کابل کا صوبہ دار ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا نصیر خاں، ناصر خاں کے خطاب سے مخاطب ہوا۔ وہ بھی کابل کا صوبہ دار ہوا۔ یہی وہ ناصر خاں ہے جو نادر شاہ سے لڑا۔ اور سلطنت برباد ہونے پر فرخ آباد میں آیا۔ نواب احمد خاں غالب جنگ اکثر اس کی قیامگاہ پر جایا کرتے تھے جب ناصر خاں کا انتقال ہوا تو نواب مظفر جنگ تمام ارکانِ سلطنت کے ساتھ نواب احمد خاں کے حکم سے اس کے جنازے میں شریک ہوئے۔ اور بہشت باغ میں دفن کیا۔[۱]

عمدۃ الملک امیر خاں انجام

علی مردان خاں کے داماد امیر خاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے جو روح اللہ خاں کا حقیقی بھائی ہے۔ کئی لڑکے تھے ان میں سے ایک عمدۃ الملک امیر خاں ہے۔ جو محمد شاہ کے زمانے میں بخشی سوم اور الٰہ آباد کا صوبہ دار تھا۔ عمدۃ الملک الٰہ آباد جانے کے وقت ۱۱۵۲ھ ۴۰-۱۷۳۹ء میں فرخ آباد آیا۔ نواب

---

[۱] نواب ناصر خاں ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۹ء میں کابل کا صوبہ دار تھا ناصر خاں کے لئے نواب احمد خاں کی طرف سے تین ہزار روپئے ماہوار وظیفہ مقرر تھا اس کا ۱۷۵۱ء سے قبل انتقال ہوا۔ ناصر خاں کا بیٹا شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازم تھا اس کو بہت کچھ ملتا تھا۔ ایک روز شجاع الدولہ نے اس سے کہا کہ تم اپنے باپ کو بلوا لو میں اس کو اپنا نائب مقرر کروں گا۔ نواب ناصر خاں نے بیٹے سے انکار کر دیا کہ نواب احمد خاں کے تین ہزار تین لاکھ کے برابر ہیں کیونکہ جب میں احمد خاں کی ملاقات کو جاتا ہوں تو احمد خاں تعظیم کے واسطے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اگر میں شجاع الدولہ کی نوکری کروں گا اور اگر کسی روز ملاقات کے لئے گیا اور دربانوں نے کہا کہ نواب صاحب آرام میں ہیں اور مجھے دروازہ پر انتظار کرنا پڑا تو یہ موت سے بدتر ہو گا۔

(تاریخ فرخ آباد (اردو) ص ۹۶)

غضنفر جنگ نے اس کی خوب مہمانداری کی۔ یہ بہت ظریف اور خوش طبع آدمی تھا۔ اس وجہ سے محمد شاہ کا نہایت مقرب تھا اور نازک طبع تھا کسی بات پر روز افزوں خاں ناظر کے ساتھ سخت سوال و جواب ہوئے۔ اسی وجہ سے بادشاہ کے سامنے اس کی اجازت سے ناظر کے نوکروں نے ۳ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۶ء کو قلعہ میں مار ڈالا۔ عمدۃ الملک کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا اور انجامؔ تخلص کرتا تھا۔ حسب ذیل اشعار اسی کے ہیں:۔

باد جِ بیکسیٔ ما پرِ ہما نرسد   رسیدہ ایم بجائے کہ کس بما نرسد

فریاد کہ پیراہنِ دیوانگیٔ من   چوں دامنِ صحرا خبر از چاک نہ دارد

سرِ شکم کم نمی گردو بسی چشم تر بستن   کہ نتواں شاہرہِ سیلاب را مانع ندر بستن

نواب بقاء اللہ خاں، امیر خاں کا بھتیجا ہے۔[۵]

زکریا خاں صوبہ دار لاہور

سمرقند میں خواجہ عبداللہ احرار کی اولاد میں ایک شخص عبدالکریم تھا جو اپنی اہلیہ کے ساتھ ہندپاکستان آیا۔ اس نے یہیں سکونت اختیار کی۔ یہاں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبدالرحیم رکھا گیا۔ چند سال بعد خواجہ عبدالکریم، خواجہ عبدالرحیم کے ساتھ سمرقند گیا۔ اور کسی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کی بی بی نے خواجہ ایوب کے ساتھ نکاح کر لیا جو مخدوم اعظم کی اولاد میں ہے۔ خواجہ ایوب کے بھی اس بی بی سے چند لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں۔ خواجہ عبدالرحیم باپ کے مارے جانے کے بعد پھر ہندپاکستان آیا۔ اس نے عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ کا خطاب پایا۔ لاہور، کشمیر اور ملتان کا صوبہ دار ہوا اور بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ سکھوں کو سخت سزائیں دیں اور ان کے سرگروہ بندا نامی کو قید کیا۔ ۱۱۵۸ھ مطابق ۱۷۳۷ء میں اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا خواجہ زکریا خاں لاہور اور ملتان کا صوبہ دار ہوا۔

---

[۵] عمدۃ الملک نواب امیر خاں انجام کے مزید حالات کیلئے ملاحظہ ہو مقالہ ہفتم "ملوک و امراء" تیز دیکھئے سیر متاخرین ص ۸۱۹

۱۲ رجمادی الثانی ۱۱۵۸ھ مطابق ۱۷۴۵ء کو لاہور میں زکریا خاں کا انتقال ہوا۔ اعتماد الدولہ قمرالدین خاں وزیر کی بہن کے بطن سے جس کا نام فخرالنساء بیگم تھا اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا نواب یحییٰ خاں تھا جس نے خواجہ پانصدی کی خدمت میں رہ کر درویشی اختیار کر لی اور فرخ آباد آکر گوشہ نشین ہو گیا۔ نواب احمد خاں یحییٰ خاں کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا۔ مرنے کے بعد کمال گنج کے اطراف میں جو فرخ آباد سے سات کوس ہے وہ دفن ہوا۔

دوسرا لڑکا مرزا پھلوری تھا جس کو کہ احمد شاہ ابدالی نے شاہ نواز خاں کا خطاب دیا تھا، عبدالصمد خاں کی ماں اعتماد الدولہ کی خالہ تھی اعتماد الدولہ کی لڑکی خواجہ یحییٰ خاں کے نکاح میں تھی۔ جس کے بطن سے خواجہ داؤد خاں پیدا ہوا[1]۔

آدینہ بیگ خاں

توران کا ایک شخص تھا زکریا خاں کا نوکر ہوا وہ انقلاباتِ زمانہ سے رفتہ رفتہ تمام پنجاب پر قابض ہو گیا۔ کبھی سکھوں کے ساتھ اور کبھی احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ملا رہتا تھا[2]۔

---

[1] نواب زکریا خاں ۱۷۲۶ء سے ۱۷۴۵ء تک لاہور کا ناظم رہا۔ وہ بہت ہوشمند، باشعور اور عادل حکمران تھا۔ نادر شاہ کے حملہ کے موقع پر جب اس کو دہلی سے کوئی امداد نہ ملی تو اس نے نادر شاہ کو لبیک کہا اس طرح لاہور تو بربادی سے بچ گیا، اس کے زمانے میں مختلف بغاوتیں ہوئیں مگر اس نے اپنی حسن تدبیر سے سب کو فرو کیا۔ اس کے عدل و انصاف کی داستانیں کتبِ تواریخ میں محفوظ ہیں۔ ملاحظہ ہو "سیاسی اور ثقافتی تاریخ"، از پروفیسر محمد شجاع الدین صفحہ ۸۵ - ۹۰ (نقوش لاہور ستمبر ۱۹۶۲ء)

[2] آدینہ بیگ توران کا باشندہ نہ تھا وہ ہندی النسل تھا آرائیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

سِکھوں کی اصلیت :-

نانک کھتری قوم کا ایک خوبصورت نوجوان تھا جس کی پیدائش سنہ ۸۷۳ھ مطابق ۱۴۶۹ء میں ہوئی۔ اُس نے سیّد حسین فقیر کی صحبت اختیار کی۔ علم تصوّف کے بہت سے مسائل سے واقفیت حاصل کی اور ان کو ہندی زبان میں منظوم کیا اس طرح ایک کتاب مرتب کی جسے "سکھ گرنتھ" کہتے ہیں اور اس کتاب کی بہت تعظیم کرتے ہیں اُس کے دو لڑکے تھے ایک سری چند جو فقیر ہوگیا اور دوسرا لکھمی چند جس نے سیر و شکار میں عمر بسر کی یہ دونوں نانک کے جانشین نہیں ہوئے بلکہ اس کا ایک مرید انگد اس کا جانشین ہوا۔ تیرہ سال بعد انگد کا انتقال ہوگیا۔ پھر امرداس اس کا جانشین ہوا۔ بائیس سال بعد اس کا بھی انتقال ہوگیا پھر اس کا داماد رام داس جانشین ہوا سات سال بعد اس کا لڑکا گرو ارجن اور چھبیس سال بعد اس کا نواسہ ہر گوبند اور سترہ سال[1] بعد اس کا لڑکا گرو ہر کشن اور تین سال بعد اس کا بھائی تیغ بہادر جانشین ہوا۔ اس کی جانشینی کے گیارہ سال پورے ہو چکے تھے کہ وہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں سنہ ۱۰۸۱ھ میں بادشاہ کے حکم سے مارا گیا اس کے بعد گرد گوبند جانشین ہوا۔

(بقیہ سلسلۂ صفحہ گزشتہ) قبیلہ کا فرد تھا اس کے باپ کا نام "چنو" تھا۔ اس نے ایک مغل گھرانے میں پرورش پائی فہم و فراست کا مالک تھا مغل حکومت کے بگڑتے ہوئے سیاسی حالات سے فائدہ اُٹھایا اور پنجاب کا گورنر مقرر ہوگیا۔ ۱۱ محرم سنہ ۱۱۷۲ھ م ۱۵ ستمبر سنہ ۱۷۵۸ء) کو آدینہ بیگ فوت ہوا۔ آدینہ بیگ پر ایک مفصل تحقیقی مقالہ محمد باقر ملک نے انگریزی میں لکھا ہے جو ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کی ایک نشست منعقدہ ۱۰،۵ اپریل سنہ ۱۹۴۶ء میں پڑھا گیا ہم نے اس مقالہ سے استفادہ کیا ہے۔

[1] ہرگوبند کے بعد اس کا پوتا ہر رائے گرو بنا اس کے بعد ہر کرشن اس کا جانشین ہوا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ پنجاب مسمی گلشن پنجاب مولفہ پنڈت دیبی پرشاد ناظم اعلیٰ سابق مدرسہ سرکاری بریلی صد ۱-۲ (مطبع عمدۃ الاخبار بریلی سنہ ۱۸۵۰ء)

اس نے یہ طریقہ جاری کیا کہ بال نہ کٹوائے جائیں، نیلا لباس پہنا جائے اور ہتھیار اپنے جسم پر باندھے جائیں۔ اور جب مسلمان حاکم اس کے درپے ہوئے تو بھاگ گیا۔ اس کے دو لڑکے سرہند کے حاکم کے ہاتھ سے مارے گئے۔[1]

گرو گوبند کے بعد ایک شخص بندا نامی نے بہت ہنگامے برپا کئے۔ آخرکار حاکم فرخ آباد عبدالصمد خاں دلیر جنگ صوبہ دار کشمیر و لاہور کے ساتھ اس کی بیخ کنی کو پہنچا

---

[1] سکھ پنتھ کے بانی گرونانک تھے جو بمقام تلونڈی صوبہ پنجاب میں پیدا ہوئے بچپن میں حسین شاہ درویش کی خدمت میں رہ کر انھوں نے کچھ لیاقت حاصل کی پھر تارک الدنیا ہو کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوگئے اور ایک نئے مذہب کے بانی ہوئے گرونانک کی وفات کے بعد گرو انگد گدی پر بیٹھا وہ ۱۵۵۲ء میں مرگیا اور امرداس کھتری اس کا قایم مقام ہوا۔ امرداس ۱۵۷۴ء میں فوت ہوا۔ اس کے بعد رام داس گدی نشین ہوا۔ اس نے شہر "چاک" کو بڑی رونق دی اور ایک تالاب تعمیر کرایا جو کہ "امرت سر" کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے یہ جو لکھا ہے کہ اس نے شہر امرت سر کی بنیاد ڈالی یہ غلط ہے اس لئے کہ یہ بہت قدیم شہر ہے۔ سابق میں یہ شہر "چاک" کے نام سے مشہور تھا البتہ رام داس نے اس کو رونق ضرور دی۔ رام داس ۱۵۸۱ء میں مرگیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ارجن مل جانشین ہوا اس نے آدگرنتھ یعنی سکھوں کی مذہبی کتاب کی پہلی جلد مرتب کی اور انتظام و ترتیب کے لئے چند مذہبی قواعد مرتب کئے یہ شخص ۱۶۰۶ء میں فوت ہوا اس کے بعد ہرگوبند گدی نشین ہوا۔ یہ شخص سپاہی تھا اس ہی نے سب سے پہلے سکھوں کو گائے کے گوشت کے علاوہ دوسرے جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت دی یہ شخص ۱۶۴۴ء میں مرگیا اور اس کا پوتا ہرراے اس کا قایم مقام ہوا ۱۶۶۱ء میں ہرراے کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ہری کشن اس کا جانشین ہوا۔ جو ۱۶۶۳ء میں دہلی میں فوت ہوا۔ اس کے بعد تیغ بہادر گدی نشین ہوا۔ جو ۱۶۷۵ء میں ختم ہوا اور اس کے بجائے اس کا بیٹا گرو گوبند سنگھ گدی نشین ہوا۔ اس نے سکھوں کے اصول وضوابط بالکل بدل ڈالے اور سکھوں کو سپاہی پیشہ بنا دیا۔ سکھ سے ان کو "سنگھ" بنا دیا۔ اس نے سکھوں کے سر کے بال اور داڑھی منڈانے کی کلی ممانعت کی یہ شخص اورنگ زیب کے زمانے میں مسلمانوں سے بہت لڑا۔ شہر لاہور سے اس کا اخراج ہوا وہ شہر ناددو (دکن) میں ۱۷۰۸ء میں فوت ہوا۔ یہ سکھوں کا آخری گرو تھا۔ اس کے بعد سکھوں کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں نے ان کی قیادت کی۔ ملاحظہ ہو تاریخ پنجاب مسمّی بہ گلشن پنجاب مولفہ پنڈت دیبی پرشاد۔ صفحہ ۱-۳

قمرالدین اور اعز خاں والا شاہیوں اور احدیوں کے رسالے اس کی مدد کے لئے مامور ہوئے۔ عبدالصمد خاں فوراً کشمیر سے لاہور پہونچا اور لاہور میں اپنا نائب چھوڑ کر بندا پر حملہ کیا اور خوب مقابلہ کیا آخر بندا گرداس پور میں گھر گیا اور مدت تک محصور رہنے کے بعد سکھوں نے امان چاہی شاہی فوجوں نے محاصرہ اُٹھا لیا اور سب کو قید کر لیا عام لوگوں کی گردنیں مروا دیں اور خاص لوگوں کو پا بجولاں کر کے لاہور پہونچایا۔ اس کے بعد قمرالدین کے ہمراہ بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا۔ بادشاہ نے تشہیر کے بعد سب کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ بندا مع اپنے لڑکے کے مارا گیا۔ یہ واقعہ ۱۱۲۶ھ مطابق ۱۷۱۴ء میں ہوا۔

اس زمانے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ تمام سکھوں کا سردار ہے۔ لاہور۔ کشمیر ملتان۔ ٹھٹھہ[1] پشاور اور ان صوبوں کے اکثر اضلاع پر قابض ہے۔ اور کابل اور پشاور پر بھی اس کا قبضہ ہے یہ ایک معمولی خاندان سے ہے۔

---

[1] مصنف کو تسامح ہوا ہے ٹھٹھہ سکھوں کی حکومت میں کبھی شامل نہیں رہا۔ ان کا عمل دخل ملتان تک ہی رہا۔

مقالۂ چہارم

نواب دلیر ہمت خاں بنگش مظفر جنگ

ابتدائی حالات یہ نواب احمد خاں غالب جنگ کے مجھلے بیٹے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۷-۸ء میں ہوئی۔ ان کی ماں خیر النساء بیگم نام، نواب خان جہاں کے خاندان سے تھیں۔ جو اُمرائے شاہجہاں آباد کے خاندان میں تفرقہ کی وجہ سے شہر فرخ آباد میں آئیں انھوں نے نواب غالب جنگ سے نکاح کیا۔ مظفر جنگ سخی، بہادر عالم اور بُردبار تھے۔ مولوی عبد الصمد اور ان کے بیٹے عبد الباقی کے زیر تربیت رہے قادر علی خاں خوش نویس سے خط کفایت خانی۔ اور خادم علی خاں سے خطِ نستعلیق، نسخ، ثلث، شکستہ اور شفیعا سیکھا تھا۔

مسند نشینی نواب غالب جنگ کی وفات کے بعد ان کی مسند نشینی میں اختلاف ہوا۔ نواب مرتضےٰ خاں ولد غضنفر جنگ چاہتے تھے کہ یہ دولت مجھے نصیب ہو۔ بخشی فخر الدولہ، رحمت خاں اور دوسرے دوستوں کی نہایت کوشش سے مظفر جنگ مسند نشین ہوئے۔ اسی سال نامدار خاں چیلہ کے ہاتھ سے فخر الدولہ مارا گیا کیونکہ اسے مرتضیٰ خاں نے بہکایا تھا دوسرے دن دریا خاں آفریدی کے ہاتھ سے نامدار خاں مارا گیا۔

اولاد نواب مظفر جنگ نے اس طرح زندگی بسر کی کہ تمام رعایا، امیر و فقیران سے خوش رہے[۱]۔ ان کی بی بی نواب امراؤ بیگم ان کے چچا نواب خدا بندہ خاں کی لڑکی تھیں وہ سنہ ۱۱۸۲ھ ۹-۱۷۶۸ء میں ان کے نکاح میں آئیں[۲] ان سے کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کی وفات کے وقت پانچ لڑکیاں باقی تھیں۔ ایک زوجہ نواب ہمّت بہادر ولد نواب محمود خاں بن نواب غالب جنگ۔ دوسری زوجہ نواب حسین علی خاں ولد نواب امین الدولہ۔ تیسری زوجہ نواب حسن علی خاں ولد نواب امین الدولہ چوتھی زوجہ نواب محمد علی خاں ولد نواب دل دلیر خاں۔ پانچویں زوجہ نواب احمد علی خاں ولد نواب دل دلیر خاں۔ لیکن مظفر جنگ کے لڑکے نواب امداد حسین خاں ناصر جنگ اور نواب رستم علی خاں اُمراؤ بیگم سے نہیں بلکہ دوسری بیویوں سے ہیں۔

موت نواب مظفر جنگ نے ۸ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ ۱۷۹۶ء میں وفات پائی۔ کلمہ "تاریخ ہی" سے تاریخ نکلتی ہے۔ اور "قضاؤ قدر" بھی مادۂ تاریخ ہے۔ زہر کی وجہ سے موت واقع ہوئی۔ تحقیقات کے بعد زہر خورانی ان کے لڑکے رستم علی خاں پر ثابت ہوئی چنانچہ جب نواب آصف الدولہ فرخ آباد تشریف لائے۔ اور ان کو یہ بات تحقیق سے معلوم ہوگئی تو اُنھوں نے امداد حسین خاں کو مسند نشین کیا رُستم علی خاں کو قید کر کے لکھنؤ لے گئے اس کی کچھ تنخواہ اور کھانے کے چند خوان روزانہ مقرر ہوئے۔ اور وہ پہرے داروں کے سپرد

---

۱ ولیم ارون لکھتا ہے کہ نواب مظفر جنگ کے بقیہ عہد میں یہ بات خاص طور سے مشہور تھی کہ یکے بعد دیگرے بہت سے نائب مقرر ہوئے اٹھارہ کے نام ملتے ہیں ان میں سے بعض کو پھانسی دی گئی اور بعض جلا وطن کیے گئے نواب نے اپنے چچیرے بھائیوں کی جاگیریں اور وظائف ضبط کر لئے۔ (تاریخ فرخ آباد۔ از ولیم ارون ص ۱۳۷ مطبع حسنی فتح گڑھ ۱۸۸۶ء)

۲ نواب مظفر جنگ کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد از ولیم ارون ص ۱۱۰-۱۱۳

کردیا گیا[1]!

جنگِ وہیلہ ۱۷۷۱ء نواب مظفر جنگ تمام عمر میں ۲ دو لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ ایک وہ لڑائی جو نواب شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں کے درمیان ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ نواب شجاع الدولہ نے ان روپیوں کی بابت جو حافظ رحمت خاں کے کہنے پر مرہٹوں کو پہونچائے تھے اور علی محمد خاں کے ملک کو مرہٹوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھا تھا ان کے لیئے تقاضا کیا۔ حافظ رحمت خاں نے ادائیگی سے انکار کردیا اس بات پر وزیر الممالک آزردہ ہوئے۔ اور بعض خطوط بھی جو بکسر کی لڑائی سے پہلے نواب وزیر نے حافظ رحمت خاں کو لکھے تھے۔ حافظ صاحب نے اُن خطوں کو منیر الدولہ کی وساطت سے اختلاف ڈالنے کے ارادے سے انگریزوں کے پاس بھیج دیا، اور ان خطوط کے ملاحظہ کے بعد انگریزی فوج کے افسر نواب شجاع الدولہ سے دل میں کدورت رکھنے لگے۔ نواب وزیر نے سوار اور پیادہ فوج میں اضافہ کیا اس بات کو بھی منیر الدولہ نے انگریزوں سے بُرے انداز میں ظاہر کیا اس طرح ان کی کدورت اور بڑھ گئی۔ شجاع الدولہ نے ایلچ خاں کو انگریزی افسروں کے پاس بھیجا۔ اور

---

[1] یہ بیان درست نہیں کہ شجاع الدولہ نے مرہٹوں کو نقد روپے پہونچائے تھے بلکہ ضابطہ خاں کے قضیئے میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے چالیس لاکھ روپے کی ادائیگی کا ذمہ لیا تھا اور اس امر کا تمسک شجاع الدولہ کو لکھ کر دیا تھا شجاع الدولہ نے اپنی ضمانت پر مرہٹوں کو تمسک لکھ دیا تھا شجاع الدولہ نے خود نقد رقم ادا نہ کی تھی۔ پھر مرہٹوں نے حافظ الملک سے خواہش ظاہر کی کہ ہم شجاع الدولہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں آپ ہمارے شریک ہوجیۓ تو نصف مفتوحہ ملک آپ کو ملے گا اور اگر صرف آپ راستہ دیں تو ہم شجاع الدولہ کا تمسک واپس کردیں گے حافظ صاحب نے ان شرائط کو ٹھکرا دیا اور شجاع الدولہ کو لکھا۔ شجاع الدولہ نے واپسی تمسک کا وعدہ کرلیا مگر جب مرہٹوں کا خوف جاتا رہا تو وہ اپنے وعدے سے پھر گیا۔ ملاحظہ ہو حیات حافظ رحمت خاں از سید الطاف علی بریلوی ص ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۸۵-۱۸۸، ۱۹۴-۱۹۶،

(طبع اول نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۳ء)

اس کدورت کو صفائی سے بدلا اور بتایا کہ یہ خطوط بکسر کی لڑائی کے بعد مصالحت سے پہلے میں نے لکھے تھے۔[۱] اور یہ نئی فوج سرکار کمپنی کے مخالفوں کے واسطے نوکر رکھی ہے اور اس کے بعد نواب وزیر نے بذاتہ انگریز افسران سے ملاقات کی اور نیا عہد نامہ مرتب ہوا۔[۲]
اس سبب سے نواب وزیر روہیلوں خاص طور سے حافظ رحمت خاں کے ساتھ کینہ رکھتے تھے شجاع الدولہ مسٹر پھولیر رزیڈنٹ کے مشورہ سے پہلے ہی اٹاوہ آئے۔ حاکم مرہٹہ جو اٹاوہ کے قلعہ پر قابض تھا اس نے اپنے میں قلعہ داری کی طاقت نہ دیکھی اور قلعہ مع ملک کے نواب وزیر کے سپرد کر دیا اور نواب مظفر جنگ بھی اس جگہ پہونچے اور مخالف کے مقابلہ میں اپنی رفاقت دکھائی[۳] اگرچہ مظفر جنگ کی یہ حرکت ہم قوم افغانوں اور روہیلا سرداروں کی رائے کے خلاف تھی، لیکن اس کا انجام اچھا ہوا[۴]۔ نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں جو اس وقت اکبر آباد کے محاصرہ میں مشغول تھے اٹاوہ پہونچے اور یہ عہد

۱؎ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری نے متعلقہ تواریخ کتب کے حوالہ جات اور اقتباسات کی روشنی میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ منیر الدولہ رضا قلی خاں نے حافظ رحمت خاں کی کوئی ایسی تحریر حاصل کر لی جو بکسر کی لڑائی سے قبل کی تھی اور اس کی تاریخ بدل کر انگریزوں اور شجاع الدولہ میں اختلاف پیدا کرانا چاہا۔ اس میں صداقت ہے تو ساری شرارت منیر الدولہ رضا قلی خاں کی ہے تفصیل کے لئے دیکھیے۔ اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۴۶۸-۴۶۹

۲؎ معاہدہ کے شرائط کے لئے دیکھیے تاریخ اودھ جلد سوم صفحہ ۱۸۴-۱۸۵

۳؎ نواب مظفر جنگ ۱۷۷۳ء میں شجاع الدولہ کے اٹاوہ فتح کرنے میں شریک ہوئے اور جب ان کے ساتھ علی گڑھ کے قصبہ جلالی میں پہونچے تو مظفر جنگ باقاعدہ شیعہ ہو گئے ملاحظہ ہو (۱) تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۱۳۵ (۲) وقائع خاندان بنگش (قلمی) صفحہ ۱۸۸ (۳) تاریخ اودھ جلد سوم صفحہ ۲۲۴

۴؎ حکیم نجم الغنی خاں لکھتے ہیں کہ حافظ رحمت خاں نے بھی مظفر جنگ کو لکھا تھا کہ تم نے شجاع الدولہ کی اطاعت قبول کر لی۔ پٹھانوں کا نام ڈبو دیا۔ اگر شجاع الدولہ تمہاری طرف رُخ کرتے تو ایک لاکھ پٹھان تمہاری مدد کو موجود تھے۔ فتح و شکست خدا کے اختیار میں ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھیے اخبار الصنادید جلد اوّل ۴۶۸-۴۶۹

کیا کہ ہر نیا ملک جس کی تسخیر کا نواب وزیر ارادہ کریں۔ نجف خاں کے ہونے پر ایک تہائی اُن کو دیا جائے اور جو باقی رہے۔ سرکار نواب وزیر کے قبضہ میں رہے۔ شجاع الدولہ نے نجف خاں کے ساتھ تین پلٹنیں کر کے اس کو رخصت کیا۔

پس جب نواب وزیر الممالک نے مذکورہ روہیلوں کی بابت حافظ صاحب کو تاکیداً لکھا تو حافظ رحمت خاں نے ناراض ہو کر سخت جواب لکھا کہ افغانوں کے مُلک کی کوئی ولایت میرے قبضے میں بیس[۲] لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔ اور ان روپیوں میں سے ادائیگی کے لئے میرے حصہ میں آٹھ لاکھ سے زیادہ نہیں آتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ افغانوں کی اولاد میرے مشورے اور حکم کو خاطر میں نہیں لاتی اور میرا ملک اٹاوہ اور اس کے قرب و جوار کے شہر جو نواب وزیر نے مرہٹہ سے نکالے ہیں وہ آٹھ لاکھ سے زیادہ قیمت کے ہیں۔ اگر جناب اس پر اکتفا نہیں فرماتے اور اس پر راضی نہیں ہوتے ہیں۔ تو ہر صورت میں میں حاضر ہوں، بسم اللہ و توکلت علی اللہ۔ جواب پہونچنے کے بعد وزیر نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ دوسری طرف سے حافظ رحمت خاں نے اپنے سرداروں کے ہمراہ کوچ کیا۔ اور فرید پور کے نزدیک ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۴ء میں دونوں گروہ مقابل ہوئے۔ انگریزی کیمپ نے جس کا افسر کرنل چیمپین بہادر تھا مقابلہ کیا اور آگے بڑھ کر توپیں چلانا شروع کیں۔ اور اپنا اعجاز دکھانے لگے حافظ رحمت خاں نے خوب مقابلہ کیا اور پیدل جھنڈا ہاتھ میں لے کر آئے[۱]۔ ناگاہ توپ کا گولہ ان کے سینہ پر لگا سینہ کو توڑ دیا۔ اور ان کا کام تمام ہو گیا۔ مرتضےٰ خاں کے بھائی سلطان خاں نے ان کا سر کاٹ کر وزیر کی بارگاہ میں پہونچایا نواب وزیر نے حافظ صاحب کے سر کو نواب ضابطہ خاں اور نواب مظفر جنگ کے پاس شناخت کے لئے بھیجا جو ان کے ساتھ تھے[۲]۔ اس کے بعد نواب فیض اللہ خاں سے مصالحت

---

[۱] دوسری متعلقہ تواریخ کتب میں حافظ صاحب کے پیدل ہو کر ہاتھ میں جھنڈا لینے کا ذکر نہیں ہے اور یہ بات بعید از قیاس بھی معلوم ہوتی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے حیاتِ حافظ رحمت خاں ص ۲۲۴

[۲] جب حافظ الملک حافظ رحمت خاں کا سر شناخت کے لئے ضابطہ خاں اور مظفر جنگ کے پاس گیا تھا ضابطہ خاں نے کہا کہ "واقعی یہ حافظ رحمت کا سر ہے" اور مظفر جنگ نے کہا "ایسی ریش و فش و طمطراق، بجناب عالی سے لڑنے کو آمادہ ہوئے تھے؟" اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۵۰۴ - ۵۰۵

اس طرح ہوئی کہ اُس کا قدیم ملک ان کے سپرد ہوا، حافظ رحمت خاں، دوندے خاں اور سردار خاں بخشی کا ملک جو نواب وزیر کے قبضہ میں آیا تھا وہ نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں کے سپرد ہوا اور مرتضیٰ خاں بڑیچ اور لطافت علی خاں کو متعین کیا۔ شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں وغیرہ کے لڑکوں کو الہ آباد کے قلعہ میں بند کرنے کا حکم دیا۔ اور وہ خود فیض آباد واپس ہوا۔ فیض آباد پہونچنے کے تیرہ دن بعد دُنبل کی تکلیف سے جو ران میں نکل آیا تھا ۲۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۵ء کو شجاع الدولہ نے انتقال کیا۔ اس کے بعد نواب آصف الدولہ یحییٰ خاں مسند نشین ہوئے۔

جنگ دوجوڑہ ۱۷۹۴ء وزیر الممالک آصف الدولہ اور غلام محمد خاں ولد نواب فیض اللہ خاں کے درمیان جو واقعہ ہوا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ نواب فیض اللہ خاں کی وفات کے بعد رام پور میں ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء میں ان کے بڑے بیٹے محمد علی خاں مسند نشین ہوئے دوسرے لڑکے غلام محمد خاں نے ریاست کے دعوے کے اقتضائے سے ان کو مار ڈالا[۱]۔ اور چونکہ محمد علی خاں کو بارگاہِ وزارت میں توسل حاصل تھا۔ اس لئے آصف الدولہ کو غلام محمد خاں کی یہ حرکت ناپسند ہوئی۔ اور انھوں نے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ نواب مظفر جنگ بھی اُس کے لشکر میں شامل ہوئے۔ غلام محمد خاں اور آصف الدولہ کے درمیان لڑائی ہوئی[۲]۔ اور انگریزی فوج کی وجہ سے فتح ہوئی کیونکہ یہ فوج گورنر جان شور اور رزیڈنٹ مسٹر چری کی تجویز پر

---

[۱] حکیم نجم الغنی رام پوری نے اپنی کتاب میں ان تمام اسباب کو مفصل بیان کیا ہے جن کی وجہ سے روہیلہ سردار بگڑ گئے نواب محمد علی خاں کی طبیعت سخت گیر تھی وہ دربار آصفی کے آداب ان پٹھانوں پر جاری کرنا چاہتے تھے جن کے یہ لوگ عادی نہ تھے نواب آصف الدولہ کی تعلیم و صحبت سے نواب محمد علی خاں نے امامیہ مذہب بھی اختیار کر لیا تھا (اخبار الصنادید جلد اول صفحہ ۶۰۷—۶۰۹ قیصر التواریخ جلد اول از کمال الدین حیدر ۱۰۵ مطبوعہ نول کشور پریس ۱۹۰۷ء)

[۲] یہ جنگ ۲۴ اکتوبر ۱۷۹۴ء مطابق ۲۸ ربیع الاول ۱۲۰۹ھ بروز جمعہ ہوئی۔

مقدمۃ الجیش تھی۔ اگرچہ روہیلوں نے بہادری اور دلیری کا خوب مظاہرہ کیا۔ مگر توپوں اور بندوقوں کے سبب سے ان کی بہادری کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا اور بڑے بڑے سردار نجو خاں[۵۱] ولد مستقیم خاں ولد شیخ کبیر اور بلند خاں پسر عمر خاں وغیرہ بڑی بہادری سے مارے گئے۔ اور اس لڑائی میں انگریزی فوج کا جنرل ابرکہ بھی مارا گیا۔ اور ترک سواروں کا پورا رسالہ پسپا ہوا۔ اس فتح کے بعد نواب آصف الدولہ لکھنؤ اور نواب مظفر جنگ فرخ آباد چلے گئے[۵۲] اور غلام محمد خاں انگریزی فوج کے ساتھ بنارس پہونچے۔ اور انگریزوں سے سفر حجاز کی اجازت لے کر مکہ و مدینہ شریف پہونچے پھر کابل اور پشاور کے راستے سے واپس ہوئے۔ راجہ نادون کے پاس مقیم ہوگئے اور وہیں وفات پائی[۵۳]۔

---

۵۱ شمبھو ناتھ حاکم بریلی کے ملازم نجو خاں اور بلند خاں کا سر کاٹ کر آصف الدولہ کے پاس لے گئے جو کٹرے سے بریلی کی طرف روانہ ہوچکے تھے لالی کھیڑے کے پل کے پاس سواری پہونچی تھی کہ شتر سوار دونوں سر لے کر پہونچا وہ سر نواب کو دکھائے اور وہاں سے واپس لاکر فتح گنج کے کھیڑے میں دفن کئے گئے۔ عنبر شاہ خاں آشفتہ نے نجو خاں کے مارے جانے کی تاریخ یوں کہی ہے:۔

مصطفےٰ خاں آنکہ نجو خاں بود نامش بعرف ÷ شد شہادت یاب چوں بر فوج اعدا در زدہ ÷ بہر تاریخ شہادت گفت دشمناں ÷ رستم روز نبرد مرد از زبانش سر زدہ ۱۲۰۹ھ

نجو خاں کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا میر ضیاء الدین عبرت ان کے ملازم تھے عبرت نے ان کی فرمائش سے قصہ راجہ رتن سین و پدماوت کو ریختہ میں نظم کرنا شروع کیا تھا۔ چہارم حصہ نظم ہونے پایا تھا کہ عبرت نے انتقال کیا (اخبار الصنادید جلد اول ص ۶۵۳-۶۵۴)

۵۲ مولف وقائع خاندان بنگش لکھتا ہے کہ نواب غلام محمد خاں نے یہ شعر لکھ کر نواب آصف الدولہ کو بھجوائے ؎

فتح شکست مقدر ہے درمیاں لیکن ÷ مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا ÷ کس طرح پاؤں نو انجم کے قصدے واکیے ÷ ہوں جہاں لاکھوں گرہ واں ایک ناخن کیا کرے

اس کے جواب میں نواب مظفر جنگ بنگش نے یہ شعر لکھا ؎ گرچہ لاکھوں مشکلیں باہم فلک یکجا کرے ÷ ناخنِ مشکل کشا ایک دم میں اس کو وا کرے

(وقائع خاندان بنگش ص ۱۹۷)

۵۳ نواب غلام محمد خاں بعض وجوہ کی بنا پر انگریزوں کے لشکر میں آ گئے کچھ دنوں بنارس میں رہے پھر وہاں سے حج بیت اللہ کو چلے گئے۔ واپسی میں کابل پہونچے اور زماں شاہ نبیرہ احمد شاہ ابدالی سے ملے اور اس کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی مگر بعض اسباب کی وجہ سے یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس کے بعد نواب غلام محمد خاں نے نادون (کشمیر) میں سکونت اختیار کر لی نادون ہی میں ہر جمادی الآخر ۱۲۳۸ھ ۱۸۲۲ء کو نواب غلام محمد خاں کا انتقال ہوا۔ مرزا مگھو عرف کرم خاں نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے

ز دنیا سوئے خلد رحلت نمود ÷ چو نواب حاجی بیت الحرام
ریاضِ جناح گشت آرام گاہ ÷ بسالش فرو گفت رضوان مقام
۱۲۳۸ھ

(اخبار الصنادید جلد اول ص ۶۶۵-۶۷۱)

اور نواب فیض اللہ خاں کے ملک کا کچھ حصہ نواب وزیر اور ممبران کونسل کے مشورہ سے نکال لیا گیا اور نکال کر نواب وزیر کے ملک میں شامل ہو گیا۔ جو باقی رہا وہ نواب احمد علی خاں ولد نواب محمد علی خاں کے قبضہ میں دیا گیا[۵۱] چونکہ نواب احمد علی خاں کم عمر تھے اس لئے نواب نصر اللہ خاں[۵۲] پسر نواب عبداللہ خاں مرحوم برادر نواب فیض اللہ خاں کو نائب مختار مقرر کیا گیا[۵۳] اور نواب فیض اللہ خاں کے خزانہ سے تین لاکھ اشرفیاں نواب وزیر کی سرکار میں پہنچیں[۵۴]۔

نواب امین الدولہ

منظفر جنگ کے نائبان میں نواب امین الدولہ مظفر الملک خردمند خاں بہادر رہبر جنگ ولد نواب خدا بندہ خاں فرزند نواب غضنفر جنگ بہت

---

۵۱ نواب احمد علی خاں ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۵ء میں پیدا ہوئے ۱۷۹۴ء میں ریاست رام پور کے حقدار قرار پائے اور بوجہ صغر سنی نواب نصر اللہ خاں نے نیابت کے فرائض انجام دیئے نواب نصر اللہ خاں کے انتقال کے بعد ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں مکمل اختیارات حکمرانی تفویض ہوئے۔ ۲۵ جمادی الاول ۱۲۵۶ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۸۴۰ء کو فوت ہوئے۔
(اخبار الصنادید جلد اول ص ۷۵)

۵۲ نواب نصر اللہ خاں ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں آنولہ میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت بہت اعلیٰ طریقہ پر ہوئی ۱۷۷۴ء میں جنگ میراں پور کٹرہ میں اپنے چچا نواب فیض اللہ خاں کے ساتھ آخر وقت تک داد شجاعت دی اس طرح جنگ دوجوڑہ میں نواب غلام محمد خاں کے ساتھ دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کیا پندرہ برس پانچ مہینے اکیس دن نیابت کا کام انجام دے کر ۲۶ شوال ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء کو بروز شنبہ انتقال کیا۔ طبیعت موزوں پائی تھی سلطان تخلص تھا رام پور میں بازار نصر اللہ خاں شیش محل ان کی یادگار ہے عنبر شاہ خاں نے تاریخ وفات یوں نظم کی ہے۔

یک ہزار و دو صد و بست و پنجم — بود از ہجرت رسول گواہ
ماہ شوال بود بست و ششم — کہ بہ جنت رسید نصر اللہ

(اخبار الصنادید جلد اول ص ۷۰۶-۷۰۹ و انتخاب یادگار ص ۱۴۲)

۵۳ جنگ دوجوڑہ کے مفصل حالات پر بعض ہمعصر شعرا نے نظمیں لکھی ہیں جن میں جنگ نامہ دوجوڑہ (مولوی غلام جیلانی) اور جنگ نامہ دوجوڑہ (معظم عباسی) نظم عید وغیرہ مشہور ہیں اسی قسم کا ایک ساکھا "روہیل کھنڈ کا ایک ساکھا" کے عنوان سے صاحبزادہ محمود نیازی بریلوی نے (ماہنامہ "نیا دور" اپریل ۱۹۵۶ء لکھنؤ محکمہ اطلاعات اتر دیش میں شائع کرایا ہے۔

۵۴ شاہ آباد۔ بلاس پور۔ ڈھکیا بدستور بحال رہے باقی ملک ضبط ہو گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۶۲

لامع تھا جو ملک و مال رکھتا ہے اور ہمیشہ سے روزے نماز کا پابند، با اوقات، دوستوں کا قدر دان بے مثل آدمی ہے[۱]۔ نواب مظفر جنگ اس کی نہایت عزت کرتے تھے۔ اپنی پرانی جاگیر پرگنہ سکراوہ کے علاوہ نیابت کے پچاس ہزار سے زائد روپیہ پاتا تھا۔ پانچ روپیہ فی صد کے حساب سے اسے حصہ ملتا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے نواب حسین علی خاں بہادر اور نواب حسین علی خاں بہادر نواب مظفر جنگ کی دو بیٹیوں مسماۃ نواب بیگم اور امیر بیگم سے منسوب تھے یہ دونوں لڑکیاں مسماۃ امراؤ بیگم کے بطن سے تھیں جو امین الدولہ کی حقیقی بہن تھی اس رشتہ کی وجہ سے مظفر جنگ مرحوم کی زندگی میں اور اس کے بعد ان کے لیے جاگیریں اور تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ جو اب تک انگریزی سرکار سے بدستور بحال ہیں اور کسی وجہ سے ان میں کمی نہیں ہوئی ہے۔ اور یہ تنخواہیں اور جاگیریں امین الدولہ کے تصرفات سے علیحدہ ہیں اُن دو لڑکوں اور اُن کی حقیقی بہنوں کے علاوہ امین الدولہ کی دوسری بی بی امتیاز محل سے تین لڑکے اور ہیں اور ان کی بھی حقیقی بہنیں ہیں۔ نواب دانشمند خاں، سعادتمند خاں[۲] امراؤ بیگم کے سوا نواب امین الدولہ کی اور بہنیں بھی تھیں جو نواب مصطفےٰ خاں ولد نواب مرتضےٰ خاں، نواب عبدالمجید خاں فرزند نواب عبدالغنی خاں اور قطب علی خاں جو عنایت علی خاں بنگش داماد غضنفر جنگ کی اولاد میں ہے۔ ان کے نکاح میں تھیں۔ اور نواب امین الدولہ نے بڑی بڑی عمارات اور باغات خوب بنوائے ان عمارتوں کی مثال اس علاقے میں نہیں ہے۔ راقم الحروف نے اس کی تعمیر کردہ مسجد کے مکمل ہونے کی تاریخ کہی ہے ؎

---

[۱] نواب امین الدولہ نہایت انصاف پسند تھے ایک مرتبہ مؤ کے کسی پٹھان نے ایک غریب آدمی کی بیوی چھین لی وہ شخص نواب امین الدولہ کے یہاں فریادی ہوا۔ نواب نے مؤ پہونچ کر سیکڑوں آدمیوں کے روبرو اس کو ذلیل کیا اور اس غریب کی بیوی اس کو دلوادی۔

ملاحظہ ہو وقائع خاندان بنگش (قلمی) ص ۲۲۴-۲۲۷

[۲] تیسرے لڑکے کا نام نہیں لکھا ہے۔

امین الدولہ نواب ببر جنگ — بنا فرمود مسجد بہر عباد
پئے اتمام آں ہاتف بتاریخ — عبادت خانۂ حق کرد ارشاد

اور یہ تاریخ سفید پتھر کی تختی پر سیاہ حروف میں منقوش ہے۔ مسجد کی پیشانی پر نواب امین الدولہ کی تاریخ وفات ۱۹ ماہ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۶ء درج ہے اور اس کی قبر باغ قدیم میں اس کی والدین کی قبر کے پہلو میں ہے۔ راقم نے اس کی تاریخ وفات کہی ہے ؎

نواب امینِ دولت و دین — در زمرۂ سروراں سرآمد
چوں کرد وفات بہر تاریخ — پیوستہ برحمتِ حق آمد

اور سید عالم مارہروی نے یہ تاریخ کہی ہے ؎

تازہ غمے دست داد آہ بستانِ ہند — رکنِ عظیمے فتاد حیف ز ارکانِ ہند
نام بلندش بخلق بود خرومند خاں — بر خرد ش متفق عاقل و نادانِ ہند
لفظِ امین را بکن جانبِ دولہ مضاف — بود مخاطب بایں اسم ز خاقانِ ہند
خفتہ امیرے چنیں ہائے بزیرِ زمیں — چوں نرود تا فلک نالہ و افغانِ ہند
از پئے تاریخ او بر سرِ لوحِ مزار — کاتبِ قدرت نگاشت فخرِ امیرانِ ہند

امین الدولہ کی نیابت میں جو اہم واقعات ہوئے ان میں سے ایک مسٹر جان ولیس بہادر کی علیحدگی ہے یہ ایک محصّل تھا جو چار لاکھ پچاس ہزار روپے کے تقاضہ کے لئے آیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نواب آصف الدولہ اور اس کے نائب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں اور امیر الدولہ حیدر بیگ خاں نے چند ہزار سوار و پیادہ اپنی فوج سے برطرف کئے اور ان کی بجائے انگریزی فوج کے دو کمپو متعین کئے۔ اور دونوں کمپوؤں کی تنخواہ اپنے ذمہ لی۔ ایک کمپو اطراف کانپور میں اور دوسرا کمپو اطرافِ فرخ آباد میں فتح گڑھ کے قریب مقرر کیا۔ منجملہ ان دونوں کمپو کی تنخواہ کے مبلغ چار لاکھ پچاس ہزار روپئے نواب مظفر جنگ کے ذمہ مقرر کئے۔ مظفر جنگ یہ روپے جب تک زندہ رہی نواب وزیر کی سرکار میں پہونچاتے تھے اور جب اختلاف ہوا تو سرکار انگریزی میں یہ روپیہ

پہونچایا گیا سنہ ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء میں ان روپیوں کی ادائیگی میں مظفر جنگ کی طرف سے دیر ہوئی اس لیئے مسٹر جان ولیس بہادر تحصیل دار ہو کر فرخ آباد آیا اور اس وقت مظفر جنگ کے نائب امین الدولہ تھے اور جان ولیس کے مختار مسمیٰ دھاری رام نے سخت تقاضا کیا اس وجہ سے امین الدولہ اور مختار سے سخت کلامی ہو گئی اور امین الدولہ نے امیر الدولہ سے موافقت کر لی جس وقت امیر الدولہ کلکتہ جا رہے تھے تو امین الدولہ پوشیدہ طور سے ان کے پاس گئے اور جان ولیس کی علحدگی کا حکم حاصل کر لیا پھر فرخ آباد واپس آگئے اور اپنے عہدۂ نیابت کو سنبھال لیا اور اسی زمانہ میں گورنر کارن والس بہادر آیا اور لکھنؤ و فرخ آباد کے کام اس نے اپنے ہاتھ میں لئے۔

ان ہی میں سے ایک کام مسٹر جان ولیس کی علیحدگی ہے جب جان ولیس کو امین الدولہ کی کلکتہ جانے کی اطلاع ہوئی تو اس نے نواب مظفر جنگ کے حقیقی بھائی نواب دل دلیر خاں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ فرخ آباد کی ریاست کی تقسیم ہو جائے۔ جب جان ولیس کی علحدگی ہو گئی تو دل دلیر خاں نے اپنی بہتری فرخ آباد سے نکلنے میں دیکھی۔ اس نے جان ولیس کے ساتھ آ کر بنارس میں سکونت اختیار کی اور چوبیس ہزار روپے سالانہ اس کے خرچ کے لئے کونسل کے حکم سے مقرر ہوئے۔ مرزا وزیر علی کے ہنگامہ کے بعد دل دلیر خاں نے خودکشی کر لی۔

دل دلیر خاں، پرمول خاں

مظفر جنگ کے نائبوں میں شیر دل خاں اور اس کا بیٹا امام خاں، پرمول خاں اور اس کا بیٹا محمدی خاں بھی رہے ہے۔ کچھ دنوں شیر دل خاں، اور پرمول خاں متفق ہو کر نیابت میں مشغول رہے ہے اور پھر امام خاں اور محمدی خاں اس کام میں متفق رہے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان شاندار پٹھانوں کی نیابت میں خیرات اور نیکیوں کے بڑے بڑے نمایاں کام ظہور پذیر ہوئے [۱]

---

[۱] امام خاں اور پرمول خاں خاندان بنگش کے وفادار چیلے تھے نواب مظفر جنگ کے انتقال کے بعد نواب ناصر جنگ کو ان دونوں نے نائب بنایا اور اپنی فراست سے نواب آصف الدولہ سے ان کی تخت نشینی کی توثیق کرائی۔ ملاحظہ ہو وقائع خاندان بنگش (قلمی) ص ۲۱۰-۲۱۰

منشی دلپت رائے

منشی دلپت رائے ولد گلاب رائے ولد صاحب رائے نے بھی نیابت کا کام کیا وہ جواب وسوال اور دوست پروری میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ صاحب رائے نواب غضنفر جنگ کا پُرانا ساتھی تھا۔ تمام عرضیاں جو بادشاہ کے حضور میں گذرانی جاتی تھیں اور وزیروں اور امیروں کے لئے خطوط اسی کے قلم سے لکھے جاتے تھے۔ اس کی ایک کتاب ہے جو ان خطوط کے مسودّوں اور دوسرے خطوط اور رقعوں پر مشتمل ہے جو اس کی طرف سے دوسرے ہم رتبہ اور دوستوں کو لکھے گئے ہیں[۵۱]۔

میر صبغت اللہ خاں

میر صبغت اللہ خاں ایک سردار تھا جو بنگالے میں پیدا ہوا۔ نواب مظفر جنگ کی بارگاہ میں دخیل تھا۔ اس نے بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ سخاوت میں مشہور تھا۔ ایک مرتبہ ایک ہزار روپے قلندر بخش فقیر کو دے دیئے یہ فقیر شاہ افہام اللہ صفی پوری کا مرید تھا اور اس آزاد منش فقیر نے فوراً وہ روپیہ ایک جوان کو دے دیا جو اس سے تعلق رکھتا تھا ؎

نہ صبر در دلِ عاشق نہ آب در غربال　　قرار در کفِ آزادگاں نگیرد مال

یہ فقیر صاحبِ حال تھا جب گانا اور قوالی سُنتا تھا تو بہت دیر تک بے خود رہتا تھا۔

نوّاب آصف الدولہ وزیر الممالک

آصف الدولہ ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوئے[۵۲]۔ اس وقت ان کے دادا صفدر جنگ، نواب احمد خاں بنگش کے مقابلے میں اطرافِ مارہرہ میں چھاؤنی ڈالے ہوئے تھے۔ آصف الدولہ اپنے باپ نواب شجاع الدولہ کے مرنے کے بعد ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۵ء میں فیض آباد میں مسند نشین ریاست ہوئے۔ میر مرتضےٰ خاں طباطبائی کو جو ایک سردار تھا پورا پورا اختیار دے دیا۔ اور اس کو مختار الدولہ بہادر ہیبت جنگ کا خطاب بخشا اسی زمانہ میں انگریز ریزیڈنٹ امتیاز الدولہ افتخار الملک مسٹر چھولیر بہادر ارسلان جنگ تھا۔

۵۱۔ ولیم اروِن نے اس کا نام خجستہ کلام بتایا ہے۔ (تاریخ فرخ آباد ص ۱۹)

۵۲۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں کہ نواب آصف الدولہ اواخر ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ اودھ جلد سوم ص ۱)

مختارالدولہ اور مسٹر بھولیر کا باہم مشورہ ہوا کہ دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سماتیں اس لئے وہ ملک جو نواب شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں سے نکال لینے کے بعد یمین الدولہ نواب سعادت علی خاں کو مرحمت کیا ہے وہ سعادت علی خاں سے نکال لینا چاہئے۔ اس لئے کہ جب ایک رئیس اس لائق ہے تو دوسرے کو شریک کار رہنا خلافِ دستور ہے۔ نواب کے دوسرے بھائی بھی ہیں لہٰذا ایک میں کیا خصوصیت ہے۔ نواب آصف الدولہ کو اس مشورہ سے مطلع کیا اور نواب سعادت علی خاں کو بریلی سے حضور میں طلب کرلیا۔ اسی زمانے میں بھولیر رزیڈنٹ معزول ہوا اور اس کی بجائے مسٹر جان برسٹو رزیڈنٹ مقرر ہوا جب جان برسٹو اور مختارالدولہ کے درمیان اختلاف ہوا تو یہ طے پایا کہ افغانوں کی اولاد کے لئے وزیرالممالک کی سرکار سے جو روپیہ مقرر ہے۔ وہ روپیہ وزیر کی سرکار کی بجائے رزیڈنٹ کے ذریعہ سے افغانوں کو ملا کرے۔

جب مختارالدولہ مارا گیا[1] اور اس کا قاتل بھی قتل ہوگیا تو نواب وزیر نے ایلچ خاں کو مختارکار بنادیا۔ ایلچ خاں[2] اس دولت سے سرفراز ہونے ہی والا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا اور اس کی بجائے سرفرازالدولہ حسن رضا خاں مختار ہوئے۔ امیرالدولہ حیدر بیگ خاں اس کے

---

[1] میر مرتضیٰ ایران سے ہندوستان میں آئے آصف الدولہ کے زمانہ میں بڑا عروج پایا۔ حکومت اودھ کے جزو کل کے مالک ہوئے آخرکار آصف الدولہ کے اشارہ سے بسنت علی خاں خواجہ سرا نے ۲۷ صفر ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء کو ٹھکانے لگوادیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ اودھ جلد سوم ص ۱۰-۱۷-۹۷-۱۰۴)

[2] ایلچ خاں افغان زادے، حنفی المذہب ایک مفلس آدمی کے بیٹے تھے شجاع الدولہ کے زمانے میں بڑی ترقی کی مختارالدولہ کی نیابت کے زمانہ میں لکھنؤ سے چلے گئے کچھ مدت دہلی اور آگرہ میں گذاری۔ مختارالدولہ کے بعد آصف الدولہ کی طلبی پر لکھنؤ آئے۔ حکومت کے کام میں دلچسپی لی اور اصلاح کرنی چاہی جان برسٹو رزیڈنٹ کو خدشہ پیدا ہوا مگر جلد ہی یعنی تقریباً تین ماہ کے بعد رجب ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء میں انتقال ہوگیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ اودھ جلد سوم ص ۱۰-۱۸-۱۲۶)

نائب مقرر ہوئے۔

۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء میں نواب آصف الدولہ فرخ آباد میں آئے۔ شہر سے جانب شمال گنگا کے کنارے خیمے نصب ہوئے۔ نواب مظفر جنگ آصف الدولہ کے حضور میں روزانہ حاضر ہوتے تھے حتی المقدور خوب مہمان داری کی اور تحفے تحائف نذر کئے آصف الدولہ خوش ہو کر فیض آباد واپس ہوئے۔ اس زمانہ میں جبکہ اطراف فرخ آباد میں تھے تو ایک پہر رات تک وزیر کے لشکر پر ایسے اولے برسے کہ اکثر ہاتھی گھوڑے بیل مر گئے۔ ڈیرے اور خیمے پاش پاش ہو گئے۔ بعض اولے سات سیر وزنی اور بعض اس سے کم تھے۔[1]

نواب آصف الدولہ نے لطافت علی خاں خواجہ سرا کو شاہ عالم بادشاہ کے حضور میں بھیجا تاکہ وزارت کا خلعت مرحمت کیا جائے۔ قطب الدین خاں پسر ضیاء الدولہ سعد الدین خاں اور مجد الدولہ عبد الاحد کے ذریعے خلعتِ وزارت اس وقت پہونچا جب آصف الدولہ اطراف اٹاوہ میں تھے۔[2] خلعت مقررہ دستور کے موافق پہنا گیا اس کے بعد آصف الدولہ ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء فرخ آباد آئے اور بنارس چلے گئے۔ اس وقت نواب مظفر جنگ کو زہر دیا گیا تھا اور ناصر جنگ مسند نشین ہوئے۔[3] ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء کو ایک معمولی مرض میں لکھنؤ میں آصف الدولہ کا انتقال

---

[1] نواب آصف الدولہ جب فرخ آباد گئے تو نواب مظفر جنگ کا امام باڑہ کے ہمراہ دیکھنے گئے پھر شاہ اسد علی کے مزار پہنچے، وہاں ان کے سجادہ نشین ببر علی شاہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ دُنیا پرست فقیر تھے آصف الدولہ نے مزار پر سے وہ پانچ اشرفیاں جو وہاں رکھی تھیں جھاڑ لال سے اُٹھوا لیں۔ پھر ببر علی شاہ نے ایک نہایت نایاب تلوار آصف الدولہ کو پیش کی آصف الدولہ نے وہ تلوار لے لی اور ایک پیسہ بدلے میں دیا کہ لوہا خالی نہیں لیتے۔ آصف الدولہ وہاں سے ثمن گوسیّٔے کے یہاں پہونچے اور اس کے بزرگوں کا قدیمی توڑا اس سے لیا اور ایک ہزار روپے دیئے پھر شاہ زاہد علی سے ملے جس کا بیان مقالہ ہشتم میں کیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو وقائع خاندانِ بنگش (قلمی) ص ۱۹۲-۱۹۶)

[2] خلعت کی حصول کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ اودھ جلد سوم ص ۹۰-۹۱

[3] ملاحظہ ہو تاریخ اودھ جلد سوم ص ۳۳۰-۳۳۲

ہوا اور اس امام باڑہ میں دفن ہوئے جو انہوں نے خود بنوایا تھا۔ لکھنؤ اور فیض آباد میں بہت سے آثار اور نشانیاں موجود ہیں[1] ان کی سب سے بڑی یادگار ایک نہر ہے۔ جو فرات سے نکال کر نجف اشرف کے قریب پہونچائی گئی ہے یہ نہر حاجی محمد تورانی معروف بہ حاجی کربلائی کے اہتمام سے تعمیر ہوئی ہے اور وہاں کے رہنے والوں کو اس سے بہت آرام ہوا اور انھوں نے بہت فیض اُٹھایا ہے[2]۔

نمونہ کلام آصف الدولہ نواب آصف الدولہ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے ذیل کے اشعار ان ہی کے ہیں:۔

جو شمشیر اس کی علم دیکھتے ہیں — وہیں سر کو اپنے قلم دیکھتے ہیں
شتابی سے آ ورنہ میرے مسیحا! — کوئی دم میں راہِ عدم دیکھتے ہیں
خدا دشمنوں کو نہ وہ دکھ دکھائے — جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں

---

[1] نواب آصف الدولہ نے کوٹھی بی بی پور بنوائی ۱۷۸۰ء میں دریائے گومتی پر پختہ پل بنوایا ۱۲۰۵ھ ۱۷۹۰-۱۷۹۱ء میں بڑا امام باڑہ بنوایا رومی دروازہ اور دولت خانہ بھی اس کی تعمیرات میں مشہور ہیں۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری گیان پرکاش کے مؤلف کا قول نقل کرتے ہیں کہ

"نواب نے باغ اور باغیچے اور صدہا بارہ دریاں اور نہریں اور حوض اور پانی کے خزانے اور فوارے اور حمام خشتی اور سنگیں اور شیشے کا محل بے مثل اور ہاتھی دات کا بنگلہ بنوایا"۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ اودھ جلد سوم ص ۲۹۶-۲۹۹)

[2] حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں کہ

"نواب نے سات لاکھ روپیہ حاجی محمد طہرانی کی معرفت نہر فرات سے ایک نہر نجف اشرف میں لانے کے واسطے بھیجا اس کام میں مدد کے لئے مرزا حسن رضا خاں اور خواجہ عین الدین انصاری نے بھی روپیہ دیا۔ اس نہر کا نام نہر آصفیہ رکھا اور اس نہر کے جاری ہونے سے پانی کا قحط رفع ہو گیا۔ بعض نوشتوں سے کربلا میں نہر کا بنوایا جانا پایا جاتا ہے۔ اور میر محمد اجمل الہ آبادی کی نظم سے مشہد میں نہر کا جاری کرانا ثابت ہے۔ (تاریخ اودھ جلد سوم ص ۲۹۹)

بتوں کی گلی میں شب و روز آصفؔ — تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

حال تو آہ کہوں روز میں جا کر اپنا — لیکن اس شوخ کو کہنا نہیں باور اپنا
یار وہ تم کا ہے کو تکلیف دوا کرتے ہو — حال ہوتا نظر آتا نہیں بہتر اپنا
اپنا بیگانہ سبھی یوں تو ہیں دشمن لیکن — دشمنِ جان نہیں کوئی دل کے برابر اپنا
اور تو کون ہے جو عشق میں ہمسر ہو مرا — قیس و فرہاد کو گنتا نہیں ہمسر اپنا
تیری بیداد کی فریاد کروں حشر میں گر — عین محشر میں جدا ایک ہو محشر اپنا
باعثِ زندگی اس کی ہی فقط آتشِ عشق — سینہ آتش کدہ اور دل ہو سمندر اپنا
کیا کروں میں تو نہ جاؤں کبھی اس در پہ ولے — چین لیتا نہیں یکدم دلِ مضطر اپنا
عشق میں رونے سوا اور نہیں بن آئے ہے — دور چلتا ہے تو آنکھوں ہی کے اوپر اپنا

آصفؔ اللہ سوا دونوں جہاں میں واللہ
نہ کوئی دوست نہ کوئی یار نہ یاور اپنا

جبکہ ہم تیرے آستاں سے گئے — ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے
تیرے کوچہ میں نقشِ پا کی طرح — ایسے بیٹھے کہ پھر نہ یاں سے گئے
عشق ہاتھوں سے تیرے کیا کہئے — نام سے گزرے اور نشاں سے گئے
شمع کی طرح رفتہ رفتہ ہم — سنیو ایک دن کہ جسم و جاں سے گئے
ایک دن ہم نے یار سے یہ کہا — اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے بولا کہ سنتا ہے آصفؔ — یوں ہی کہہ کہہ کے لاکھوں یاں سے گئے

---

[1] نواب آصف الدولہ میر سوز کے شاگرد تھے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں "سوز کا رنگ دہلوی شاعری کا عام رنگ ہے۔ چنانچہ وہی رنگ سادگی اور اثر آفرینی کا آصف الدولہ نے قبول کیا۔" (لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۹۵)

سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں پہلے زمانے میں مرزا عسکری نامی امیرزادوں میں سے ایک شخص تھے ان کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ اس لڑکی کا نکاح نواب رضا علی خاں فرزند موتمن الدولہ سے ہوا اور اس سے ایک لڑکا بندہ علی خاں پیدا ہوا۔ جس کا خطاب مظفر الدولہ ہے اور مرزا عسکری کے چچا مرزا علی رضا تھے۔ ان کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ ان لڑکوں میں سے ایک لڑکا نواب حسن رضا خاں ہے جن کا خطاب سرفراز الدولہ ہے اور لڑکیوں میں سے ایک محمد فخر الدین احمد خاں کی بیوی ہے۔ جس کی عرفیت مرزا جعفر حسن رضا خاں ہے گرچہ حسن رضا خاں شجاع الدولہ کے زمانہ سے ایک قدیم ملازم تھے۔ لیکن نواب آصف الدولہ کو اُن کے عادات و اطوار پسند آئے اس نے سرفراز الدولہ ناظم الملک کا خطاب دیا اور اپنا قائم مقام کر کے سرفراز فرمایا۔ چونکہ دفتر کے کاموں سے وہ ناواقف تھے اس لئے انتظام الملک امیر الدولہ حیدر بیگ خاں کو ان کا نائب کر دیا۔ اور مہاراجہ ٹکیت رائے ان کی کچہری میں مقرر ہوئے ان دونوں آدمیوں کے سبب سے تمام ملک اور فوج کا کام نہایت خوبی سے ہوتا رہا۔ ایک دن ہمت بہادر نے آصف الدولہ کے سامنے حسن رضا خاں سے پوچھا کہ مرزا آپ کے ہاتھی خانے میں کتنے ہاتھی ہیں؟ مرزا نے کہا جتنے جناب عالی کے ہاتھی خانے میں ہیں' آصف الدولہ نے مسکرا کر کہا مرزا سچ کہتا ہے جو کچھ ہمارا ہے وہ اس کا ہے۔ حسن رضا خاں نماز روزہ کا پابند تھا۔ شرفا' حجاج اور زائرین کی بہت تعظیم کرتا تھا۔ حیدر بیگ خاں دفتر کے حساب اور کاموں میں مثال نہیں رکھتا تھا۔ اسی طرح ٹکیت رائے بخشش اور سخاوت میں بے نظیر تھا خصوصاً طالب علموں کی بہت مدد کرتا تھا۔ اس نے ایک مدرسہ بنایا تھا کہ جس میں مولانا عبدالواحد خیرآبادی کو مدرس مقرر کیا تھا۔ اساتذہ و طلبا کو کھانا پینا اور لباس وغیرہ مدرسہ کی طرف سے مہیا کیا جاتا تھا۔ اس مدرسہ سے چند مشہور فاضل اور بڑے بڑے عالم نکلے اور مشہور زمانہ ہوئے جیسے مولوی محمد ابراہیم۔ مولوی عبدالواسع۔ مولوی عبدالجامع حافظ معین الدین، جن کی شہرت چار دانگ عالم میں ہوئی۔ اور حیدر بیگ اور ٹکیت رائے کا ایک

---

۵۷ ملاحظہ ہو تاریخ اودھ جلد سوم صفحہ ۱۳۰ - ۱۳۱

اچھا کام یہ بھی ہے کہ جب مسٹر جان برسٹو رزیڈنٹ سے کچھ اختلاف ہوا۔ تو ان دونوں نے ریشہ دوانیاں کر کے اس کو معزول کرا دیا۔ اور اس کے اختیارات کو بالکل موقوف کرا دیا اور رزیڈنٹ کی بحالی اور برطرفی وزیر الممالک کی استدعا پر منحصر ہو گئی تھی۔

سنہ ۱۱۹۲ھ ۱۷۷۸ء میں مسٹر جان مڈلٹن بہادر رزیڈنٹ کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اور سنہ ۱۱۹۳ھ ۱۷۷۹ء میں انگریزی فوجوں کے اعتماد پر نواب آصف الدولہ نے اپنی فوج میں تخفیف کی۔ ہمّت بہادر اور مرتضیٰ خاں بڑیچ وغیرہ نواب نجف خاں کے پاس پہونچے اور اس کی ملازمت کر لی وہاں ان کو معقول جاگیریں ملیں۔ سنہ ۱۱۹۹ھ ۵-۱۷۸۴ء میں رزیڈنٹ کے عہدہ پر میجر پامر صاحب معمور ہوئے۔ سنہ ۱۲۰۶ھ ۲-۱۷۹۱ء میں امیر الدولہ نے وفات پائی اور کشمیری باغ میں دفن ہوئے۔ اس کے بعد سرفراز الدولہ نے راجہ ٹکیٹ رائے کو اپنا نائب کیا اور سنہ ۱۲۱۱ھ ۷-۱۷۹۶ء میں جب گورنر جان شور لکھنؤ آیا تو جھاؤ لال جو ہمیشہ نواب وزیر سے سرفراز الدولہ اور ٹکیت رائے کے خلاف باتیں کرتا تھا اس کو عظیم آباد بھیجا گیا۔ نواب وزیر نے اس بات کو حسن رضا خاں اور ٹکیت رائے کی درخواست پر محمول کیا اور ان کی علیحدگی پر اصرار کیا خان علامہ تفضل حسین نائب مقرر ہوئے اور انھوں نے مرزا جعفر کو بخشی فوج بنایا اس وقت رزیڈنٹ مسٹر جان لمسڈین تھا۔ سرفراز الدولہ سنہ ۱۲۱۶ھ ۲-۱۸۰۱ء میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔[۱]

---

[۱] حسن رضا خاں کو باوجود ان کے بے علم آرام طلب عشرت دوست اور کم محنت ہونے کے ریزیڈنٹ جان برسٹو نے نائب مقرر کیا انہیں رزیڈنٹ کی مصلحتوں کو بھی دخل تھا۔ (تاریخ اودھ جلد سوم صفحہ ۱۳۳) مرزا حسن رضا خاں انگریزی متوسلین میں شمار ہوتے تھے۔ سعادت علی خاں کے زمانے میں حسن رضا خاں بہت سے مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے اور ان کی بہت خواری ہوئی۔ (تاریخ اودھ جلد چہارم صفحہ ۶۴-۶۵) مرزا حسن رضا خاں کے زمانے میں امامیہ مذہب کو خاص طور سے خوب ترقی ہوئی۔ حکیم نجم الغنی خاں لکھتے ہیں، کہ ہمت پرشاد نے لکھا ہے کہ اس وقت تک لکھنؤ میں مسلمان فقط شیعہ تھے اور بارہ اماموں کے مذہب سے خبر نہ رکھتے تھے۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں مرزا حسن رضا خاں نے یہ طریقہ جاری کیا چنانچہ جس وقت مرزا جواں بخت شہزادے لکھنؤ میں وارد ہوئے تو اس جمعہ کو خود نواب صاحب بشرکت نماز جمعہ ہوئے اور میر دلدار علی شاگرد میر سید علی طباطبائی فقہ اماميہ کی کتابوں کے مروج ہوئے۔ دوسری کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ مولوی دلدار علی اور میر مرتضیٰ وغیرہ علمائے مذہب امامیہ نے حسن رضا خاں
(باقی اگلے صفحہ پر)

مرزا جعفر فخر الدین احمد خاں عرف مرزا جعفر، محسن زماں خاں بن فخر الدین احمد خاں عالمگیری کے بیٹے تھے۔ انھوں نے جوانی میں لکھنؤ کے مشہور علما مولوی محمد حسن مولوی محمد حسین اور خان علامہ تفضل حسین خاں سے تحصیل علوم کی۔ اپنی تمام عمر کتابوں کے جمع کرنے، کتب بینی کے شغل اور علما کی صحبت میں گزاری۔ نواب وزیر الممالک یمین الدولہ سعادت علی خاں کے زمانہ میں مرزا جعفر سرکار رزیڈنٹ عماد الدولہ بیلی بہادر اسلان جنگ کے مختار تھے۔ مرزا جعفر نواب ممدوح کی وفات کے بعد رزیڈنٹ مذکورہ بالا کی مختاری کے زمانہ میں اس جہان سے رخصت ہوئے۔[۱]

علامہ تفضل حسین خاں علامہ تفضل حسین کی اصلیت یہ ہے کہ لاہور میں دو حقیقی بھائی تھے۔ بڑا سیف اللہ خاں۔ چھوٹا کرم اللہ خاں[۲] اور کرم اللہ خاں کا ایک لڑکا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) کی وجہ سے نام پیدا کیا۔ جمعہ و جماعت کی نماز جس کا رواج اس ملک میں نہ تھا جاری کی اور کربلا جا کر اجتہاد کا حکم وہاں کے مجتہدین سے حاصل کر کے لوٹ آئے اور اپنا اجتہاد جاری کیا۔ (تاریخ اودھ جلد سوم ص ۱۳۲-۱۳۲)

[۱] مرزا جعفر سرفراز الدولہ کے ہم زلف اور مرزا حاجی کے باپ تھے۔ مسٹر بیلی ان کا شاگرد تھا۔ مرزا جعفر اور مرزا حاجی دونوں باپ بیٹے ہمیشہ ریزیڈنٹ کے ہمراہ رہتے تھے۔ مرزا جعفر کو رزیڈنٹ کے مزاج اور پالیسی میں بہت دخل تھا۔ مرزا جعفر بہت چالاک تھے۔ اکثر سہل معاملات کی رپورٹ رزیڈنٹ سے مشکل تقریروں میں گورنر جنرل کو لکھاتے تھے تاکہ رزیڈنٹ کا دبدبہ نواب اودھ پر قائم رہے غرض مرزا جعفر رزیڈنٹ کے بہت خیر خواہ اور وفادار تھے۔ نواب وزیر سعادت علی خاں اور مسٹر بیلی ریزیڈنٹ سے تعلقات کی کشیدگی میں مرزا جعفر کو بڑی حد تک دخل تھا۔ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۵ء میں مرزا جعفر کا انتقال ہوا قطعۂ تاریخ وفات درج ذیل ہے:

میرزا جعفر کہ دائم از امام جعفرش   حسب بر دل ایں بر ہر دو عالم ظاہر ست
بہر تاریخ وفاتش چوں تامل شد مرا   آمد از ہاتف ندا جعفر بہ نزد جعفر ست

(ملاحظہ ہو تاریخ اودھ جلد چہارم ص ۹۰-۹۳-۱۱۵)

[۲] حکیم نجم الغنی خاں رام پوری نے کرم اللہ خاں لکھا ہے اور اسد اللہ خاں کی بجائے کرام اللہ خاں کو علامہ تفضل حسین خاں کا والد لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ اودھ جلد سوم ص ۳۴۶)

اسد اللہ خاں اور اسد اللہ خاں کا لڑکا علامہ تفضل حسین خاں، کرم اللہ خاں، اعتماد الدولہ قمرالدین خاں کے بیٹے معین الملک صوبیدار لاہور کی طرف سے کچھ مدت شاہجہاں آباد میں وکیل رہا اور تین لاکھ کی جاگیر پیدا کی۔ تفضل حسین خاں سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کی عمر میں لاہور سے شاہجہاں آباد آئے۔ مولوی وجیہ الدین کی خدمت میں علوم عربی کی تحصیل کی مولوی وجیہ الدین، مولانا نظام الدین سہالوی کے شاگرد تھے۔ مرزا محمد علی پسر مرزا خیراللہ کی خدمت میں علوم ریاضی حاصل کئے جب کرم اللہ خاں شاہجہاں آباد سے مع اہل و عیال لکھنؤ آیا تو اس وقت خان علامہ کی عمر ۱۸ سال تھی وہاں انھوں نے مولوی محمد حسن سے طبیعات، الٰہیات اور منطق کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد شفا اور شروح اشارات بطور خود مطالعہ کیں۔ اور علمائے وقت میں مشہور ہوئے۔

نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں کے اُتالیق ہوئے۔ بریلی۔ اکبرآباد۔ بنارس میں یمین الدولہ کے ساتھ ہے اور بنارس میں علیحدگی اختیار کی اور کلکتہ چلے گئے۔ وہاں سے ایک لشکر کے ساتھ جو رانائے گوہد کی مدد کے لئے آیا تھا گوالیار آئے۔ پھر جرنیل پام بہادر کے ساتھ لکھنؤ پہونچے۔ وزیرالممالک آصف الدولہ کے لوگوں سے ربط وضبط بڑھا کر نواب کی بارگاہ میں داخل ہوگئے۔ جب راجہ گوبندرام جو نواب آصف الدولہ کا کلکتہ میں وکیل تھا مر گیا تو ۱۲۰۳ھ میں امیر الدولہ کے حُسنِ سلوک سے خان علامہ اُس عہدے پر مامور ہوئے اور کلکتے پہونچے۔ اور امیر الدولہ کی وفات کے بعد علامہ نے کلکتہ سے آکر فخرالدین احمد خاں عرف مرزا جعفر کی وساطت سے سرفراز الدولہ کی خدمت میں تقرب پایا اور پھر عہدۂ وکالت حاصل کیا۔ اور کلکتہ گئے۔ اور اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا۔ اس کے بعد سرکار وزیرالممالک کے نائب ہوئے اور ہجوم کار کی وجہ سے اس کو کماحقہ، سرانجام نہ دے سکے۔ مسٹر جان شور بہادر گورنر کے ہاتھ سے مرزا وزیر علی کا جو عزل و نصب ہوا اس میں خان علامہ کا مشورہ شامل تھا۔ اس کے بعد یمین الدولہ سعادت علی خاں

کے زمانہ میں وکالت کے عہدے پر مامور ہو کر پھر کلکتہ گئے آخر کار بواسیر کے عارضہ میں مبتلا ہوئے اور ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱ء) میں کلکتہ سے بغرض علاج لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے اور راستے ہی میں موضع ہزاری باغ میں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ اور سلام اللہ خاں ان کے ہمراہ تھا اس نے اپنی رائے کے مطابق خان علامہ کی قبر بنوائی۔ کرم اللہ خاں کا بڑا بھائی سیف اللہ خاں تھا اس کے دو[2] لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکوں میں ایک کا نام نور محمد خاں تھا جس کے چھ لڑکے رحمت اللہ خاں انعام اللہ خاں۔ احسان اللہ خاں۔ افضال اللہ خاں۔ اکرام اللہ خاں اور حسن علی خاں[1] تھے سیف اللہ خاں کا دوسرا لڑکا امیر محمد خاں، سلام اللہ خاں کا باپ تھا۔ نور محمد کی لڑکی سلام اللہ خاں کے نکاح میں تھی۔ سیف اللہ خاں کی لڑکی محمد حسین خاں کے نکاح میں تھی۔

علامہ تفضل حسین خاں کو کتابوں کا اس قدر شوق تھا کہ جب نواب وزیر الممالک یمین الدولہ سعادت علی خاں وزیر الممالک مقرر ہوئے اور انھوں نے خان علامہ کو سفارت کے عہدہ پر کلکتہ بھیجنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور فرمایا کہ اپنی خواہش ظاہر کرو تو علامہ نے عرض کیا کوئی خواہش نہیں ہے۔ جاگیر اور میری تنخواہ خداوند کریم کی عنایت سے جاری ہیں۔ اور ان میں کوئی خرابی نہیں ہے وزیر الممالک یمین الدولہ نے اپنی بات کئی مرتبہ دُہرائی تو خان علامہ نے کہا۔ اگر آپ کی ایسی ہی مرضی ہے تو چند کتابیں سرکاری کتب خانہ سے عنایت فرمائی جائیں۔ یمین الدولہ نے فرمایا کہ "ہمارے کتب خانہ سے چار دن کے عرصہ میں جتنی کتابوں کا انتخاب کر سکتے ہو وہ تمھاری ہیں اور کتب خانے کے محافظوں کو یہ حکم بھیج دیا۔ حکم کے موافق علامہ نے اپنے چند فاضل شاگرد ہمراہ لیئے اور بموجب حکم کتب خانہ سے کئی ہزار کتابیں انتخاب کیں۔[2] واللہ ذو الفضل العظیم

---

[1] نجم الغنی خاں نے لکھا ہے کہ سیف اللہ خاں کے پانچ بیٹے[1] رحمت اللہ خاں، [2] انعام اللہ خاں۔ [3] احسان اللہ خاں۔ [4] افضل اللہ خاں [5] اکرام اللہ خاں تھے (تاریخ اودھ جلد سوم ص ۳۴۶)

[2] علامہ تفضل حسین خاں نے بنارس میں شیخ محمد علی حزیں سے بھی استفادہ علمی کیا۔ عربی فارسی اور لاطینی بہت اچھی جانتے تھے۔ طریقہ زندگی نہایت سادہ تھا۔ نیابت و وکالت کے زمانہ میں بھی سادہ روی کو نہ چھوڑا۔ دروازہ پر دربان مقرر نہیں کیا ہر شخص کی ان تک رسائی تھی۔ علامہ تفضل حسین خاں کی تصنیفات سے شرح علی مخروطات ایلونیوس" "شرح علی مخروطات دیوبال"۔ شرح شلے (باقی اگلے صفحہ پر)

راجا اودیت نرائن

نواب شوکت جنگ کی ریاست کے زمانہ میں راجہ مہیپت نرائن کا بیٹا راجا اودیت نرائن بنارس سے شاہجہان آباد کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں شہر فرخ آباد میں بھی پہونچا۔ اُس کی ریاست کا بیان یہ ہے کہ راجہ بلونت سنگھ[1] راجپوت کھروار بنارس کا ایک زمیندار تھا اس کے مرنے کے بعد اُس کا لڑکا راجا چیت سنگھ جو خادم کے بطن سے تھا ریاست کا مالک ہوا۔ یہ بات راجپوتوں کو ناپسند ہوئی[2]۔ راجا بلونت سنگھ کا داماد اوگنجن سنگھ اپنی اولاد کو ریاست کا مالک کرنا چاہتا تھا کہ کام کو گڑبڑ کر کے اپنے لڑکے کو جس کا نام مہیپت نرائن تھا اُس ریاست کا مالک بنائے۔ لیکن کوئی تدبیر خیال میں نہیں آتی تھی اتفاق سے مولوی علی اصغر[3]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) "مخروطات شمسی" اور رسالہ جبر و مقابلہ مشہور ہیں ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء میں انتقال ہوا۔ شاہ محمد اجمل الہ آبادی نے تاریخ وفات کہی ہے۔ ؎

گر بہ پرسند سال تاریخش

ناسر حیف و غم بگو افسوس

تفصیل کے لئے دیکھئے (۱) تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) اردو ترجمہ محمد ایوب قادری ص ۱۳۹-۱۴۰ (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۶۱ء)
(۲) نزہۃ الخواطر جلد ہفتم ص ۱۰۹-۱۱۱ (۳) تاریخ اودھ جلد سوم ص ۳۴۵-۳۴۹
(۴) رود کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۶۲۹-۶۳۰ (۵) مفتاح التواریخ ص ۳۷۱
(۶) عماد السعادت از غلام علی ص ۱۵۵-۱۵۶ (۷) قیصر التواریخ جلد اول ص ۱۱۶-۱۲۰
(۸) تاریخ اودھ جلد چہارم ص ۹۱-۹۲

[1] راجا بلونت سنگھ بن راجا منسا رام (ف ۱۷۴۰ء) اپنے باپ کے مرنے کے بعد مسند نشین ہوا۔ اس نے کم و بیش تیس سال حکومت کی ۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء میں فوت ہوا۔ راجا بلونت سنگھ قوم کا برہمن تھا۔ (تاریخ بنارس ص ۵۲۲) تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ بنارس از مولوی مظہر حسن ص ۱۲۳-۳۷۸ (مطبوعہ بنارس ۱۹۱۶ء)

[2] راجہ بلونت سنگھ، برہمن تھا اس کا لڑکا چیت رام ایک راجپوت عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا اس لئے برہمنوں نے اس کے ساتھ کھانا کھانے سے احتراز برتا آخر میں جب راجا چیت سنگھ نے اس معاشری مقاطعہ کو ختم کرنے کی کوشش کی تو اس کو راج ہی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ملاحظہ ہو تاریخ بنارس ص ۵۲۱ الخ

[3] تاریخ بنارس (ص ۵۵۴) اور تاریخ اودھ جلد سوم (ص ۱۸۴) میں ان کا نام مولوی علی الدین لکھا ہے۔

نگینہ کے رہنے والے جنھوں نے کچھ دنوں راجہ چیت سنگھ کے پاس نوکری کی تھی اور پھر کسی بات پر علیحدہ ہو گئے کلکتہ گئے، ان کے ساتھ اوسان سنگھ برہمن بھی کلکتے گیا چیت سنگھ کا ایک ملازم چیت رام چوبدار تھا کسی جرم میں اس کو کوڑوں کی سزا ملی تھی اور ملازمت سے برطرف ہوا تھا چیت رام بھی پیچھے سے کلکتہ پہونچا۔ مولوی علی اصغر اور چیت رام چوبدار دونوں نے گورنر جنرل عماد الدولہ ہسٹنگز جلادت جنگ کے حضور میں دخل حاصل کر لیا۔ ہیبت نرائن کے باپ کی آرزو اور راجا چیت سنگھ کی خدمت گورنر کے ذہن نشین کر دی اور گورنر جنرل نے مشرقی ممالک کی طرف دورہ کا ارادہ کر لیا۔

گورنر جنرل کی تشریف آوری کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خاں نے گورنر بہادر کی خدمت میں لکھا کہ سرکار نواب وزیر الممالک کے ملازموں کی زیادتی کی وجہ سے چاہے وہ سوار ہوں یا پیادے اور نواب وزیر کے اخراجات کی زیادتی کے سبب سے دونوں مقررہ کیمپوں کی تنخواہ کے پہونچانے میں دیر ہوتی ہے اور اس ضرورت کے لئے قرض لیا جاتا ہے اور اس پر سود در سود دینا پڑتا ہے اس سے بہت سرکاری نقصان ہوتا ہے بہتر یہ ہے کہ دونوں ملکی کیمپ تنخواہ کے بدلے میں خرید لئے جائیں۔ یہ بات کمال دوست خواہی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ لیکن ہم وزیر الممالک خداوند نعمت کے حضور میں عرض نہیں کر سکتے اس واسطے مناسب ہے کہ حضور خود تشریف لا کر اس بات کو ذہن نشین کرا دیں۔ ان دونوں تقاریب کی وجہ سے گورنر جنرل اودھ کی طرف عازم ہوئے۔[1]

---

[1] حکیم نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں: "ہندوستان میں اس وقت انگریزوں سے کئی جگہ لڑائیاں ہو رہی تھیں اور ان کے مصارف بہم پہونچانا گورنر جنرل کا کام تھا اس وجہ سے ہسٹنگز صاحب کے سر پر اس وقت اس قدر بوجھ پڑا کہ شاید ہی کبھی کسی اکیلے شخص پر گو کیسا ہی عالی حوصلہ کیوں نہ ہو اس سے زیادہ پڑا ہو حیدر علی نائک والیِ میسور، فرانسیسی، ولندیزی مرہٹے یہ سب کے سب ایک ہی دفعہ انگریزوں کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور سب سے ہنگامہ کارزار گرم تھا مگر لڑائی بغیر روپے کب ہو سکتی ہے۔ اس لئے گورنر جنرل کو روپیہ فراہم کرنے کی فکر تھی۔"
تاریخ اودھ از نجم الغنی خاں جلد سوم ص ۱۸۰
(نول کشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۹ء)

گورنر ہسٹنگز بہادر بنارس پہونچے۔ مادھو داس کے باغ میں خیمہ نصب کیا۔[1] چیت سنگھ ملاقات کو آیا گورنر نے مولوی علی اصغر کی عرضی جو چیت سنگھ کی برائی پر مشتمل تھی چیت سنگھ کے حوالے کی اور اُس کو تلنگوں کے حوالہ کیا۔ زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہی چیت رام برہمن عصا بردار راجا کی گفت و شنید کے لئے مقرر ہوا۔ وہ گورنر اور راجا کا پیغام ایک دوسرے کو پہونچاتا تھا اور یہ باتیں فساد پر مبنی ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ نیکو سنگھ ایک بہادر جوان نے راجہ کے ایک ساتھی کو محافظ تلنگوں کے قبضہ سے نکالا اور کشتی میں بٹھا کر رام نگر پہونچا دیا۔[2]

اس کے بعد راجا کے آدمیوں نے دریائے گنگا کے دونوں کناروں پر گورنر کے ملازموں اور سپاہیوں کو تہ تیغ کیا اور جو بچ گئے تھے ان کے مارنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اسی اثنا میں مسٹر جانسن بہادر نے گورنر کی خدمت میں آکر کہا کہ اس باغ میں آپ کے ٹھہرنے کا کیا سبب ہے بہتر یہ ہے کہ آپ چنار گڑھ تشریف لے جائیں اور راجہ مہیپت نرائن کے تین سو پیادے حفاظت کے لئے بھیج دئے۔ گورنر جانسن کے ساتھ اُن چوکیداروں کی حفاظت میں چنار گڑھ پہونچا۔ اُس کے بعد انگریزی فوج راجا پر متعین ہوئی۔ راجا نے مقابلہ کیا مگر بعد میں مہاجی سندھیہ کے ملک کی جانب بھاگ گیا۔[3] اسی وقت نواب آصف الدولہ بھی بنارس پہونچا اور گورنر بہادر چنار گڑھ سے آکر اُس سے ملے۔ مہیپت نرائن کو راجا بنا کر نواب وزیر لکھنؤ اور گورنر کلکتے کو لوٹ گئے۔ القصہ راجا اودیت نراین شاہجہاں آباد جا رہا تھا تو فرخ آباد آیا۔ نواب شوکت جنگ کا زمانہ تھا۔ طرفین سے کچھ ملاقاتیں ہوئیں اور لائق نذریں اور تحفہ جات باہمی

---

[1] گورنر جنرل ہسٹنگز ۲۶ شعبان ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۱ء کو بنارس پہونچے۔ (تاریخ بنارس ۶۳۲۴)

[2] ۲۳ اگست ۱۷۸۱ء کو راجا چیت سنگھ رام نگر پہونچے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ بنارس صفحہ ۶۴۶ - ۶۴۷

[3] راجہ چیت سنگھ کا انتقال گوالیار میں غالباً ۱۸۱۰ء میں ہوا۔ اس کے بعد ان کے فرزند بلوان سنگھ آگرہ میں آ گئے۔ ان کے فرزند چکرورتی سنگھ ہوئے ان کے فرزند بیر بھدر سنگھ ہوئے ان کے فرزند کنور بہادر سنگھ ہوئے۔

(تاریخ بنارس صفحہ ۷۰۵۔ تاریخ اودھ جلد سوم صفحہ ۱۸۵)

پیش ہوئے۔

مرزا وزیر علی خاں

وزیر علی خاں کو نواب آصف الدولہ نے اپنا بڑا بیٹا قرار دیا تھا اور اس کو ولی عہد کرنے کی وصیت کی تھی تمام مرد اور عورتوں کو معلوم تھا کہ نواب وزیر کے نطفے سے کوئی لڑکی یا لڑکا نہیں ہے سب لوگ ان باتوں کو دل میں رکھتے تھے اور کوئی بات زبان پر نہیں لاتے تھے۔ وزیر علی کی شادی اشرف علی خاں داروغہ کی لڑکی سے بڑے ٹھاٹ سے ہوئی اُس میں تمام مراسم اسی طرح ادا ہوئے جس طرح اپنے بیٹوں کی شادی میں ادا کئے جاتے ہیں تمام لوگ خاموش رہے۔ نواب کے مرتے ہی تفضل حسین خاں علامہ کو جو اُس وقت نیابت کے عہدہ پر مامور تھے فوراً رزیڈنٹ مسٹر جان سڈین نے طلب کیا اور پھر وزیر علی خاں کو نکال کر مسند نشین ریاست کیا اور ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ "وزیر علی خاں کا زمانہ گیا"۔ وزیر علی خاں شورش پسند، خود رائے تھا اس سے بعض ناشائستہ افعال سرزد ہوئے اور وہ خان علامہ کا مخالف ہو گیا۔ چند بد اطوار لوگ اُس کے دوست ہو گئے۔

جب گورنر جنرل کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو وہ لکھنؤ آیا وزیر علی خاں کی علٰحدگی کے اور یمین الدولہ کے تقرر کے متعلق مشورہ ہوا اور ایک تحریر اعیانِ ریاست کے مشورے اور ان کی مواہیر کے ساتھ لکھی گئی اور وزیر علی خاں کو علیحدہ کر کے بنارس بھیج دیا گیا اور اس کے سالانہ مصارف کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ مقرر ہوا۔ جواہرات جو اُس کے قبضہ میں تھے بدستور اُسی کے پاس رہے۔ نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں کو مسندِ وزارت پر بٹھایا گیا۔ ہر چند وزیر علی خاں نے سرد آہیں کھینچیں اور حسرت کے آنسو ٹپکائے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

وزیر علی خاں بنارس جانے کے بعد مسٹر چیری بہادر کا جو بنارس کا حاکم تھا مخالف ہو گیا اور جو حکم وزیر علی کے بارے میں صدر کلکتہ سے مسٹر چیری کی وساطت سے پہونچتا تھا وہ اُس کی تعمیل میں سرکشی کرتا تھا۔ آخر کار ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء میں وزیر علی خاں نے مسٹر چیری کو معہ دو اور صاحبوں کے

مار ڈالا۔ اور خود وزارت کا مدعی ہوا۔ شاہزادہ مظفر بخت دلدا وسط مرزا جواں بخت کو سلطنت کا لالچ دیا اور ہاتھی پر سوار کر کے اور خود بھی سواری میں بیٹھ کر تمام شہر بنارس میں گلی گلی پھرا۔ وزیر علی خاں نے جب اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو شاہزادے کو بنارس میں چھوڑا خود دریائے گنگا کو عبور کیا اور صحرا نوردی اختیار کی۔ رفتہ رفتہ جے نگر پہونچا وہ وہاں مقیم تھا کہ ہندوستانی اور انگریزی وکیل جے نگر پہونچے وہاں کے راجہ سے چکنی چپڑی باتیں کیں اور وزیر علی خاں کو گرفتار کر کے کلکتہ بھیج دیا اور اُسے سخت قید میں رکھا اور گورنر جنرل اور کارن والس نے اپنی گورنری کے زمانے میں کھیتی باڑی کرنے کی اجازت دے دی تھی وزیر علی خاں نے اسی زمانے میں انتقال کیا۔[۱]

---

[۱] آصف الدولہ کے نطفہ سے کوئی فرزند نہ تھا۔ اس نے ایک غریب لڑکے کو فرزندی میں لیا اور وزیر علی خاں کا نام رکھا جو نہایت ذہین اور خوبصورت تھا علم و ہنر اور انشا کی خوب تعلیم پائی۔ خوش نویسی میں مرزا محمد علی اعجاز رقم کا شاگرد تھا، سواری، شمشیر زنی تیر اندازی اور چوگان بازی میں اس کو خوب مشق تھی۔ آصف الدولہ کے بعد سریرآرائے حکومت ہوا۔ نواب سعادت علی خاں، آصف الدولہ کے بھائی نے اعتراض کیا اس کے تصفیہ کے لئے گورنر جنرل سرجان شور خود لکھنؤ آئے اور وزیر علی خاں کو معزول کر دیا اس کا بنارس میں رہنا طے ہوا۔ وہاں اس نے انگریزوں سے بدلہ لینا چاہا اور انگریزوں کی حکومت کے خلاف ایک محاذ بنایا۔ اطراف و نواح کے زمینداروں، رؤساء اور مقتدر حضرات سے نامہ و پیام کیا۔ انگریزی رزیڈنٹ متعینہ بنارس اور دوسرے انگریزوں کو مار ڈالا۔ اور انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔ آخر میں راہِ فرار اختیار کی مہاراجہ جے پور پرتاب سنگھ نے دھوکا دے کر انگریزوں کے قبضہ میں پہونچا دیا جس سے جے پور کے راجا کی سخت بدنامی ہوئی انگریزوں نے وزیر علی خاں کو کلکتہ کے قلعہ میں قید کر دیا۔ جہاں بحالتِ قید ۱۸۱۷ء میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) تاریخ اودھ جلد سوم ص ۳۶۳ – ۳۸۵

(۲) وزیر نامہ از محمد امیر علی خاں ص ۴۹ – ۵۱ مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء

(۳) قیصر التواریخ جلد اوّل از کمال الدین حیدر نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۷ء ص ۱۳۶ – ۱۴۲

(۴) تاریخ مہاراجگان ہند جلد اول از نجم الغنی خاں ص ۳۴۴ – ۳۴۵ (ہمدم برقی پریس لکھنؤ ۱۹۲۷ء)

(۵) عَلَم و عمل (وقائع عبد القادر خانی جلد اول) مرتبہ محمد ایوب قادری ص ۱۳۴ (ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۶۰ء)

مقالۂ پنجم

نواب امداد حسین خاں بنگش ناصر جنگ

مسند نشینی

نواب ناصر جنگ نواب مظفر جنگ کے بیٹے ہیں۔ اُن کی پیدائش ۱۱۹۷ھ ۱۷۸۲ء میں ہوئی۔ مظفر جنگ کی وفات زہر سے ہوئی اور یہ جرم رستم علی خاں ولد مظفر جنگ پر ثابت ہوا۔ رستم علی خاں، امداد حسین سے ۲ دو سال بڑا تھا تمام ارکان سلطنت نے امداد حسین خاں کو مسند نشین کیا۔ نواب آصف الدولہ جو اُس وقت اطراف الٰہ آباد میں گھوم رہے تھے۔ یہ واقعہ سُن کر سیدھے فرخ آباد پہونچے اور امداد حسین کو مسند نشین اور امین الدولہ کو نائب کیا۔[1]

منشی خدا بخش خاں بادشاہ مرزا محمد اکبر شاہ فرزند شاہ عالم کے حضور میں پہونچے اور موروثی

---

[1] نواب مظفر جنگ کے زہر خورانی کے معاملہ کی تحقیق کے لئے نواب آصف الدولہ اور لیڈن رزیڈنٹ لکھنؤ پہونچے جھاؤ لال نے آتش فتنہ مشتعل کی آخرش نواب امداد حسین ناصر جنگ مسند نشین ہوا اس کی عمر ۱۳، ۱۴ سال تھی امین الدولہ نائب مقرر ہوئے نواب کے لئے پچاس ہزار روپے سالانہ مقرر ہوئے۔

ملاحظہ ہو (۱) تاریخ اودھ جلد سوم صفحہ ۳۳-۳۲-۳

(۲) تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۱۴۰

(۳) وقائع خاندان بنگش (قلمی) صفحہ ۲۱۷-۲۱۸

خطاب معہ اضافہ ناصر جنگ ضابطہ کے موافق خلعت حاصل کیا۔ اور ناصر جنگ بہادر اس اعزازِ شاہی سے معزز و مفتخر ہوا۔[1]

ریاست فرخ آباد کا سرکار کمپنی کے سپرد ہونا

اور جب نواب وزیر الممالک یمین الدولہ سعادت علی خاں بہادر نے روہیلوں کا ملک فرخ آباد اور دوسرے شہر سرکار کمپنی بہادر کو سپرد کئے تو لفٹنٹ گورنر ولزلی بہادر اُن کے نظم و نسق پر مامور ہوئے اور بریلی پہونچے، نواب ناصر جنگ بھی مع اپنے عملہ ریاست کے بریلی گئے اور جانبین سے ایک عہدنامہ مرتب ہوا۔ عہدنامہ کا مضمون ہے۔[2]

عہدنامہ

نواب صاحب ناصر جنگ بہادر اور لفٹنٹ گورنر ہنری ولزلی صاحب بہادر کے انگریزی اور فارسی دستخط اور مہر کے ساتھ مرتب ہوا۔ سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر اور نواب امداد حسین خاں بہادر ناصر جنگ کے مابین سپردگی ملک متعلقہ فرخ آباد بتصرف ہائے سرکاری کمپنی انگریز بہادر سے مقرر ہے اور نواب صاحب ممدوح کے ذمہ واجب الادا ہے عمل میں آیا لیفٹنٹ گورنر ہنری ولزلی صاحب بہادر کو نواب معلی القاب گورنر جنرل اشراف الاشراف مارکوئس ولزلی صاحب بہادر نے اختیار دیا۔ نواب معظم الدولہ اور ناصر جنگ بہادر

---

[1] ملاحظہ ہو وقائع خاندان بنگش صـ ۲۲۱

[2] نواب ناصر جنگ فن موسیقی میں بڑا کمال رکھتے تھے موسیقی کا ایک ماہانہ جلسہ ان کے یہاں ہوتا تھا جس میں بڑے بڑے صاحبِ فن موسیقار شریک ہوتے تھے گانے کے علاوہ پتنگ بازی اور کبوتر بازی سے نواب کو بہت شوق تھا۔ نواب کو عورتوں کا بھی بہت شوق تھا بی بی شرفو اور بی بی غنیموں ان پر بہت اختیار رکھتی تھیں۔ جب امین الدولہ نے نواب ناصر جنگ کے یہ پھن دیکھے تو ان کے پچاس ہزار کی بجائے پچیس ہزار روپے مقرر کر دیئے نواب بددل ہوگئے۔ انھوں نے اپنی ریاست ایک معاہدہ کے ذریعہ انگریزوں کے سپرد کردی

ملاحظہ ہو (۱) تاریخ فرخ آباد (اردو) صـ ۱۴۱

(۲) وقائع خاندان بنگش صـ ۲۱۸ - ۲۱۹

بغرض معاہدہ کے لئے ملاحظہ ہو (۱) تاریخ فرخ آباد اردو صـ ۱۳۲-۱۳۳ (۲) تاریخ ضلع فرخ آباد (دیبی پرشاد) بیان عہدنامہ

کو بذاتِ خود و نیز از طرف وارثان خود نسلاً بعد نسلٍ اور بطناً بعد بطنٍ اختیار حاصل ہے۔ یہ عہدنامہ جو جواہالیان کمپنی انگریز بہادر کو ملک مذکور کی سپردگی کے سلسلے میں ہمیشہ کے لئے پیشکش مذکورہ کے بدلے میں منضبط ہوا۔

دفعہ اوّل:۔ نواب امداد حسین خان بہادر ناصر جنگ اقرار کرتے ہیں کہ تمام و کمال ملک متعلقہ فرخ آباد سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر کی زرِ پیشکش کے عوض میں اپنی رضامندی سے ۱۲۱۰ء فصلی کی ابتدا سے اہالیان سرکار ممدوح کی سپردگی میں کیا۔ نواب صاحب ممدوح کو سوائے مقررہ زمین کے جو ذیل میں آتی ہے اور کس طرح کا دخل اور تعلق ملک مذکورہ سے نہیں ہے اور نہ ہوگا۔

دفعہ دوم:۔ نواب لفٹنٹ گورنر ولزلی صاحب بہادر نواب ناصر جنگ کی عزت اور ریاست کا خیال کر کے اقرار کرتے ہیں کہ مبلغ نو ہزار روپیہ ماہانہ کہ جس کے سالانہ ایک لاکھ آٹھ ہزار ہوتے ہیں۔ نواب ناصر جنگ بہادر کے خرچ کے واسطے بلا تشک و حجت نسلاً بعد نسلٍ اور بطناً بعد بطنٍ ماہ بماہ سرکاری کمپنی سے نواب صاحب ممدوح کی عزت و بزرگی میں کوتاہی نہ ہوگی۔ اور ہمیشہ سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر کے متوسلین میں شمار کئے جائیں گے۔

دفعہ سوئم:۔ مبلغ دو ہزار روپے سالانہ بابت خرچ امام باڑہ بھی نواب صاحب کو پہونچائے جائیں گے۔ اور مبلغ تین ہزار تین سو روپے بنا بر خرچ ڈیوڑھیات نواب مظفر جنگ بہادر مرحوم جو اُمراؤ بیگم صاحبہ کی معرفت تقسیم ہوتے تھے۔ نواب صاحب کو پہونچائے جائیں گے اور نواب صاحب اس کو تقسیم کر کے ہر ایک کا قبض الوصول سرکار کمپنی انگریز بہادر کے خزانہ میں پہونچائیں گے۔

دفعہ چہارم:۔ نواب صاحب ممدوح کی درخواست کے بموجب موضع سرپانعمت پور کے موروثی باغات، شہر فرخ آباد کی نزدلی حویلیاں اور رانی صاحبہ کی املاک اس شرط پر

کہ کوئی دوسرا ان کا حقدار نہ ہو۔ نواب صاحب ممدوح کے قبضہ میں رہیں گے۔
دفعہ پنجم:۔ جب قیود کی تفصیل گزرانی گئی تو حق داروں کے بارہ میں نواب صاحب ممدوح اور خرد مند خاں بہادر میں اختلاف واقع ہوا۔ اور اہالیان سرکار کمپنی انگریز بہادر کو یہ مدِنظر رہا کہ حق داروں کی زندگی بسر کرنے کے لئے کچھ مقرر کرنا ضروری ہے۔ اس واسطے یہ بات طے پائی کہ جو صاحب اس ملک کے بندوبست کے واسطے مقرر ہوگا۔ حقوق تحقیقات کے بعد نواب صاحب کی رائے سے ہر ایک سند رکھنے والے کو جانبین کی مہر اور دستخط سے تنخواہ مقرر کرے گا۔ اس کے موافق یہ ہمیشہ اپنی مقررہ تنخواہ پائیں گے اور تنخواہ مذکورہ کی تقسیم نواب صاحب کی بارگاہ سے ہوگی۔ اور ہر ایک کا مہری قبض الوصول نواب صاحب کے توسط سے اہالیان سرکار کمپنی انگریز بہادر کے پاس پہونچے گا۔
دفعہ ششم:۔ نواب صاحب ممدوح کی ذات شریف پر عدالت کا حکم جاری نہ ہوگا۔ مگر نواب صاحب کے متوسّلین اور لواحقین پر جن کی کچھ تعداد معلوم نہیں عدالت کا حکم جاری ہوگا۔ چونکہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کو یہ منظور ہے کہ اللہ کی مخلوق انصاف کے ساتھ بلا تاخیر با فراغت و فراخی اوقات گزاری کرے۔ لہٰذا یہ بات طے ہوئی کہ اگر کوئی نواب صاحب کے متوسّلین پر نالش کرے تو پہلے معاملۂ مذکورہ کو تجویز کے واسطے نواب صاحب کے حوالے کیا جائے۔ فروگذاشت یا اختلاف تجویز یا اہلِ نالش کی ناراضی کی صورت میں مقدمہ ضرور عدالت میں جائے گا۔
دفعہ ہفتم:۔ نواب صاحب ممدوح کے پاسِ خاطر کی وجہ سے بشرط دولت خواہی اور خیر اندیشی سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر اور نواب صاحب، امام خاں کے پانچ ہزار روپے، مول خاں اور محمدی خاں کے پانچ ہزار روپے۔ منشی خدا بخش صاحب متعین فرخ آباد کے چار ہزار روپے اور شیخ احمد بخش اور شیخ محمد صلاح الدین وکیل کے دو ہزار روپے سالانہ مقرر ہوئے لیکن شرط یہ رہی کہ یہ لوگ سرکار کمپنی بہادر و نواب صاحب کے خیر خواہ اور وفادار رہیں گے۔

دفعہ ہشتم :- آراضی معافی اور املاک، روزینہ، سالانہ اور جاگیر نواب مظفر جنگ بہادر مرحوم کی تجاویز کے بموجب رہے گی۔

دفعہ نہم :- یہ عہد نامہ نو دفعات پر مشتمل ہے۔ چارم جون سنہ ۱۸۰۲ء مطابق سوم ماہ صفر ۱۲۱۷ھ شہر بریلی میں لکھا گیا۔ لفٹننٹ گورنر ہنری ولزلی صاحب بہادر نے اس عہد نامہ کی نقل فارسی اور انگریزی عبارت میں اپنے مہر اور دستخط سے نواب صاحب ناصر جنگ بہادر کے حوالہ کی اور نواب صاحب ناصر جنگ بہادر نے بھی ایک نقل فارسی اور انگریزی کی اپنے مہر اور دستخط سے صاحب معظم کے حوالہ کی۔ اور صاحب معظم نے اقرار کیا کہ وہ اس عہد نامہ کی شرطیں تیس دن کے عرصہ میں نواب معلے القاب گورنر جنرل اشراف الاشراف مارکوئس ولزلی صاحب بہادر کی مہر اور دستخط کرا کے نواب ناصر جنگ بہادر کے حوالہ کریں گے۔

جب نواب ناصر جنگ سے ملک نکل گیا اور نواب امین الدولہ کی ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے تو نقدی وغیرہ کی تقسیم کا کام منشی خدا بخش کے سپرد ہوا۔ بتاریخ ۲۸ ماہ محرم سنہ ۱۲۲۵ھ کو نواب ناصر جنگ کا انتقال ہوا۔ اور نواب شوکت جنگ رئیس قرار پائے چونکہ نواب شوکت جنگ کم عمر تھے اس لیے تمام کام منشی خدا بخش کے اختیار میں رہے ذیل کے اشعار نواب ناصر جنگ کے ہیں:-

بکھری ہوئی چہرے پہ پڑی زلف سیاہ ہے ——— زنجیر ہے یا دام ہے ناگن ہے، بلا ہے
وہ دست حنا بستہ ہاتھ میں ہے آج ——— رنگین یہ مضمون مرے ہاتھ لگا ہے

نواب سعادت علی خاں سعادت علی خاں کی پیدائش سنہ ۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء میں ہوئی جس وقت شاہ عالم بادشاہ وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ کی درخواست اور آرزو کے موافق الہ آباد سے فیض آباد آئے تھے تو نذرانہ کے مراسم اور شاہانہ دعوتوں کا اہتمام ہوا نواب شجاع الدولہ چند قدم ساتھ چلے اور پھر جناب یمین الدولہ کو شاہ عالم کے ساتھ کر دیا تھا اُس وقت سے سعادت علی خاں بارگاہِ حضور پر نور میں باریاب تھے جب نواب شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلوں سے ملک کو فتح کر کے قبضہ کر لیا تو بیٹے پایا کہ پرانا ملک آصف الدولہ

کے قبضہ میں اور نیا ملک یمین الدولہ کے قبضہ میں رہے۔ چنانچہ اسی کے موافق نئے ملک پر یمین الدولہ کو مامور کر دیا گیا۔

نواب شجاع الدولہ کی وفات کے بعد مختار الدولہ کا دور دورہ ہوا۔ رزیڈنٹ کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ ریاست میں شرکت فساد کا موجب ہے۔ اس لئے ریاست آصف الدولہ پر منحصر ہو گی اور یمین الدولہ کو روہیلوں کے ملک سے بلا لیا جائے۔ ہر چند یہ کام یمین الدولہ کی مرضی کے خلاف تھا مگر مجبور تھا۔ ناچار آصف الدولہ کی عزت اور عظمت کی وجہ سے وہ اس ملک سے واپس آ گیا اور لکھنؤ میں رہنے لگا۔

سنہ ۱۱۹۰ھ میں مختار الدولہ مارڈالا گیا۔ سعادت علی خاں نے علامہ تفضل حسین اور دوسرے چند آدمیوں کے ساتھ دریائے جمن کو عبور کیا۔ راستہ کی سختیاں جھیل کر قلعہ ڈیگ پہونچے اور وہاں نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر سے ملے ذوالفقار الدولہ نے بڑی عزت و تعظیم سے ان کا خیر مقدم کیا۔ چند پرگنہ بیانہ وغیرہ سات لاکھ روپے کی جمع کے اس کے خرچ کے لئے مقرر کئے۔

گورنر ہسٹنگز کو جب معلوم ہوا تو اس نے سعادت علی خاں کو لکھا کہ لکھنؤ تشریف رکھو اور چار لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کے لئے ہم سے لو۔ جب تک بڑے بھائی زندہ رہیں کسی قسم کا اندیشہ نہ کرو۔ جب آصف الدولہ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے لکھا کہ تمھارا لکھنؤ میں رہنا ہماری عین خوشی ہے لیکن ان دو آدمیوں خان علامہ اور خواجہ غلام حسین خاں عرف بڑے مرزا کو اپنے سے الگ کر دو۔ یہ دونوں بمقتضائے صلاح وقت الگ ہو گئے۔ سعین الدولہ کے لکھنؤ پہونچنے کے بعد یہ دونوں بنارس میں مقیم ہوئے۔ سنہ ۱۱۹۱ھ میں بنارس پہونچے اور درگا کنڈ کے کنارے پر مکان بنایا بیس سال تک اس میں رہے۔

آصف الدولہ کی وفات کی اطلاع کے بعد مرزا وزیر علی خاں مسند نشین ہوئے۔ مرزا وزیر علی خاں کی بے عقلی کی بابت استفسار کرنے کے لئے گورنر جان شور لکھنؤ کے عازم ہوئے

مشورہ کے بعد یمین الدولہ کے لئے راج محل میں رہنے کی صورت پیدا ہو گی۔ مرزا وزیر علی خاں معزول ہوا۔ وزیر علی خاں کی معزولی کے دن یمین الدولہ لکھنؤ پہونچے۔ اور آصف الدولہ کی والدۂ ماجدہ کو نذر گذراننے کے بعد ۱۴ رشعبان ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۸ء) کو مسند وزارت پر بیٹھے۔ مسند نشینی کے مراسم ادا ہوئے سرفراز الدولہ نے اپنی مہر سے کلمۂ ناظم الملک نکال دیا اور افتخار الملک کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ رائے رتن چند کی شرکت میں نیابت کا کام انجام دیتا رہا۔

یمین الدولہ سعادت علی خاں کے عہد میں تین صاحب رزیڈنسی کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ کرنیل اسکاٹ، کرنیل کالنس اور کرنیل جان بیلی جن کو بادشاہ مرزا اکبر شاہ کی بارگاہ سے افضل الملک عماد الدولہ ارسلان جنگ بہادر کا خطاب ملا ہے یہ ہندوستان سے جانے کے بعد لندن میں ایک بڑی خدمت پر مامور ہوا ہے ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۴ء) یمین الدولہ نے وفات پائی اس کی وفات کا مصرعہ تاریخ ہے:۔

آہ شد گنج سعادت در زمیں

نواب غازی الدین حیدر

اُس کی وفات کے وقت جان بیلی لکھنؤ کا رزیڈنٹ تھا اور کلکتہ میں لارڈ گورنر جنرل ماٗرا بہادر تھا۔ یمین الدولہ کی وفات کے بعد ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴-۵ء) میں اُس کا بڑا لڑکا نواب غازی الدین حیدر منصب وزارت پر فائز ہوا۔ غازی الدین بسولی کے اطراف میں پیدا ہوا اس وقت نواب شجاع الدولہ اس علاقہ میں حافظ رحمت خاں پر فتح پانے کے بعد ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ نواب غازی الدین حیدر نے بادشاہ بننے کا خیال کیا وزارت موروثہ سے دست بردار ہو کر اپنے آپ کو بادشاہ کے نام سے موسوم کیا اور تخت سلطنت پر جلوس کیا اس مصرعہ سے اُس کی تخت نشینی کی تاریخ نکلتی ہے[۵۱] ع خرد گفتا کہ ظل اللہ گردید

---

۵۱ ۱۸۱۴ء میں جب لارڈ ماٗرا گورنر جنرل نے دہلی و اطراف کا دورہ کیا تو اس نے مغل بادشاہ اکبر شاہ سے ملاقات اس شرط پر چاہی کہ وہ نذر سے مستثنےٰ رہے اور اس سے مساوی طور پر ملاقات ہو۔ اکبر شاہ ثانی نے کہا کہ لارڈ ماٗرا شاہ انگلستان کا نائب ہے لہٰذا اس سے مساوی درجہ پر ملاقات نہیں کی جا سکتی اس کو نذر پیش کرنی چاہیئے اور درباری آداب و رسوم کے مطابق دربار میں حاضر ہونا چاہیئے چنانچہ لارڈ ماٗرا نے بادشاہ سے ملاقات نہیں کی اور انتقام کے طور پر غازی الدین حیدر کو بادشاہ کا لقب اختیار کرنے کا مشورہ دیا ۱۸۱۹ء میں غازی الدین حیدر کی بڑی دھوم دھام سے بادشاہ کا خطاب اختیار کرنے کی تقریب منائی گئی ملاحظہ ہو قیصر التواریخ جلد اول ص ۲۴۳-۲۴۵ تاریخ اودھ جلد چہارم ص ۱۳۹-۱۴۶

وزارت اور تمام امور سلطنت کا اختیار معتمد الدولہ سید محمد خاں ضیغم جنگ کے سپرد ہوا۔ راقم نے اُس کی تاریخ "وزیر اعظم" کہی ہے۔ غازی الدین حیدر کے بعد ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۷ء) [۱۲۳۴ھ (۱۹-۱۸۱۸ء)] میں اُس کا لڑکا مرزا نصیر الدین حیدر تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس نے ضیغم جنگ کو قید کر دیا۔

منشی خدا بخش خاں متخلص بہ کامل

شیخ نظام الدین امیٹھی[۱] بندگی کی اولاد میں تھے۔ ایک مدت تک انگریزوں کی ملازمت کر چکے ہیں۔ نواب مظفر جنگ کے زمانہ میں کرنل پامر بہادر اور بخشی گرانٹ بہادر کے ہمراہ فرخ آباد میں آئے اس شہر کے لوگوں کے ساتھ راہ و رسم بڑھائی اور جب ملک سرکار انگریز بہادر کو سونپا گیا تو منشی خدا بخش نے اپنے لئے بھی کچھ اختیار حاصل کیا۔ نواب شوکت جنگ کی ریاست کے ابتدائی زمانے میں بھی ان کا اختیار رہا۔ اور جب شوکت جنگ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو شوکت جنگ کی درخواست پر انگریزی کونسل کے سرداروں کے حکم سے منشی خدا بخش بے اختیارات لے لئے گئے۔ لیکن اُن کی ماہانہ رقم مبلغ چار ہزار روپیہ بدستور مقرر رہی جو اُن کے مرنے کے بعد موقوف ہو گئی۔

منشی خدا بخش شاعر بھی تھے انگریزوں اور ہندوستانی امراء میں جو لڑائیاں ہوئیں ان کو شاہنامہ کی بحر میں نظم کیا ہے۔

جب محمد اکبر بادشاہ کے حضور میں شوکت جنگ کے خطابات کی درخواست کے لئے پہونچے۔ صبح صادق کے وقت باریابی ہوئی۔ بادشاہ نے اشعار پڑھنے کا حکم دیا۔ حسب ذیل غزل سُنائی:-

غنچہ آسا لبِ خاموش تو وا شد دمِ صبح — آخر آہِ دلِ من رشکِ صبا شد دمِ صبح
جبہ بر پائے تو سودم بادبِ وقتِ نماز — از من امروز عجب فرض ادا شد دمِ صبح
بر سرم آمدی اے ماہ جبیں چوں خورشید — آں کدورت کہ بشبم بود صفا شد دمِ صبح
تا فتم او چو ز مسجد ورت آمد بنظر — بخت برگشتہ مرا قبلہ نما شد دمِ صبح

---

[۱] شیخ نظام الدین امیٹھوی کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۵۲۴

شد چو گل سوئے من امروز دہانت خنداں — حاجتے کز تو دلم داشت روا شد دمِ صبح

خواستی رخصت و گریاں قدمت بوسیدم — خونِ چشمِ من غمدیدہ حنا شد دمِ صبح

آمدی با کرم از بہر عیادت سویم — شاد ام از دردِ دلِ خود کہ دوا شد دمِ صبح

کردہ اندوہ مرا وصل تو با عیش بدل — شب از من زدہ سر نالہ نوا شد دمِ صبح

در چمن رفتم و سرو از قدش آورد نیاز — کامل از شورِ دلم حشر بپا شد دمِ صبح

۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں منشی خدا بخش نے وفات پائی [1]

---

[1] منشی خدا بخش کے حالات "تاریخ حقیقہ میٹھی" مرتبہ شیخ خادم حسین (مطبوعہ) میں ملاحظہ ہوں

مقالۂ ششم

نواب خادم حسین خاں شوکت جنگ

مسند نشینی ناصر جنگ بہادر کی وفات کے بعد ان کے دو لڑکے اور ایک لڑکی باقی رہی لڑکوں میں بڑے لڑکے خادم حسین خاں بہادر ملقّب بہ شوکت جنگ ہیں اور چھوٹے لڑکے ملقّب بہ نصرت جنگ ہوئے۔ لڑکی کی شادی فیروز جنگ پسر نواب علی خاں ولد نواب دل دلیر خاں سے ۲۸ ماہ صفر ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء کو ہوئی ناصر جنگ کی وفات کے وقت جو انگریزی فوج اطراف کانپور میں تھی شوکت جنگ کی مسند نشینی کی رسم میں شامل ہوئی۔ جب جرنیل صاحب تشریف لائے تو نہایت معقول طریقہ سے مسند نشینی ہوئی بڑی شان شوکت سے سواری کے ساتھ جلوس نکلا شہر کو آخر کنارے تک سجایا گیا۔[1]

انتقال ایک مرتبہ شوکت جنگ اپنے تمام ملازمین اور متعلقین کے ساتھ روضۂ صاحبقران ثانی شاہجہاں کا دیکھنے کی غرض سے اکبر آباد گئے۔ مع الخیر واپسی ہوئی۔ اس کے بعد تنہا شاہجہاں آباد گئے۔ وہاں سخت بخار اور چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ ۲۹ ماہ شوال ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۳ء کو انتقال کیا۔ انگریزی حکام نے جو وہاں تھے اہل اسلام کے عملہ کے ساتھ

---

[1] ملاحظہ ہو وقائع خاندان بنگش (قلمی) صفحہ ۲۲۷

اُن کی نعش دفن کرنے کا حکم دیا[۱]۔ چنانچہ اُسی حکم کے موافق شاہ مرداں میں جو ایک عظیم الشان عمارت نواب بہادر جاوید خاں خواجہ سرا بادشاہی کی تعمیر کردہ ہے ان کی لاش دفن ہوئی چند ماہ کے بعد ان کی لاش فرخ آباد لائی گئی اور نواب مظفر جنگ کے مقبرہ میں دفن کیا۔[۲]

شوکت جنگ کے لڑکے نواب تجمل حسین خاں بہادر یکم ماہ جمادی الثانی ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ شوکت جنگ کی وفات کے وقت اُن کی عمر دو برس سے بھی کم تھی۔ دربار کے تمام لوگ تجمل حسین خاں کے نیک اطوار اور عمدہ اوصاف متفقہ طور سے بیان کرتے ہیں ؎

فصلے کہ نکوست از بہارش پیدا

نواب تجمل حسین خاں[۳] صغیر سن تھے اس لئے انگریزی حکام کی تجویز سے ان کی نگہداشت اور مستورات و اطفال کی خدمت کے لئے ممتاز العلما قاضی سعید الدین خاں مقرر ہوئے تین

---

[۱] ملاحظہ ہو وقائع خاندان بنگش (قلمی) صفحہ ۲۲ و تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۱۳

[۲] نواب شوکت جنگ بڑے حلیم اور بردبار تھے انھوں نے اپنے آبا و اجداد کی طرح کسی ایک شخص کو بھی چیلا نہیں بنایا۔ نواب کے باورچی خانہ کا گیارہ روپے روز کا خرچ تھا اور داروغہ مطبخ کا نام حافظ غلامی تھا نواب شوکت جنگ نے بیسل پور (ضلع پیلی بھیت) کے قریب گورنر جنرل سے ملاقات کی اور خلعت حاصل کیا نواب کو تیر اندازی میں بڑا کمال حاصل تھا۔ نواب کے چار اُستاد حافظ غلامی، میر فیض علی خادم علی خاں خوش نویس اور لالہ سکھ لال کائستھ تھے۔ شوکت جنگ کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا درج ذیل دو شعر مولف وقائع خاندان بنگش نے درج کئے ہیں ؎

رہیں ہیں یک نشانِ رفتگاں ہم — مثالِ نقشِ پائے رہرواں ہم
سمجھ کر بہت بیت بحثی کر تو بلبل — پڑھے ہیں گے گلستانِ بوستاں ہم

(ملاحظہ ہو وقائع خاندانِ بنگش صفحہ ۲۲ - ۲۳۴)

[۳] نواب تجمل حسین خاں کا خطاب ظفر جنگ تھا۔ انھوں نے پچیس سال کی عمر پائی۔ ۱۸ ذی قعدہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۴۶ء کو انتقال ہوا (تاریخ فرخ آباد اردو صفحہ ۱۵) مرزا غالب دہلوی کی بدولت نواب تجمل حسین خاں کو بقائے دوام حاصل ہو گیا ہے مرزا غالب فرماتے ہیں ؎

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے — بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے
زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے
نصیرِ دولت و دیں اور معینِ ملت و ملک — بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستاں کے لئے
زمانہ عہد میں اس کے ہے محوِ آرائش — بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لئے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے — سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

نواب تجمل حسین خاں کے بعد ان کے چچا زاد بھائی نواب تفضل حسین خاں بن نواب نصرت جنگ رئیس خاندان مقرر ہوئے جنھوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں فرخ آباد میں علم آزادی بلند کیا جس کے نتیجہ میں حجاز چلے گئے۔ نواب صدیق حسن خاں نے ان کو تجمل حسین خاں لکھ دیا۔ ابقاء المنن بالقاء المحن مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۳۰۵ھ صفحہ ۹۹ نواب صدیق حسن خاں کی تحریر کے بعد بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور انھوں نے اس غلطی کا اعادہ کیا

سال تک وہ اِس خدمت پر مامور رہے اُن کی معزولی کے بعد قاضی ابوالحسین خاں مقرر ہوئے اُن کے بعد احمد یار خاں فرزند نواب ذوالفقار خاں بہادر مرحوم مقرر ہوئے۔

شوکت جنگ کو شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ چنانچہ ذیل میں اُن کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں۔

بسانِ نقش پائے رہرواں ہم — رہے ہیں ایک نشانِ رفتگاں ہم
سمجھ کر بیت بحثی کر تو بلبل — پڑھے ہیں گلستاں اور بوستاں ہم

سینۂ داغدار کی صورت — بن گئی لالہ زار کی صورت
دیکھو سیماب سے مشابہ ہے — اس دلِ بے قرار کی صورت
ہوش بھی اور کی برنگ حنا — دیکھ کر اُس نگار کی صورت
دیکھے شوکت جو روئے جاناں کو — پھر نہ دیکھے بہار کی صورت

ہو رہے ہو جو تم خفا مجھ سے — کون سی ہو گئی خطا مجھ سے
غیر ہو جائے غرقِ بحرِ فنا — تو اگر ہووے آشنا مجھ سے

چشم تر ہے جو تیری اے شوکت
کچھ بیاں کر تو ماجرا مجھ سے

قاضی سعید الدین خاں مخاطب بہ ممتاز العلما، ~~~۱۱۸۰ھ~~ ۱۷۶۶ء میں پیدا ہوئے[1]۔ لکھنؤ اور سندیلہ کے فضلائے کرام اور اپنے والد بزرگوار سے تحصیلِ علوم کی۔ کچھ عرصہ اپنے والد ماجد کے ساتھ کلکتہ میں رہے اور وہاں کے

---

[1] "روز نیکو سعید پیدا گشت" سے سالِ پیدائش نکلتا ہے نہایت عالم و فاضل تھے تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد ملا عماد الدین اور مولوی فضل اللہ سے پائی۔ شاہ بدر علی کے مرید ہوئے۔ نواب سعادت علی خاں اور بادشاہ دہلی کے دربار میں رسائی اور تقرب حاصل تھا۔ سرکار انگریزی کی طرف سے چھ سو روپے مشاہرہ پر فرخ آباد میں خورد سال نواب کی نگہداشت کے لئے رہے اُردو اور فارسی میں شعر خوب کہتے تھے۔ تذکرہ گلشن بے خار (شیفتہ) اور تذکرہ صبح گلشن (نواب حسن علی خاں) میں ان کا ذکر ہے۔ ۸۲ سال کی عمر میں ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں انتقال ہوا۔

(۱) تذکرہ مشاہیر کاکوری صفحہ ۱۸۹ — ۱۹۳
(۲) سفیر اودھ صفحہ ۲۷

اکابر سے تعارف حاصل کیا۔ جب وزیر ممالک یمین الدولہ سعادت علی خاں بہادر نے علاقہ روہیلکھنڈ وغیرہ انگریزوں کے سپرد کیا تو علاقہ بریلی کے افسر اپیل مقرر ہوئے۔ نہایت عزت اور بزرگی سے اوقات بسر کرتے تھے ۱۲۳۹ھ م ۱۸۲۳ء میں رئیس فرخ آباد کے نائب ہوئے۔ شرفا و عوام کے ساتھ نہایت سخاوت و مُروّت کا برتاؤ کرتے تھے اُن کے حُسن صورت و سیرت کا بیان نہیں ہو سکتا بڑے فراخ دست اور عالی حوصلہ تھے اس لئے اکثر بڑے قرضوں میں مقروض رہے۔ علوم عربی اور فارسی میں ان کو یدِ طولےٰ حاصل تھا۔ حسین قلی خاں عاشقی نے ذیل کے اشعار اُن کی تعریف میں لکھے ہیں:ـ؎

زذوق نثر شگرفش قلم مسیحا دم ۔۔۔ ذوق زرونقِ نظمش نگارخانہ چیں

بیاض شعر ترش آبروئے آبحیات ۔۔۔ سواد خامہ اور نور چشم اہل یقیں

اور کبھی شعر گوئی کی طرف بھی ان کا میلان طبیعت ہوتا ہے۔ حسب ذیل شعر ان کا ہی ہے ؎

یار مارا با غبار سرے پیدا شد

در دلِ داشتم در دسرے پیدا شد

قاضی نجم الدین علی خاں محمد نجم الدین علی خاں متخلص بہ ثاقب حکومت انگلشیہ کے مقبوضہ شہروں میں عہدِ قضا پر مامور رہے نہایت خوبی اور نیک نامی سے اپنے فرائض انجام دیے۔ ادنیٰ و اعلےٰ کے ساتھ رعایت، مُروّت اور سخاوت ملحوظ رکھتے تھے۔ عہدۂ قضا پر آخر عمر تک رہے۔ پیرانہ سالی کی وجہ سے اس عہدہ سے استعفا دیا۔ اپنے وطن کاکوری لوٹتے ہوئے شہر بنارس میں ایک خفیف سے مرض میں انتقال ہوا۔ اُن کو ہر فن میں کمال حاصل تھا کہ مختلف صاحبان فن اس کا اقرار کرتے ہیں۔ کتاب الحدود اور کتاب الجنایات (فتاویٰ عالمگیری) کا انھوں نے ترجمہ کیا ہے۔ ان کا رسالہ تحقیق تعزیرات رسالہ تحقیق تواریخ شمسی و قمری اور رسالہ تحقیق مسائل جبر و مقابلہ نہایت عمدہ ہیں اور کبھی کبھی شعر بھی کہتے ہیں ذیل کے اشعار انھیں کے ہیں[1]

---

[1] قاضی نجم الدین خاں کے والد کا نام مولوی حمید الدین تھا کاکوری کے علوی ملک زادے تھے سرکار انگریزی کی طرف سے کلکتہ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

من در طلبش بہر درے پیوستم ازدست کسے نداد مطلب دستم
یک جذبہ ز دوست کار من کرد تمام المنۃ للہ کہ زمنت رستم

اور اُن ہی قاضی القضاۃ کے دوسرے بیٹے مولوی حکیم الدین[۵۱]، مولوی علیم الدین[۵۲] اور

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ)

قاضی القضاۃ رہے۔ اعلیٰ تصنیف و تالیف ان سے یادگار ہیں "المنوذجی" ان کا علمی سرمایہ ہے۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۱۳ء میں انتقال کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے :-

(۱) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۵۰۹ - ۵۱۲ (۲) مفتاح التواریخ صفحہ ۳۷۷

(۳) سفیر اودھ صفحہ ۱۰ - ۲۴ (۴) نفحۃ الیمن صفحہ ۱۴۶

(۵) علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول صفحہ ۱۴۴ - ۱۴۵

(۶) نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۴۹۷ - ۴۹۸ (۷) تذکرہ مشاہیر کاکوری صفحہ ۴۳۲ - ۴۳۸

۵۱ مولوی حکیم الدین ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ علوم متعارفہ کی تحصیل اپنے والد ملا عماد الدین لبکنی اور مولوی فضل اللہ نیوتنوی سے پائی حضرت شاہ محمد کاظم کے مرید اور عدالت ججی میں سررشتہ دار تھے پھر صدر امین ہوئے اور صدر الصدوری سے پنشن یاب ہوئے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی ایک عالی شان کوٹھی بنوائی کُتب بینی کا بہت شوق تھا۔ جمادی الاول ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں وفات پائی۔ ملاحظہ ہو تذکرہ مشاہیر کاکوری ص ۱۳۲ - ۱۳۳

۵۲ مولوی علیم الدین بڑے عالم و فاضل تھے ملا عماد الدین لبکنی، مولوی فضل اللہ اور مولوی عبد الواحد خیر آبادی سے تحصیل علم کی پہلے مفتی پھر قاضی مقرر ہوتے۔ علم بہت حاضر تھا۔ شاہ محمد کاظم سے بیعت تھے۔ وجع الصدر کے عارضے میں ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۴۱ء میں فوت ہوئے۔ ان کے صاحبزادے مولوی رضی الدین، ریاض الدین اور مولوی مسیح الدین مشہور ہیں۔

مولوی مسیح الدین (ف ۱۸۸۱ء) واجد علی شاہ اودھ کے معاملہ کی پیروی کے لئے لندن گئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے

(۱) تذکرہ مشاہیر کاکوری ص ۲۸۷ - ۲۸۹

(۲) سفیر اودھ ص ۲۴ - ۲۸

(۳) علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول صفحہ ۱۴۵

مولوی خلیل الدین[۱] ہیں سب مجمع کمالات و فضائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان کو ہمیشہ سلامت رکھے۔

قاضی ابوالحسن بدایونی

قاضی صاحب علم و فضل میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ خاندانی آدمی ہیں۔ اُن کے والد مولوی ابوالمعانی[۲] ایک فاضل شخص تھے گویا اُن کا نام اُن کی حقیقت کا مصداق تھا۔ اُن کے دادا مولانا عبدالغنی[۳] اپنے ہمعصروں میں بے نظیر تھے انھوں نے حواشی زاہدین پر حاشیئے لکھے ہیں۔ اُن کے جدِ اعلےٰ مُفتی درویش محمد[۴] تھے جو حافظ رحمت خاں کے زمانے میں بریلی میں خدمت افتا پر مامور تھے اور

۱؎ مفتی خلیل الدین نہایت ذکی و ذہین تھے تحصیل علم اپنے والد اور مولوی روشن علی جونپوری سے کی مسٹر ہارنگٹن ممبر کونسل کی فرمائش سے باب التعزیرات (درمختار) کی فارسی میں شرح لکھی جو کلکتہ میں طبع ہوئی ہے عربی خوب لکھتے تھے۔ شیخ احمد یمنی سے اصلاح لی تھی۔ علم حکمت اور ریاضی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے لکھنؤ میں انہی کی تجویز و اہتمام سے رصدخانہ قایم ہوا۔ ان کی تصانیف میں قرأۃ الاقالیم رسالہ دربیان جغرافیہ طرقا و شوارع احاطہ اودھ (فارسی) رسالہ طول البلد وغایۃ النہار (فارسی) رسالہ در تحقیق مرض ہیضہ (عربی) قابل ذکر ہیں۔ ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں انتقال ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:-

(۱) تذکرہ مشاہیر کاکوری ص ۱۴۶-۱۵۱ (۲) سفیر اودھ ص ۲۵

(۳) علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۱۴۵-۱۴۶

۲؎ ابوالمعانی بن مولانا عبدالغنی فقہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ تمام عمر درس و تدریس کا مشغلہ رہا نہایت متوکل اور گوشہ نشین بزرگ تھے۔ ملاحظہ ہو اکمل التاریخ جلد اوّل ص ۴۰

۳؎ مولانا عبدالغنی اپنے والد اور مولوی محمد علی بدایونی (ف ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء) کے شاگرد اور مولوی محمد سعید جعفری کے مرید تھے اپنے زمانے کے نامور عالم تھے۔ رسالہ میر زاہد اور رسالہ قطبیہ پر حواشی لکھے ہیں ۲۷ رمضان ۱۲۰۹ھ میں بدایوں میں انتقال ہوا۔ مولوی محمد یعقوب ضیاء بدایونی مولف اکمل التاریخ (جلد اوّل) نے مفتی عبدالغنی کے رہیلوں سے جو تعلقات دکھلائے ہیں وہ قطعی غلط ہیں۔ ملاحظہ ہو اکمل التاریخ جلد اوّل ص ۲۹-۳۹

۴؎ مفتی درویش محمد بن شیخ محمد، محرم ۱۱۸۳ھ میں فوت ہوئے۔

(اکمل التاریخ جلد اول ص ۲۹)

ان کے بعد اس عہدہ پر ان کے فرزند مفتی محمد عیوض مامور ہوئے جو دیانت داروں، پرہیزگاروں کے پیشوا تھے[1]۔ قاضی ابوالحسن نے چند سال علاقۂ بریلی کے مرافعۂ ثانی کے عہدۂ افتا پر گذارے اور ممتاز العلماء کے نکلنے کے بعد علاقۂ بریلی کے عہدۂ قضا پر چند سال رہے پھر ممتاز العلماء کے معزول ہونے کے بعد رئیس فرخ آباد کی سند نیابت حاصل ہوئی اور فرخ آباد میں سرگرم خدمت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو تادیر سلامت رکھے[2]۔

نواب احمد یار خاں یہ نواب ذوالفقار خاں کے بیٹے اور حافظ رحمت خاں کے پوتے ہیں جو نواب شجاع الدولہ کے مقابلے میں شہید ہوئے اور نواب احمد یار خاں قاضی ابوالحسن کے معزول ہونے کے بعد نواب تجمل حسین خاں کی ریاست کے کام انجام دینے کے لئے نیابت کے عہدے پر مامور ہوئے۔ جیسا کہ چاہیئے انتظام و بندوبست کیا اپنی نیک عادات اور خوش تدابیر میں بے مثل ہیں۔ دُنیا و آخرت میں انھیں ترقیات نصیب ہوں[3]۔

---

[1] مفتی محمد عیوض پر راقم کا ایک طویل مقالہ العلم کراچی (بابت جنوری تا جون ۱۹۵۵ء) میں شائع ہو چکا ہے۔

[2] مفتی ابوالحسن نے اپنے خاندان کے اہل علم کے علاوہ مولوی قدرت علی گوپاموی سے بھی تحصیل علم کیا۔ حضرت اچھے میاں مارہروی کے مرید ہوئے سرکار انگریزی کی طرف سے بریلی کے مفتی اور پھر صدر الصدور مقرر ہوئے۔ حسن تخلص تھا۔ بریلی میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو

الکمل التاریخ جلد اول صفحہ ۴۱ - ۴۲

[3] نواب احمد یار خاں نہایت ذی علم تھے۔ اُردو و فارسی میں کئی کتابیں لکھیں۔ فارسی کا ایک مطبوعہ مولود شریف موجود ہے۔ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں عید الفطر کے دن انتقال ہوا۔ چھ ماہ کے بعد لاش فرخ آباد سے بریلی لائی گئی۔ حافظ الملک کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ ملاحظہ ہو

حیات حافظ رحمت خاں از سید الطاف علی بریلوی ص ۳۳۱-۳۳۲

نواب محمد قاسم خاں یہ نواب محمد ناصر خاں کے بیٹے اور نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کے داماد ہیں۔ نواب شوکت جنگ کے زمانے میں شہر فرخ آباد میں آئے اور شوکت جنگ کے توسل سے ہی اس شہر میں قیام کیا اور عزت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ علم عربیہ میں محمد ابراہیم بنارسی کے شاگرد ہیں۔ محمد ابراہیم نے مولوی فائق علی سے علم حاصل کیا ہے، مولوی فائق علی، مولانا عبدالعلی ملک العلما کے اجل شاگردوں میں ہیں۔ مولوی محمد ابراہیم کے بزرگ انگریزوں کے ہمراہ شہر فرخ آباد میں آئے۔ مولوی ابراہیم راقم السطور پر مہربانی وعنایت فرماتے تھے۔ ان دنوں شہر لکھنؤ میں مقیم اور عدالتی کاموں پر مامور ہیں۔

نواب محمد ناصر خاں شہر فرخ آباد کے اطراف میں جب منتظم الدولہ مہدی علی خاں کا قیام تھا تو نواب محمد ناصر خاں بھی اس شہر میں وارد ہوئے۔ راقم السطور نے انھیں دیکھا تھا۔ وہ ایک کامل شاعر تھے۔ صاحب مثنوی ہیں انھوں نے لیلے مجنوں کا قصہ لکھا ہے۔ غزل بھی اچھی کہتے تھے۔ ذیل کا شعر اُنھیں کا ہے ؎

آں شوخ را بپرس کہ بر من چساں گزشت
خنجر کشیدہ آمدہ، دامن کشاں گزشت

محمد قاسم خاں بھی عمدہ شعر کہتے ہیں۔ ذیل کے اشعار اُن ہی کے ہیں ؎

ہر شب ز روز فرقت ستم و نفس شماری — تو بخواب ناز مستی چہ خبر ز درد داری
دل و دین و عقل و ہوشم ہمہ بردۂ ولیکن — منم و طواف کویت بامید جاں سپاری
نیست افسوس کہ خون من بسمل برود — حسرت ایں است کہ جان در تن قاتل برود

ولایت فرنگ۔ پاپائے روم پہلے زمانے میں یہ ولایت روم سے علاقہ رکھتی تھی اور وہاں کے مختار اعلیٰ کو پاپا کہتے تھے وہ ایک ایسا شخص تھا جو روسائے نصاریٰ کو مسند ریاست پر بٹھاتا تھا اور اُن سے خراج لیتا تھا، ہر شخص آخرت کی نجات کی اُمید کی بنا پر اس سے تعلق رکھتا تھا اور اس پیشکش کے بدلے میں زندگی گزارتا تھا۔ اس کے تابعین کو لوگ پادری

کہتے تھے جو اُس کی نیابت کے طور پر اطراف ملک میں گھومتے پھرتے تھے یہی طریقہ ہمیشہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۱۵۲۷ء مطابق سنہ ۹۳۳ھ میں ایک انگریز رئیس کی سعی سے یہ بندوبست درہم برہم ہوا۔ اور تمام روسا نے متفق ہو کر پاپا کی اطاعت چھوڑ دی اور فیصلہ کیا کہ ملک کی آمدنی اور لڑائیوں کے غنائم کی تین قسمیں ہونی چاہئیں۔ ایک تو فوج کا حق دوسرا پاپا اور اُس کے پیروؤں کا حق اور تیسرا رئیسوں کا حق، پاپا کا نام عبادت گاہوں میں نہ لیا جائے اور بتوں کی تصویریں عبادت خانوں سے نکال دی جائیں۔ انجیل کا عبرانی زبان سے مروجہ زبان میں ترجمہ ہو، تاکہ پاپا اور پادریوں کی ضرورت نہ رہے۔ ابتدا میں جو روسا پاپا کے موافق تھے بعد میں وہ بھی اس سے منحرف ہو گئے اور ان ہی کے ساتھ متفق ہو گئے۔

ملک فرنگ کا شرقی اور شمالی حصہ یونان اور روم ہے اور اُس کے جنوب میں خلیج مغرب ہے جو ملک فرنگ اور عرب کے درمیان حد فاصل ہے۔ غربی شہر بادشاہ اسلام کے قبضہ میں ہیں جو حسینی نسب سید ہے[1] مُلک فارس اُس کا تخت گاہ ہے۔ تمام فرنگستان (یورپ) میں چند قومیں مستقل طور پر سلطنت کا دعویٰ رکھتی ہیں۔ پرتگیش۔ استانبول۔ فرانسیس۔ ولندیز۔ الیمان۔ (جرمن) دینامار۔

اور انگلش جو انگریز کے نام سے مشہور ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی جو ملک انگریزوں کے قبضہ میں ہے اُس کو انگلینڈ کہتے ہیں۔ اور اُس کا دارالحکومت لندن ہے۔ کمپنی سوداگروں کی ایک جماعت ہے یہ کمپنی بادشاہ انگلستان کی اجازت سے دُنیا میں تجارت کرتی ہے۔ اس اجازت کے عوض میں ہر سال کئی لاکھ روپیہ بادشاہ انگلینڈ کی سرکار میں ادا کرتی ہے۔

جلال الدین اکبر بادشاہ کے زمانے تک سوداگران فرنگ دریا کے راستہ سے ہندوستان نہیں آتے تھے بلکہ وہ اپنا تجارتی مال اسکندریہ اور مصر میں فروخت کرتے تھے اور جہاں سے یہ

---

[1] مولف کتاب نے بادشاہ اسلام کا نام نہیں لکھا۔

مال ہندپاکستان آتا تھا اور ہندپاکستان کا مال اسکندریہ اور مصر پہونچتا تھا اور وہاں سے تاجرانِ فرنگ لے جاتے تھے۔

سنہ ۱۴۸۴ء مطابق ۸۸۹ھ میں بعض اہلِ فرنگ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ سنگ مقناطیس کو قطب شمالی کے ساتھ ایک خاص کشش ہے۔ یہ بات معلوم ہونے کے بعد انھوں نے قطب نما بنایا کہ اس کو کمپاس کہتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے جہازرانی کے راستے معلوم کیے اور مختلف سمندروں پر اپنا قبضہ جمایا فرنگی سوداگروں کو ہندپاکستان کے ساحلوں تک آنے میں آسانی ہوئی اور فرنگستان کا مال ہندپاکستان میں ہر سال پہونچنے لگا نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں فرنگستان کے بعض سوداگروں نے بندر سورت میں کوٹھی بنانے کی اجازت حاصل کرلی۔ اس کے بعد بمبئی اور مدراس میں بھی کوٹھیاں بنانے کی اجازت حاصل کرلی۔ عالمگیر اورنگ زیب بادشاہ کے زمانے میں ساحلِ بنگال پر کوٹھی بنانے کے مجاز ہوگئے اور بادشاہی خزانہ میں تجارت کا خراج پیش کرتے تھے یہاں تک کہ بنگال اور ارکاٹ کے صوبیداروں نے ان پر ظلم و تعدی شروع کردی۔ وہ اپنے بادشاہ سے مدد حاصل کرکے ان صوبیداروں سے لڑے اور کامیابی حاصل کی اور ان علاقوں پر قابض ہوگئے۔

اہلِ فرنگ کی ایجادات حُسنِ اتفاق سے باروت کا نسخہ چار سو سال سے زیادہ زمانہ گزرا کہ اہلِ فرنگ کو مل گیا اور وہ دُنیا میں پھیل گیا انھوں نے اُس میں بتدریج تصرف و ترقی کرکے توپ اور بندوق اور پستول بنائے اور لڑائی کے معاملات میں دوسروں پر سبقت لے گئے۔ آتشبازی کے فن میں معجزہ دکھایا۔

اللہ تعالےٰ کی خاص عنایات میں سے ایک یہ ہے کہ اُن میں کولمبس نام ایک فلاسفر پیدا ہوا۔ وہ اپنی دانائی سے سمجھ گیا کہ زمین کے اوپر جیسی آبادی ہے ویسے ہی نیچے بھی ہے اُس کی تحقیق کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی اس نے رئیسوں سے طلب کیا کوئی متوجہ نہ ہوا۔ مگر استنبول کی ایک عورت اُس کی کفیل ہوئی۔ کولمبس نے سنہ ۱۴۹۲ء مطابق ۸۹۷ھ میں ضروری

اسباب مہیّا کیا اور سمندر کے ایک طویل سفر پر چل پڑا اور بہت تکالیف اُٹھانے کے بعد ایک جزیرہ میں پہونچا جس کو امریکہ کہتے ہیں اُس نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں جب فرنگستان کی دوسری قوموں کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی جہاز بھیج کر وہاں کی زمین پر قبضہ کیا۔ جنوب میں اُس جزیرہ کا انتہائی عرض خطِ استوا سے پچپن درجہ ہے اس زمین میں سونے چاندی الماس اور زمرّد کی کانیں ہیں۔ بڑی مفید جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔

عجیب صنعت جو اس قوم کو ملی وہ دوربین کی صنعت ہے اُس کے ذریعے ستاروں کا حال آنکھ سے دیکھتے ہیں اسی سے انھوں نے معلوم کیا کہ ستاروں کے کُرے زمین کے کُرے کی طرح پہاڑ اور دریاؤں پر مشتمل ہیں اور نباتات و حیوانات سے آباد ہیں۔ اگرچہ مسافت کی دوری کے سبب سے اس کی تفصیل بیان کرنے سے ابھی عاجز ہیں۔ لیکن اُس کے مجمل بیان میں کوئی شک نہیں رکھتے۔ اہلِ فرنگ کی تحقیقات ہے کہ تمام ستاروں کی حرکات کا مرکز آفتاب کا مرکز ہے۔ اور تمام پھرنے والے ستارے حرکت کرتے ہیں۔ اجسام کواکب کی مقدار اور ایک دوسرے کے بعد پیمائش اپنی کتابوں میں مفصل لکھی ہیں، اور یہ مختصر بیان اُس کی شرح کی گنجائش نہیں رکھتا۔

اہلِ فرنگ کی ایک نادر صنعت گھڑی کی ایجاد ہے۔ یہ ایک آلہ ہوتا ہے۔ بعض گھڑیاں خاموش ہیں اور بعض بولنے والی ہیں۔ ان گھڑیوں کی ساری دُنیا میں شہرت ہے۔ یہ دینی اور دُنیوی دونوں کاموں میں آتی ہے۔ فرنگیوں کے نادر اور نفع بخش کاموں میں سے ایک طباعت کا کام ہے کہ ایک عالم اُس سے نفع اُٹھاتا ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی اُن سے سیکھ کر ہزاروں کتابیں چھاپ ڈالیں۔ اور دُنیا میں بِک رہے ہیں۔

وارن ہسٹنگز کلکتہ کے گورنر جنرل عماد الدولہ ہسٹنگز جلاوت جنگ بہادر شہر کلکتہ میں عہدۂ گورنری پر تشریف آوری ۱۷۷۰ء[۱] مطابق ۱۱۸۴ھ میں ہوئی ہے۔ میسر

ل۱ (اگلے صفحہ پر)

جعفر خاں کی ریاست بنگالہ سے معزولی اور نواب قاسم علی خاں کا نواب کی حیثیت سے تقرّر اس ہی کے زمانہ میں ہوا۔ سنہ ۱۷۸۰ء مطابق سنہ ۱۱۹۴ھ میں انگریزوں نے اسی کے زمانے میں قلعہ گوالیار پر قبضہ کیا اور حیدر علی نائک کی لڑائی بھی اسی کے عہد میں ہوئی انگریزی فوج کا جنرل کوٹ صاحب بہادر تھا یہ لڑائی سنہ ۱۷۸۱ء مطابق سنہ ۱۱۹۵ھ میں ہوئی[۵۱]۔ چیت سنگھ کے ہنگامہ میں مہیپت نرائن راجا بنارس کا تقرّر اُس ہی کے ہاتھوں سے ہوا۔ شاہزادۂ آفاق مرزا جواں بخت جہاندار شاہ کی تشریف آوری کے وقت وہ لکھنؤ آیا۔ بعض اُمور میں شاہزادہ اور نواب آصف الدولہ سے مشورے ہوئے اور پھر کلکتہ لوٹ گیا، کلکتہ پہنچنے کے بعد سنہ ۱۷۸۶ء مطابق سنہ ۱۲۰۰ھ[۵۲] میں مسٹر جان میکفرسن بہادر کو اپنا قایم مقام کیا۔ ریذیڈنٹی لکھنؤ کرنیلوں پر مقرر کر کے ولایت انگلستان گیا۔

کارنوالس اُس کے بعد سنہ ۱۷۸۶ء مطابق سنہ ۱۲۰۰ھ میں گورنر جنرل مارکوئس مسٹر کارنوالس بہادر کا اس عہدہ پر تقرّر ہوا اور ولایت سے کلکتہ آیا اور لکھنؤ سے امیر الدولہ حیدر بیگ خاں نہایت نفیس نفیس بیش بہا تحائف لے کر نواب آصف الدولہ کی طرف سے گیا اور امین الدولہ اخوند خاں کو نواب مظفر جنگ نے بھیجا یہ دونوں کارنوالس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اپنے مطالب و مقاصد پیش کرنے کے بعد یہ دونوں واپس آ گئے۔ اسی زمانہ میں گورنر ممدوح فوجوں کے ملاحظہ کے لئے مختلف شہروں میں گیا۔ کارنوالس نے بنارس میں جہاں دار شاہ سے لکھنؤ میں نواب

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ:۔

وارن ہسٹنگز سنہ ۱۷۸۲ء کے اوائل میں گورنر بنگال مقرر ہو کر آیا (دی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، از ونسنٹ اسمتھ (طبع سوم) ص ۵۰۲ آکسفورڈ سنہ ۱۹۵۸ء آئندہ اس کا حوالہ آکسفورڈ ہسٹری سے دیا جائے گا)

۵۱ حیدر علی سے پہلی لڑائی سنہ ۱۷۶۶ء میں اور دوسری لڑائی سنہ ۱۷۸۰ء ہوئی (ملاحظہ ہو دی ہسٹری آف انڈیا از آر۔ لیتھ برج ص ۲۷۰-۲۷۱ لندن سنہ ۱۸۸۱ء)

۵۲ ہسٹنگز سنہ ۱۸۸۵ء میں ریٹائر ہوا ہسٹری آف انڈیا۔ (لیتھ برج) ص ۲۷۳

وزیر آصف الدولہ سے اور فرخ آباد میں نواب مظفر جنگ سے اچھی طرح ملاقاتیں کیں ہندوستان کے رئیسوں نے اُس کی تعظیم کی اور تواضع سے پیش آئے۔ ٹیپو سلطان سے لڑائی اُسی کے زمانے میں ہوئی اور آخر کار آدھے ملک اور تین کرور ساٹھ لاکھ روپے پر صلح ہوئی۔ اس رقم میں سے کچھ رقم دیر میں ادا ہوئی اس لئے عبدالخالق سلطان اور معز الدین سلطان، ٹیپو سلطان کے لڑکوں کی ضبطی ہوئی روپیہ پہنچنے کے بعد وہ عزّت و توقیر سے رخصت کیے گئے[1] کارنوالس نے ۱۲۰۷ھ مطابق ۹۳-۱۷۹۲ء میں مسٹر جان شور کو اپنا قائم مقام کر کے ولایت جانے کا ارادہ کیا۔

سر جان شور | نواب آصف الدولہ کی وفات، مرزا وزیر علی خاں کا تقرر اور معزولی اور نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں کا لکھنؤ کی ریاست کے منصب پر پہونچنا مسٹر جان شور ہی کے زمانہ میں ہوا[2]۔

کارنوالس (دوبارہ) | گورنر کارنوالس بہادر ۱۲۱۳ھ مطابق ۹۸-۱۷۹۷ء میں دوبارہ کلکتہ پہنچا اس نے مغربی ممالک کے دیکھنے کا ارادہ کیا جب وہ اطراف عظیم آباد میں پہونچا تو اس کا انتقال ہو گیا۔

لارڈ ویلزلی | ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء میں مارکوئس ولزلی بہادر گورنر ہو کر آیا۔ نواب وزیر سعادت علی خاں نے ساٹھ لاکھ روپیہ کے بدلے میں ملک کھیڑ (بریلی وغیرہ) سرکار انگریز بہادر کو سونپ دیا۔ یہ رقم سالانہ سرکار انگریز بہادر میں وزیر کے خزانہ سے پہونچتی تھی۔ نواب ناصر جنگ نے لفٹنٹ گورنر ہنری ولزلی بہادر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ملک کے عوض زرِ نقد مقرّر کیا گورنر اس وقت بریلی میں تھا۔ نواب ناصر جنگ اور گورنر کے درمیان معاہدہ کی تکمیل ہوئی اس گورنر کے زمانے میں لارڈ لیک بہادر انگریزی فوج کا جرنیل تھا جس وقت راؤ ہلکر سے اس کی چند لڑائیاں ہوئیں آخر میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا۔

---

[1] تیسری جنگ میسور فروری ۱۷۹۲ء میں ہوئی۔

[2] سر جان شور ۱۷۹۳ء سے ۱۷۹۸ء تک گورنر جنرل رہا۔

لارڈ منٹو اور

گورنر ولزلی کے بعد سنہ ۱۲۲۱ھ مطابق سنہ ۱۸۰۶ء میں یہ عہدہ لارڈ منٹو کو ملا۔

لارڈ مائرا

اُس کے بعد گورنر جنرل لارڈ مائرا ہوا۔ اُس وقت لکھنؤ کا رزیڈنٹ عماد الدولہ مسٹر جان بیلی بہادر ارسلان جنگ تھا اُس کے زمانے میں اور نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں کی وفات ہوئی اور اس کے بڑے بیٹے نواب غازی الدین حیدر خاں مسند نشین ہوئے غازی الدین حیدر کی پیدائش سنہ ۱۱۸۳ھ ۱۷۶۹ء میں اس زمانے میں ہوئی جب نواب شجاع الدولہ حافظ رحمت خاں پر فتح حاصل کرنے کے بعد موضع بسولی میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ غازی الدین حیدر نے اہالیان کونسل کی اطلاع پر سنہ ۱۲۳۴ھ ۱۸۱۹ء میں وزارت موروثہ سے دست بردار ہو کر اپنی بادشاہی کا اعلان کیا۔ معتمد الدولہ آغا میر ضیغم جنگ کو اُس کی بارگاہ میں پورا پورا اعتماد، اختیار اور اُس کی نیابت حاصل ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس عہدۂ نیابت کے لائق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس منیب اور اس نائب کو دیر تک سلامت رکھے کہ بہت سے شرفا و اکابر ان کی بدولت پرورش پا رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُس بندہ پر رحم کرے جو آمین کہے۔

انگریزوں کی بڑی بڑی فتوحات

جنگ بکسر

جنگ بکسر قاسم علی خاں سے ہوئی جس میں انگریزوں کو فتح ہوئی یہ جنگ سنہ ۱۱۷۸ھ میں جنرل کارڈ اور دوسرے افسروں نے میر محمد جعفر خاں کی مدد سے لڑی، قاسم علی خاں سے مقابلہ ہوا فتح انگریزوں کو ہوئی[1]۔

---

[1] بکسر کی لڑائی سنہ ۱۷۶۴ء میں ہوئی اس میں خود میر قاسم کا معتمد علیہ مرزا نجف خاں دشمن سے مل گیا اس کی رہنمائی سے انگریزوں نے بنگالی لشکر پر شب خون مارا اور نمایاں فتح حاصل کی۔ یہی نجف خاں کچھ مدت بعد شاہ عالم کو دہلی لایا اور ذوالفقار الدولہ کے خطاب سے مع وزارت اور فرائض شاہی انجام دیتا رہا۔ میر قاسم بہادر سے وعدہ آیا شجاع الدولہ نے بے وفائی کی۔ چھ ماہ روہیل کھنڈ میں اتر چینڈی (متصل آنولہ) رہا پھر دلی کی طرف نکل گیا۔

(تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت صفحہ ۷۹-۸۰)

مرہٹوں سے لڑائی سنہ ۱۱۹۴ھ مطابق سنہ ۱۷۸۰ء میں جنرل کاڈر عبدالرحمٰن خان قندھاری کے رسالے کی موافقت میں دکن پہونچا تاکہ گجرات کا ملک کے قبضے سے نکالے۔

سنہ ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء میں رانائے گوہد نے جو رانا اودے پور کی اولاد میں سے ہے۔ انگریزوں سے ایک فوج قلعہ گوالیار فتح کرنے کی غرض سے طلب کی اور یہ ظاہر کیا کہ قلعہ اصل میں میرے مورثوں کا ہے تھوڑی مدت سے اس پر مرہٹے قابض ہو گئے ہیں۔ فتح ہونے کے بعد اس قدر روپیہ ادا کروں گا انگریزی فوج پہونچی۔ اُس نے نہایت کوشش سے قلعہ کو فتح کر لیا مگر موعودہ رقم رانا نے[1] نہ پہونچائی۔ قلعہ انگریزوں کے قبضے میں رہا اُس کے بعد صلح کے طور پر مرہٹوں کے قبضہ میں آیا۔

حیدر علی سے لڑائی انگریزوں کی ایک لڑائی حیدر علی خاں نایک کے ساتھ ہوئی ہے اُس میں جنرل کورٹ افسر فوج تھا۔ اُس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حیدر علی خاں کا باپ فتح علی خاں، قوم کا شیخ، سپاہی پیشہ اور دو ہاتھیوں کا مالک تھا اس اطراف کے راجاؤں سے لڑ کر بہت سے علاقے کا مالک ہو گیا۔ اور ملک کھروسا کے ساتھ ہمسری کا دعوے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ شاہ پور، بیکاپور، کڑپا اور کرنول کے افغانوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور اُن کے علاقے پر بھی قابض ہو گیا۔ ہر قسم کی فوج، سوار اور پیادہ جمع کر کے چند بار مرہٹوں اور انگریزوں سے مقابلہ کیا۔ چونکہ لڑائی کے دو سر ہوتے ہیں کبھی غالب اور کبھی مغلوب۔[2]

حیدر علی کے مرنے کے بعد اُس کا بڑا بیٹا فتح علی خاں ٹیپو سلطان مسند نشین ہوا اور اس کو

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد دوم صفحہ ۲۱۶-۲۱۸ و ہسٹری آف فریڈم موومنٹ جلد اول صفحہ ۱۹۵-۱۹۷

[2] حیدر علی اور انگریزوں سے دو لڑائیاں ہوئیں۔ پہلی لڑائی سنہ ۱۷۶۶ء میں شروع ہوئی اور سنہ ۱۷۶۹ء میں اختتام کو پہونچی۔ دوسری لڑائی سنہ ۱۷۸۰ء میں شروع ہوئی اور ۱۷۸۴ء تک جاری رہی۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ جلد اول (باب سیزدہم تا پانزدہم)
(پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی سنہ ۱۹۵۷ء)

بادشاہ بننے کا خیال پیدا ہوا اُس نے اپنا یہ سکہ مقرر کیا [۵۱]

از برائے فتح حیدر در جہاں شد آشکار
لا فتیٰ الّا علی لا سیف الّا ذوالفقار

جنگ میسور ۱۷۹۲ء ٹیپو سلطان کا انگریزی فوج سے دو بار مقابلہ ہوا۔ ایک مرتبہ جب انگریزی فوج کا افسر گورنر جنرل مارکوئس کارنوالس تھا، ٹیپو سلطان مغلوب ہوا آخر آدھے ملک اور تین کروڑ ساٹھ لاکھ روپے پر صلح ہوئی گورنر نے اُس کے ملک کے تین حصے کئے ایک حصہ انگریزی سرکار کا ٹھیرا، اور ایک حصہ نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی والی حیدر آباد کا اور دوسرا حصہ مرہٹوں کے پیشوا کا مقرر ہوا کیونکہ ان دونوں رئیسوں کی فوجیں اُس لڑائی میں انگریزوں کی مدد کے لئے آئی تھیں [۵۲]۔

جنگ میسور ۱۷۹۹ء دوسری مرتبہ اس وقت مقابلہ ہوا جب فوج کا افسر جنرل ہارس تھا۔ اُس لڑائی میں ٹیپو سلطان شہید ہوا [۵۳]۔

سنہ ۱۲۳۸ھ مطابق سنہ ۱۸۲۲ء میں لارڈ گورنر جنرل ماٹرا بہادر کے عہد میں پونا اور اُس کے اطراف کے شہر باجی راؤ مرہٹہ کے ہاتھ سے نکل کر انگریز بہادر کی حکومت میں داخل ہوئے۔

قلعہ بھرتپور کی فتح سنہ ۱۲۴۱ھ میں قلعہ بھرت پور فتح ہوا اور جاٹوں کا پورا ملک سرکار انگریز بہادر کے اراکین سلطنت کے قبضہ میں آیا۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ رنجیت سنگھ جاٹ کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا رندھیر سنگھ اس کا جانشین ہوا یہ سورج مل

---

[۵۱] ٹیپو سلطان ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء میں بنگلور میں پیدا ہوا۔ بتیس سال کی عمر میں دسمبر سنہ ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔

[۵۲] ٹیپو سلطان سے پہلی لڑائی فروری سنہ ۱۷۹۲ء میں ہوئی (تفصیل کے لئے دیکھئے ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ جلد اول ص ۲۵۵-۲۵۹۔ [۵۳] ٹیپو سلطان سے دوسری لڑائی مئی سنہ ۱۷۹۹ء کو ہوئی، سلطان ٹیپو ۴ مئی سنہ ۱۷۹۹ء کو شہید ہوا (ملاحظہ ہو ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ جلد اول ص ۲۶۱-۲۶۴)

جاٹ کی اولاد میں تھا جو اس علاقے پر قابض تھا۔ رندھیر سنگھ نے اپنی آخر عمر میں اپنے دس سالہ لڑکے بلونت سنگھ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اس کے مرنے کے بعد جب بلونت سنگھ مسند آرا ہوا تو اُس کی ماں نے اس کی کم عمری کا لحاظ کر کے اپنے بھائی رتن سنگھ کو جو بلونت سنگھ کا ماموں تھا ریاست کا مختار مقرر کر دیا۔ درجن سنگھ جو راجا کے چچا کی اولاد میں تھا وہ اس بات پر راضی نہ ہوا اس نے رتن سنگھ کو مار ڈالا۔ اور بلونت سنگھ کو قید کر لیا۔ چونکہ بلونت سنگھ کی مسند نشینی اور رتن سنگھ کی مختاری صاحبان انگریز کی رائے سے ہوئی تھی۔ اس لئے ریاست کے لوگوں نے انگریزوں سے دادرسی چاہی۔ انگریزوں نے بھرت پور پر چڑھائی کی ۲۴ ماہ جنوری ۱۸۲۶ء کو درجن سنگھ مغلوب اور قید ہو کر الہ آباد کے قلعہ میں بھیج دیا گیا۔ صاحبان عالی شان نے اس تمام علاقے اور قلعوں پر قبضہ کیا اور ایک صاحب بہادر کو عہدہ رزیڈنسی پر مقرر کر دیا ۱۴ ماہ نومبر ۱۸۲۶ء کو ساعتِ سعید میں بلونت سنگھ کو مسند پر بٹھایا گیا۔

جنگ برما ۱۸۲۴ء انگریزوں نے اہل برما پر بھی فتح حاصل کی برمی مشرق کے ایک علاقے پر دریائے شور کے کنارے مُدتِ دراز سے قابض تھے کسی نے اُن پر چڑھائی بھی نہ کی تھی۔ صرف ایک بار اکبر بادشاہ کے زمانے میں بنگال کے صوبیدار نے اُن کی شکایت لکھی تھی دربار شاہی سے ایک فوج قاہرہ عبدالرحیم خاں خان خانان کی ہمراہی میں اس قوم کی تنبیہ کے لئے مقرر ہوئی لڑائیاں ہوئیں۔ مگر یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ کون غالب رہا۔ اور کون مغلوب، عبدالرحیم خاں نے واپس ہونا ہی مناسب سمجھا۔ ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۸۲۵-۲۶ء میں بعض مواضعات کی سرحد پر بڑے بڑے انگریزوں کا اس قوم کے ساتھ جھگڑا ہوا اس لڑائی نے دو سال تک طول کھینچا آخر کار انگریزوں نے فتح پائی۔ برمیوں نے چند کروڑ روپیہ بالاقساط دینا قبول کیا اور انگریزوں کی گولہ باری سے نجات پائی [۱]

---

[۱] برما کی پہلی لڑائی ۱۸۲۳ء میں ہوئی۔ (ملاحظہ ہو ہسٹری آف انڈیا لیتھ برج) ص ۲۸۶-۷

مقالہ ہفتم

ملوک و امراء

شاہ عالم بادشاہ

شاہ عالم بادشاہ الہ آباد سے شاہ جہاں آباد جاتے وقت شہر فرخ آباد میں ٹھہرے ۔

شاہ عالم شہ عظیم الشان — شاہ اورنگ زیب و شاہجہاں
نہ فلک برمراد او دائر — ہفت کوکب برائے او سائر
خوفِ خاقانِ چین ابرو یش — ترسِ کسریٰ زگرمیِ خویش
قیصرِ روم در اطاعتِ او — قاف تا قاف زیر طاعت او
بر سرِ او ز وحدت اندیشی — چتر شاہی و تاجِ درویشی

تخت سلطنت پر بیٹھنے سے پہلے ان کا اسمِ گرامی ہے :- جلال الدین ابن سلطان محمد عزیز الدین عالمگیر ثانی ابن محمد معز الدین جہاندار شاہ ابن محمد معظم بہادر شاہ ابن محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر ابن صاحبقران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہاں ابن نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ ابن جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ابن نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ ابن محمد بابر شاہ ابن مرزا عمر شیخ ابن مرزا ابو سعید ابن مرزا سلطان محمد ابن میرزا میراں شاہ ابن قطب الحک صاحبقراں امیر تیمور گورگان ۔

امیر تیمور کی پیدائش خطۂ کش میں ہوئی ہے جو شہر سبز سے مشہور ہے وہ پانچ شعبان ۷۳۶ھ / ۱۳۳۶ء میں پیدا ہوا تھا اور شہر ترمذ کے اطراف میں سید برکہ شریف مکہ اور سید ابوالمعالی ترمذی کے ہاتھ سے ۱۲ ماہ رمضان ۷۷۱ھ / ۱۳۷۰ء کو تخت خلافت پر بیٹھا اُس کی ہندوستان میں آمد اور محمود خاں پر فتح پانے کی تاریخ ۸۰۱ھ / ۱۳۹۸-۹۹ء ہے اور اُس کی روم میں آمد اور بایزید یلدرم پر فتح پانے کی تاریخ ۸۰۴ھ / ۱۴۰۱-۰۲ء ہے اور اس کی وفات خطا کی طرف کوچ کرتے وقت راستہ میں ۱۷ ماہ شعبان ۸۰۷ھ / ۱۴۰۵ء میں ہوئی۔ تیمور کی نعش اطراف سمرقند میں دفن کی گئی۔ اُس کے چار بیٹے تھے اُن میں سے ایک میراں شاہ ہے جو ۷۶۹ھ / ۱۳۶۷-۶۸ء میں پیدا ہوا۔ اور مرزا یوسف کے ساتھ لڑتے ہوئے ۲۴ ماہ ذیقعدہ ۸۱۰ھ / ۱۴۰۸ء کو مارا گیا۔ اس کے آٹھ بیٹے تھے اُن میں سے ایک مرزا سلطان محمد ہے جس کی تاریخ پیدائش اور وفات معلوم نہ ہو سکی اور اس کے دو بیٹے تھے جن میں ایک کا نام مرزا سلطان ابو سعید ہے۔ جو ۸۲۷ھ / ۱۴۲۴ء میں پیدا ہوا اور جہاں شاہ ابن مرزا یوسف کے مقابلہ میں ۸۷۳ھ / ۱۴۶۸-۹ء میں مارا گیا۔ اُس کے بھی چار بیٹے تھے اُن میں سے ایک مرزا عمر شیخ ہے جو ۸۶۰ھ / ۱۴۵۶ء میں پیدا ہوا۔ اور ۸۹۹ھ مطابق ۱۴۹۳-۹۴ء میں فوت ہوا۔

اُس کے بھی تین بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ تھا جو ۸۸۸ھ / ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوئے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

چوں در شش محرم زاد آں شہ مکرم — تاریخ مولدش ہم آمد شش محرم

بابر بادشاہ فقیروں سے پختہ اعتقاد رکھتا تھا۔ چنانچہ ہتھیار باندھتے وقت فقیری کشکول کو کمر کے نیچے باندھتا تھا۔ اپنے کو بابر قلندر کہتا تھا۔ اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ سے کامل عقیدت رکھتا تھا اور اُن کی صحبت سے طریقۂ نقشبندیہ کے بہت سے اعمال و اشغال سیکھے تھے بابر شاہ چار بار ہندوستان آیا۔ ایک بار ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴-۵ء میں دوسری بار ۹۱۳ھ / ۱۵۰۷-۸ء میں اور اس موقع پر حکم دیا کہ ہم کو بادشاہ کہا جائے۔ اس سے پہلے صاحبقران کی اولاد کو مرزا کہتے تھے۔ اور سفر میں نصیر الدین محمد ہمایوں پیدا ہوا۔

تیسری بار ۹۲۵ھ-۱۵۱۹ء میں اور چوتھی بار ۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء میں اور اسی چوتھی مرتبہ میں ابراہیم خاں سے لڑائی ہوئی بادشاہ دہلی پر فتح ۷ رجب ۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء کو فتح پائی۔

حکایت جس وقت ہمایوں بادشاہ کو سخت بخار لاحق ہوا اور ناامیدی کی نوبت پہونچی اُس وقت میر ابوالبقار جو بڑا فاضل شخص تھا حاضر تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ ایسے وقت میں بڑے لوگوں کا یہ معمول ہوتا ہے کہ مریض کی سب سے بہترین چیز کو صدقہ میں دے کر دُعائے صحت کیا کرتے ہیں بابر بادشاہ نے فرمایا کہ ہمایوں کے نزدیک مجھ سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ میں اپنے آپ کو اُس کے لئے صدقہ کرتا ہوں۔ پس تنہائی میں بیٹھ کر دعا کی اور تین بار ہمایوں بادشاہ کے چاروں طرف پھر کر نقشبندیہ طریقہ پر بیماری سلب کی۔ فوراً ہمایوں بادشاہ پر آثار صحت ظاہر ہونے لگے۔ اور بابر بادشاہ پر بیماری کے آثار نمایاں ہوئے اور بتدریج دونوں کی صحت اور مرض ترقی پر تھے۔ یہاں تک کہ بابر بادشاہ نے ۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ مطابق ۱۵۳۰ء کو وفات پائی اور اطراف شہر آگرہ میں دفن کیا گیا۔

اُس کے بعد اس کی نعش کو وصیت کے مطابق کابل پہونچایا گیا۔ اُس کے چار بیٹے تھے اُن میں سے ایک نصیر الدین ہمایوں بادشاہ تھا جو خطۂ کابل میں ۴ ذیقعدہ ۹۱۳ھ مطابق ۱۵۰۸ء کو پیدا ہوا اور تخت سلطنت پر شہر آگرہ میں ۹ جمادی الاول ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء کو بیٹھا۔ اور اُس کی تاریخ وفات یکم ماہ ربیع الاول ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء ہے۔

اُس کے فرزندوں میں سے ایک جلال الدین محمد اکبر بادشاہ تھا جو رجب ۹۴۹ھ مطابق ۱۵۴۲ء میں پیدا ہوا۔ اور ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ ۱۵۵۶ء کو تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اسی کے عہد میں اکبرآباد کی بنیاد ۹۷۲ھ ۱۵۶۴ء میں اور الہ آباد کے قلعہ کی بنیاد ۹۹۱ھ ۱۵۸۳ء میں پڑی ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء میں اُس نے وفات پائی۔

یہی سال جلوس اُس کے لڑکے نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کا ہے۔ جہانگیر کی وفات ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء میں ہوئی لاہور میں اسی کی قبر ہے۔ اور یہی سال تخت نشینی اُس کے بیٹے شہاب الدین

محمد شاہ جہاں بادشاہ صاحبقران ثانی کا ہے۔ اور اُس کے بیٹے محی الدین محمد اورنگزیب کی پیدائش ۱۰۲۸ھ مطابق ۱۶۱۹ء میں ہوئی "آفتاب عالم تاب" سے اُس کی تاریخ پیدائش نکلتی ہے اور ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۷ء میں وہ تختِ سلطنت پر بیٹھا اور اورنگ زیب عالمگیر بڑے اوصاف کے ساتھ متصف ہے تختِ سلطنت پر بیٹھنے کے بعد قرآن شریف حفظ کیا اور آیۂ کریمہ "مغفرۃً تک فلا تنسیٰ" حفظِ قرآن کے آغاز کی تاریخ ہے[۵۱] اور "لوحِ محفوظ" اُس کے ختم کی تاریخ ہے۔ اورنگ زیب نے اشرفی پر سکہ ایسا مقرر فرمایا کہ اُس میں خدا اور رسول کا نام نہ ہوتا کہ بے ادبی کا باعث نہ ہو سکہ یہ ہے (سکہ زد در جہاں چو مہر منیر؛ شاہ اورنگ زیب عالمگیر) اور روپے پر بجائے "مہر منیر" کے "بدر منیر" مقرر ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے شہر احمد نگر میں ۲۶ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۷ء کو وفات پائی۔ اور اُسی کی قبر روضہ نامی گاؤں میں ہے جو دولت آباد سے ملحق ہے۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد اعظم شاہ عید الضحیٰ کے دن تختِ سلطنت پر بیٹھا اور محمد معظم جس کا لقب بہادر شاہ ہے وہ باپ کی بیماری کا حال سن کر کابل سے روانہ ہوا تھا۔ اثنائے راہ میں یہ خبر ناگزیر اُسے معلوم ہوئی اور جس تاریخ محرم کا چاند ہوا وہ تختِ سلطنت پر بیٹھا اور اعظم شاہ کو لکھا کہ ملک دکن پر اکتفا کر کے باقی ملک ہندوستان مجھ کو دے دو تو بمقتضائے "الصلح خیر" اچھا ہے۔

اعظم شاہ نے جواب میں لکھا "دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سماتے۔ اور محمد معز الدین بہادر شاہ ملتان سے اور عظیم الشان بن بہادر شاہ بنگالہ سے خزانہ اور سامان کے ساتھ پہونچے اور اکبر آباد میں باپ کے شریک حال ہوئے۔ اور اعظم شاہ جنگ کے قصد سے بہت جلد آیا۔ ۱۸ ماہ ربیع الاوّل ۱۱۱۹ھ مطابق ۱۷۰۷ء میں موضع دھول پور میں اکبر آباد کے قریب دونوں فوجیں ملاقی ہوئیں اور ایک معرکۂ کارزار

---

۵۱ "مغفرۃً تک فلا تنسیٰ" سے ۱۰۷۱ھ اور "لوحِ محفوظ" سے ۱۰۷۸ھ نکلتے ہیں۔

کے بعد بہادر شاہ کو فتح حاصل ہوئی۔ اعظم شاہ کا سر بہادر شاہ کے سامنے لایا گیا فتح کے بعد عمدۃ الملک آصف الدولہ اسد خاں وزیر اور نصرت جنگ ذوالفقار خاں سپہ سالار اپنے ہاتھ رومال سے باندھ کر حاضر ہوئے بہادر شاہ نے اسد خاں سے معانقہ کیا اور خاص پوشاک پہنائی اور نہ ہزاری منصب عہدۂ وکالت مطلقہ اور سات ہزار سوار اور ایک کرور دام انعام میں دیئے۔ اور حکم دیا کہ اُس کی پالکی سلح خانے کے دروازے تک آیا کرے اور اُس کے سامنے نوبت بجے۔

ذوالفقار خاں کو امیر الامراء کا خطاب اور تمام ملک دکن کی صوبہ داری اور داؤد خاں کو اُن صوبجات میں اُس کا نائب بنایا گیا اور منعم خاں' وعدہ کے مطابق جو اُس سے شاہزادگی کے زمانہ میں کیا تھا وزارت اور اکبر آباد کی صوبیداری سے سرفراز ہوا اور اس کو آصف الدولہ کے سیدھے ہاتھ پر کچہری میں بیٹھنے کا حکم دیا اس کے بعد جب کام بخش بن عالمگیر کے متعلق سُنا کہ وہ بیجاپور میں لڑائی کا ارادہ رکھتا ہے جو بہادر شاہ دکن کی طرف متوجہ ہوا اور تیسری ذیقعدہ ۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۰۸ء کو اطراف دکن میں جنگ ہوئی اور کام بخش کو زخمی حالت میں بہادر شاہ کے خیمہ میں لایا گیا۔ بہادر شاہ نے اس کو دیکھ کر کہا میں نہیں چاہتا تھا کہ تم کو اس حال میں دیکھوں۔ اس نے کہا میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ تم کو کس حال میں دیکھوں اور انتقال کر گیا۔

بہادر شاہ کی وفات کے بعد جو کچھ واقع ہوا مقالۂ اوّل میں ذکر ہو چکا ہے

شہاب الدین شاہجہاں صاحبقران ثانی کے زمانے میں ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸ء ۲۲ اکنجلوس قدیم دہلی کے قریب شہر شاہجہاں آباد کی بنیاد رکھی گئی اور صوبجات کا نظم و نسق اس طرح پر ہوا کہ معتدل الخلقت شخص کی ۴۲ انگلیوں کا گز تھا اور ہر کوس پانچ ہزار گز کا تھا اور سب صوبجات میں یہی لکھا گیا۔ کل ۲۲ صوبے تھے۔

(۱) صوبہ دار الخلافت شاہ جہاں آباد

(۲) صوبہ دار السلطنت لاہور

(۳) صوبہ کابل

(۴) صوبہ کشمیر
(۵) صوبہ ملتان
(۶) صوبہ ٹھٹھہ
(۷) صوبہ قندھار
(۸) صوبہ بلخ
(۹) صوبہ بدخشاں
(۱۰) صوبہ مستقر الخلافت اکبر آباد
(۱۱) صوبہ اجمیر
(۱۲) صوبہ احمد آباد گجرات
(۱۳) صوبہ مالوہ
(۱۴) صوبہ دولت آباد (جس کا نام پُرانا دیگیر ہے اور اُس کو احمد نگر بھی کہتے ہیں.
(۱۵) صوبہ برار
(۱۶) صوبہ خاندیش
(۱۷) صوبہ بنگالہ
(۱۸) صوبہ تلنگانہ جو اس ماہ میں حیدرآباد کے نام سے مشہور ہے)
(۱۹) صوبہ اودھ
(۲۰) صوبہ الہ آباد
(۲۱) صوبہ بہار
(۲۲) صوبہ اڑیسہ

شرقاً غرباً تمام ملک کا طول بندر لاہری سے سلہٹ تک دو ہزار کوس ہے اور اُس کا عرض جنوباً۔ شمالاً دریائے شور کے کنارے سے کوہ شمالی تک ایک ہزار پانچ سو کوس تھا تمام سلطنت کا انتظام چار آدمیوں پر منحصر تھا۔ ایک وکیل مطلق کہ اگر اکبر بادشاہ کو خود کسی جگہ حاضر ہونا لازم ہو جیسے دار القضا تو وہ بادشاہ کے بجائے وہاں حاضر ہو۔ دوسرا وزیر جس سے سلطنت کے تمام اُمور مداخل و مخارج کا بندوبست متعلق ہوتا اور اُس کے دوسرے نائب ہوتے تھے۔ ایک دیوان خالصہ جس سے خزانوں کی تمام درآمد و برآمد متعلق ہوتی اور دوسرا دیوان تن جس سے تمام سالانہ، ماہانہ اور جاگیرات ترقیات مناصب و مراتب متعلق ہوئے۔ اور ہر نائب کے چار چار پیشکار ہوتے تھے۔ تیسرا امیر الامرا جس سے تمام فوجوں کی بحالی اور برطرفی متعلق تھی چوتھا صدر الصدور کہ قضاء اور افتاء کے کام، حساب لینا اور معافی داروں کے کاغذات اس کے پاس رہتے تھے۔

محمد دارا شکوہ کا منصب بیس ہزاری ذات اور بیس ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ اور محمد شجاع کا منصب پندرہ ہزاری ذات اور دس ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ اور ایسا ہی محمد اورنگ زیب کا منصب اور محمد مراد بخش کا منصب بارہ ہزاری ذات اور نو ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ تھا، محمد دارا شکوہ کی ایک سال کی تنخواہ چالیس کرور دام تھی جس کا حاصل ایک کرور روپیہ[1] ہوتا ہے اور اسی طرح محمد شجاع اور اورنگ زیب کی تنخواہ ساٹھ لاکھ روپیہ اور مراد بخش کی تنخواہ تیس لاکھ روپیہ اسی طرح سعد اللہ خاں وزیر اور علی مردان خاں امیرالامراء کی تنخواہ تھی۔

بادشاہی فوج ماسوا تعیناتی شاہزادگان صوبہ داران اور عاملوں کے دو لاکھ سوار اور آٹھ ہزار منصب دار اور سات ہزار احدی اور چالیس ہزار پیادہ توپخانہ پر مشتمل تھی۔

القصہ ۱۱۷۲ھ مطابق ۱۷۵۹ء میں شاہزادہ عالی گہر عماد الملک کی بداندیشی کے ڈر سے شاہجہاں آباد سے نکلا اور میراں پور جہاں نجیب الدولہ تھا آیا اور اُس سے کچھ مشورہ کیا اور پھر اودھ میں آیا اور نواب شجاع الدولہ سے مناسب خدمات لے کر الٰہ آباد پہونچا نواب محمد قلی خاں، صفدر جنگ کے بھتیجے نے جو شجاع الدولہ کی طرف سے وہاں کا ناظم تھا عظیم آباد اور بنگالہ کی تسخیر کی ترغیب دی اور مناسب خدمات انجام دیں۔ الٰہ آباد کے قلعہ کا توپخانہ ساتھ لے کر وزارت کی اُمید پر اُس کے ساتھ ہو لیا۔ یہ اطلاع پاکر شجاع الدولہ نے شاہزادے کو لکھا کہ "جناب عالی کوچ کا قصد فرمائیں میں بھی پیچھے سے ساتھ رہنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور بنارس سے کوچ کرتے وقت منیرالدولہ عظیم آباد سے پہونچا اور ملازمت کی سعادت حاصل کی اور ندی گرم ناسہ کو جو صوبہ عظیم آباد کی سرحد ہے، عبور کیا ہی تھا کہ شہزادۂ عالی گہر کو عالمگیر ثانی کے مارے جانے کی یہ خبر ملی کہ عماد الملک کے حکم سے اُس کے مُلازمین مہدی علی خاں کشمیری وغیرہ نے بادشاہ کو کوٹلہ فیروز شاہ میں ایک فقیر سے مُلاقات کرانے کے بہانے لے جاکر حجرے کے اندر جسے فقیر کا مسکن بتلایا تھا چھری سے

---

[1] ایک روپے میں چالیس دام ہوتے تھے۔

قتل کر دیا اور نعش کو ایک ریگستان میں جو وہاں سے قریب تھا ڈال دیا اور قتل کے وقت مرزا بابر جو شہزادہ اعز الدین کا لڑکا اور بادشاہ کا بھتیجا اور داماد تھا اس کے ساتھ تھا اُس نے قاتلوں میں سے دو آدمیوں کو زخمی کیا۔ قاتلوں نے اُس کو پکڑ کر اور پالکی میں ڈال کر بادشاہوں کے قید خانہ میں پہونچا دیا۔ اور بچوں نے بادشاہ کی نعش اُٹھا کر مقبرہ ہمایوں میں دفن کی اور اُن بے رحموں نے قید خانہ سے کام بخش کے لڑکے کو نکالا اور شاہجہاں کا لقب دے کر تخت پر بٹھایا۔

شہزادہ علی گہر نے خبر پاتے ہی ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا اور اپنے کو شاہ عالم سے ملقب کرایا۔ اور اپنا سکہ ایسا مقرر کرایا کہ ابھی تک جاری ہے "سکہ زد بر ہفت کشور سایۂ فضل الٰہ حامیِ دین محمد شاہ عالم بادشاہ" شجاع الدولہ کے قلمدانِ وزارت اور نجیب الدولہ کے لئے امیر الامرائی اور بخشی گری کا خلعت بھیجا۔ منیر الدولہ کو سفارت کے لئے احمد شاہ ابدالی کے پاس بھیجا۔ کامگار خاں۔ دلیر خاں۔ اصالت خاں گورکھپور کے پٹھان پانچ چھ ہزار سواروں کے ساتھ آکر شریک ہوئے۔ رام نرائن صوبۂ عظیم آباد کے نائب کے ساتھ جو میر محمد جعفر خاں کی طرف سے مقرر تھا مقابلہ ہوا شاہ عالم نے فتح پائی لیکن اصالت خاں اور اُس کا بھائی محمد خاں مارا گیا نواب صادق علی خاں عرف میرن جو میر محمد جعفر خاں کا فرزند رشید ہے۔ کرنیل کلف بہادر ثابت جنگ کے ساتھ انگریزی فوج کے ہمراہ مرشد آباد سے آیا۔ بادشاہ اور محمد قلی خاں نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر لوٹنا مناسب جانا۔ شجاع الدولہ نے یہ خبر سُن کر بینی بہادر اور بلونت سنگھ راجا بنارس کو مامور کیا کہ محمد قلی خاں کو الہ آباد آنے سے روکیں۔ طرفین کے لوگ رام نگر میں جو بنارس کے قریب ہے جمع ہو کر مداخلت کی فکر میں تھے کہ بادشاہ مع محمد قلی خاں کے قریب آپہنچے انھوں نے پیام بھیجا کہ ہمیں بادشاہ سے کچھ کام نہیں لیکن محمد قلی خاں کو اس راستہ سے آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ محمد قلی خاں نے اپنا حال شجاع الدولہ کو لکھا۔ شجاع الدولہ نے اُسے راستہ دینے کی اجازت کے متعلق چند آدمیوں کے ذریعہ بینی بہادر اور بلونت سنگھ کو لکھا اور

انھوں نے محمد قلی خاں کو بارہ ہزار سوار اور شاگرد پیشہ کے ساتھ راستہ دے دیا اور اُس کے ساتھیوں کے لشکر کو لوٹ لیا جب محمد قلی خاں شجاع الدولہ کے پاس پہونچا تو قید کر لیا گیا۔ شجاع الدولہ نے الہ آباد کا قلعہ محمد قلی خاں کے نائب سے نکال لیا اور بادشاہ نے بندیل کھنڈ میں پہونچ کر سامان جنگ تیار کیا اور جانب مشرق متوجہ ہوا اور جب میرن راج محل میں جو پورنیہ کے محاذی ہے پہونچا تو نواب خادم حسین خاں صاحب پورنیہ والوں سے کرنل کلف کی وساطت سے میرن کی صفائی ہو گی اور عہد و پیمان پختہ ہوئے۔ اس کے بعد میرن نے کامگار خاں سے جو بادشاہی افواج کا پیش رو تھا مقابلہ کر کے شکست کھائی پھر انگریزی فوج کی مدد سے فتح ہوئی اور کامگار خاں بادشاہ کے ساتھ بہار کی جانب متوجہ ہوا۔ اور وہاں پہونچ کر چند دن ٹھہر کر مرشد آباد چلے اور میر محمد جعفر خاں مرشد آباد سے مقابلہ کے لئے نکلا اور میرن بھی وہاں پہنچ کر اُن سے مل گیا اور میر محمد قاسم خاں جو قاسم علی خاں کے نام سے مشہور ہے وہ محمد جعفر خاں کا داماد ہے اور میر محمد جعفر خاں کی جانب سے رنگ پور کا حاکم تھا وہ بھی آ کر مل گیا۔ کامگار خاں نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر عظیم آباد کی طرف کوچ کیا میر محمد جعفر خاں نے پیچھا کیا۔ کامگار خاں اپنی جگہ پر قائم رہا اور اُس کے صدمہ و تکلیف سے محفوظ رہا میر محمد جعفر خاں اور میرن بردوان میں ٹھہرے بادشاہ اور کامگار خاں نے عظیم آباد پہونچ کر قلعہ عظیم آباد کا محاصرہ کیا رام نرائن اُس کے دفیعہ میں مشغول ہوا۔ یہاں تک کہ انگریزی فوج مدد کو پہونچی اور محاصرین نے محاصرہ چھوڑ کر کوچ کیا خادم حسین خاں دس بارہ ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ اور چھوٹی بڑی چالیس توپیں لے کر اُن سے مل گیا اور انگریزی فوج خادم حسین خاں کے مقابلہ میں فتح یاب ہوئی اور اُس معرکہ میں مہاراجہ شتاب رائے سے جو انگریزی فوج کا ساتھی تھا کارہائے نمایاں ظاہر ہوئے اور جب یہ خبر مرشد آباد پہونچی۔ میرن انگریزی فوج اور دوسرے بکثرت ساز و سامان کے ساتھ آ گیا خادم حسین خاں کا محاصرہ کیا۔ ایک طرف گنگا اور ایک طرف دوسرا دریا اور ایک طرف میرن کا لشکر۔ اور خادم حسین خاں نا اُمیدی کی حالت میں تھا۔ رات کے وقت سخت بارش ہوئی اور

میرن پر بجلی گری۔

اس واقعہ کے بعد میر محمد جعفر خاں دل شکستگی کے باوجود قاسم علی خاں سے مل گیا اور معہ پونیہ صوبۂ بنگال کی نیابت اُس کو نامزد کی اور قاسم علی خاں اس کام کی تقرری کے لئے کلکتہ گیا اور کونسل کے لوگوں سے مل کر بنگالہ وغیرہ کی صوبہ داری اپنے نام کرالی۔ کچھ مدّت بعد انگریزوں سے مخالفت ہوگئی اور ان پر لشکر کشی کی اور شکست کھائی۔ بادشاہ اور شجاع الدولہ سے مدد مانگی۔ اور شجاع الدولہ ایک معمولی لڑائی انگریزوں سے لڑنے کے بعد اُن کے مال و خزائن پر بادشاہ کی طرف سے ضبطی کا بہانہ کرکے قابض ہوگیا۔ اپنے آپ بادشاہ سے متفق ہو کر انگریزوں کے مقابلہ میں آیا۔ اور بڑی لڑائی کے بعد موضع بکسر میں شکست کھا کر شجاع الدولہ افغانوں کے ملک (روہیلکھنڈ) میں بھاگ گیا اور بڑے بڑے انگریزوں نے بادشاہ سے مل کر صوبہ الہ آباد کوڑا اور ۲۶ لاکھ روپیہ نقد بنگالہ کی آمدنی سے بادشاہ کے واسطے مقرّر کئے۔ چنانچہ بادشاہ نے سات سال الہ آباد میں قیام کیا۔ نجیب الدولہ کے مرنے کے بعد دکھنیوں (مرہٹوں) کی طلب پر الہ آباد اور کوڑا منیر الدولہ کو سونپ کر خود بسنہ ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۱ء) میں الہ آباد سے شاہجہاں آباد کو کوچ کیا اور کانپور تک نواب شجاع الدولہ بھی ساتھ رہا اور وہاں سے اس نے فیض آباد کی اجازت لی۔ اور جب بادشاہ نے معہ مرزا نجف خاں اور حسام الدین خاں اطراف فرّخ آباد میں قیام کیا تو نواب احمد خاں قریب المرگ تھا۔ اُس کے مرنے کے بعد نواب مظفر جنگ نے معہ بھائیوں اور متعلقین کے ملازمت حاصل کی اور نمایاں نذرانے پیش کئے اور فاخرہ خلعتیں اور بڑے بڑے خطابات پائے۔ اور بادشاہ امرا کے ساتھ سنہ ۱۱۸۵ھ مطابق سنہ ۱۷۷۱ء ماہ شوال کی چاند رات کو شاہجہاں آباد پہونچا۔ اور بادشاہی فوجیں مرہٹہ فوجوں کے ساتھ شامل ہو کر ضابطہ خاں کے مقابلہ میں کامیاب ہوئیں ضابطہ خاں بھاگ کر شجاع الدولہ کے پاس آیا اور اُس کے اہل و عیال مرہٹہ فوجوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور شجاع الدولہ کی سفارش سے چھوٹے۔ اُس کے بعد ضابطہ خاں شاہجہاں آباد جا کر نکوجی ہلکر کی وساطت سے شاہ عالم کی ملازمت سے مشرّف ہوا امیر الدولہ

کے مرنے کے بعد الہ آباد اور کوڑا کو نواب شجاع الدولہ نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور اُس کی آمدنی کا روپیہ شاہ عالم کے پاس بھیجنا طے کیا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد بھیجنا موقوف کر دیا۔ سنہ ۱۲۰۲ھ مطابق سنہ ۱۷۸۸ء میں غلام قادر خاں کا ناخوش گوار جھگڑا پیش آیا اور بادشاہ کو بصارت سے محروم ہونا پڑا اور تھوڑے ہی عرصہ میں غلام قادر خاں اپنے اعمال کی سزا کو پہونچا کہ مادھوجی سندھیا کی فوجوں نے بھاگنے کی حالت میں اُس کو قید کر کے اُس کے ناک کان اور ہاتھ پاؤں کاٹ کر بڑی تکلیف سے اُس کو مار ڈالا[1] اس کے چند سال کے بعد بادشاہ شاہ عالم رمضان ۱۲۲۱ھ مطابق سنہ ۱۸۰۶ء کو وفات پا گیا۔ اور فردوس منزل کا لقب پایا۔ مصرعۂ تاریخ ہے :-

نہاں شد بزیرِ زمیں آفتاب

اُس کی جگہ اس کا ولی عہد مرزا محمد اکبر[2] تختِ سلطنت پر بیٹھا اور یہ بادشاہی اور درویشی کا امین ہے۔ حضرت شاہ قطب الدین والد ارشد حضرت مولانا فخر الدین کا ارادت مند ہے اور اُن کے مریدوں کے ساتھ رعایت سے پیش آتا ہے اور ہندوستانی امرا اور صاحبان عالی شان انگریز بادشاہوں کے طریقہ پر اُس کے ساتھ معاملہ رکھتے ہیں اللہ تعالےٰ اس کی ذات ستودہ صفات کو زمانہ کی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔

شاہزادہ آفاق مرزا جواں بخت جہاندار شاہ

سنہ ۱۱۹۹ھ مطابق سنہ ۱۷۸۴ء میں جب کہ گورنر مسٹر ہسٹنگز بہادر جلادت جنگ بعض مشوروں کے لئے عازم لکھنؤ ہوا تو شہزادہ ممدوح کو خفیہ لکھنؤ طلب کیا تاکہ متفق الرائے ہو کر ہندوستان کا نظم و نسق اچھی طرح کیا جائے۔ اُسی کے موافق شاہزادہ نے پوری عظمت و شوکت کے ساتھ لکھنؤ کا ارادہ کیا لکھنؤ کے نزدیک پہونچنے کے وقت نواب وزیر (آصف الدولہ) اور گورنر بہادر نے بڑی تعظیم سے استقبال کیا نواب وزیر نے اوّل ملازمت میں نقد اور جنس سے تین لاکھ روپے پیش کیے اور روزانہ مصارف کے لئے

---

[1] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو "غلام قادر روہیلہ" از سید الطاف علی بریلوی (مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ)

[2] اکبر شاہ ثانی سنہ ۱۸۰۶ء میں تخت نشین ہوئے اور سنہ ۱۸۳۷ء کو وفات پائی۔

مبلغ ایک ہزار روپے مقرر کئے اور مافی الضمیر کے عدم تقرر کے سبب سے گورنر عازم کلکتہ ہوا۔ اور شاہزادہ نے مغربی ممالک پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے کوچ کیا اور چاہتا تھا کہ بعض جنوبی ممالک پر جو جاٹوں اور مرہٹوں کے قبضہ میں ہیں قابض ہو جائے مگر یہ نہ ہو سکا پھر لکھنؤ لوٹا۔

شہر فرخ آباد کے اطراف میں وارد ہونے کے وقت نواب مظفر جنگ کو معمولہ خلعت، سرپیچ اور مالائے مروارید دے کر اعزاز بخشا۔ پھر شاہزادہ جہاندار شاہ بنارس پہنچ کر کچھ مدت بعد مر گیا اور مرزا جہاندار شاہ کے تین بیٹے تھے ایک مرزا خرم جس نے بنارس میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔ دوسرا مرزا مظفر بخت جو وزیر علی خاں کے قضیئے میں متہم ہوا اور صاحبان کونسل کے حکم سے بنارس سے خارج البلد ہو کر فتح گڑھ کے کیمپ میں ٹھیرایا گیا اور وہیں ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء میں وفات پائی۔ تیسرا مرزا عالی قدر جو خیر و عافیت سے بنارس میں ہے۔ اور مرزا جواں بخت جہاندار شاہ کی زندگی بھر بیس ہزار روپے ماہانہ سرکار کمپنی سے انھیں ملتے رہے اور ان کے مرنے کے بعد بیویوں اور بچوں پر تقسیم ہو گئے۔[1]

نواب نجف خاں

نواب نجف خاں کے بزرگ اعلیٰ کا نام بھی مرزا نجف خاں تھا۔ وہ شاہ سلیمان صفوی کے داماد تھے اور علی بن موسیٰ رضا کے کلید برداروں کے خاندان سے تھے سلطان حسین شہید کے زمانہ میں صدارت اور وزارت کے عہدہ پر پہونچے۔ شاہ سلیمان کی لڑکی سے ایک لڑکا میر سید محمد نام پیدا ہوا اور

[1] ملاحظہ ہو نقش سلیمانی فی البیان حالات حافظ رحمت خاں از نواب محمد سلیمان خاں اسد صفحہ ۱۴۹ - ۱۵۲ (مطبع محمدی ٹونک ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۶ء) و تاریخ ہندوستان از ذکاء اللہ دہلوی جلد نہم ۳۳۰ (دہلی ۱۸۹۸ء) و دی ہسٹری آف ایج آف شاہ عالم" از ڈبلو فرینکلن ص ۱۵۸-۱۶۰ (الہ آباد ۱۹۳۴ء)

اُس کا لڑکا میر سید علی اور اُس کے دو لڑکے ہوئے۔ بڑا لڑکا مرزا اسمٰعیل جن کے نکاح میں فاطمہ بیگم تھیں جو نواب محمد علی خاں کی بہن اور عزت الدولہ مرزا محسن کی بیٹی تھیں اور مرزا محسن نواب صفدر جنگ کے بڑے بھائی تھے۔ چھوٹا لڑکا مرزا نجف خاں جو اصفہان میں پیدا ہوا تھا نواب نجف خاں کی بہن مرزا محسن مذکور کے نکاح میں تھیں۔ نواب نجف خاں تیرہ برس کی عمر میں بہن کے ساتھ ہندوستان آئے، محمد قلی خاں کے پاس رہتے تھے اس کے مارے جانے کے بعد نواب شجاع الدولہ سے خوف زدہ ہو کر اور چھپ کر قاسم علی خاں عالی جاہ کے پاس بنگالہ پہونچے۔ عالی جاہ نے ان کے ساتھ اپنی ہمّت کے تقاضہ سے بہت رعایتیں کیں چنانچہ تین دن کے عرصہ میں تین لاکھ روپیہ ان کو دے دیا۔ عالی جاہ کی ریاست کی بربادی کے بعد مرزا نجف خاں منیر الدولہ کی وساطت سے بادشاہ شاہ عالم کے دربار میں پہنچے تین ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ پرگنہ کوڑا جہان آباد کی تحصیل پر مامور ہوئے سنہ ۱۱۸۵ھ ۲-۱۷۷۱ء میں بادشاہ کے شاہجہاں آباد پہونچنے کے بعد ان کو ذوالفقار الدولہ غالب جنگ کا خطاب ملا اور بادشاہی فوجوں سے نواب ضابطہ خاں کی شکست کھانے کے بعد تکوجی مرہٹہ وغیرہ نجیب الدولہ کی دوستی کی وجہ سے چاہتے تھے کہ ضابطہ خاں کا قصور معاف ہو جائے، اور امیر الامرا کا عہدہ اُسے عنایت ہو۔ بادشاہ نے مرزا نجف خاں کی جاں فشانی پر نظر کرکے اس بات سے انکار کیا۔ اسی بنا پر مرہٹے شاہجہاں آباد سے باہر خیمے لگا کر لوٹ مار پر تیار ہو گئے اور بادشاہ نے مرزا نجف خاں کو اُن کو دفع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مرزا نجف خاں نے تھوڑی سی مدّت میں معقول فوج بہم پہونچائی اور جنگ میں مشغول ہو کر شکست کھائی پھر نجف خاں اسمٰعیل خاں کابلی کے مکان میں محصور ہو گئے۔ آخر یہ قرار پایا کہ مرزا نجف خاں تین ہزار روپیہ روزانہ پایا کریں اور ہمیشہ مرہٹوں کی رائے کے موافق رہیں لیکن اگر مرہٹوں کو نواب شجاع الدولہ سے لڑائی پیش آئے تو کسی طرف شریک نہ ہوں۔ اُس کے بعد امیر الامرائی کا عہدہ ضابطہ خاں کے سپرد کیا گیا۔ نواب نجف خاں نے بادشاہ کے حکم سے نول رائے جاٹ پر

لشکرکشی کرکے قلعۂ اکبرآباد فتح کرلیا۔ اور ضابطہ خاں کو معزول کرکے امیر الامراء کا منصب خود حاصل کیا اور ۱۱۹۷ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں اس جہاں سے گزر گئے۔ اور جاٹ کے ملک پر جو ہاتھ آیا تھا اس پر نواب افراسیاب خاں کا سارا اختیار ہوگیا وہ نجف خاں کا چیلا تھا۔[1]

نواب رضا قلی خاں منیرالدولہ محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے زمانے میں ایران سے آئے اعتمادالدولہ قمرالدین خاں وزیر کی سرکار میں کچھ داروغہ فراش خانہ اور کچھ مدت داروغہ دیوان خانہ رہے پھر شاہ عالم کے ملک بنگالہ کی طرف متوجہ ہونے کے وقت اور تخت سلطنت پر بیٹھنے کے وقت بنارس کے اطراف سے حاضر ہوکر سفارت کے کاموں پر احمد شاہ ابدالی کے پاس گئے اور وہاں سے واپس آکر حضور میں

---

[1] مرزا نجف خاں ایرانی نسل سے تھا ۱۷۳۷ء میں اصفہان میں پیدا ہوا اور اپنی بہن کے ہمراہ ہندوستان آیا جو مرزا محسن کی بیوی تھیں۔ اول محمد قلی خاں کا ملازم رہا جو الہ آباد کے قلعہ کا شاہی داروغہ تھا اس کے بعد نجف خاں بنگال پہونچا اور نواب قاسم علی خاں سے تعلق پیدا کیا۔ جنگ بکسر کے بعد نجف خاں نے انگریزوں کی خدمات انجام دیں فروری ۱۷۶۵ء میں الہ آباد پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اور لارڈ کلایو نے مرزا نجف خاں کی دو لاکھ روپیہ سالانہ پنشن مقرر کی اور بادشاہ کی طرف سے کوڑا جہان آباد کا فوجدار بنایا منیرالدولہ نے نجف خاں کو اس عہدہ سے علیحدہ کردیا۔ جب ۱۷۷۱ء میں بادشاہ دہلی گیا تو نجف خاں کو انگریزوں نے بادشاہ کے ساتھ فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے بھیجا۔ یہ بڑا انحطاط کا زمانہ تھا اُمرا سازشوں اور عیش کوشیوں میں مصروف تھے مرزا نجف نے اکثر لڑائیاں لڑیں جاٹوں کی سرکوبی کی مرزا نجف خاں روہیلوں کا مخالف رہا اس کے لئے وہ مرہٹوں سے بھی اتحاد کرلیتا تھا۔ مرزا نجف خاں کے عہد میں شیعیت کو خوب فروغ ہوا۔ حضرت مظہر جان جاناں اسی کے زمانے میں شہید اور شاہ عبدالعزیز دہلوی خارج البلد ہوئے آخر زمانے میں مرزا نجف خاں شراب نوشی اور عیش وعشرت میں مصروف ہوگیا جس کے نتیجے میں مختلف امراض کا شکار رہا۔ اور اپریل ۱۷۸۲ء میں فوت ہوا۔

ملاحظہ ہو فال آف دی مغل امپائر (انگریزی) از جادو ناتھ سرکار جلد سوم (کلکتہ ۱۹۵۲ء)

رہتے تھے۔ یہاں تک کہ شاہ عالم کی الہ آباد سے شاہجہاں آباد تشریف آوری کے وقت صوبہ الہ آباد اور اس کے اطراف کی نیابت پر متعین ہو گئے اور اُسی زمانہ میں انتقال کر گئے اُن کی نعش کو عظیم آباد پہونچا کر اُسی مقبرہ میں جو اُنھوں نے اپنے لئے بنایا تھا دفن کیا گیا انھوں نے تین لڑکے چھوڑے۔ شجاع قلی خاں۔ عباس قلی خاں۔ کریم قلی خاں جو اچھی عادات اور بزرگ اوصاف کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہیں۔

نواب عبدالاحد خاں مخاطب بہ فرزند خان بہادر بہرام جنگ

ولد نواب عبدالمجید خاں کشمیری۔

عبدالمجید خاں نہایت صاحب شعور اور کارواں شخص تھے۔ محمد اسحاق موتمن الدولہ کی وفات کے بعد ذی قعدہ ۱۱۵۳ھ/۱۷۴۱ء کی چاند رات کو دیوان خالصہ کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ اور سعید الدین خاں کی وفات کے بعد محرم کی پہلی تاریخ ۱۱۵۴ھ/۱۷۴۱ء میں دیوانیٔ تنخواہ کا عہدہ بھی اُنھیں مل گیا۔

عبدالاحد خاں کو شاہ عالم کی بادشاہت کے زمانے میں مجدالدولہ کا خطاب ملا اور وزارت کا تمام کام اُن کی نیابت میں ان کے سپرد ہوا۔ مرزا نجف خاں اور ان کے مابین کشیدگی کی وجہ سے ۱۱۵۳ھ/۱۷۴۰ء میں وہ قید کر دیئے گئے۔ قلعہ اکبرآباد میں مقید رہے اور اُسی قید کے زمانے میں مرگئے۔ نہایت نفیس طبیعت واقع ہوئے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ جس دن قید کیا گیا۔ تین لاکھ کا دواخانہ اُن کے ساتھ تھا[1]۔

نواب مدارالدولہ

خواجہ بہاءالدین نقش بند کی اولاد میں تھے۔ ان کے والد محمد موسیٰ خاں ہندوستان آکر بادشاہ معزالدین جہاندار شاہ کے داماد ہو گئے ان کی اولاد شاہزادوں کی طرح شاہجہاں آباد کے قلعہ میں رہتی تھی اور غلام قادر خاں کے ہنگامہ میں فردوس منزل کی خدمت سے رہائی پا کر سب متفرق ہو گئے۔

---

[1] عبدالاحد خاں کا انتقال ۱۷۸۸ء میں ہوا۔ عبدالاحد خاں کے حالات کے لئے دیکھئے تاریخ ہندوستان از ذکاءاللہ دہلوی جلد نہم ص ۳۲۱-۳۲۹-۳۳۱-

مدار الدولہ کی ماں جہاندار شاہ کی بیٹی کے سوا ہے۔ مدار الدولہ کا نام میر یوسف ہے۔ فردوس منزل شاہ عالم کے زمانہ میں وکیل السلطنت مختار الملک مدار الدولہ کا انہیں خطاب دیا گیا وزیر اودھ سعادت علی خاں کی ریاست میں ساٹھ ہزار روپیہ کی جاگیر ان کے لئے مقرر تھی جو ان کے مرنے کے بعد بدستور ان کے بیٹوں کے نام بحال رہی۔

نواب عماد الملک غازی الدین خاں وزیر

اصلی نام میر شہاب الدین ہے۔ میر محمد پناہ مخاطب بہ خان فیروز جنگ ثانی کے بیٹے ہیں۔ اور فیروز جنگ ثانی۔ نواب نظام الملک آصف جاہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ اور نواب نظام الملک آصف جاہ خاں فیروز جنگ اول کے بیٹے ہیں فیروز جنگ ثانی قرآن مجید کے حافظ اور نہایت پرہیزگار اور پاک شخص تھے۔ ان کے ایک معتمد نے بیان کیا ہے کہ جو خدمت گار انہیں غار تہجد کے لئے جگاتا وہ اُسے دس روپے انعام دیتے تھے۔

نادر شاہ کی جنگ میں صمصام الدولہ خان دوراں خاں کے قتل ہونے کے بعد اور آصفجاہ کے ۱۱۵۳ھ میں نظام الدولہ ناصر جنگ اپنے دوسرے لڑکے کے فساد دفع کرنے کی غرض سے دکن جانے کے بعد امیر الامرائی کا عہدہ فیروز جنگ ثانی کو ملا۔ پہلے یہ عہدہ آصف جاہ کے نام تھا۔ نظام الدولہ ناصر جنگ نے اپنے چند ساتھیوں کے بہکانے سے ریاست کے لئے سرکشی کی تھی اور آخر کار خفیف لڑائی کے بعد زخمی ہو کر قید ہو گیا۔ ۴ رجمادی الثانی ۱۱۶۱ھ میں دکن میں آصفجاہ کی وفات کے بعد جب فیروز جنگ ثانی کا شاہجہاں آباد سے سفر دکن کا پختہ ارادہ ہوا تو وہ اپنے بیٹے میر شہاب الدین کو جو سولہ برس کا تھا۔ وزیر اعظم صفدر جنگ کے سپرد کر کے دکن کی سمت روانہ ہوا۔

شہاب الدین کو میر کا لقب اس وجہ سے دیا گیا کہ اُن کا نسب خلیفہ رسول اللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے اور توران میں سیادت کو ماں کی جانب سے بھی لیتے ہیں اگرچہ باپ سید نہ ہو۔ اور میر شہاب الدین کی ماں زیب النساء بیگم خواجہ زکریا احراری سمرقندی

کی بیٹی تھی۔ خواجہ عبداللہ احرار سے نسبت کی وجہ سے اس خاندان کے فرزندوں کا لقب بھی احرار ہے۔ اور یہ زیب النساء میر شہاب الدین کی ماں اور نورالنساء نواب یحییٰ خاں کی بیوی آپس میں بہنیں ہیں۔ شولاپوری بیگم کے بطن سے انتظام الدولہ اور معین الملک پیدا ہوئے جو اعتمادالدولہ قمرالدین خاں وزیر کے بیٹے ہیں۔ حاصل کلام خاں فیروز جنگ ثانی اورنگ آباد پہونچنے کے بعد ہفتہ عشرہ میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۲ء کو انتقال کر گئے اور ان کی نعش کو شاہجہاں آباد پہونچا کر ان کے دادا کے مدرسہ میں دفن کیا گیا۔

جب یہ خبر شاہجہاں آباد پہونچی۔ صفدر جنگ نے نہایت کوشش کرکے میر شہاب الدین کو احمد شاہ بادشاہ کے دربار سے میر بخش کا خلعت اور عمادالملک امیرالامراء کے خطاب سے سرفراز کروایا۔ جب صفدر جنگ نے بادشاہ اور اُس کی ماں کے اختلاف کی وجہ سے صوبہ اودھ کے ارادہ سے شاہ جہاں آباد کے باہر خیمہ لگایا۔ تو عمادالملک خیمہ تک مشایعت کے لئے آئے اور اجازت لے کر اپنے کو بادشاہ اور بادشاہ کی والدہ، صاحب زمانیہ ادہم بائی کے حضور میں پہونچایا اور بڑے بڑے مراتب اُن کو حاصل ہوئے۔

خانخاناں انتظام الدولہ اور عاقبت محمود خاں نے صفدر جنگ کی ہمسری کے لئے سر اُٹھایا چونکہ بادشاہ اور اُن کی ماں نے صفدر جنگ کے مار ڈالنے کے لئے جاوید خاں ناظر ملقب بہ نواب بہادر کو ۲۸ ماہ شوال ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۲ء کو دعوت کے بہانہ سے بلایا اور عمادالملک کی مدد سے اس کو مبلغ دو کروڑ روپے بادشاہی خزانہ سے مرحمت ہوئے اور عمادالملک نے خان فیروز جنگ ثانی کے اندوختہ سے بھی روپیہ اُس میں شامل کیا اور فوج محفوظ رکھنے کے لئے حکم جاری کیا۔ ۲۳ ہزار سوار صفدر جنگ کے لشکر سے جو بین داغ تھے آکر اُن سے مل گئے اور نجیب خاں افغان یوسف زئی بھی ترقیات کی توقع پر ان کا شریک ہو گیا۔ چھ ماہ تک ہنگامۂ کارزار گرم رہا۔ آخرالامر صفدر جنگ نے لڑائی چھوڑ کر صوبہ اودھ کی طرف کوچ کیا اور وزارت جو جاوید خاں کے مار ڈالنے کے بعد صفدر جنگ سے انتظام الدولہ کو پہونچی تھی۔ انتظام الدولہ اور عمادالملک کے اختلاف کی وجہ سے عمادالملک کو ملی۔

اُس کے بعد عماد الملک اپنے اور بادشاہ کے اختلافِ رائے کی وجہ سے امورِ سلطنت میں اور بھی دخیل ہو گئے اور بادشاہ نے جو بعض تحریرات اُمرائے سلطنت کو لکھی تھیں اس کی وجہ سے عماد الملک نے احمد شاہ بادشاہ کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی اور ان کو گوشہ نشین کر دیا پھر ۱۰ ماہ شعبان ۱۱۶۷ھ کو عزیز الدین بن معز الدین کو گمنامی سے نکالا اور عالمگیر ثانی کا لقب دے کر تخت نشین کیا۔ اُس کے بعد سپاہ اور عماد الملک کے سواروں کے درمیان تنخواہ کی بابت ہنگامہ ہوا۔ بالآخر نجیب خاں کے افغانوں کی دلیری سے عماد الملک کے رسالے کو ہنگامے سے نجات ملی۔ اس کے بعد انتظام الدولہ اور عالمگیر ثانی کے مارے جانے کے سبب سے تین روز بعد عماد الملک کے اشارہ سے شاہجہان آباد میں ہر چھوٹے بڑے کو جنھیں عماد الملک سے بیزاری تھی پریشانی میں مبتلا کیا گیا پھر ملازمانِ شاہی نے افغانوں سے متفق ہو کر عماد الملک پر تنخواہ کا سخت تقاضا کیا۔ عماد الملک نے اس وجہ سے نیز شاہ ابدالی کی آمد کی خبر سُن کر شاہجہان آباد سے کنارہ کشی کے سوا اور کوئی تدبیر نہ دیکھی اور وہ سورج مل جاٹ کے پاس بھرت پور پہونچے۔

سورج مل نے اُن کا خیر مقدم کیا۔ اور تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ چند دن وہاں رہ کر فرخ آباد آئے اور نواب احمد خاں نے پُرانی ملاقات کا لحاظ کر کے دس ہزار روپیہ ماہانہ اُن کے اخراجات کے لئے مقرر کر دیئے اور پرگنہ بلہور جاگیر میں دیا۔ اور عماد الملک کی تعظیم و توقیر شاہجہان آباد کے تمام امیروں سے جو فرخ آباد میں تھے زیادہ کی۔ لیکن جب عماد الملک کو شاہ عالم بادشاہ کا الہ آباد سے شاہجہان آباد جانے کا ارادہ معلوم ہوا۔ اور اُس کے اطراف فرخ آباد میں سے گزرنے کا علم ہوا جو انھوں نے وہاں اپنے قیام کو مناسب نہ سمجھ کر کوچ کیا کچھ دنوں پنجاب کے شہروں میں مقیم رہے اور پھر وہاں سے مکہ اور مدینہ شریف گئے۔ واپسی پر شہر کالپی میں قیام کیا اور کالپی ہی میں دس ربیع الثانی ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء کو انتقال کیا۔

عمدہ بیگم دختر معین الملک بن قمر الدین وزیر کی شکم سے عماد الملک کا ایک لڑکا تھا

جس کا خطاب معلّے جاہ تھا[1]۔ اور گنا بیگم دختر علی قلی خاں والہ داغستانی کے بطن سے بھی ایک لڑکا تھا جس کا خطاب نصیر الدولہ تھا۔ یہ دونوں انتقال کر گئے۔ عماد الملک کی جاگیر جو اطراف کالپی میں ہے نصیر الدولہ کے قبضہ میں ہے۔ اور تیسری زوجہ کے بطن سے بھی اُن کا ایک لڑکا غلام جیلانی خاں تھا جو شاہجہاں آباد میں برف کھاتے ہوئے مرا۔

عماد الملک کو شعر گوئی کا بہت شوق تھا اور اُس کا تخلص نظام تھا۔ ذیل کا شعر اُسی کا[2] ہے ؎

غمزۂ چشم فسوں سازش مرا از خویش بُرد
آنچہ دلبر با دلِ من خواست آخر پیش بُرد

ولہٗ

ما چساں آگہی از جاں منش دست دہد
یار من بے خبر و نالۂ من بے اثر ست

دکن میں آصف جاہ کی وفات کے بعد نواب احمد خاں نظام الدولہ ناصر جنگ مسند نشینِ

---

[1] ولیم اروِن نے اس کا خطاب "عالی جاہ" لکھا ہے۔ (تاریخ فرخ آباد ص۹۳)

[2] ولیم اروِن لکھتے ہیں کہ عماد الملک کے حالات ۱۷۵۲ء سے ۱۷۶۰ء تک بخوبی معلوم ہیں مگر جب سے ان کا اقتدار جاتا رہا اس وقت سے حالات نہیں ملتے۔ ایک کتاب سے معلوم ہوا ہے کہ کرنل گاڈرو کو بندر سورت میں ۱۷۹۰ء میں ملے تھے پھر مکہ شریف پہونچے وہاں سے لوٹ کر کابل قندھار پہونچے اور احمد شاہ دُرانی کے بیٹے تیمور سے ملاقات کی اور اس کی مدد سے کر احسان بخت شہزادہ بن شاہ عالم ثانی کے ہمراہ ملتان آئے۔ شہزادہ ملتان میں مر گیا عماد الملک بہلول پور پہونچے پھر بُندیل کھنڈ آئے۔ کالپی میں انتقال ہوا نعش پاک پٹن میں دفن ہوئی۔ (تاریخ فرخ آباد ص۹۰-۹۳) غازی الدین مشہور چشتی بزرگ شاہ فخر الدین دہلوی کا مرید تھا اس نے ان کے حالات میں ایک کتاب "مناقب فخریہ" لکھی ہے جو مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوئی۔ اس کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر کاکوروی نے کیا ہے۔ جو کراچی سے "ملفوظات وحالات شاہ فخر دہلوی" میں شامل ہو کر طبع ہو چکا ہے۔

ریاست ہوئے۔ نواب محی الدین خاں مظفر جنگ نے ہنگامہ آرائی کا خیال کیا [illegible] جنگ آصف جاہ کے نواسے اور شاہجہاں کے وزیر سعد اللہ خاں کی اولاد میں تھا اور وہ آصف جاہ کے زمانے میں بیجاپور کے صوبہ دار تھے۔ انھوں نے حسین دوست محمد خاں عرف چندا صاحب کو اپنے ساتھ ملایا جو ارکاٹ کے علاقے کا حاکم تھا۔ اور فرانسیس پھلچری کی فوج کو رفیق بنا کر نواب انورالدین خاں شہامت جنگ گوپاموی پر لشکر کشی کی شہامت جنگ آصف جاہ کے وقت سے اُس اطراف کے ناظم تھے اور انورالدین خاں نے بتاریخ ۱۶ شعبان ۱۱۶۲ھ و ۱۷۴۹ء کو اس معرکہ میں شہادت پائی۔ اس حقیقت کو معلوم کر کے ناصر جنگ نے مظفر جنگ سے لے کر پھلچری تک تاخت کی۔ اور بڑی لڑائی کے بعد ۲۶ ربیع الاوّل ۱۱۶۳ھ ۱۷۵۰ء کو مظفر جنگ قید ہوا۔

اُس کے بعد ناصر جنگ افغانان درک زئی ہمّت خاں وغیرہ رئیس کڑپا کرنول سے مقابلہ کر کے مار ڈالے گئے۔ اور اُن کے ساتھی ان کی نعش کو اورنگ آباد میں لائے اور آصف جاہ کے پہلو میں شاہ برہان الدین کے پاس قصبۂ روضہ میں دفن کیا۔ میر غلام علی آزاد نے ان کی تاریخ کہی ہے:—

نواب عدل گستر عالی جناب رفت
فرصت نداد تیغ حوادث شتاب رفت
در ہفدہم زماہِ محرم شہید شد
تاریخ گفت نوحہ گرے آفتاب رفت

حسب ذیل اشعار بھی میر غلام علی آزاد کے ہیں:—

نواب آفتاب جہاں تاب معدلت — محشور باجناب حسین ابن فاطمہ
تاریخ خواستم زبرائے شہادتش — ارشاد کرد پیر خرد حُسنِ خاتمہ

اور یہ نواب صاحبِ دیوان ہے ذیل کا شعر بھی اُن ہی کا ہے:—

گر ترا خواہش قتل است بیا بسم اللہ — در ہم شمشیر بود گردنِ ما بسم اللہ

اس کے بعد مظفر جنگ قید سے نکلے اور فرنگیوں اور افغانوں سے متفق ہو کر ریاست کی طرف خیال کیا۔ حیدر آباد پہونچ کر افغانوں سے بدگمان ہو گئے اور فرنگیوں سے متفق ہو کر ہمت باز خاں سے لڑے مگر مظفر جنگ۔ اور ہمت باز خاں بحکم قضائے الٰہی ۱۶؍ ربیع الاول ۱۱۶۴ھ ۱۷۵۱ء کو مار ڈالے گئے۔ اس واقعہ کے بعد سید محمد خاں امیر الممالک صلابت جنگ، ناصر جنگ کے بھائی ملک دکن کی مسند ریاست پر بیٹھے اور اورنگ آباد سے پونا کا ارادہ کیا اور ۱۴؍ ماہ محرم ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۱ء کو بالاجی راؤ مرہٹہ سے سخت لڑائی ہوئی آخر میں صلح ہو گئی۔

فیروز جنگ ثانی نے آصف جاہ کی وفات کے بعد امیر الامراء کا خطاب اور ملک دکن کی صوبہ داری پائی شاہجہان آباد سے روانہ ہو کر اورنگ آباد پہونچتے ہی ہفتہ عشرہ میں ناگہانی موت سے ۷؍ ذی الحجہ ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۲ء کو مر گئے ان کی نعش شاہ جہان آباد پہونچی اور ان کے دادا کے مدرسہ میں دفن کی گئی۔ اس کے بعد دکن کی حکومت امیر الممالک صلابت جنگ کو بے خطر ہو گئی۔ اور اُن کے مرنے کے بعد نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی، صلابت جنگ کا بھائی اُس دولت سے کامیاب ہوا۔ اور اُس کی وفات کے بعد نواب فولاد جنگ اُس مسند پر متمکن ہوئے۔

نواب جلال الدولہ معروف بہ میر سلمان

یہ شخص عماد الملک کے ساتھیوں میں سے تھا۔ فرخ آباد آکر محلہ نت گنجہ کے ایک مکان میں رہتا تھا۔ اور عماد الملک کے جانے کے وقت ساتھ گیا لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ عماد الملک سے واقع ہوا۔ یعنی احمد شاہ کی آنکھوں میں سلائی پھیرنا اور عالمگیر ثانی اور انتظام الدولہ خانخاناں اور عاقبت محمود خاں کا قتل، یہ سب جلال الدولہ کی رائے سے ہوا۔

نواب یحییٰ خاں

ولد اکبر زکریا خاں خان بہادر جس کا ذکر تیسرے مقالہ میں گزرا ہے۔ جب اس نے خواجہ پانصدی کی خدمت میں رہ کر درویشی اختیار کی تو اس کو یحییٰ شاہ کہنے لگے اور ان کا دوست شاہ عظمت اللہ بھی فقیر تھا جو رقم

کے مکان کے قریب رہتا تھا۔ اور میرے ساتھ اس کا بہت ربط ضبط تھا۔ میں نے اس کو کبھی خدا سے غافل نہ دیکھا۔ ہر خوشی ناخوشی۔ فراخی اور تنگ دستی میں کلمۃ اللہ اُس کی زبان پر رہتا تھا۔ مرنے کے بعد میر یحییٰ شاہ کی قبر کے نزدیک دفن ہوا۔

شاہ عظمت اللہ کا نعمت اللہ نام ایک لڑکا تھا۔ جو مفقود الخبر ہو گیا تھا۔ اور اُس کے تین بیٹے تھے۔ میر علی بخش میر ولی بخش اور میر تونگر علی کہ یہ تینوں بڑے بڑے انگریزوں کی وساطت سے صوبہ داری کے عہدہ پر پہونچے۔ ان میں سے دو پہلے انتقال کر گئے۔ اور میر تونگر علی زندہ ہیں۔ اور بہت نامور ہیں۔

خواجہ داؤد خاں یحییٰ شاہ کا بیٹا ہے جو اعتماد الدولہ کی لڑکی کے بطن سے ہے اور اُس کی ماں خالہ بیگم کے عرف سے مشہور ہے کیونکہ وہ عماد الملک وزیر کی خالہ تھی دونوں فرخ آباد آکر مرے اور وہیں دفن ہوئے۔

شاہ نواز خاں یحییٰ شاہ کا چھوٹا بھائی تھا جو لاہور میں مرا۔ اُس کا بیٹا مرزا جان بھی اُس قافلہ کے ساتھ فرخ آباد آکر مرا اور اُس کا ساتھی جو مولوی رحیم یار خاں بخاری آیا تھا وہ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ اور مروجّہ اور غریبہ میں یدِ طولےٰ[1] رکھتا تھا۔ وہ بھی فرخ آباد میں مرا۔ اُس کا لڑکا میر مغل[2] نواب مظفر جنگ کا مصاحب ہوا۔ اور آخر عمر تک عیش و آرام سے زندگی بسر کر کے مر گیا۔

نواب عنایت خاں خلف ظہیر الدولہ عظیم اللہ خاں جو محمد امین خاں کے چھوٹے بھائی تھے۔ کچھ روز مالوہ کے صوبہ دار اور کچھ دن صدر الصدور رہے۔ ۲۱ رمضان ۱۱۴۴ھ کو شاہجہان آباد میں انتقال ہوا۔

نور النساء بیگم وزیر اعتماد الدولہ کی بہن عظیم اللہ خاں کے نکاح میں تھیں۔ عنایت خاں

۱؎ یہ شخص عماد الملک کا بہت دوست تھا اور چار سو روپے ماہوار اس کو ملتے تھے۔ ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (ارون) ص ۹۸

۲؎ ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (ارون) ص ۹۵

ان ہی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اور رعایت خاں کا نکاح وزیر موصوف کی لڑکی سے ہوا تھا وہ بیوی کے ساتھ فرخ آباد آئے۔ نواب احمد خاں کی وفات کے بعد فرخ آباد سے چلے گئے تھا اور گوشہ گمنامی میں فوت ہو گئے[1]

حکایت: عظیم اللہ خاں نے ایک بار قرآن شریف خرید کر اس کی تصحیح میں ایسی کوشش کی کہ اُس کے صلہ میں پانسو روپیہ حافظوں کو دئے۔ اور وصیت کی کہ اس قرآن کو میرے سامان میں شامل کریں اور اُس کی وفات کے بعد اُس کی وصیت کے مطابق یہ عمل کیا کہ جو حافظ ملا اُس کو پانچ روپیہ میں یہ قرآن کریم دے دیا۔

میر فخر الدین خاں مشہور بہ نواب جیو یہ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں وزیر کے بیٹے اور مظفر خاں برادر صمصام الدولہ خان دوراں خاں کی بیٹی کے شوہر ہیں کچھ روز فرخ آباد میں رہے۔ نواب احمد خاں ہزار روپیہ تنخواہ اُن کو دیتے تھے۔ نواب احمد خاں کے مرنے کے بعد فرخ آباد سے شاہجہاں آباد جا کر انھوں نے وفات پائی[2]۔

نواب میر جملہ عبد اللہ خاں بیٹا میر جملہ فرخ سیری کا۔ جو شریعت اللہ خاں کا بھائی ہے اور شریعت اللہ خاں، عظیم اللہ خاں کے معزول ہونے کے بعد منصب صدارت پر پہونچا اور ۲ رجب ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء کو انتقال کیا۔

اُس کے بعد ۲ ذی قعدہ ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء کو اس عہدہ پر عبد اللہ خاں پہونچا اور اُس کو فرخ آباد پہونچنے کے وقت راقم نے دیکھا تھا۔ ایک عالم فاضل شخص تھا۔ صاحب تصانیف بھی تھا کتاب ہمیان المنطق میزان منطق کی شرح اور رسالہ شیخ عبد الحق دہلوی کی شرح، منطق میں اُس کی تصنیفات ہیں نواب احمد خاں غالب جنگ کی وفات کے بعد فرخ آباد سے کسی طرف

---

[1] نواب رعایت خاں کا ایک بھائی قطبی خاں بھی فرخ آباد میں تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۹۸

[2] ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) صفحہ ۹۸

چلا گیا اور وفات پائی۔ اِنّا للّٰہ وانا الیہ راجعون[۱]۔

نواب احمد علی خاں سید سادات خاں فرخ سیری کے بھانجے تھے نواب احمد خاں کے زمانے میں فرخ آباد آئے اور محلہ اسمٰعیل گنج میں ایک حویلی میں ٹھہرے یہ حویلی راجا کی حویلی کے نام سے مشہور تھی اور انھوں نے اسی شہر میں وفات پائی یہ سادات خاں آصف جاہ کی وفات کے بعد چند دن امیر الامرا اور مخاطب بہ ذوالفقار جنگ رہے۔ اس کے بھانجے احمد علی خاں بخشی منصب دار تھے[۲]۔

نواب جعفر قلی خاں نواب حیدر قلی خاں کے بھائی تھے جو برہان الملک سے پہلے داروغہ توپ خانہ تھے۔ یہ نواب احمد خاں کے زمانے میں فرخ آباد آئے تھے تھوڑے دن فرخ آباد میں رہے پھر انتقال ہو گیا۔ اور فرخ آباد کے اطراف میں دفن ہوئے[۳]۔

نواب امیر خاں عمدۃ الملک محمد شاہی امرا میں سے ہیں۔ لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی میں یگانہ روزگار تھے۔ الٰہ آباد کی صوبہ داری سے لوٹتے وقت نواب مظفر جنگ کے زمانہ میں فرخ آباد آئے۔ نواب مظفر جنگ نے ان کو جعفر خاں کی حویلی میں اُتارا بڑی بڑی دعوتیں کیں۔ کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ اور انجام تخلص تھا۔ جسب ذیل اشعار ان ہی کے ہیں[۴]

---

[۱] میر محلہ عبداللہ خاں کو پانچ سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) ص ۹۴

[۲] ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) ص ۹۵ [۳] نواب صدر قلی خاں میر آتش اور صوبیدار گجرات کے بھائی تھے۔ ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) ص ۹۹

[۴] انجام ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں قتل کئے گئے فارسی اور ریختہ میں فکر سخن کرتے تھے۔ نعمت اللہ ولی کی اولاد میں تھے اکثر پہیلیاں کہا کرتے تھے۔ نصیر حسین خاں نے مغل اور اُردو میں بعض طبع زاد باتیں درج کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انجام کی سرپرستی میں اُردو زبان و محاورات کی تحقیق کی ایک انجمن قایم ہوئی تھی اور اسی کی نقول مشہر کی جاتی تھیں خیال نے بغیر حوالہ اور تاریخی سند کے یہ باتیں لکھی ہیں انجام کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: (۱) یادگار شعرا ص ۳۳ (۲) تذکرہ ریختہ گویاں (گردیزی) ص ۲۰ (۳) مخزن نکات ص ۳۱-۳۲ (۴) گلشن ہند ص ۱۴-۱۵ (۵) مجموعہ نغز ص ۸۰

باوجِ بیکسی مابچو ہما نرسد   رسیدہ ایم بجائے کہ کس بما نرسد

فریاد کہ پیراہن دیوانگی من   چوں دامن صحرا خبر از چاک ندارد

نرشکم کم نمی گردد بسعی چشم تر بستن   کہ نتواں شدرہِ سیلاب را مانع زدر بستن

نواب عبدالباقی خاں ولد حمید الدین خاں نیمچہ عالمگیری، یہ عالمگیر کا حد درجہ معتمد تھا اور عالمگیر کی وفات کے بعد اُس کے مزار کے خدّام کی جاگیروں پر داروغہ رہا۔ اور یہ عبدالباقی خاں نواب احمد خاں کے زمانے میں فرخ آباد آیا محلہ بنت گنجے میں کرائے کے مکان میں رہنے لگا۔ میرے والد سیّد احمد علی پر بہت مہربانیاں کرتا تھا اور مجھ پر بھی بہت نوازش فرماتا تھا۔ شاہ عالم کے شاہجہاں آباد پہونچنے کے بعد دہلی گیا[۱]۔ اور وہیں پر دفن ہوا۔ اور اُس کے بیٹے جو میرے ہم سن تھے میرے بڑے دوست تھے اُن میں سے مرزا مغل ہے۔ جو شعر بھی کہتا تھا حسب ذیل شعر اسی کا ہے۔

سلسلۂ عشق میں جو گبر و مسلماں دیکھے   زلف کی طرح سبھی ہم نے پریشاں دیکھے

نواب داراب خان ولد تربیت خاں جو امرار محمد شاہی سے ہے۔ داراب خاں، نواب احمد خاں کے زمانہ میں فرخ آباد آیا۔ عزت سے زندگی بسر کی اور اُسی شہر کے اطراف میں دفن ہوا[۲]۔ اب بعض امرار بنگالہ کا ذکر کہ اُن میں سے نواب خادم حسن خاں اور نواب علی خاں نواب غالب جنگ کے زمانہ میں فرخ آباد آئے تھے۔ ضروری ہوا۔

سیّد حشمت خاں سادات صحیح النسب سے ہیں محمد شاہ فردوس آرامگاہ کے زمانہ میں نظام الملک آصف جاہ کی طرف سے وکالت کے عہدہ پر مامور تھے۔ شاہجہاں آباد کی

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردن) ص۹۸
[۲] ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردن) ص۹۹

بربادی کے زمانہ میں دوسرے امیروں کی طرح فرخ آباد میں آئے۔ راقم کئی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ اہل سُنت دجماعت مذہب رکھتے تھے۔ اور ردِّ شیعہ میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ آخر کار بخشی فخرالدولہ کے ساتھ ترک فرخ آباد کر کے وفات پائی[۱]

نواب جعفر خاں اس کا نام مرشد قلی[۲] تھا اور شہر مرشد آباد کی بُنیاد اسی نے ڈھالی ہے پہلے صوبۂ بنگالہ کا دیوان تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں نظامت پر مامور ہوا۔ شجاع الدولہ[۳] جو خراسانی ترکوں کی قوم سے ہے۔ اور برہان پور میں پیدا ہوا۔ جعفر خاں کا داماد ہے۔ جعفر خاں کی زندگی میں صوبۂ اُڑیسہ کا انتظام شجاع الدولہ کے سپرد تھا۔

---

۱ ملاحظہ ہو تاریخ فرخ آباد (اردو) ص ۹۹

۲ مرشد قلی خاں کا باپ ایک غریب اور گداگر برہمن تھا حاجی شفیع نامی کوئی ایرانی سوداگر اسے خرید کر اصفہان لے گیا وہاں اس کی تعلیم وتربیت بہت اچھی طرح ہوئی حاجی شفیع کے مرنے کے بعد مرشد قلی خاں پھر ہندوستان آیا اور دکن کے صوبیدار کی ملازمت کرلی اور اپنے کام کو بڑی قابلیت سے انجام دیا ۱۷۰۱ء میں بنگال کی دیوانی پر سرفراز ہوا یہاں کے انتظام کو بہت توجہ سے درست کیا اورنگ زیب عالمگیر اس سے بہت خوش ہوا۔ بنگال و بہار کی نظامت سپرد کی ۱۷۲۵ء میں فوت ہوا۔ ملاحظہ ہو (۱) تواریخ جدید صوبۂ اُڑیسہ وبہار ص ۲۳۹۔۲۴۰ (۲) تواریخ ڈھاکہ ص ۷۱۔۷۹ (۳) سراج الدولہ ص ۵۶۔۶۰

۳ یہ ترکستان کے قبیلہ قشار سے تعلق رکھتا تھا اس کا باپ دکن میں ایک ممتاز عہدیدار تھا۔ مرشد قلی خاں کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوا۔ انتظام ملکی نہایت توجہ سے کیا۔ علی داد خاں اس کا مشیر اعلےٰ تھا اس کے علاوہ حاجی احمد، رائے عالم چند، جگت سیٹھ فتح چند کی ایک مشاورتی کونسل بنائی۔ ۱۷۳۹ء میں شجاع فوت ہوا شجاع گوناگوں محاسن کا مجموعہ تھا۔ مگر عیش پسند اور راحت طلب تھا اس کی حسن پرست طبیعت طوائفوں کے مجرے اور رقص وسرود کی مجالس میں سکون پاتی تھی۔

ملاحظہ ہو سراج الدولہ صفحہ ۶۰ — ۶۱

جعفر خاں کی بیٹی سے شجاع الدولہ کا ایک لڑکا سرفراز خاں تھا جس کا خطاب علاء الدولہ تھا۔ لیکن علاء الدولہ شجاع الدولہ کے ساتھ ناموافقت کے سبب سے اپنے باپ جعفر خاں کے پاس عزت سے زندگی بسر کر رہی تھی۔

علی وردی خاں جس کا آخر میں خطاب مہابت جنگ ہوا ۱۔ افشار قوم سے ہے۔ شروع میں شجاع الدولہ کے ساتھیوں میں تھا اس نے اپنے بھائی حاجی احمد کو بھی وطن سے مع اہل و عیال کے بلا لیا تھا اور شجاع الدولہ کو نوکر کرا دیا تھا شجاع الدولہ صوبہ داری کا تمام کام ان دونوں بھائیوں کی رائے سے کرتا تھا اور علی وردی خاں کو ترجیح دیتا تھا۔ جعفر خاں اپنے بڑھاپے کے زمانے میں چاہتا تھا کہ اُس کے بعد صوبہ داری اُس کے نواسے سرفراز خاں علاء الدولہ کو ملے ۱۱۵ اس معاملہ میں اپنے وکیلوں کو لکھا کہ بادشاہ کے حضور میں اس مقصد کے لئے سخت کوشش کریں اور شجاع الدولہ جب اس بات سے آگاہ ہوا تو اس نے دونوں بھائیوں سے مشورہ کر کے ایک وکیل بادشاہ کے حضور میں صوبہ داری کی استدعا کے لئے بھیجا۔ اسی اثنا میں جعفر خاں کی موت کی خبر سُنی۔ شجاع الدولہ نے علی وردی خاں کے ساتھ دارالامارت مرشد آباد کا ارادہ کیا اور اپنے لڑکے محمد تقی خاں نامی کو جو جعفر خاں کی لڑکی کے سوا دوسری عورت سے ہے اپنا نائب کیا اثنائے راہ میں جعفر خاں کی موت کی تصدیق ہو گئی اور وہ صوبہ داری کی سند سے سرفراز ہوا۔ شجاع الدولہ نے دشمن کی فوج پر حملہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو دارالامارت میں پہونچا دیا۔ چالیس ستون والی منزل میں اُترا جو جعفر خاں کی بنائی ہوئی ایک بڑی عمارت ہے۔ صوبہ کے عملہ کو بُلایا شادیانے بجنے اور فرمان پڑھنے کا حکم دیا

علاء الدولہ سرفراز خاں اس حال سے آگاہ ہو کر ساتھیوں کے مشورہ سے حاضر ہوا۔ باپ کے قدم چومنے کے بعد مبارکباد گذاری۔ شجاع الدولہ نے اس کو صوبہ کی دیوانی پر مقرر کیا اور محمد تقی خاں کو اڑیسہ کی صوبہ داری پر اور جہانگیر نگر ڈھاکہ کی حکومت اپنے داماد رستم جنگ کو اور اکبر نگر عرف راج محل کی حکومت اپنے بھتیجے اور داماد یعنی

زین الدین احمد خاں اور علی وردی خاں کو اورنگ پور کی حکومت علی وردی خاں کے بھتیجے سعید احمد خاں کو اور فوج کی بخشی گری علی وردی خاں کے داماد اور بھتیجے کو سپرد کی۔

شجاع الدولہ تمام مالی اور ملکی کاموں میں علی وردی خاں اور حاجی احمد اور عالم چند سے جو اُس کا پُرانا دیوان تھا رائے لیتا تھا۔ اور جگت سیٹھ[۵۱] بھی صلاح مشورہ میں شریک ہوتا تھا۔ اور اس عرصہ میں صمصام الدولہ خاندوران خاں کی مہربانی سے عظیم آباد کا صوبہ بھی فخر الدولہ کی علیحدگی سے بنگالہ کی صوبہ داری میں مل گیا اور اُس کی سند شجاع الدولہ کو پہونچی اور اُس نے اپنا نائب علی وردی خاں کو قرار دیا۔ وکیل کی وساطت سے بادشاہ کے دربار سے علی وردی خاں کو پنج ہزاری منصب اور مہابت جنگ کا خطاب اور جھالردار پالکی عطا کی گئی۔ شجاع الدولہ نے ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء میں جس زمانہ میں نادر شاہ شاہجہاں آباد میں تھا وفات پائی اور ریاست بنگالہ مستقل طور پر سرفراز خاں کو ملی[۵۲]

اُس کے بعد سرفراز خاں اور مہابت جنگ کے درمیان اختلاف ہو گیا شجاع الدولہ کی وفات کے ایک سال دو ماہ بعد تینوں صوبوں کی سند محمد اسحاق خاں مؤتمن الدولہ کی معرفت بادشاہ کی بارگاہ سے مہابت جنگ کے نام پہونچی اور عظیم آباد سے کوچ

---

۵۱ ریاست جے پور کے ایک غیر معروف گاؤں "ڈگو" میں ایک مارواڑی جینی ہیرانند پرچون کی دوکان کرتا تھا۔ نہایت تنگدست اور غریب تھا جب فاقہ کشی کی نوبت آئی تو سنہ ۱۶۵۲ء میں پٹنہ چلا گیا اس کے سات بیٹوں میں سے سب سے بڑا مانک چند ڈھاکہ چلا گیا اور بعدہٗ مرشد آباد پہونچا یہاں اس نے ساہوکاری شروع کی دربار تک رسائی ہو گئی۔ رفتہ رفتہ خزانہ کا اہتمام خراج کی ادائیگی اور ٹکسال کی نگرانی اس کے سپرد ہوئی۔ سنہ ۱۷۱۵ء میں مرشد قلی خاں کی سفارش پر اسے فرخ سیر بادشاہ نے سیٹھ کا خطاب دیا۔ اور سنہ ۱۷۲۴ء میں محمد شاہ نے جگت سیٹھ کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ بعد کو یہ خطاب ان کا موروثی و خاندانی خطاب بن گیا۔ ملاحظہ ہو۔

"سراج الدولہ" ص ۲۴۷ - ۲۴۹

۵۲ سرفراز خاں کے حالات و واقعات کے لئے ملاحظہ ہو "سراج الدولہ" ص ۶۶ - ۷۱

کر کے راج محل کے قریب مہابت جنگ نے سرفراز خاں کا مقابلہ کیا۔ اور سرفراز خاں ۱۱۵۳ھ/ ۱۷۴۰ء میں مارا گیا۔

اس مقابلہ میں میر دلیر علی خاں بلگرامی اور میر شرف الدین علی قنوجی نے جو سرفراز خاں کی طرف تھے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ میر دلیر علی خاں سب بھائیوں کے ساتھ مارا گیا۔ اور میر شرف الدین علی خاں نے چند تیر مہابت جنگ پر چلائے۔ جب اس کو سرفراز خاں کی موت کا حال معلوم ہوا تو وہ میدان سے لوٹ گیا۔ اُس کے بعد مرشد قلی خاں مخمور تخلص جو شجاع الدولہ کا داماد اور اڑیسہ کا ناظم تھا لشکر جمع کر کے مہابت جنگ کے مقابلہ میں آیا اور شکست کھا کر دکن میں آصف جاہ کے پاس پہونچا۔

جب مہابت جنگ نے پورے ملک بنگال پر کامل تسلط پالیا تو شجاع الدولہ اور سرفراز خاں کے مال و اسباب کو ضبط کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور موتمن الدولہ کی وساطت سے ہفت ہزاری منصب ماہی مراتب اور حسام الدولہ کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ اور زین الدین احمد خاں کو عظیم آباد کی صوبہ داری، احترام الدولہ بہادر ہیبت جنگ کا خطاب ہفت ہزاری منصب ماہی مراتب، پالکی جھالردار اور علم و نوبت عطا ہوا۔ اور نوازش محمد خاں کو جہانگیر نگر سلہٹ چٹگاؤں کی فوجداری، بنگالہ کی دیوانی، ہفت ہزاری منصب، احتشام الدولہ شہامت جنگ کا خطاب اور ماہی مراتب عطا ہوئے۔

اور سعید احمد خاں کو بادشاہ کی بارگاہ سے اُڑیسہ کی صوبہ داری مذکورہ مناصب و مراتب اور صمام الدولہ صولت جنگ کا خطاب ملا اور علی وردی خاں نے ہیبت جنگ کے لڑکے مرزا محمد کو اپنی فرزندی میں لیا اور سراج الدولہ شاہ قلی خاں بہادر کا خطاب دیا۔ نوازہ جہانگیر نگر ڈھاکہ کی خدمت سپرد ہوئی اور اس کے چھوٹے بھائی کو اکرام الدولہ بادشاہ قلی خاں بہادر کا خطاب عطا ہوا اور فوج و ملازمین کا حاکم کیا گیا۔ علیٰ ہٰذالقیاس دوسرے رفقاء اور اقربا کو بھی اعزازات ملے۔

اس بست و کشاد کے بعد علی وردی خاں کٹک کی طرف مرشد قلی خاں پسر سرفراز خاں کے مقابلہ میں متوجہ ہوا۔ مرشد قلی خاں اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر مصالحت پر راضی ہوگیا لیکن اُس کی بیوی، ساس اور اُس کا داماد مرزا باقر علی خاں اصفہانی مصالحت پر راضی نہ ہوئے۔ اور لڑنا چاہا۔ بندر بالیسر کے اطراف میں مقابلہ ہوا۔ بہادرانہ شمشیر آزمائی کے بعد مرشد قلی خاں کے لشکر کو شکست ہوئی۔ اور وہ جہاز پر سوار ہو کر مچھلی بندر پہونچا اور باقی اُس کے متلفین اور پیرو بھاگ کر سیگانوں پہونچے اور وہاں کے حاکموں نے حق شناسائی ادا کیا اور خوب مہمانداری کی۔

مہابت جنگ قریب ایک مہینہ تک کٹک میں ٹھہرا رہا۔ اس اطراف کے لوگوں کو مائل کرنے میں مشغول رہا۔ مہام الدولہ سید احمد خاں صولت جنگ کو وہاں کا حاکم بناکر مرشد آباد آیا اور جب باقر علی خاں۔ مرشد قلی خاں فتنہ پرداز کے داماد نے صولت جنگ کو گرفتار کیا۔ مہابت جنگ اپنے لشکر کے سرداروں کو سواروں کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا تاکہ اگر آصف جاہ کی طرف سے مرہٹوں کی باقر علی خاں کو مدد پہونچے مصطفےٰ خاں کو پانچ ہزار سوار اور شمشیر خاں اور محمد خاں کو تین تین ہزار سوار اور عطاء اللہ خاں اور سرفراز خاں کو پانچ ہزار سوار اور میر جعفر خاں کو ایک ایک ہزار اور میر شرف الدین علی خاں اور شیخ محمد معصوم کو پانچ پانچسو سوار دئیے گئے اور شہامت جنگ کو مرشد آباد میں نیابت پر چھوڑ کر خود باقر علی خاں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور علانیہ کہا کہ جو کوئی صولت جنگ کو دشمنوں کے ہاتھوں سے چھڑا کر لائے گا۔ ایک ایک لاکھ روپیہ انعام اُسے دیا جائے گا اور دو ماہ کی تنخواہ اُس کے ساتھیوں کو دی جائے گی۔ اور باقر علی خاں صولت جنگ کو دو تورانی مغلوں کے ساتھ رتھ میں بٹھا کر کہا کہ جس وقت مہابت جنگ کا لشکر ظاہر ہو تم تیروں سے حملہ کروگے اور اُس کے بعد اپنا راستہ لوگے۔

مہابت جنگ اس حال سے آگاہ ہو کر آدھی رات کے بعد باقر علی خاں کے لشکر کی

طرف متوجہ ہوا اور علی الصباح اُس تک پہونچ گیا۔ مہابت جنگ کا لشکر دیکھتے ہی باقر علی خاں کا لشکر بھاگا۔ مصطفیٰ خاں اور میر جعفر خاں نے ایسے حملے کئے کہ باقر علی خاں کے تمام لشکر نے اپنا علاج بھاگنے ہی میں جانا۔ مگر اُن پانچسو آدمیوں نے جب تیر چلائے تو اُن دو مغلوں میں سے ایک کو ہلاک کر دیا۔ دوسرا مغل اور صولت جنگ سلامت رہے۔ مہابت جنگ کے سواروں نے پہونچ کر صولت جنگ کو رتھ سے محفوظ نکال لیا۔ ایک سوار محمد امین خاں نامی نے گھوڑے سے اُتر کر صولت جنگ سے سوار ہونے کو کہا۔ صولت جنگ نے اُس کو پہچانکر خوش ہو کر سوار ہونے کا ارادہ کیا۔ دوسرا مغل رتھ سے کود کر چستی سے سوار ہو کر چلتا بنا۔ لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دوسرا سوار دلیر خاں نام گھوڑے سے اُترا اور اس نے صولت جنگ کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے مہابت جنگ کے لشکر کے سواروں کے پاس پہونچا دیا میر محمد جعفر خاں اپنے ہاتھی پر سوار ہوا اور خود خواص میں بیٹھا لشکری دریائے حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے اور مہابت جنگ اُس سے مل کر بہت خوش ہوئے اور حد سے زیادہ انعام دیا چند دن ٹھہرنے کے بعد مہابت جنگ اور صولت جنگ اور شہامت جنگ معہ اموال و عیال کے اُڑیسہ سے مرشد آباد روانہ ہوئے۔ اس کے بعد مہابت جنگ اور صولت جنگ نے ایک ہی سال ۱۱۶۹ھ ۱۷۵۶ء میں وفات پائی۔ کسی نے اُس کی تاریخ کہی ہے۔

"خدا ایش بیامرزد"

سراج الدولہ ولد ہیبت جنگ ۱۱۷۰ھ ۱۷۵۷ء میں انگریزی فوج کا مقابلہ کرتے وقت قید ہو کر قتل کر دیا گیا۔ کیونکہ اُس نے نصاریٰ کی بربادی میں بہت کوششیں کی تھیں۔

نواب میر محمد قاسم خاں عالی جاہ معروف بہ قاسم علی خاں!

۹ اصلیت یہ ہے کہ عالمگیر اورنگ زیب بادشاہ کے زمانے میں مشہد مقدس سے ایک رضوی نسب سید جن کا تخلص خالص اور جو محمد تقی خاں طہرانی متخلص بہ سلیم کے شاگرد تھے ہندوستان میں آئے اور گجرات کے صوبہ دار کی رفاقت اور دامادی ان کو حاصل ہوئی

چونکہ صوبہ دار کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے ان کو "فرزندی" میں لے لیا اور صوبہ دار کے انتقال کے بعد "سید امتیاز خاں بہادر" خطاب پایا اور گجرات کے صوبہ دار ہوئے۔ قاسم علی خاں عالی جاہ سید امتیاز خاں کے لڑکے اور جعفر علی خاں مہابت جنگ کے داماد ہیں۔

مہابت جنگ کے بعد ملک بنگال کی سیاست جعفر علی خاں کو ملی۔ قاسم علی خاں کچھ مدت تک نائب رہا۔ آخر کار جعفر علی بڑے بڑے انگریزوں کی رائے سے معزول کردیا گیا۔ کیونکہ وہ لائق نہ تھا اور عالی جاہ خود ملکِ بنگال کا مالک ہو گیا اور جعفر علی خاں نے کلکتہ کو اپنا مستقر بنایا! اور قاسم علی خاں نے عقل کی کمی وجہ سے انگریزوں کی مخالفت میں سر اٹھایا۔ جعفر علی خاں انگریزی فوجوں کی مدد سے ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۲ء میں پھر ان علاقوں پر مسلط ہوا۔

قاسم علی شکست فاش پا کر نواب شجاع الدولہ وزیر اور شاہ عالم بادشاہ کی طرف رجوع ہوا۔ جو بندیل کھنڈ کے اطراف میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے ملاقات کے بعد یہ رائے ٹھہری جب تک نواب وزیر انگریزی فوجوں کے مقابلے میں عالی جاہ کے شریک رہیں۔ گیارہ روپیہ ماہ بماہ لیں۔ اور عالی جاہ کی کامیابی کے بعد تین کروڑ روپیہ نقد وزیر کو ادا کیا جائے گا۔ اور صوبہ عظیم آباد جس کی آمدنی نوّے لاکھ روپے ہے۔ مرزا امانی یحیےٰ خاں کو پیش کیا جائے جو بعد کو آصف الدولہ کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔

شجاع الدولہ اور افواج انگریزی میں موضع بہالی پور میں جو عالی جاہ کے باپ کے مقبرے کے متصل ہے لڑائی ہوئی عنایت خاں ولد حافظ رحمت خاں اور گسائیں اور ان کے ساتھیوں نے بہت کوشش کی مگر نواب وزیر کو شکست ہوئی۔ دوسری جنگ تیار تھی کہ موسم برسات آنے کی وجہ سے ملتوی کر دی گئی۔ اور اسی عرصہ میں ۱۴ شعبان ۱۱۷۸ھ ۱۷۶۴ء کو جعفر علی خاں کا انتقال ہو گیا۔

چونکہ عالی جاہ عاقبت اندیش نہ تھا اس نے اسی زمانہ میں منیر الدولہ کی وساطت سے شاہ عالم بادشاہ کے حضور میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجی کہ فدوی ایک کرور

پچاس لاکھ کے جواہر حضور میں اس شرط پر پیش کرتا ہے کہ وزارت کا عہدہ اور اودھ کا صوبہ شجاع الدولہ کے معزول ہونے کے بعد مجھے عطا کیا جائے۔ اور خانہ زاد کے سر پر حضور پُر نور سایہ عنایت فرما کر فرنگیوں کی بیخ کنی کی طرف متوجہ ہوں۔ فتح کے بعد دو کروڑ روپے ہر سال خدمت میں پیش کرتا رہوں گا۔ اور ملک بنگال میں نائب مقرر کر کے حضور والا کے ساتھ رہوں گا اور ممالک محروسہ کو جاٹ، مرہٹوں اور روہیلوں سے نکال لوں گا۔

اتفاقاً اس عرضداشت کا مضمون۔ مدار الدولہ کی وساطت سے وزیر الملک کو معلوم ہو گیا۔ وزیر نے عالی جاہ کے سردارانِ لشکر کو اپنے ساتھ ملا لیا اور بادشاہ شاہ عالم کے عتاب کے بہانے سے تمام نقد و جواہر اور جانور اپنے قبضہ میں کر لئے اور چند روز اُسے مقیّد رکھا پھر انگریزوں سے لڑنے سے پہلے اپنے لشکر سے نکال دیا وہ ملک کٹھیر میں افغانوں کے پاس پہونچا اور راج واڑہ میں پھر پھرا کر ۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۷ء میں شاہجہاں آباد میں وفات پائی شاہ مردان کے مقبرہ میں دفن ہوا۔

وزیر الممالک خود اس امر کی طرف متوجہ ہوئے اور بنگال پر قابض ہونے کی ہمت کی انگریزوں نے اپنے وکیل نواب وزیر کے پاس بھیجے کہ ہم آپ سے جنگ کرنا نہیں چاہتے اور یہ حرکت جو ہوئی قاسم علی خاں کی تحریک سے ہوئی اور اُس کی خباثت نفس جناب پر ظاہر ہو گئی اور وہ جہاں جلئے گا اسی طرح دیکھے گا۔ آپ سے یہ گذارش ہے کہ عظیم آباد کا صوبہ صاحب زادہ یحییٰ خاں کو دے دیا جائے اور باہم دگر صلح ہو جائے۔ راجہ بینی بہادر نے اس تجویز کے موافق ہر چند وزیر کو سمجھایا۔ وزیر نے اُس کا کہنا نہ سُنا اور سالار جنگ کے بہکانے سے فرنگیوں سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ مقابلہ اور جنگ کے بعد نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک کے لشکر کو موضع بکسر کے اطراف میں شکست ہوئی اور وزیر الممالک عنایت خاں ولد حافظ رحمت خاں کی راہنمائی سے افغانیوں کے شہروں میں پہونچا (پناہ لی) اُس وقت عنایت خاں معہ پانچ ہزار سواروں کے نواب وزیر کا ملازم تھا۔ یہ واقعہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۶۳ء میں ہوا۔

قاسم خاں انصاف، غریب پروری، علماء فضلا کی تعظیم و تکریم کرنے اور فوج و لشکر کے لئے بخشش کرنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا اور چونکہ عورتیں بہت رکھتا تھا اس لئے کمزوری کا اس کے دماغ پر غلبہ رہتا تھا۔ آخر کسی نے کباب اور قلیہ کے طور پر خراطین (گھینسے) کھانے کی رائے دی اس سے اُس کو بہت فائدہ ہوا، اور جس کسی نے بھی اس کی پیروی کی اُسے بھی بہت فائدہ ہوا بعض عزیز فرخ آباد کے اس کی تصدیق کرتے ہیں[۵]۔

نواب بوعلی خاں

نواب عالی جاہ کے چچا کے بیٹے ہیں۔ نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانے میں فرخ آباد آئے۔ نواب احمد خاں کی وفات کے بعد اُس شہر سے نکل کر کسی طرف چل دیئے اور مر گئے[۵۲]۔

نواب میر محمد جعفر خاں معروف بہ جعفر علی خاں

میر جعفر[۵۳] مہابت جنگ کا بہنوئی اور میر صادق کا باپ تھا جو میرن کے نام سے مشہور تھا اور بجلی گرنے سے

---

[۱] قاسم علی خاں نے جب انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننا پسند نہیں کیا تو انگریزوں نے ۱۷۶۲ء میں دوبارہ میر جعفر کو مرشد آباد کا نواب بنا دیا جنگ بکسر کے بعد ۱۷۶۴ء میں قاسم علی خاں بریلی پہونچے۔ حافظ رحمت خاں نے بہت کچھ دلدہی اور خاطر مدارات کی اور اپنی پناہ میں لے کر آنولہ سے تین کوس کے فاصلہ پر مقام اندھپنڈری میں نواب سعد اللہ خاں مرحوم کی حویلی میں مقیم کیا جہاں وہ پانچ سال رہے۔ روہیل کھنڈ سے ۱۷۷۰ء میں روانہ ہو کر بمقام گوہر نزد گوالیار مقیم ہوئے۔ انھوں نے حیدر علی خاں اور فرانسیسیوں سے بھی خط و کتابت کی۔ انگریز سخت متفکر ہوئے ۱۷۷۷ء میں قاسم علی خاں کا دہلی میں انتقال ہوا اور شاہ مردان میں وہ دفن ہوئے ملاحظہ ہو (۱) سیر المتاخرین جلد دوم از غلام حسین طباطبائی (لکھنؤ ۱۸۹۷ء) ص ۶۹۵-۷۱۳ (۲) تواریخ ڈھاکہ از رحمٰن علی طیش (آرہ ۱۹۱۰ء) ص ۱۱۰-۱۱۱ (۳) تواریخ جدید صوبہ اُڑیسہ و بہار از اولاد حیدر فوق (پٹنہ ۱۹۱۵ء) ص ۳۱۰-۳۱۵ (۴) حیات حافظ رحمت خاں طبع دوم ص ۱۸۲-۱۸۵ (۵) سیر المتاخرین از غلام حسین طباطبائی (جلد دوم صفحہ ۶۹۳-۷۱۵)

[۵۲] نواب احمد خاں کی وفات کے بعد ۱۷۷۱ء میں نواب بوعلی خاں نے فرخ آباد چھوڑا۔ فرخ آباد میں ایک محلہ "کٹرہ بوعلی خاں" اس کے نام سے مشہور ہوا۔ (تاریخ فرخ آباد (اردو ص ۹۵)

[۵۳] نواب علی وردی خاں ناظم بنگالہ کے انتقال کے بعد ۱۰ اپریل ۱۷۵۶ء کو اس کا نواسا نواب سراج الدولہ پسر نواب زین الدین خاں بنگال و بہار کی حکومت پر مسند نشین ہوا۔ جنگ پلاسی میں انگریز کامیاب ہوئے۔ سراج الدولہ نے

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہلاک[51] ہوا۔ جعفر علی خاں اور اُس کے اقربا مہابت جنگ کی وفات کے بعد جو ریاست کی لیاقت رکھتے تھے ریاست بنگال میں پہونچے چند مدت وہاں پر گزر بسر کر کے عالی جاہ کی فتنہ پردازی سے تنزل پا کر کلکتہ میں مقیم ہوئے اور عالی جاہ کے انگریزی افواج کے مقابلہ میں شکست پانے کے بعد ارباب کونسل کے حکم سے پھر ریاست بنگال کو مستقر بنایا۔ میر جعفر نواب شجاع الدولہ کے انگریزی افواج سے مقابلہ کرنے کے وقت انگریزی فوجوں کے ساتھ تھا۔

میر جعفر کے مرنے کے بعد ممالک بنگالہ کی ریاست اہالیانِ کونسل کی تجویز سے اُسی کے بیٹے نجم الدولہ معروف بہ میر پھلوری کے نام جو مُنّی بیگم کے شکم سے ہے قرار پائی[52] اور مسٹر ڈلٹن

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) راہ فرار اختیار کی۔ انگریزوں اور میر جعفر سے پہلے سے ساز باز تھی لہٰذا میر جعفر مسند نشین ہوا سراج الدولہ محل سے گرفتار ہو کر مرشد آباد آیا اور میر محمد صادق خلف میر جعفر کے حکم سے قتل کیا گیا۔ میر جعفر سے جب انتظام درست نہ ہوا تو انگریزوں نے اس کو دست بردار کر کے اس کے داماد میر قاسم کو بٹھایا مگر میر قاسم نے انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننا گوارا نہ کیا اور ان سے مقابلہ کیا ۱۷۶۴ء میں بکسر کی جنگ ہوئی پھر دوبارہ میر جعفر کو باوجود ضعیف و جذام میں مبتلا ہونے کے مسند نشین کیا بعدہ ۱۷۶۵ء میں یہ ننگِ قوم راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ ملاحظہ ہو

(۱) تواریخ ڈھاکہ ص۷۹۔۱۱۱ (۲) تاریخ جدید صوبہ اُڑیسہ و بہار ص۲۸۵۔۳۸۱ (۳) سراج الدولہ از محمد عمر (نور الٰہی) انجمن ترقی اُردو (ہند دہلی ۴۶ء) ص۲۱۸۔۲۴۲

[51] میر صادق، میر جعفر کا فرزند تھا میر جعفر نے بوجہ کبر سنی کے میر صادق کو انتظام حکومت میں دخیل کیا اس نے رعایا کو تنگ اور ناراض کیا اور مخلوق پر ظلم ڈھائے گھسیٹی بیگم و امینہ بیگم دُختران علی وردی خاں کے مال و اسباب کو ضبط کیا اور ان عورتوں کو دریا میں ڈبو دیا مگر منتقمِ حقیقی کی گرفت سے کون بچ سکتا ہے اس کے اوپر بھی ٹھیک ایک ماہ کے بعد بجلی گری اور ۲۰ جنوری ۱۷۶۰ء کو یہ ظالم کیفر کردار کو پہونچا۔ اس کا لڑکا نواب دلیر جنگ عرف ببر جنگ تھا۔

ملاحظہ ہو:۔ (۱) تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۰۴۔۱۰۹ (۲) تاریخ جدید صوبہ اُڑیسہ و بہار صفحہ ۳۰۳

(۳) سراج الدولہ صفحہ ۲۲۶۔۲۳۰۔

[52] میر جعفر کی بیوی شاہ خانم سے صادق علی عرف میرن، بہو بیگم سے مبارک الدولہ اور منی بیگم سے نجم الدولہ اور سیف الدولہ تھے۔ میر جعفر کے بعد کونسل نے مسند نشین کیا اس صلہ میں نجم الدولہ نے بیس لاکھ روپے نذر دیئے۔ انگریزوں نے نظامِ حکومت میں مداخلت نہیں کی کیونکہ مُلک کی حالت ابتر تھی۔ ملاحظہ ہو

تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار صفحہ ۳۲۹۔۳۳۰۔

صاحب کلاں مرشد آباد۔ مسٹر جانسن صاحب کلاں بہ دوان دونوں نے آکر مرشد آباد میں اس کو مسند نشین کیا۔ اور میر محمد کاظم خاں جعفر علی خاں کا بھائی جو نجم الدولہ کا چچا ہے۔ مختار کاری پر متعین ہوا اور میر محمد رضا خاں حکیم ہادی خاں شیرازی کا بیٹا جس کا خطاب معین الدولہ مبارز الملک مظفر جنگ ہے معہ ماہی مراتب عطا ہوا۔ اور صوبہ کی دیوانی پر مامور ہوئے۔

شتاب رائے[1] وہ شخص ہے جو شاہجہان آباد کا رہنے والا ہے۔ اور قوم کا کائستھ ہے۔ نواب خاں دوران خاں کا نوکر رہا ہے۔ سلطنت کی آوارگی کے بعد مشرقی شہروں میں پڑا پھرتا رہا۔ اور چونکہ ہر وقت انگریزوں کا خیر خواہ رہا۔ اس لیئے اس مرتبہ پر فائز ہوا۔ اور ۱۱۸۷ھ ۱۷۷۳ء میں رحلت پائی۔ اور اس کا لڑکا کلیان[2] مل راجہ ہوا۔

---

[1] شتاب رائے کے باپ کا نام ہمت سنگھ تھا قوم کا کائستھ اور دہلی کا رہنے والا تھا جب دہلی میں انتشار اور ابتری حد سے گزری تو شتاب رائے نے بہار کا رخ کیا اور وہاں اپنے لئے میدان ہموار کر لیا۔ اور انگریزوں سے سازباز کر لی اور عظیم آباد کی دیوانی حاصل کی پھر بہار کا ناظم ہوا اور دربار شاہی سے ممتاز الملک مہا راجہ شتاب رائے بہادر "منصور جنگ" خطاب پایا۔ راجا شتاب رائے بجرم خیانت تین ماہ قید بھی رہا۔ آخر جمادی الثانی ۱۱۸۷ھ ۱۷۷۳ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا لڑکا کلیان سنگھ باپ کی بجائے کونسل کا ممبر ہوا۔ شتاب رائے فیاض اور علم دوست تھا انتظامی امور میں بھی درک رکھتا تھا۔ ادبی ذوق کا بھی مالک تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا ابو ظفر ندوی کا مقالہ "شتاب رائے گورنر بہار" مطبوعہ "ندیم" پٹنہ (بہار نمبر ۱۹۳۵ء) اور سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۶۵۰، ۷۷۵، ۷۷۷

[2] اس کا صحیح نام کلیان سنگھ ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں دہلی میں پیدا ہوا۔ باپ کے عروج و اقتدار کے زمانہ میں اس کے ساتھ رہا اور شتاب رائے کے انتقال کے بعد باپ کی جگہ کونسل کا ممبر مقرر ہوا۔ جاگیر اور مشاہرہ برقرار رہا کچھ دنوں کے بعد عظیم آباد کی نظامت سپرد کی گئی۔ "انتظام الملک ممتاز الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر "تہور جنگ" اس کا خطاب ہوا۔ جلد ہی نظامت زوال میں آگئی۔ ۳۰ سال کی عمر میں ۲۶ شوال ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۱ء میں فوت ہوا۔ واردات قاسمی اور خلاصۃ التواریخ اس سے یادگار ہیں عاشق تخلص کرتا تھا کئی مثنویاں اور دیوان یادگار چھوڑے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے پروفیسر حسن عسکری کا مقالہ "صوبہ بہار کے آخری ہندوستانی گورنر انتظام الملک ممتاز الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر تہور جنگ" مطبوعہ "ندیم" پٹنہ (بہار نمبر ۱۹۴۰ء) و سیر المتاخرین۔ جلد دوم صفحہ ۸۰۹ - ۸۱۰

اور جب نجم الدولہ نے ۲۲ فروری سنہ ۱۷۶۶ء مطابق ذی قعدہ سنہ ۱۱۷۹ھ کو مرضِ ہیضہ میں وفات پائی۔ اُس کا چھوٹا بھائی سیف الدولہ مسندِ ریاست پر فائز ہوا[۱]۔ اور اس کے بعد سنہ ۱۱۸۳ھ مطابق سنہ ۱۷۶۹ء میں اُس کا بھائی مبارک الدولہ جو ببو بیگم کے شکم سے تھا اس کا جانشین ہوا۔ اور علی ابراہیم خاں پر دیوانی خانگی مقرر ہوئی اور مظفر جنگ کی تجویز سے ۲۴ لاکھ روپیہ نقد سالانہ سرکار انگریزی کی طرف سے مبارک الدولہ کے لئے مقرر ہوئے اور[۲] اس طرح مبلغ ساٹھ لاکھ روپے روح الدین حسین خاں سپہ سالار جنگ کے لئے جو سیف الدولہ کا بیٹا ہے جس نے پورنیہ کو اپنی قرارگاہ گیا تھا۔

اُس کے بعد سنہ ۱۱۸۵ھ مطابق سنہ ۱۷۷۱ء میں ضلعوں اور عدالتوں کی تقسیم بنگال کے ہر ضلع میں ہوئی۔ اور ریاستِ بنگالہ مبارک الدولہ کی اولاد میں باقی ہے۔ اور تمام بزرگ اور پاک مراتب لوگ سرکار انگریزی سے نقدی پاتے ہیں۔

نواب خادم حسین پورنیہ کے رئیس تھے۔ اُس شہر سے نکلنے کے بعد قضا و قدر کے مقتضا سے فرخ آباد آئے۔ شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے

۱؎ سیف الدولہ برائے نام مسند پر بٹھایا گیا تمام اختیارات ملکی والی کمپنی نے خود سنبھال لئے اور صوبہ بہار کے خاص اختیارات تین حاکموں کے اختیار میں دے دیئے گئے۔ ان میں ایک تو پٹنہ کی انگریزی کوٹھی کا افسر اعلےٰ مڈلٹن دوسرا دھرج نرائن اور تیسرا اشتاب رائے تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ جدید صوبہ اُڑیسہ و بہار صفحہ ۲۳۰ و سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۷۷۵

۲؎ نواب مبارک الدولہ کے عہد میں ناظم کا مشاہرہ کم ہو گیا۔ سنہ ۱۷۹۵ء میں اس کا انتقال ہوا۔ مبارک الدولہ ہمیشہ لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا۔ انتظام امور میں بالکل تہی دست تھا۔ برسات میں ایک کشتی بنا کر دریا میں چھوڑتا اور اس پر روشنی کرتا اور خواجہ خضر کی نیاز میں ہزاروں روپے صرف کرتا۔ اسی طرح ہولی اور دیوالی کے مراسم ادا کرتا تھا اور ہزاروں روپے ان تقریبات پر صرف ہوتے تھے انتظام ریاست سے کوئی تعلق نہ تھا

(۱) سیر المتاخرین صفحہ ۸۲۱، ۸۲۳ (۲) تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۱۴، ۱۲۱

(۳) سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ ۷۷۵، ۸۲۱

تھے اور یہیں انتقال کیا۔[۱]

مصطفٰے خاں | بھڑیچ افغان ہیں۔ ان کی جائے پیدائش اور باپ دادا کا وطن قصبہ سامانہ ہے جو صوبہ لاہور سے متعلق ہے۔ عبدالغنی خاں ان کا چچا ہے جو مہابت جنگ (علی وردی خاں) کی حکومت کے زمانہ میں کٹک کا صوبہ دار تھا اور منصب تین ہزاری، پالکی جھالردار، علم و نوبت اور رسالہ سات ہزار سوار کے رسالے کا مالک تھا۔ اُس نے مصطفٰے خاں کو ببر جنگ کا خطاب دلایا۔ حاجی مہابت جنگ کا بڑا بھائی اور اُس کے تینوں لڑکے جو مہابت جنگ کے داماد اور ہفت ہزاری تھے۔ انھوں نے مصطفٰے خاں سے التجا کی مرہٹوں کی فتح کے بعد عظیم آباد کی صوبہ داری دینی طے ہوئی تھی۔ مگر یہ وعدہ پورا نہ کیا اس لئے مہابت جنگ اور مصطفٰے خاں کے مابین رنجش ہوگئی اور ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵-۴۶ء) میں مصطفٰے خاں نے تنخواہ کے مطالبہ کی درخواست کی اور نوکری سے استعفا دے دیا مہابت جنگ نے اپنے داماد احترام الدولہ ہیبت جنگ کو عظیم آباد کا صوبہ دار مقرّر کیا تھا مگر اُن کی علیحدگی مناسب تھی مبلغ سترہ لاکھ روپے تنخواہ دے کر استعفا منظور کیا۔ مصطفٰے خاں وہ روپیہ لے کر مرشد آباد سے عظیم آباد آگئے۔

اور ہیبت جنگ اسباب کی کمی اور مہابت جنگ کی ممانعت کی وجہ سے لڑائی کے بارے میں متردّد تھا۔ مگر ساتھیوں کے ورغلانے سے اس پر آمادہ ہوگیا۔ فوجیں محفوظ رکھنے اور اطراف کے زمینداروں کو مدد پہونچانے کے لئے تیار ہوگیا۔ دونوں طرف رستمانہ

---

[۱] نواب خادم حسین کو پندرہ ہزار روپے کی جاگیر حاصل تھی ۱۱۷۵ھ میں سراج الدولہ ناظم بنگالہ کی وفات کے بعد ان کو پورنیہ کا صوبہ عطا ہوا مگر شرط یہ تھی کہ وہ اس کو اپنے صرفہ سے حاصل کریں وہ وہاں کے سابق حاکم سیف احمد خاں کے ملازم رہ چکے تھے۔ فرخ آباد میں خادم حسین کا مکان نواب اعظم خاں کے مکان کے پاس تھا۔ مرنے کے بعد وہ اپنے مکان ہی میں دفن ہوئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ فرخ آباد (اردو) ص ۹۴

حملوں اور مردانہ تلواروں کی لڑائی کے بعد ہیبت جنگ کو فتح نصیب ہوئی اور مصطفےٰ خاں چنار گڑھ پہونچے اور مستعدی سے سامان جنگ تیار کرنے میں مشغول ہوئے اور صوبہ عظیم آباد کے حدود میں پہونچ کر دوبارہ ہیبت جنگ سے مقابلہ کر کے مارے گئے[۱]۔ ان کا بیٹا مرتضیٰ خاں تھوڑے دنوں نواب شجاع الدولہ کا نوکر رہا۔ آصف الدولہ کے زمانہ میں ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں علیحدہ ہو کر نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں کا نوکر ہوا اور آخر عمر تک وہیں رہا۔

نواب منتظم الدولہ مہدی علی خاں بہادر[۲]

باوجود فضل وکمال کے علوم درسیہ میں ماہر کامل تھے۔ اور فنِ طب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ یمین الدولہ سعادت علی خاں بہادر کو اُن پر پورا بھروسہ تھا۔ دور و نزدیک کے سردار اور صاحبِ کمال ان سے مستفید ہوتے ہیں۔

بہت سی بڑی بڑی عمارتیں، مسجدیں، پل، نہریں اور مسافر خانے ان کے بنوائے ہوئے ہیں۔ انقلاب روزگار سے لکھنؤ سے شہر فرخ آباد میں وارد

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) سراج الدولہ از محمد عمر (نور الٰہی) ص ۸۸-۹۲ (انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۶ء)

(۲) تاریخ جدید صوبہ اُڑیسہ و بہار از اولاد حیدر فوق (مطبع اکبری پٹنہ ۱۹۱۵ء) ص ۲۶۵-۲۷۰

[۲] نواب مہدی علی خاں کشمیری مغل تھے ان کے والد خواجہ صفی نواب آصف الدولہ کی سرکار میں مُلازم تھے۔ نواب مہدی علی خاں کی تعلیم نہایت اعلےٰ ہوئی۔ اوّل بعض علاقے مستاجری پر لے اور خوب دولت کمائی۔ لکھنؤ میں نہایت اعلیٰ شان عمارتیں بنائیں۔ لکھنؤ کی سیاست میں جب عزت و آبرو پر آنچ آتی دیکھی تو ۱۲۳۶ھ میں شاہجہاں پور آ گئے اور یہاں ایک عالی شان کوٹھی بنوائی جو آج تک موجود ہے۔ کھنوت ندی پر پختہ پل، ایک پختہ سرائے اور ایک مسجد تعمیر کرائی نواب نصیر الدین حیدر کے زمانے میں قلمدان وزارت سنبھالا مگر درباری سازشوں نے قید و بند تک نوبت پہنچائی ریزیڈنٹ کی سفارش پر رہائی ہوئی اور فرخ آباد آئے۔ دس سال کے بعد محمد علی شاہ کے عہد میں پھر وارد لکھنؤ ہوئے اور عہدۂ وزارت سنبھالا ۱۲۵۳ھ میں انتقال ہوا۔ عالی شان

ہوئے اور عزّت و بزرگی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ حق تعالےٰ ان کو دیر تک سلامت رکھے۔

(بسلسلہ صفحۂ گزشتہ)

مقبرہ تعمیر ہوا رفاہ عام کے کاموں میں انھوں نے بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ بہگل ندی پر فتح گنج کے قریب، سنکھا ندی پر بریلی سے پچھم میں اور مہولی ندی پر سیتا پور میں پُل تعمیر کرائے۔ ان کے علاوہ بھی ان کی بہت سی یادگاریں ہیں۔ مُلاحظہ ہو

(۱) تاریخ شاہجہانپور از مولوی صبیح الدین خلیل ص ۳۴۳-۳۴۶

مقالہ ہشتم

سیّد ابو سعید سیّد ابو سعید ولد سیّد فضل اللہ بن سیّد احمد بن میر سیّد محمد کالپوی سیّد محمد ترمذی سادات صحیح النسب ہیں ان کے باپ دادا اطراف لاہور کے رہنے والے تھے اور ان کے والد اسی طرف سے آکر کالپی میں[۱] مقیم ہوئے۔

میر سیّد محمدؒ (ابو سعید کے صاحبزادے) میر سیّد محمد نے پہلے شرح تلخیص مطول تک شیخ یونس محدّث سے پڑھی اور ان ہی سے حدیث کی اجازت اور طریقۂ تقویٰ حاصل کیا۔ باقی کتابیں مولانا عمر ساکن جاج مؤ سے پڑھیں اور شیخ جمال اولیا کی خدمت میں فراغت حاصل کی اور ان ہی کے ہاتھ پر چشتیہ سلسلے میں بیعت کی۔ اور دوسرے سلسلوں کی اجازت بھی پائی۔ پھر اکبر آباد جاکر طریقۂ نقشبندیہ میر سیّد ابو العلاء احراری سے سیکھا۔ ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۱ء میں بتاریخ ۲۶ ماہ شعبان وفات[۲] پائی۔

---

[۱] ان کے والد جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ابو سعید کالپی میں پیدا ہوئے وہیں نشوونما ہوئی اور اپنے والد سے تحصیل علم کی۔" ملاحظہ ہو مآثر الکرام دفتر اول ص۸۱

[۲] سیّد محمد کالپوی کی تصنیفات میں تفسیر سورۂ فاتحہ (عربی) رسالہ تحقیق روح، اسرار التوحید، ارشاد السالکین رسالۃ الفناء، عقائد صوفیہ، رسالہ عمل و معمول اور رسالہ معمولات مشہور ہیں مزید حالات کے لئے دیکھئے مآثر الکرام صفحہ ۸۱ - ۸۵۔

گفت تاریخ رحلتش آزاد!
رفت قطب زماں بسوئے جناں

میر سید احمد ان (سید محمد) کے لڑکے نے جو میر سید احمد ہیں صرف ونحو اور منطق کے بعد حسامی سے بیضاوی تک تمام کتابیں شیخ محمد افضل الہ آبادی سے پڑھیں۔ اور طریقت کو اپنے والد سے حاصل کیا۔ ۱۹ ماہ صفر ۱۰۸۴ھ مطابق ۱۶۷۳ء میں وفات پائی[1] ان کے تین بیٹے تھے شاہ فضل اللہ۔ سید سلطان مقصود۔ سید سلطان مسعود۔

شاہ ابوسعید سید احمد کی وفات کے بعد شاہ فضل اللہ سجادہ نشین ہوئے اور ان کی وفات کے بعد جو ۱۴ ماہ ذی قعدہ ۱۱۱۱ھ مطابق ۱۷۰۰ء میں ہوئی ان کے بیٹے ابوسعید سجادہ نشین ہوئے۔ ابوسعید کبھی شعر بھی کہتے تھے اور عرفان تخلص تھا انھوں نے ۱۱۴۶ھ مطابق ۱۷۳۳ء میں وفات پائی[2]۔ اور ان کی جگہ ان کے بیٹے سید احمد سعید بیٹھے غلام علی آزاد

---

[1] سید احمد کالپوی نے شرح العقائد عمر النسفی کی شرح زبدۃ العقائد کے نام سے عربی زبان میں صوفیا کے انداز پر ۱۰۸۱ھ مطابق ۱۶۷۰ء میں لکھی۔ زبدۃ العقائد کا ایک خطی نسخہ خاکسار مرتب محمد ایوب قادری کے کتب خانے میں محفوظ ہے جس کو محمد جان بن خان محمد بریلوی نے ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں نقل کیا ہے۔ سید احمد کالپوی کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے

مآثر الاکرام صفحہ ۸۵ - ۸۹

[2] شاہ ابوسعید نے تحصیل علم اپنے والد ماجد سے کی۔ نواب غضنفر جنگ ان کے مرید تھے۔ دوسرے امرا بھی ان خوب قدر و منزلت کرتے تھے۔ شعر و شاعری سے بھی ذوق تھا عرفان تخلص کرتے تھے۔
مآثر الکرام سے نمونۂ کلام درج کیا جاتا ہے:-

دیروز کہ دل رفتہ زکاشانۂ ما — لیلیٰ گویاں بروں شد از خانۂ ما
امروز شنیدم انا لیلیٰ می گفت — گلبانگ وگر شنو ز دیوانۂ ما

ملاحظہ ہو:- (۱) مآثر الکرام صفحہ ۹۰ — ۹۱
(۲) نزہۃ الخواطر جلد ششم صفحہ ۱۲

نے ابوسعید کی تاریخ وفات اس طرح کہی ہے ؎

آں شاہ ابوسعید قطب عرفاں   شد منزل آں سید اکمل فردوس

دریاب کہ از آیۂ قرآن مجید   تاریخ نوشتم یرثون الفردوس

سید احمد سعید کی وفات سنہ ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۶ء میں ہوئی اور ان کی جگہ سید خیرات علی سجادہ نشین ہیں۔ حق تعالےٰ اُن کو دیر تک قائم رکھے اور سیّد سلطان مقصود کی وفات ۱۱۲۳ھ مطابق ۱۷۱۱ء میں ہوئی۔

سلطان مسعود | سیّد سلطان مسعود باپ کی وفات کے وقت دو[2] برس کے تھے بالغ ہونے کے بعد انھوں نے شیخ محمد افضل الہ آبادی سے بیعت کی اور اجازت حاصل کی۔ اور ۱۱۵۴ھ مطابق ۱۷۴۱ء میں وفات پائی[51]۔

شاہ اسد علی | سیّد شرف الدین حسین کے بیٹے بخاری سادات سے ہیں۔ موضع سید پور میں پیدا ہوئے جو شہر اچھ کے قریب ہے۔ اور طریقت میں جدّی سلسلہ رکھتے ہیں۔ پیر اشرف ولد شاہ پیر محمد سلونی سے طریقۂ چشتیہ حاصل کیا نواب غضنفر جنگ کے زمانہ میں فرخ آباد آکر خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ روہیلہ افغانوں کے ساتھ جو نواب قایم جنگ کی لڑائی[52] ہوئی تھی بمقتضائے شجاعت و محبّت یہ نواب قایم جنگ کی طرف تھے اور اس لڑائی میں ایک

---

۵۱ سلطان مسعود، سید احمد کالپوی کے تیسرے فرزند تھے ۱۰۸۲ھ/۲-۱۶۷۱ء میں پیدا ہوئے شیخ محمد افضل الہ آبادی شیخ عبد الحکیم موہانی اور میر شاہ لدھا بلگرامی وغیرہ سے تحصیل علم کی اوّل الذکر سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ سکندرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی غلام علی آزاد بلگرامی نے جمادی الاول ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء اور شعبان ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۴ء میں دو[2] مرتبہ ان سے ملاقات کی۔ (ماثر الکرام ۹۲) سلطان مسعود بن سید احمد کالپوی کا ایک مختصر سا خطی رسالہ "در شرائط نماز جمعہ" خاکسار مرتب محمد ایوب قادری کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

۵۲ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں نواب علی محمد خاں روہیلہ کے انتقال کے بعد نواب قائم خاں بنگش نے نواب سعد اللہ خاں پر حملہ کرکے روہیلکھنڈ پر قبضہ کرنا چاہا۔ دونری رسول پور (قریب بدایوں) روہیلوں اور بنگشوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی جس میں قایم خاں بنگش مارا گیا اور روہیلے غالب رہے اس جنگ کی طرف اشارہ ہے۔

زخم بندوق سے ان کو پہنچا تھا مگر خیریت ہوگئی۔ اور نواب احمد خاں غالب جنگ کے آخر زمانہ تک زندہ تھے۔ ۱۰ صفر ۱۱۸۴ھ مطابق ۱۷۷۰ء کو انتقال ہوا۔

شاہ اسرار علی ان کے مرنے کے بعد ان کی جگہ شاہ اسرار علی ولد سید محمد دہلوی بیٹھے انھوں نے ۹ رجب ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء کو وفات پائی۔ ان کی جگہ ان کے بیٹے شاہ ببر علی بیٹھے جنھوں نے ۱۸۱۳ء مطابق ۱۲۲۶ھ ماہ ربیع الاول کی چاندرات کو وفات پائی اور ان کی جگہ ان کے بیٹے شاہ فضل علی بیٹھے جو موجود ہیں۔

علیم اللہ شاہ نواب محمد امین خاں کے عزیزوں میں ہیں۔ محمد امین خاں کی شہادت کے بعد ترک لباس کرکے شاہ اسد علی کے مرید ہوئے۔ فقیرانہ زندگی گذارتے تھے اور زیادہ ترجان علی خاں کی مسجد کے پہلوی حجرے میں مقیم رہے۔ اور وفات کے بعد شہر فرخ آباد کے اطراف میں دفن ہوئے۔

دولہ شاہ ایک مجذوب فقیر تھے۔ ان کی قبر حضرت شاہ اسد علی کے تکیہ کے قریب زیارت گاہ ہے۔

سید فضل امام بہاء الدین محکم دین کی اولاد میں سے ہیں۔ جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد کہے جاتے ہیں۔ سیّد فضل امام کے والد میر سیّد محمد سیف زبان اور صاحب حال بزرگ تھے انھوں نے اسی حالت میں محمد خاں بنگش کو دعا دی تھی ان کی دعا کی برکت سے محمد خاں بنگش بہت بڑا امیر ہوگیا۔ غضنفر جنگ کا خطاب بھی ملا سیّد محمد سید فضل امام کے ساتھ اطراف ملتان سے آکر گوالیار میں رہنے لگے۔

سیّد محمد کی وفات کے بعد سید فضل امام نواب خضر خاں پنی حاکم گوالیار سے اختلاف کے باعث دل برداشتہ ہوکر فرخ آباد آکر رہنے لگے۔ نواب غضنفر جنگ اور ان کے بیٹے ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے اور سیّد فضل امام کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تین چیزیں عنایت فرمائی ہیں جو دوسروں کو نصیب نہیں ہیں۔ صحیح النسبی بہادری

اور فقیری۔ عمدہ نسب کے تقاضہ کی وجہ سے اپنی بیٹیوں اور اپنی پوتیوں یعنی اپنے بیٹے سیّد غوث امام کی بیٹیوں کا اپنی زندگی میں کسی کے ساتھ نکاح نہ کیا[1]۔ اور شجاعت کے اقتضا سے بانکوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور کپڑے کا دامن ایک گز سے زیادہ پاؤں کے نیچے رکھتے تھے[2] اور ہاتھ اور گلے کی مالائیں لوہے کے دانے ہوتے تھے ہر دانہ آدھ سیر سے کم نہ ہوتا تھا۔ اور فقر کے تقاضہ سے رات کو نقد اور جنس گھر میں نہ رکھتے تھے بلکہ جو کچھ ہاتھ میں آتا فوراً صرف کر دیتے۔

ان کے بیٹے غوث امام ایک جھگڑے میں جو نواب قائم جنگ کے زمانے میں کوتوال شہر کے ساتھ ہوا تھا مارے گئے اور انھوں نے دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ لڑکوں میں ایک لڑکا سید روشن امام نواب قائم خاں اور سعد اللہ خاں کی لڑائی میں مارا گیا اور دوسرا لڑکا عشق امام ۱۱۸۳ھ مطابق ۱۷۶۹ء میں مرا اور اس کا ایک بیٹا سید امام تام اور ایک بیٹی باقی رہیں۔

سیّد غوث امام کی لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح میرے والد سیّد احمد علی سے ہوا۔ اور ان سے میرے بھائی سید وجہ اللہ اور سید لطف اللہ اور سیّد اشرف علی پیدا ہوئے اور دوسری لڑکی کا نکاح سید عبدالرسول سے ہوا۔ سیّد فضل امام کی وفات

---

[1] یہ فکر اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں نسل و نسب کے بتوں کو مسمار کر کے ایک صالح معاشرہ قائم کیا اور حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زیدؓ کے ساتھ کیا اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عملی زندگیوں میں ہمیں اسلامی مساوات و اتحاد کے واقعات ملتے ہیں جن کا ہمیں اتباع کرنا چاہیئے اور اسی قسم کے غیر اسلامی تفاخر کو نظر انداز کرنا چاہیئے۔

[2] یہ بات بھی سنت نبوی کے صریح خلاف ہے۔

۳ ماہ رمضان ۱۱۶۷ھ؁ ۱۷۵۴ء؁ میں ہوئی۔

میر اکبر علی یورپ کے سادات میں سے تھے۔ نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانہ میں شہر فرّخ آباد میں آئے۔ اور سید فضل امام کی بیٹی عبدالرسول کے مرنے کے بعد میر اکبر علی کے نکاح میں آئی اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نکاح میر احمد علی سے ہوا۔ جو کانٹ[۱] کے سید اور سید مرتضیٰ کی اولاد میں سے ہیں۔ میر احمد علی کے اُس بیوی سے اولاد ہوئی۔ ایک اُن میں سے مولوی سید وزیر علی ہیں۔ جو فضل و کمال والے ہیں۔ سیّد اکبر علی کی قبر اس جگہ ہے۔ جو نواب مظفر جنگ نے اُن کو دی تھی۔

سیّد مرتضیٰ آنندی سیّد مرتضیٰ کی قبر نہر سوتی کے کنارے ملک بنگال میں[۲] ہے۔

۱؎ کانٹ ضلع شاہجہان پور (یو۔پی) میں ایک قصبہ ہے پہلے یہ قصبہ ضلع کا صدر مقام تھا اکبر کے عہد میں سال جلوس ۳۰؁ میں مستقل نظامت قائم ہوئی عہد اکبری کا مشہور رئیس حسین خاں ٹکریہ یہاں کا حاکم رہا ہے جس کے یہاں ملا عبدالقادر بدایونی ملازم تھے آج کل کانٹ ضلع شاہجہانپور کا معمولی قصبہ ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ شاہجہان پور ص ۱۶-۱۷

۲؎ سید مرتضیٰ قصبۂ کانت ضلع شاہجہان پور (یوپی) کے رہنے والے تھے اسی قصبے میں پیدا ہوئے ان کے والد کاشتکار تھے سید مرتضیٰ پر شروع ہی سے فقر و درویشی کا غلبہ تھا ایک مرتبہ ان کے والد نے ان کو کھیت بونے کے لئے کچھ غلہ دیا راستے میں کوئی سائل مل گیا۔ انھوں نے سب غلہ ان کے حوالے کر دیا اس پر ان کے والد سخت ناراض ہوئے اور گھر سے نکال دیا۔ یہ پھرتے پھراتے بنگال پہونچے وہاں ایک عورت آنندی نام ترک دُنیا کر کے ان کے ساتھ رہنے لگی اس طرح ان کا نام مرتضیٰ آنندی یا مرتضیٰ آنند مشہور ہو گیا۔ سوہن یا سوتی ندی کے کنارے ان کا انتقال ہوا۔ (تاریخ شاہجہان پور ص ۱۰۳) ان کا سلسلہ سہروردی تھا اور یہ شاہ رزاق کے مرید تھے اور وہ اللہ داد کے اور وہ شاہ پیرن بندگی کے اور وہ شاہ شیخن گوشہ نشین کے اور وہ شاہ محمد کے اور وہ شاہ اسحاق کے اور وہ شاہ داؤد طائی کے اور وہ شاہ راجو قتال کے اور وہ شاہ مخدوم جہانیان جہاں گشت کے۔

آثار الصنادید باب چہارم ص ۵) (و تذکرہ اہل دہلی ص ۳۹)

بنگال میں سید مرتضیٰ کا سلسلہ کافی پھیلا اور یہ مرتضیٰ شاہی نقیر کہلائے۔ ان کے یہاں بہت سی غیر اسلامی باتیں ہندو فقیروں اور یوگیوں کے اثر سے شامل ہو گئی ہیں ان سے بنگالی زبان کی کئی کتابیں مثلاً پداولی وغیرہ منسوب کی جاتی ہیں کہا جاتا ہے کہ مرتضیٰ آنند فارسی میں شعر بھی کہتے تھے ذیل کی غزل ان سے منسوب ہے

امانت شاہ مرتضیٰ شاہی فقیروں میں ایک فقیر تھے۔ شہر فرخ آباد کی ابتدائے آبادی میں نواب غضنفر جنگ نے ان کو شہر کے فقیروں کا سرگروہ کر کے شہر کے باہر دروازے کی طرف زمین دی تھی۔ اس زمین کے ایک حصے میں تکیے کی بنیاد رکھی اور اس کے چاروں طرف میوہ دار درخت بیری۔ کیلا۔ امرود اور لیمو رکھ کر باغ لگایا۔ اس کے بعد نواب احمد خاں اور مظفر جنگ، اور ناصر جنگ کے زمانے میں جو اور زمین مرحمت ہوئی اس میں کھیتی کی جاتی ہے۔

مسکین شاہ امانت شاہ نے مرتے وقت مسکین شاہ کو اپنا جانشین کیا کیونکہ ان کے مریدین میں اور کسی میں جانشینی کی لیاقت نہ تھی مسکین شاہ مرتضیٰ شاہی فقیر تھے اور بعض سفروں میں اُن کے ساتھ رہے تھے۔ مسکین شاہ نے تکیہ کو اچھی طرح آباد رکھا۔

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) فارغ از سود و بے غم از ضررم — دو جہاں را بہ نیم جو نہ خرم
از فریب جہاں خبر دارم — تا نہ گوئی کہ مرد بے خبرم
قانعم ہمچو شیر در بیشہ — نہ چو سگ بہر جیفہ در بدرم
سُرخ رویم چو لعل رمانی — زر ازاں است زرد در نظرم
گزراں است مرتضےٰ دُنیا — بہتر آنست تیز تر گزرم
(رود کوثر صفحہ ۲۷۶)

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:۔

"سید مرتضےٰ کی زندگی لاہور کے مادھو لال حسین کی طرح تھی ان سے بہت سی کرامات منسوب کی جاتی ہیں مزار پر اب بھی ہر سال عرس ہوتا ہے۔ آپ کے سلسلے کے فقیروں کو مرتضیٰ شاہی کہا جاتا ہے۔ لیکن خان صاحب عبدالولی کا جنھوں نے آپ کے حالات آپ کے خاندان کے ایک بزرگ مولوی سید ابوالفضل سے جمع کیے خیال ہے کہ آپ کے (اور بعد کے بے شرع) طریقوں میں شیو شکتی کے ہندو پجاریوں کی بہت سی چیزیں جمع ہو گئیں جنھیں وحدت وجود کو عیاشی اور من مانی باتیں کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔" (رود کوثر صفحہ ۲۷۴) یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اور کا رسول شاہیوں کا مشہور سلسلہ بھی اسی سلسلے کی ایک شاخ ہے رسول شاہی بھی شرع کی پابندی سے مطلق آزاد ہوتے ہیں رسول شاہ شاہ نعمت اللہ کے مرید تھے اور وہ شاہ داؤد مصری کے اور وہ شیخ حبیب کے اور وہ شاہ اسمٰعیل کے اور شاہ مرتضیٰ آنند کے.....

آثار الصنادید صفحہ ۵ و تذکرہ اہل دہلی صفحہ ۳۹ تاریخ شاہجہانپور (صفحہ ۱۰۳) میں رسول شاہ کو شاہ اسمٰعیل کا مرید لکھا ہے اور وہ شاہ آنند کے مُرید ہیں۔

ان کی پرہیزگاری اور پاکیزگی اور فقرا پروری کو دیکھتے ہوئے۔ اکثر شہر والے ان کے معتقد تھے۔ اور ان کی خدمت کرتے تھے۔

مُروّت شاہ مسکین شاہ نے اپنی وفات کے وقت مروت شاہ میں جو امانت شاہ کے مرید تھے تکیہ داری کی لیاقت پاکر تکیہ ان کے سپرد کیا۔ اور محب شاہ اور سہرا شاہ کو جوان کے مریدوں میں سے تھے۔ تھوڑی سی زمین عیدگاہ کے قریب دے کر الگ کر دی اور عہد نامہ لکھ دیا مروت شاہ نے اپنی زندگی میں مبتلا شاہ کو جانشین کر دیا۔ لیکن مروت شاہ کی وفات کے بعد بعض شہریوں کی کوششوں سے فقیر گل حسین نام تکیہ دار مقرر ہوئے۔ مگر وہ جلد ہی اس دُنیا سے گزر گئے۔

مبتلا شاہ گل حسین شاہ کے بعد مبتلا شاہ نے مستقل طور پر تکیہ داری کی اُن کے بعد شفقت شاہ تکیہ دار ہوئے لیکن وہ ایک سال میں مر گئے۔

امانت شاہ کی وفات بتاریخ ۱۷ صفر ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۴۹ء میں ہوئی۔ اور یہ مصرعہ تاریخ ہے ؎

سرگروہ زمانہ کرد سفر

اور مسکین شاہ کی وفات بتاریخ ۱۰ ذی الحجہ ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۸۱۲ء اور گل حسین شاہ کی وفات مروت شاہ کے بعد تین سال بعد ہوئی اور مبتلا شاہ کی وفات مروت شاہ کے بعد تین سال بعد ہوئی۔ اور مبتلا شاہ کی وفات مروت شاہ کے چار سال بعد ہوئی۔

شاہ محمد زماں قادری سلسلے کے فقیر اور شاہ غلام محمد ٹھٹوی کے خلیفہ اور شاہ عبدالملک کے مرید، کامل فقیر اور متوکل تھے۔ تکیہ کی عمارت اینٹ پتھر اور گچ سے بنائی اور تکیہ کے باہر ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد ڈالی۔ ہمیشہ قناعت سے زندگی بسر کی اکثر مثنوی مولوی معنوی سے مشغلہ رہتا تھا۔ اور اس کو اچھی طرح جانتے تھے۔ یہ عجیب بات

ہے کہ شاہ محمد زماں کی وفات بتاریخ ۱۲ ماہ رجب ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۱ء میں ہوئی۔ اور اسی تاریخ میں ان کے مرشد شاہ غلام محمد ٹھٹھوی کی وفات ہوئی جو اپنے عہد کے نامور شیخ طریقت اور عارف کامل تھے اور یہی تاریخ وفات ان کے مرشد شاہ عبدالملک کی ہے۔ شاہ محمد کی قبر شاہ جہاں آباد میں ہے[1]۔ شاہ عبدالمالک کی قبر اطرافِ حیدر آباد دکن میں ہے اور شاہ محمد زماں کی قبر ان کے تکیہ میں شہر فرّخ آباد میں ہے۔

سیّد شاہ زاہد علی ایک نہایت خوبصورت اور خلیق فقیر تھے اطرافِ جون پور میں پیدا ہوئے اور وہیں اس شہر کے مشائخ سے طریقہ قادریہ، قلندریہ اخذ کیا نواب احمد خاں نے باغ کے ایک طرف ان کے لئے مکان کی بنیاد ڈالی اور اس مکان میں شاہ موصوف نے چلّے کئے اور مریدوں کی تربیت میں مشغول ہوئے[2]۔

---

[1] شاہ غلام محمد ٹھٹھوی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو تحفۃ الکرام از میر علی شیر قانع تتوی صفحہ ۴۹۳-۴۹۴ (اُردو ایڈیشن) سندھی ادبی بورڈ، کراچی ۱۹۵۹)

[2] جب نواب آصف الدولہ فرخ آباد گئے تو دوپہر کے وقت شاہ زاہد علی کی ملاقات کے لئے بھی پہونچے اور خبر کرائی کہ آصف الدولہ ملنے آئے ہیں۔ شاہ صاحب نے کہلا بھیجا کہ میری دُعا کہو اور فقیر کا یہ وقت ملاقات کرنے کا نہیں ہے میں اس وقت کچھ کلام اللہ کا کام کرتا ہوں۔ آصف الدولہ کو ان کی یہ بات پسند آئی اور کہا "تم فقیر بے پرواہ معلوم ہوتے ہو" دوسرے دن جلوس کے ساتھ صبح کے وقت پہونچے ملاقات کی شاہ زاہد علی بغلگیر ہوئے بٹھایا اور دعائیں دیں اور تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ "اب رُخصت ہوجیے کہ آپ کے بیٹھنے سے غربا کو تکلیف ہوتی ہے! ہاتھی۔ گھوڑوں اور آدمیوں سے راستہ بند ہے۔ غربا سودا سلف کو پریشان بیٹھے ہیں کہ بھیڑ ہٹے تو ہم باہر نکلیں"۔

آصف الدولہ نے کہا کہ

"مجھ سے کچھ فرمایئے کہ میں خدمت بجا لاؤں"۔

شاہ صاحب نے دُعا دی اور کہا کہ یہاں پھر تشریف نہ لایئے دلی مطلب آپ کا اللہ پورا کرے گا آصف الدولہ نے ہزار روپے شاہ صاحب کو دیئے۔ شاہ زاہد علی نے کہا کہ نواب صاحب! اگر میں اس قدر کو لونگا تو چور لے جائیں گے اور میں مارا جاؤنگا۔ یہ بلا دُنیا ہے آصف الدولہ رخصت ہوکر لشکر کو لوٹ آئے (وقائع خاندانِ بنگش (قلمی) صفحہ ۱۹۵-۱۹۶

مولوی محمد اشرف (شاہ زاہد علی کے) مریدوں میں سے ایک مرید مولوی محمد اشرف تھے جو اطرافِ گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ بہت صاحب حال تھے اور اکثر درسی کتابیں مولانا فضل اللہ بہاری سے جو مولانا محمد حسن لکھنوی کے شاگرد تھے پڑھیں اور میں بھی اُن دنوں مولانا فضل اللہ بہاری کی خدمت میں استفادہ کرتا تھا۔

شاہ نور علی شاہ زاہد علی کا ایک لڑکا شاہ نور علی نام تھا جو راقم کا ہم عمر تھا ایک دن چلّہ کے بعد نکلا۔ ٹھنڈی ہوا کے اثر سے انتقال ہو گیا۔ شاہ نور علی بالکل جوان تھا۔ فقیری کے علاوہ بہت سے فنون ہیئت، ہندسہ۔ زیچ۔ اصطرلاب۔ نجوم۔ طب اور صناعاتِ غریبہ بہت اچھی طرح جانتا تھا اللہ تعالےٰ اس کی بخشش فرمائے۔ شاہ زاہد علی کی وفات ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء کو ہوئی اور شاہ قطب الدین، شاہ زاہد علی کے داماد کی حالت مجذوبانہ تھی کہ اکثر بے اختیاری کلام زبان پر لاتے تھے۔ اور کبھی اسی کے مطابق واقعہ ظاہر ہوتا تھا۔

منوّ شاہ شاہ زاہد علی مرحوم کے مریدوں میں سے تھے۔ شہر فرخ آباد محلہ کٹرہ بخشی فخرالدولہ میں اپنا آستانہ بنایا۔ اپنے بال بچوں کے ساتھ خوشی سے زندگی بسر کرتے تھے۔

سید شاہ محمد زاہد دہلوی میر سیّد محمد قنوجی کی اولاد میں ہیں اور ان کی وفات ۱۱۱۰ھ میں ہوئی۔ یہ سیّد محمد شاہ جہاں آبادی کے مرید ہیں۔ نواب احمد خاں کے زمانہ میں شہر فرخ آباد میں آکر محلہ بنگش پورہ میں قیام کیا۔ تمام خاص وعام اور شریف وعوام ان کے معتقد تھے۔ وہ مستغنی مزاج تھے اہلِ دُنیا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے ان کی ایک بیوی تھیں جو نہایت پاک اور عصمت مآب تھیں اور ان سے دو۲ لڑکے تھے چھوٹا لڑکا

۱؎ مُلا محمد حسن کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری ص ۴۲۵-۲۶

۲؎ سید محمد قنوجی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ۲۲۸۴

چھوٹے صاحب کی عرفیت سے مشہور ہے۔ ان کی زبان پر ہر وقت معارفِ الٰہی اور حقائقِ غیر متناہی جاری رہتے ہیں۔ اور ان کا ایک بیٹا حاجی میاں کے نام سے مشہور ہے جو چند برس ہوئے زیارتِ حرمین شریفین کو گیا ہے اور ابھی تک اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔ سید محمد زاہد کی وفات ۱۷ ماہ محرم ۱۱۸۴ھ مطابق ۱۷۷۰ء کو ہوئی۔

چھوٹے صاحب | اور چھوٹے صاحب کی وفات ۲۸ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو چھوٹے صاحب کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ذیل کے اشعار ان ہی کے ہیں ؎

وصل بے رغبتِ دلدار نمی آید راست | ذوقِ توحید بگفتار نمی آید راست

دلِ دیوانہ باغیار نگیرد الفت | صحبت مست بہشیار نمی آید راست

انچہ در مدّتِ ہجر تو کشید است دلم | طولِ ایں قصّہ بطومار نمی آید راست

گنج بے مار وگلے نیست کہ باشد بے خار | نوش بے نیش ببازار نمی آید راست

پاس انفاس بہر حال ترا می باید | کار کن کار کہ بے کار نمی آید راست

سید نصیر جالیسری | اکثر فرخ آباد کے رہنے والوں کے مقتضائے ارادت سے اس شہر میں آیا کرتے تھے اور کچھ دن ٹھیرتے تھے یہ میر ہاشم مغربی کے بیٹے ہیں۔ جو اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ اور جلیسر میں رہنے لگے اور آخر عمر میں کشمیر چلے گئے۔ وہاں ۱۱۳۶ھ مطابق ۱۷۲۳ء میں وفات پائی اور ان شہروں میں سید نصیر کے ایک لاکھ سے زائد مرید تھے۔ وہ سماع و قوالی سے زیادہ ذوق رکھتے تھے۔ اور اس میں وجد کی کیفیت ظاہر ہوتی تھی۔ جس سے حاضرین بھی ثمر لیتے تھے ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں وفات پائی۔

میر نصیر عارفانہ شعر ہندی زبان میں بہت کہتے تھے ذیل کے اشعار اُن ہی کے ہیں ؎

کیا ہو دید جس نے دل کے درپن کی صفائی کا | نظر آیا ہے[۱] حیرت میں اُسے جلوہ خدائی کا

---

[۱] فرخی نسخہ میں یہ شعر اس طرح ہے: ؎ کیا ہو دید جس نے دل کے درپن کی صفائی کا ؛ نظر آتا ہے حیرت میں اسے جلوہ خدائی کا

حقیقت اپنی کو سمجھیں جو جا دین رمز نداں ہیں بہت یہ زاہد اب دم مارتے ہیں پارسائی کا
جو دیکھیں نور تیرے حسن کا اے شاہ محبوباں تو مانگیں بھیک مہر و ماہ لے کاسہ گدائی کا
جو دل ہو اس طرف تو بت پرستی بھی عبادت ہے عبث ہے ورنہ یاں دعویٰ حرم کی جبہ سائی کا[۱]
نصیر ایسا ہی کچھ ہووے گا شاید ہول محشر بھی[۲] کہ جیسا حال دکھلاتا ہے مجھ کو دن جدائی کا

سید کریم الدین ان کے ایک چچا زاد بھائی سید کریم الدین تھے جن کا نکاح مولوی سید محمد عمر کی لڑکی سے ہوا تھا اور سید کریم الدین کے تمام حالات سید نصیر کے حالات کے مانند تھے۔ ان کی وفات ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں ہوئی۔

سید امین الدین مولوی سید محمد عمر کی لڑکی سے سید کریم الدین کے کئی لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک سید امین الدین احمد ہیں۔ جو متقی اور عالم ہیں۔ اللہ انھیں سلامت رکھے۔[۳]

میاں محمد صلاح مولانا شیخ کمال الدین الہ آبادی کے بیٹے باکمال فاضل اور مولوی محمد عظیم ملانوی کے شاگرد تھے۔ فرخ آباد آئے۔ چند سال مقیم رہے ۱۱۸۰ھ/۶۷-۱۷۶۶ء میں وفات پائی۔ اور اپنے مکان میں دفن ہوئے۔ دیو اور پریوں کے عملیات میں دستگاہ کامل رکھتے تھے! ان میں اور راقم کے والد سید احمد علی میں ربط و ضبط تھا۔ روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ راقم کے والد نے

---

۵۱ آخر کے یہ دو شعر نسخہ فرخی میں زیادہ ہیں وہیں سے نقل کیے گئے ہیں۔

۵۲ نسخہ فرخی میں "ہول محشر بھی" کی بجائے "ہول محشر میں" ہے۔

۵۳ سید امین الدین احمد، حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء) کے معتقد اور ممتاز شاگرد تھے تمام علوم کی تحصیل شاہ اسحاق سے کی حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب نے مسائل اربعین کے جوابات امین الدین احمد جالیسری ہی سے لکھوائے تھے۔ صورت یہ تھی محمد زماں خاں ولد محمد باز خاں بھیکن پوری نے پینتیس سوال بھیجے تھے! امین الدین صاحب نے اسی قسم کے پانچ سوال اور شامل کر کے چالیس سوال کر دیئے اور اس طرح اس رسالہ کا نام مسائل اربعین رکھا۔ (مسائل اربعین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۔۳) مولوی امین الدین کے تعلقات روسائے بھیکن پور سے بھی تھے۔

(تحفۃ المسلمین مرتبہ حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی) علی گڑھ ۱۹۵۹ء ص ۱۱۴)

چند اعمال ان سے سیکھے تھے جو نہایت مجرب ہیں۔ ان کا شعر کی طرف بھی میلان تھا حسب ذیل شعر ان ہی کا ہے [۱]

وحشی عشق کی کیا پوچھتے ہو خیر و صلاح
ڈالتے ہوں گے کسی دشت میں سر پر دھولیں

شیخ کمال الدین شیخ کمال الدین شیخ محمد افضل الہ آبادی کے فرزند دارشد ہیں۔ اور مفتی جار اللہ الہ آبادی کے شاگرد امجد ہیں۔ اور مسلم الثبوت کی متن کے شارح ہیں کہ ان سے بہتر شرح خیال میں نہیں آتی۔

شیخ محمد افضل شیخ محمد افضل باکمال فاضل اور سید محمد کالپوی کے مرید تھے۔ اکثر فارسی کتابوں پر ان کی شرحیں ہیں جو نہایت عمدگی کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ جیسے مثنوی مولانا رومؒ بوستانِ شیخ سعدی رح اور مثنوی یوسف زلیخا از مولانا جامیؒ۔ اور رسالہ مقدمۃ الصلوٰۃ [۲]،

شیخ کمال الدین کی پیدائش سے پہلے ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی جس کو اپنے بھتیجے شاہ محمد یحییٰ معروف بہ شاہ خوب اللہ کے ساتھ بیاہ دیا تھا اور ان (شاہ خوب اللہ) کو اپنا جانشین بنالیا تھا اور تمام کتابیں، سرمایہ، اور مال و اسباب اس کو دیدیا تھا۔ [۳]

---

[۱] ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر جلد ششم ص ۲۴۲

[۲] شیخ محمد افضل کی مزید تصنیفات شرح گلستاں، تذکرہ دل پذیر، شرح فصوص الحکم، فتح الاخلاق رسالہ در بحث ایمان فرعون شرح قصائد خاقانی، سیر منظوم وغیرہ ہیں۔ مثنوی معنوی کی شرح پچاس جلدوں سے زیادہ میں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے

تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۲۱۷ - ۲۱۸

[۳] شاہ خوب اللہ کے حالات کے لئے دیکھئے

تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۸۳ - ۱۸۴

جب دوسری بیوی سے دو[۲] لڑکے شیخ کمال الدین اور ان کے بھائی شیخ جمال الدین پیدا ہوئے تو ان کے لئے ایک علٰحدہ مکان بنوایا۔ شیخ جمال الدین کی مجذوبانہ حالت تھی شیخ محمد افضل کی وفات ۱۵ ذی الحجہ ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء کو ہوئی۔ اور شاہ خوب اللہ کی وفات ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۱-۲ء میں ہوئی۔

شیخ محمد فاخر شاہ خوب اللہ کے شیخ محمد افضل کی بیٹی سے تین بیٹے تھے۔ شیخ محمد فاخر شیخ محمد ناصر۔ تیسرے شیخ محمد طاہر، جو ایک عالم کامل اور مفتی جار اللہ کے شاگردوں میں سے تھے وہ لاولد مرے۔ شیخ محمد فاخر جو زائرؔ تخلص کرتے تھے اور صاحب دیوان ہیں۔ تیسری مرتبہ حرمین شریفین جاتے وقت شہر برہان پور میں وفات پائی۔[۵۱] یہ شعر انہی کا ہے؎

نہ از بیدادِ او شب تا سحر فریاد می کردم
تو آموزِ غمِ عشقم سبق را یاد می کردم

شیخ محمد ناصر شیخ محمد ناصر اجملؔ تخلص بھی صاحب دیوان ہیں یہ اُن کا شعر ہے؎

لبِ گزیدۂ اغیار را نہ بوسہ دہم
عقیق کندۂ نامِ دگر چہ کار آید

اور شیخ محمد ناصر کے ایک بیٹے شاہ محمد اجمل اور اُن کے بیٹے ابو المعالی ہیں جو اپنے بزرگوں کے سجّادہ کو زینت بخشنے والے ہیں۔

---

۵۱ شیخ محمد فاخر کا انتقال ۱۱۶۴ھ میں ہوا۔ برہان پور میں دفن ہوئے ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جنمیں قرۃ العین در اثبات سینہ رفع الیدین۔ نور السنۃ رسالہ نجاتیہ اور درۃ التحقیق مشہور ہیں۔ اول الذکر تینوں کتابیں جمعیتہ اہل حدیث گوجرانوالہ (پاکستان) نے چھپوادی ہیں۔ قرۃ العین اور نور السنۃ فارسی زبان کے مختصر سے دو منظوم رسالے ہیں اور رسالۂ نجاتیہ عربی کا مختصر سا رسالہ ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص۱۵۷ و مجموعہ نور السنۃ وقرۃ العین در اثبات سینہ رفع الیدین از محمد فاخر الہ آبادی ص۳-۷ (جمعیتہ اہل حدیث گوجرانوالہ ۱۹۵۹ء)

حاجی محمد یٰسین

حاجی محمد یٰسین عماد الملک کے زمانہ میں فرخ آباد تشریف لائے اور یہیں وفات پائی۔ ان کے تابوت کو الہ آباد پہونچایا گیا یہ محمد افضل کے مقبرہ کے باہر دفن ہوئے۔ حاجی یٰسین شاہ خوب اللہ کے داماد تھے ان کا ایک بیٹا سلطان محمود تھا جو اپنے والد کے ساتھ فرخ آباد آیا تھا اس نے بھی مراجعت کے بعد الہ آباد میں وفات پائی۔ راقم اس وقت الہ آباد میں تھا۔ اس کے جنازے میں شریک ہوا تھا۔

میاں محمد صلاح کی وفات کے بعد ان کی بجائے (فرخ آباد میں) ان کا بھانجہ شاہ عبدالمجید بیٹھا جس نے ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء میں الہ آباد جاکر وفات پائی۔

شاہ غلام قطب الدین الہ آبادی

شاہ قطب الدین ولد حاجی محمد فاخر متخلص بہ زائر، حرمین شریفین جاتے وقت ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۲ء میں وارد فرخ آباد ہوئے راقم اپنے والد سید احمد علی کے ساتھ ان کی خدمت حاضر ہوا۔ اور برکات حاصل کیں۔ شعر گوئی کی طرف بھی رغبت رکھتے تھے اور مصیب تخلص[۱] تھا۔ یہ اشعار ان ہی کے ہیں ؎

از یار بد گمانی سبب امید باشد
کہ پس جنازہ آخر بمزار خواہد آمد

زبلبل باغبان بے مروّت سرگراں دارد کہ این بے خانماں نالہ چرا در گلستاں دارد[۲]

۱؎ شاہ قطب الدین الہ آبادی ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء میں پیدا ہوئے علوم ظاہری کی تکمیل مولوی برکت اللہ الہ آبادی سے کی۔ ایک فارسی دیوان ان سے یادگار ہے۔ مثنوی نان وقلیہ اور بستان الحنفیہ بھی ان کی یادگاریں ہیں۔ ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء میں (بہ اختلاف روایت مکہ یا جدہ میں) وفات پائی۔

تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرہ علمائے ہند ص۳۶۶

۲؎ انڈیا آفس لائبریری کے نسخے اور فرخی نسخے میں یہ شعر نامدہ ہے۔

حج کرنے کے بعد جدّہ میں وفات پائی۔ اس کا بیٹا شاہ غلام حیدر شاہ جہاں آباد جاتے وقت فرّخ آباد آیا تھا راقم اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ خدا سلامت رکھے۔

شاہ حسام الدین گوالیاری

یہ شیخ محمد غوث گوالیاری کی اولاد میں ہیں۔ نواب غضنفر جنگ کے زمانہ میں شہر فرّخ آباد میں آئے قناعت اور توکل کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ۱۱۲ سال کی عمر میں فرّخ آباد میں وفات پائی ان کے چند مرید تھے ان کے مریدوں میں ایک عورت بسم اللہ شاہ کے نام سے مشہور ہے جو مرد فقیروں کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی۔

شاہ حسام الدین نے نواب غضنفر جنگ کے خاندان کے احوال میں ایک کتاب لکھی ہے جو صحیح احوال پر مشتمل ہے اس میں اکثر آنکھوں دیکھا حال[۵۱] ہے۔

شاہ حسام الدین تیر انداز

نواب غالب جنگ کے زمانے میں شہر فرّخ آباد میں آئے۔ تیراندازی میں مہارت کے سبب سے مہربان خاں دیوانِ سرکار سے ربط وضبط پیدا کر کے اچھی طرح گزران کرتے تھے۔ کھانا کھلانے اور ایثار کی عادت تھی۔ مرنے کے بعد دو بیٹے چھوڑے، جو نوکری کر کے بسر اوقات کرتے ہیں۔

شاہ حسام الدین بدایونی

مولوی محمد مقیم کے صاحبزادے شاہ حسام الدین نے علوم کی تحصیل بریلی اور اس کے اطراف میں کی۔ فرّخ آباد میں گوشہ تنہائی میں بیٹھ قناعت سے زندگی گذارتے تھے اور آخر عمر میں بعض عقیدت مندوں کی مدد سے ایک روپیہ روزانہ ملتا تھا۔ اسی سے بسر گذر ہوتی تھی[۵۲] ان کی وفات کے بعد ان کے

---

[۵۱] سید حسام الدین کا نام مطلق علی شاہ ہے انھوں نے ایک کتاب (تاریخ) محمد خانی کے نام سے لکھی ہے اس کا قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے ہم نے اس نسخے سے استفادہ کیا ہے۔

[۵۲] وقائع خاندان بنگش کے مؤلف کا بیان ہے کہ شاہ حسام الدین بدایونی شیوخ قصابان سے تھے نواب مظفر جنگ کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

بیٹے نور علی شاہ صاحب علم ہیں اور مشہور ہیں۔

شاہ حیات اللہ مولوی سید حسن رضا کے خلیفہ تھے۔ جو شاہ منعم عظیم آبادی کے[1] جلیل القدر خلیفہ ہیں۔ نواب مظفر جنگ کے زمانے میں شہر فرخ آباد میں آئے۔ بخشی بدرالدین خاں خلف بخشی فخر الدولہ کے مکان میں اترے بخشی صاحب فقیروں سے بہت محبت کرتے تھے اور نسبت رکھتے تھے۔ نواب مظفر جنگ اور امین الدولہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اور سماع کے وقت ان پر ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ اس کا اثر حاضرین پر ظاہر ہوتا تھا اور بہت بے خود ہو جاتے تھے چند دن فرخ آباد ٹھہر کر لکھنؤ چلے گئے۔ وہاں مرض سرطان میں وفات پائی۔ اور مولوی حسن رضا اور شاہ

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) نائب رائے ہیرانند نے ایک پختہ مکان بنوادیا تھا اتفاق سے ایک موقع پر جھاؤلال سے نواب آصف الدولہ ناراض ہوئے بعض اہل غرض نے شاہ حسام الدین کو لکھنؤ بلوایا اور جھاؤلال سے تعارف کرادیا۔ اتفاق سے نواب آصف الدولہ کی خفگی ختم ہوگئی جھاؤلال نے اس کو شاہ زاہد علی کی کرامت پر محمول کیا اور ان کا بہت معتقد ہوگیا اور بہت خدمت کرتا۔ ایک مرتبہ شاہ زاہد علی نے جھاؤلال سے نواب امین الدولہ کی موجودگی میں ملاقات کی۔ یہ بات نواب امین الدولہ کو ناگوار ہوئی آخر میں شاہ زاہد علی نے معافی مانگ لی۔ نواب مظفر جنگ اور ناصر جنگ کبھی کبھی شاہ زاہد علی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ملاحظہ ہو۔
(وقائع خاندان بنگش (قلمی) صفحہ ۲۰۳-۲۰۷)

[1] شاہ منعم عظیم آبادی، مضافات پٹنہ کے رہنے والے تھے شاہ خلیل بہاری سے قادری سلسلہ میں بیعت ہوئے جب دہلی تشریف لے گئے تو شاہ فرہاد ابوالعلائی کے جانشین میر اسد اللہ کی صحبت میں رہے اور ابوالعلائیہ طریقہ حاصل کیا اور ایک مدت تک دہلی میں رہے اور مخلوق کو فائدہ پہونچایا پھر عظیم آباد چلے آئے نہایت متوکل اور قانع بزرگ تھے تمام عمر مجرد رہے ان کے خلفا میں شاہ حسن علی عظیم آبادی، رکن الدین عشق حسن رضا رائے پوری، شاہ دائم ڈھاکوی، شاہ غلام نبی انوری اور شاہ غلام حسین داناپوری مشہور ہیں۔ لمعات منعمی ان کی ایک علمی یادگار ہے۔ ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں انتقال ہوا۔
تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے عرب و اسلام از شاہ محمد کبیر داناپوری
(نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۲۴ء) ص ۶۸۴-۶۸۸

منعم طریقہ نقشبندیہ ابو العلائیہ کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں اور ایسی شہرت کے مالک ہیں کہ اس کی شرح کی ضرورت نہیں۔

شاہ رحم علی نواب غالب جنگ کے زمانہ میں شہر فرخ آباد میں آئے اور یہیں قیام کیا چند برس کے بعد سفرِ حجاز کے لئے یہاں سے نکلے۔ اس کے بعد ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔ شاہ رحم علی شاہ فولاد کے مرید اور خلیفہ تھے جو شاہ منعم عظیم آبادی ابو العلائی کے خلیفہ ہیں۔ راقم نے شاہ رحم علی کی زیارت کی ہے۔ ایثار اور قناعت اور توکل کے صفات سے متصف تھے۔

شاہ حفیظ اللہ شاہ ہدایت اللہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اکثر فرخ آباد آیا کرتے تھے۔ بخشی بدر الدین خاں کے مکان پر قیام کرتے تھے۔ اور ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ توجہ سے پیش آتے تھے۔

شاہ ہدایت اللہ شاہ ہدایت اللہ اصل میں بنگال کے رہنے والے تھے اور علوم حاصل کرنے کے بعد مولوی احمد اللہ سندیلوی کے مرید ہوئے اور شاہ منعم سے خلافت حاصل کی۔ شہر بریلی میں قیام کیا۔ ارادتمندوں کو فیض پہونچاتے تھے اس شہر کے عوام و خواص ان سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ اور راقم نے بھی ان کی زیارت کی ہے۔

شاہ امام بخش شیریں رقم خاں کے بیٹے ہیں جو اس شہر کے مشہور خوش نویسوں میں ہیں شروع جوانی میں پورب سے آئے۔ مولوی وجیہ اللہ کی خدمت میں ارادت حاصل کی جو شاہ مجیب اللہ پھلواروی کے خلیفہ ہیں۔ ان کے طریقہ کی نسبت مولوی محمد وارث بنارسی سے حاصل کی[٥١]۔ اور اجازت حاصل کر کے شہر فرخ آباد میں قیام

---

٥١ مولوی محمد وارث ١٠٨٧ھ/١٦٧٦-٧٧ء میں پیدا ہوئے۔ قصبۂ نونہرہ (ضلع غازی پور) ان کا اصلی وطن ہے ان کے والد بنارس کے قاضی تھے بعد کو یہ بھی اس عہدہ پر فائز ہوئے۔ درس و تدریس کا مشغلہ تھا انھوں نے قرآن مجید

کیا۔ قناعت اور توکل سے گزران کرتے ہیں۔ حق تعالےٰ سلامت رکھے۔

مولوی نور الہدیٰ بریلوی

حضرت شاہ لال کے مریدوں میں ہیں۔ جو سید علیم اللہ بریلوی کے بیٹے ہیں۔ نواب غالب جنگ کے زمانہ میں اس شہر میں وارد ہوئے۔ شاہی بیگ خاں جمعدار معتمد سرکار کے ساتھ بسر کی آخر میں ایک گوشہ میں عزلت نشین ہوگئے اور پھر کسی اہل شہر کے پاس نہ گئے اور وہیں وفات پائی۔

شاہ محمد علی

میر جہاں شاہ جہاں آبادی کے مریدوں میں سے ہیں۔ جو میر سید محمد قنوجی کے مشہور سلسلے میں ہیں۔ میر فتح علی خاں جو اس زمانہ میں شاہجہاں آباد میں نہایت شہرت کے مالک تھے، میر جہاں کے خلیفہ تھے۔ شاہ محمد علی کو دیکھا گیا ہے کہ سماع کی ان پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی تھی۔ جو تقریر اور بیان سے خارج ہے ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء کو وفات پائی۔

شاہ فضل اللہ

شاہ بھولن کے مریدوں میں ہیں جو شاہ اکرم براسوی کے خلیفہ ہیں۔ کچھ مدت فرخ آباد میں رہے۔ توکل و قناعت میں بسر کرتے تھے اور اسی شہر میں وفات پائی۔ اور یہیں دفن ہوئے۔ اور شاہ اکرم کتاب اقتباس الانوار کے مصنف ہیں[۱]۔ جو

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی اور شرح وقایہ کا حاشیہ بھی تحریر کیا تھا۔ ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۲-۳ء میں انتقال ہوا ان کا مزار "مولوی جی کا باڑہ" میں ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرہ مشائخ بنارس از عبدالسلام نعمانی ص ۴۹-۵۵

(ندوۃ المعارف بنارس ۱۹۶۱ء)

[۱] محمد اکرم بن شیخ محمد علی بن شیخ الٰہ بخش حنفی براسوی، شیخ سوندھا سفید ونی کے مرید و خلیفہ تھے ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹-۱۷۰۰ء سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اقتباس الانوار کی تالیف دہلی میں ۱۱۳۵ھ/۱۷۲۲-۳ء میں شروع ہوئی اور ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء میں اختتام کو پہونچی۔ اقتباس الانوار کا دوسرا نام سواطع الانوار بھی ہے یہ چشتی سلسلے کے بزرگوں کا ایک ضخیم تذکرہ ہے اس کتاب میں چار باب ہیں پہلے باب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلفائے اربعہ اور ائمہ کرام کے حالات ہیں دوسرے باب میں خواجہ حسن بصری سے خواجہ عثمان ہرونی تک اور تیسرے باب میں خواجہ معین الدین چشتی سے محمد بن عارف احمد عبدالحق ردولی

احوال اولیا پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالباسط قنوجی نے کتاب منازل اثنا عشریہ میں اکثر حال اسی کتاب سے نقل کیا ہے۔ طریقہ و آداب (تصوّف کے متعلق) ان کی دوسری تصنیفات بھی ہیں۔ قاضی مبارک شارح سلم ان کے مریدوں میں سے تھے۔

شاہ زین الدین قنوجی یہ نواب غالب جنگ کے زمانہ میں شہر فرّخ آباد کی ایک مسجد میں رہتے تھے اور چلہ کشی کیا کرتے تھے یہیں وفات پائی۔

سید احمد ناناشاہی سلطان ابوالحسن کی اولاد میں ہیں۔ جو تاناشاہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ بھی غالب جنگ کے زمانے میں شہر فرّخ آباد میں تشریف لائے۔ محلہ شیر دل خاں اور پیر مول خاں میں گوشۂ عزلت اختیار کیا۔ زندگی بھر کسی کے دروازے پر نہیں گئے۔ فرّخ آباد میں وفات پائی اور اپنے تکیہ میں دفن ہوئے۔

سید احمد بنوری قصبہ بنور کے بزرگ زادوں میں ہیں۔ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے تھے۔ اور امیروں سے میل جول رکھتے تھے وہ سب ان کی خدمت کرتے تھے۔ سیّد فضل امام کے خاندان کی ایک لڑکی سے نکاح کر لیا تھا۔ عزت سے زندگی بسر کر کے وفات پائی۔ سید احمد میاں محمد مرشد کے مرید تھے جو سرہند کے پیرزادوں میں سے ہیں۔ شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی کے فرزندوں میں ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

رسول شاہ نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانہ میں ایک فقیر تھے۔ نہایت متوکل اور قانع۔ باوجود اس کے کہ دونوں پاؤں سے معذور تھے۔ سماع کے وقت دیکھا گیا کہ جوش میں کھڑے ہو جاتے تھے کبھی کسی امیر کے دروازہ پر نہ جاتے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ)

تک اور چوتھے باب میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے مصنف نے اپنے والد تک سب کے حالات لکھے ہیں یہ کتاب لاہور میں طبع ہوئی ہے۔ پرشین لٹریچر سی۔ اے اسٹوری جلد اول حصہ دوم ص ۱۰۱۹)

فرخ آباد میں وفات پائی۔ اپنے ہی مکان میں دفن ہوئے۔ ان کی ایک بیٹی تھی جس نے غایت پاک دامنی کی وجہ سے شوہر کو قبول نہ کیا اور اپنے حق میں کسی مرد کی قربت جائز نہ رکھی[1]۔ اور بوڑھی ہو کر مرگئی۔ بالآخر وفات پائی۔ اور باپ کے نزدیک دفن کی گئی۔

شاہ زین العابدین رسوا شاہ کے ایک مرید شاہ زین العابدین ایرانی تھے جو رسوا شاہ کی صحبت کی برکت سے ذوق وشوق کی حالت رکھتے تھے اور اکثر معارف ان کی زبان پر جاری رہتے تھے۔ وفات کے بعد رسوا شاہ کی قبر کے نزدیک دفن ہوئے۔

شاہ صادق علی حیدر نما سپاہیانہ زندگی بسر کرتے۔ مشہور ہتھیار پستول اور پیش قبض وغیرہ باندھا کرتے تھے۔ تلوار ہاتھ میں رکھتے تھے۔ اور تمام رات جاگ کر گزارتے تھے۔ یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور خدا سے غافل نہیں رہتے تھے۔ وفات کے بعد ان کی قبر زیارت گاہ ہے۔

میرزا شیر بیگ خدا نما اگرچہ ان کی صورت شاہجہاں آباد کے سپاہیوں کی سی تھی۔ لیکن کیفیت سے خالی نہ تھے۔ اہل وعیال کی کثرت کے باوجود کسی کے پاس حاجت نہیں لے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمادے۔

میر درویش علی وہ ایک ایسے درویش تھے کہ اکثر لوگوں سے علٰحدہ رہتے تھے۔ اور کم کسی کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور بچپن میں سید حسن رسول نما[2] نے

۱؎ ظاہر ہے کہ یہ بات اصول فطرت اور اسلام کے کس قدر منافی ہے۔

۲؎ سید حسن رسول نما اپنے زمانے کے عارف اور عالم شخص تھے مشہور ہے کہ جس کو چاہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کرا دیتے تھے اس لئے "رسول نما" لقب گیا۔ منتخب اللباب میں تحریر ہے "سید حسن رسول نما کہ مجموعہ فضل وکمال واز مستعدان روزگار واصل باللہ بود خصوص در علم حدیث وتفسیر وعبادت

(باقی اگلے صفحہ پر)

آغوش میں لیا تھا۔ محرم کی چاند رات ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ ان کے مرنے کی رات تمام آسمانی کنارے پُرنور تھے۔

حافظ غلام محمد شہر سودہرہ (واقع اطراف لاہور) کے رہنے والے ہیں اپنے کسی بزرگ کے ساتھ شاہ جہان پور پہونچے۔ حافظ عبدالغفور کے شاگردوں سے قرآن سیکھا۔ اور میر شمس الدین فقیر[1] اور نظام خاں معجز کے شاگرد سے نظم و نثر فارسی اور محمد عارف یاقوت رقم سے خطِ نسخ اور دوسرے اساتذہ سے خطِ نستعلیق سیکھا۔ اور نواب خاں فیروز جنگ ثانی کی سرکار میں ملازم ہوگئے۔ اس کے بعد عمادالملک وزیر کی رفاقت میں رہے اور اس کے ساتھ فرخ آباد آئے۔ شاہجہاں آباد کے قیام کے زمانہ میں شاہ ناصرالدین کے مرید و خلیفہ ہوئے۔ جن کا سلسلہ شاہ وجیہ الدین علوی[2] گجراتی پر منتہی ہوتا ہے۔ فرخ آباد کے قیام کے زمانہ میں چند لوگوں نے ان سے قرآن شریف حفظ کیا۔ بہت سے لوگوں نے نظم و نثر پڑھی، خطِ نستعلیق اور خطِ نسخ سیکھا۔ اور بہت آدمی ان کے مرید ہوئے۔ ہمیشہ قانع و صابر رہے۔ ۱۸ / جمادی الاوّل ۱۲۰۹ھ میں وفات پائی۔ ان کا مرثیہ لوگوں نے اس طرح کہا ہے: ؎

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) و زیاضت نادرۃ العصر بودہ" اور ۱۳۰۱ھ/۱۹۱۶ء میں انتقال ہوا۔ زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ سید حسن رسول نما کے مزار پر جو سالانہ عرس ہوتا ہے اس میں بھانڈ کثرت سے جمع ہوتے ہیں اور اپنے فن ہزل و ظرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے (مرقع دہلی صفحہ ۹)

(۲) منتخب اللباب جلد دوم صفحہ ۵۵۱-۵۵۲ (۳) یادگار دہلی ص ۱۸۵

(۴) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۲۵۷ (۵) آثار الصنادید باب اوّل صفحہ ۲۵۷

(۶) واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۵۵۱ (۷) نزہۃ الخواطر جلد ششم صفحہ ۶۳-۶۴

(۸) مناقب الحسن رسول نما (اردو ترجمہ فواتح العرفان) مطبوعہ لاہور ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

قیامت بر سرِ اہلِ زماں رفت | کہ مصحف از زمیں بر آسماں رفت
فلک از صبح پیراہن قبا کرد | کہ آں خورشید زیرِ خاک جا کرد
بدود آہ جانہا رفت از ہوش | برنگ کعبہ دلہا شد سیاہ پوش

عاشقانہ نظم لکھتے تھے اور آزاد تخلص کرتے تھے۔ نثر خوب لکھتے تھے صاحبِ دیوان ہیں جو غزلیات، رباعیات، قصائد، مثنویات اور متفرقات پر مشتمل ہے جو تمام تر نقل کرنے کے لائق ہیں لیکن اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ تشبیب میں قصیدے میں فرماتے ہیں ؎

کند بیگانہ وضعیہا بما دل | بجویت گشتہ شاید آشنا دل
گداز دخوں شود از دیدہ ریزد | بپایش دیدہ تا رنگِ حنا دل
بمژگاں خاکِ کویش زاں بروبم | کہ از دست اُفتاد این جا مرا دل
گزشتہ از سرِ دُنیا و عقبےٰ | نمی خواہد ز تو الّا ترا دل

غزل

اے صرف نثارت بگلستاں از گلہا | خاشاک رہ کوئے تو تاجِ سرِ گل ہا
فردے برفت نیست مقابل من و بلبل | دیدیم بدیواں چمن دفترِ گل ہا
لطف عرقِ روئے تو در محفل گلشن | شبنم چو شرر ساختہ در عمرِ گل ہا
از بادۂ لعلت اثرِ در ہم پیداست | بو کردہ مشامم دین اکثرِ گل ہا
اے بادِ صبا خدمتِ کوئے کہ نمودی | نافذ شدہ احکام تو بر لشکرِ گل ہا
آسودہ بہ گلخن نکند میل بگلشن | خاکسترِ ما بہ بود از بسترِ گل ہا
بلبل نہ شود بند چمن خاطرِ آزاد | آوارۂ صحرائے تو و منظرِ گل ہا

متفرقات

مثنوی جو ایک خط کی صورت میں محبوب کو لکھی ہے :-

صبا عشاق را آرام جانی	دوائے درد مفتوناں تو دانی
توئی با جانِ حسن و عشق ہمراز	توئی با عاشق و معشوق دم ساز
بآں پیماں شکن اول سلامے	رساں آنگہ بگو از من پیامے
کہ اے استادِ فنِ بے وفائی	مزن دم ز اتفاقِ آشنائی
تو عشرت جوئی و من غم خریدار	کجا تو من کجا فرق است بسیار
تو در آغوش عیش و ناز خفتہ	مرا در سینہ صد داغِ نہفتہ
لبت خنداں و چشمم گریہ آور	ترا آئینہ بر زانو مرا سر
ترا خاطر طرب ہنگامہ ساز است	مرا در سینہ سوزِ جاں گداز است
ترا ہر دم نگاہ برگل عذارے	مرا ہر لحظہ در دل خار خارے
تو کے یارِ دلِ بشکستہ باشی	کہ با آرامِ جاں پیوستہ باشی
تو کے با درد ہمزانو نشینی	چو روئے خویش در آئینہ بینی
تو گل بر بسترِ راحت فشانی	مقامِ خاکساراں را چہ دانی
بصورت دردمندی می نمودی	چہ دیدم عاقبت بے درد بودی
زمیں جانِ غمِ پروانۂ تو	بسوزد داغِ دل خوگر نہ[۱] تو
کنوں دعوائے دردت نیست زیبا	بہرِ من سخن حرفے است بیجا
روانِ دردمنداں انشاں است	بیا گر آرزوئے امتحاں است
ببیں کز آتشِ اندوہ چونم	کہ سوزد ہمدم از تابِ درونم

۱؎ نسخۂ فرخی میں یہ مصرعہ اس طرح ہے ع بسوزد داغ خوکردۂ تو

عرق ریز است شمع از سوز جانم — بہ بلبل نالہ آموزد زبانم
نہ گنجد حرفِ اندوہم بتحریر — بود در دم فزوں از حد تقریر
چگویم حالِ جانِ ناتواں را — نماندہ طاقتِ گفتن زباں را
جفاجو باوفا را بندہ باشی — بہر صورت الٰہی زندہ باشی

رباعی

اے روئے تو شادی ز برائے دلہا — لطف و کرم تو غم زدائے دلہا
تا سال و مہ است در جہاں دائم باد — سال گرہت عقدہ کشائے دلہا

رباعی

مژدہ اے دل کہ شب برات آمد — شب ذکر و شبِ صلوٰۃ آمد
خیز در بندگی کمر بر بند[۵۱] — بندگی موجبِ نجات آمد

رُباعی

قدوم عید و شادی تو امان است — جہاں از شکر یکسر تر زباں است
بیک سو ابر رحمت در ترشح — دگر سو دست جود ت درفشاں است

رباعی

عید قرباں رسید مژدہ دہاں — از قبول حجِ مسلماں
رحمتِ حق فزایدت برکات — بطفیل تبارک و رحمٰن

۵۱ نسخۂ فرخی میں یہ مصرعہ اس طرح ہے ع — مرد در بندگی کمر بند د

فرد

با ماہ رُخاں ہر کہ سرے داشتہ باشد — البتہ چو من چشم ترے داشتہ باشد

فرد

موئے شگافت بحر و تو مہ را شگافتی — بنگر کہ فرقِ رُتبہ ز ماہی است تا بماہ

فرد

دیدم ابرے بسرِ کوہ ترشح می کرد — گریہ بر سنگدلیہائے تو یاد م آمد

شاہ عظمت اللہ لاہوری

خواجہ پانصدی کے ارادت مندوں میں ہیں اور ان کا ذکر نواب یحییٰ خاں ابن ذکریا خاں کے احوال میں گزرا ہے۔

حضرت شاہ حقانی

یہ سید آلِ محمد بن صاحب البرکات مارہروی کے صاحبزادے ہیں۔ نواب مظفر جنگ کی ابتدائے ریاست میں شہر فرخ آباد میں آئے۔ کچھ مُدّت یہاں ٹھہرے اور پھر مارہرہ چلے گئے۔ وہیں وفات پائی۔ سنہ وفات ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ء ہے۔[۱]

---

[۱] شاہ حقانی، شاہ آل محمد کے چھوٹے بیٹے تھے ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۱-۲ء میں پیدا ہوئے تمام عمر مجرد رہے۔ شاہ حقانی کی تصنیف ہیں تفسیر قرآن شریف بزبان اُردو مسمّیٰ "عنایت رسول" کی اور ترجمہ اُردو لباب الاخبار "نعت رسول" کی ایک بیاض مارہرہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ خانقاہ مارہرہ سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں ان کی تاریخ انتقال ۱۰ ذی الحجہ بروز جمعہ ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۶ء تحریر ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) خاندان برکات از مولوی محمد میاں ص ۱۳
(۲) برکات مارہرہ از طفیل احمد ص ۴۸
(۳) نور مدائح حضور از غلام شبیر ص ۳۹

حضرت شاہ سوندھا یہ سید صاحب البرکات کی اولاد میں ہیں۔ جو مارہرہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کی پیدائش کی تاریخ یہ مصرعہ ہے ؎ ع

آیتِ رحمتِ اِلٰہ آمد

چند سال امین الدولہ کے دولت خانہ پر تشریف فرما رہے۔ اس کے بعد مارہرہ جاکر وفات پائی ان کے والد ماجد شاہ نجات اللہ[۱] صاحب البرکات کے بیٹے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان بزرگوں کا احوال لکھوں، صاحب البرکات قدس سرہٗ سادات بلگرام واسطی الاصل سے ہیں۔

میر عبدالواحد بلگرامی ان کے بزرگوں میں میر عبدالواحد بلگرامی مُصنّف سبع سنابل ہیں جو شاہ صفی، صفی[۲] پوری کے مریدوں سے ہیں۔

حکایت:۔ میر غلام علی آزاد مآثر الکرام میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء میں مؤلف اوراق نے دارالسلطنت شاہ جہاں آباد میں شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہٗ کی زیارت کی اور میر عبدالواحد قدس سرہٗ کا ذکر درمیان میں آیا۔ شیخ نے مناقب اور مآثر حد درجہ بیان کئے اور فرمایا ایک رات مدینہ منوّرہ میں سونے کے لئے میں لیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اور سیّد صبغۃ اللہ بروجی رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں

---

[۱] شاہ نجات اللہ بن صاحب البرکات ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۸ء میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ اکثر امرائے عہد ان کے معتقدین تھے ان کے زمانہ میں مارہرہ میں دو سرکاریں خورد و کلاں مشہور ہوئیں۔ ان کا انتقال ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء میں ہوا۔

ملاحظہ ہو نور مدائح حضور ص۳۳-۳۵

[۲] مخدوم شاہ صفی کا نام نامی عبدالصمد ہے۔ وہ شیخ سعد خیرآبادی کے خلیفہ ہیں۔ ۱۹ محرم ۹۴۵ھ/۱۵۳۸ء میں وصال ہوا۔ مزار قصبہ صفی پور (ضلع اناؤ، یو۔پی) میں موجود ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

(۱) مین الولایت از منشی ولایت علی خاں عزیز ص۴۲-۵۸ (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۵۳ء)

(۲) مخزن الولایت (اردو ترجمہ) (مقدمہ) از محمد خصلت حسین صابری (مترجم) ص۱۹-۲۱ (پاک اکیڈیمی کراچی ۱۹۶۳ء)

باریاب ہوئے۔ صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کی ایک جماعت حاضر ہے۔ ان میں ایک شخص ہے کہ حضور اُن سے مسکرا کر باتیں کر رہے ہیں۔ اور پوری توجہ فرما رہے ہیں جب مجلس ختم ہوگئی سیّد صبغۃ اللہ سے میں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے کہ حضور اتنی توجہ فرما رہے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں اور ان کی زیادہ عزت کا سبب یہ ہے کہ کتاب "سبع سنابل" ان کی تصنیف بارگاہِ رسالت پناہ میں مقبول ہوئی۔ میر عبدالواحد کی وفات شبِ جمعہ تیسری ماہِ رمضان ۱۰۱۷ھ مطابق ۱۶۰۸ء میں ہوئی اور ایک نادر بات یہ ہے کہ میر عبدالواحد نے کافیہ ابن حاجب کی شرح غیر متصرف کی بحث تک بطورِ تصوّف لکھی ہے وہ شعر بھی کہتے تھے[1]۔ صاحب دیوان ہیں۔ ذیل کا شعر ان ہی کا ہے ؎

واحد مدار کار دریں عمر یک دم است
زاں روئے گفتہ فقیراں کہ دم مدار

شیخ صفیؔ صفی پوری کی وفات ۹۳۳ھ/۱۵۲۶-۲۷ء میں ہوئی جیسا کہ کہا ہے[2] ؎

---

[1] شیخ عبدالواحد بن ابراہیم اصل میں بلگرام کے رہنے والے تھے سید حسین ساکن سکندرہ کے مرید تھے ان کی تصنیفات میں حقائق ہندی۔ حل شبہات۔ شرح کافیہ، شرح نزہۃ الارواح۔ سبع سنابل۔ تفسیر مفیض المحبّت، ساقی نامہ شرح گلشن راز، شرح مصطلحات دیوان حافظ، دیوان اشعار۔ مناظرہ انبہ و خربوزہ، مکاتیب ثلاثہ۔ شرح معما قصہ چہار برادر، شرح غوثیہ کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے اکثر کتابیں مارہرہ میں درگاہ کے سجادہ نشین حضرات کے پاس موجود ہیں، سبع سنابل طبع ہو چکی ہے شرح کافیہ ابن حاجب کی شرح تصوف کے انداز پر لکھی ہے خاک امرتب نے اس کا ایک خطی نسخہ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب کے پاس دیکھا ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے:۔ (۱) ماثر الکرام دفتر اول ص ۲۵-۳۳ (۲) منتخب التواریخ ص ۴۲۶ ص ۴۱-۴۲ (۳) انوار العارفین ص ۴۵۹-۴۶۰ (۴) اصح التواریخ جلد اول ص ۹۸-۲۵۰ (۵) کاشف الاستار (قلمی) از شاہ حمزہ (۶) گلشن ابرار (قلمی) از ریاض الدین سہسوانی ص ۱۸-۱۹ (۷) ہدایت المخلوق (قلمی) ہدایت ۷ (۸) تذکرہ علمائے ہند ص ۳۲۹

[2] خانزادہ صفی پور سے متعلق جو مواد پیش نظر ہے اس میں مخدوم شیخ صفی کی تاریخ وفات ۹۴۵ھ/۱۵۳۸ء تحریر ہے۔ حضرت منشی ولایت علی خاں نے اس سلسلے میں اپنی کتاب عین الولایت ص ۵۷-۵۸ میں کافی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ مخدوم صفی کا انتقال ۱۹ محرم ۹۴۵ھ/۱۵۳۸ء کو ہوا۔

بہر تاریخش چنیں آمد زغیب — تو بیا در باب لفظ "شیخ پاک"

صبغۃ اللہ — صبغۃ اللہ مولانا وجیہ الدین گجراتی کے خلیفہ اور شاگرد ہیں۔ ان کی وفات ۱۰۱۵ھ مطابق ۱۶۰۶ء میں ہوئی۔ اور ان کی قبر بقیع میں مدینہ طیبہ میں ہے۔[1]

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی — اور شاہ کلیم اللہ، شاہ یحیٰی[2] مدنی کے مرید ہیں۔ اور شاہ نظام الدین والد مولانا فخر الدین کے پیر ہیں۔ جو شاہجہاں آباد کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ شاہ کلیم اللہ نے ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۰ء میں وفات[3] پائی۔

میر عبد الجلیل — میر عبد الواحد کے چار بیٹے تھے۔ ایک ان میں سے میر عبد الجلیل ہیں۔ جو سید اویس کے والد ہیں اور اویس صاحب البرکات

---

[1] صبغۃ اللہ بروجی کا نام مجد الدین بن روح اللہ حسینی ہے۔ شیخ وجیہ الدین گجراتی کے شاگرد اور خلیفہ تھے دو مرتبہ زیارت حرمین سے مشرف ہوئے آخر میں احد کے پہاڑ کے قریب مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی جواہر خمسہ (از محمد غوث گوالیاری) کو عربی میں لکھا کتاب الوحدت، رسالہ اراءۃ الدقائق فی شرح مراۃ الحقائق اور مالا یسع للمریدین ان کی تصنیفات سے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں۔ (۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۴۴-۲۴۵ (۲) حدائق الحنفیہ ص ۴۰۱ (۳) سبحۃ المرجان ص ۴۶ (۴) یادِ ایام ص ۶۷-۶۸ (۵) رودِ کوثر ص ۳۳۹-۳۴۱ (۶) نزہۃ الخواطر جلد پنجم ص ۱۷۵-۱۷۶ (۷) ابجد العلوم ص ۸۹۸

[2] شاہ کلیم اللہ بن شیخ نور اللہ ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء میں پیدا ہوئے شاہ کلیم اللہ کی تصنیفات میں قرآن القرآن عشرہ کاملہ کشکول، مکتوبات کلیمی، سواء السبیل، مرقع، تسنیم، الہامات کلیمی، رسالہ تشریح الافلاک اور رسالہ شرح القانون اور رسالہ رد روافض مشہور ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:۔ (۱) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۶۶-۴۲۶ (۲) یادگارِ دہلی ص ۴۳ (۳) واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ص ۱۱۶-۱۱۷ (۴) علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول ص ۲۲۲ (۵) تذکرہ علمائے ہند ص ۳۹۸-۳۹۹

[3] پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں "کہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ کو وصال فرمایا آزاد بلگرامی (مآثر الکرام) نے سن وفات ۱۱۴۳ھ لکھا ہے۔ شجرۃ الانوار، خزینۃ الاصفیاء، دیباچہ مکتوبات کلیمی میں ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء ہے اور یہی صحیح ہے۔ حدائق الحنفیہ میں ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء لکھا ہے جو قطعاً غلط ہے" (تاریخ مشائخ چشت ص ۴۲۲)

کے والد ہیں۔ میر عبدالجلیل نے شروع جوانی میں مجذوبانہ حالت میں صحرانوردی کی اور قریب بلگرام کی بستی جو مشرقی مارہرہ کی طرف واقع ہے وہاں پہونچے۔ اور حضرت خضر کی رہنمائی سے وہیں قیام کیا۔ آٹھ ماہ صفر سنہ ۱۰۵۷ھ مطابق سنہ ۱۶۴۷ء میں وفات[۲] پائی۔ اور ان کے بیٹے میر اویس نے ۸ رجب سنہ ۱۰۹۷ھ مطابق سنہ ۱۶۸۶ء میں وفات پائی۔

صاحب البرکات سید صاحب البرکات ارادت اپنے خاندان سے رکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود دوسرے بزرگوں جیسے شاہ لدھا بلگرامی اور شاہ فضل اللہ بن سید احمد کالپوی سے بھی خلافت پائی۔ اور اپنے دادا سید عبدالجلیل کے علاقۂ وطن، مارہرہ میں سکونت اختیار کی۔ ولایت کا جھنڈا بلند کیا۔ اور عاشورہ کے دن سنہ ۱۱۴۲ھ مطابق سنہ ۱۷۲۹ء میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ عارفانہ اور عاشقانہ

ف۱ خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ سے متعلق جو تاریخی کتب ہیں ان میں اس مقام کا تمام تاریخی ذخیرہ درج ہے

ف۲ میر عبدالجلیل بلگرامی ۲۰ رجب سنہ ۹۷۲ھ مطابق سنہ ۱۵۶۹ء میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ جذب و کیف کا غلبہ رہتا تھا مارہرہ میں قیام کیا۔ ایک مدت تک مخلوق کی ہدایت و اصلاح میں مشغول رہے۔ ۸ ر صفر سنہ ۱۰۵۷ھ مطابق سنہ ۱۶۴۷ء کو وفات پائی سید شاہ حمزہ مارہروی نے قطعہ تاریخ کہا ہے ؎

میر عبدالجلیل شاہِ زماں ۔۔۔ منبعِ فیض و معدنِ عرفاں
مرشد و رہنمائے روئے زمیں ۔۔۔ ہادی و پیشوائے اہلِ یقیں
محو و مدہوش مدتے آں شاہ ۔۔۔ بود در ذاتِ حق خدا آگاہ
بعد دہ سال چوں رفاقت شد ۔۔۔ ہادی خضر را رفاقت شد
از جناب الہ و احمد داں ۔۔۔ شہر مارہرہ شد حوالۂ آں
چہل و یک سال رہنمائی کرد ۔۔۔ اندریں شہر مقتدائی کرد
بود دوشنبہ واز صفر ہشتم ۔۔۔ کہ سفر کرد آں ستودہ شیم
سال نقلش بگفت ہاتف جاں ۔۔۔ رفت آں قدوۂ زمین و زماں

سنہ ۱۰۵۷ھ
۱۶۴۷ء

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (۱) اصح التواریخ جلد دوم ص ۲۶-۲ (۲) نور مآثر حضور ص ۲۵-۲۶ (۳) خاندان برکات ص ۴-۳ (۴) مآثر الکرام ص ۲۵۷-۲۷۷

اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ اور عشقی تخلص تھا۔ مثنوی ریاضِ عشق کے شروع میں فرماتے ہیں[1]:۔

بنامِ آں کہ از ہر مذہب و کیش لباسِ تازہ دارد در بر خویش

سید آل احمد ان کے دو[2] بیٹے تھے۔ سیّد آل محمد اور سید نجات اللہ جن کا عرف شاہ میاں تھا۔ دونوں حقیقی بھائی ہیں سیّد آل محمد نے ۱۶ر رمضان سنہ ۱۱۶۴ھ ۱۷۵۱ء میں وفات پائی اور یہ ان کا مصرعۂ تاریخ انتقال ہے:۔

نصیبِ آل محمد بود نعیم بہشت

ان کے بعد ان کے بیٹے سیّد حمزہ سجّادہ نشین ہوئے اور انھوں نے سنہ ۱۱۹۸ھ مطابق سنہ ۱۷۸۴ء میں وفات پا[2] گئے۔

---

[1] شاہ برکت اللہ بن شاہ اویس (صاحب البرکات کے عرف سے مشہور تھے) ۲۹ر جمادی الثانی سنہ ۱۰۷۰ھ مطابق سنہ ۱۶۶۰ء کو پیدا ہوئے مدتوں اصلاح مخلوق میں مشغول رہے محمد خاں بنگش کی توجہ سے محمد شاہ بادشاہ دہلی کے یہاں سے دو موضع تلوک پور و وادن پور معاف ہوئے جو اب تک سجادہ نشینان مارہرہ کے قبضے میں ہیں۔ اکثر تصانیف شاہ برکت اللہ سے یادگار ہیں مثلاً چہار انواع، سوال و جواب، مجمع البرکات، دیوان فارسی، پیم پرکاش، مثنوی ریاض عشق، مرقعات صوفیہ، بیاض باطن و ظاہر، رسالہ تکسیر، عوارف ہندی۔ رسالہائے تصوف اور وصیت نامہ، شاہ برکت اللہ کو شعر و شاعری سے ذوق تھا فارسی میں عشقی اور ہندی میں پیمی تخلص کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو

(۱) نور مدائح حضور صـ ۲۶ ـ ۳۳ (۲) خاندان برکات صفحہ ۷ ـ ۱۲

(۳) مآثر الکرام صفحہ ۱۲۱ ـ ۱۲۳

[2] ۱۸ر رمضان سنہ ۱۱۱۱ھ مطابق سنہ ۱۷۰۰ء میں بمقام بلگرام پیدا ہوئے مدتوں ریاضت و مجاہدے میں رہے نواب احمد خاں بنگش ان سے نہایت اعتقاد رکھتا تھا اس نے شاہ آل محمد کے صاحبزادے شاہ حمزہ صاحب کو ایک بڑی جائداد نذر کی اور ہمیشہ ہدایا و تحائف بھیجتا رہا۔ سنہ ۱۱۶۴ھ مطابق سنہ ۱۷۵۱ء میں وفات پائی۔ ملاحظہ ہو

(۱) نور مدائح حضور صـ ۳۶ ـ ۳۸

(۲) خاندان برکات صفحہ ۱۲ ـ ۱۳

(۳) مآثر الکرام صفحہ ۱۲۳ ـ ۱۲۴

سیدآل احمد ان کے بعد ان کے بیٹوں میں سے سیدآل احمد عرف اچھے صاحب سجادہ نشین ہوئے اور بتاریخ ۱۷ ماہ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں وفات پائی۔ اور اُن کا مصرعہ تاریخ انتقال ہے ۔

از جنابِ آل احمد عدن زینت یافتہ

آل برکات ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی سید آل برکات عرف ستھرے صاحب سجادہ نشین ہوئے اور انھوں نے باپ دادا کی مسند کو خوب رونق بخشی اور ۲۹ ماہ شوال ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء کو وفات پائی۔ "خاتم اولیاء کامل" ان کی تاریخ ہے۔ اور میر غلام علی آزاد نے تاریخ میں لکھا ہے "آرائش قدسیان جنت"۔ کبھی وہ شعر بھی کہا کرتے تھے۔ یہ شعر ان ہی کا ہے :۔

---

۱ شاہ آل احمد عرف اچھے میاں ۲۸ رمضان ۱۱۶۰ھ کو پیدا ہوئے "سلطان مشائخ جہاں" سے تاریخ ولادت نکلتی ہے ظاہری و باطنی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی آپ کے مرید بہت تھے شاہ اچھے میاں کی تالیف سے سب سے بڑی کتاب "آئین احمدی" جو چونتیس ۳۴ جلدوں میں تھی ایک بیاض "عمل معمول دوازدہ ماہی" ہے ایک چھوٹا سا رسالہ "آداب السالکین" کے نام سے ہے۔ مولوی محمد میاں لکھتے ہیں :۔

"بادشاہ عالی گہر شاہ عالم نے اپنے فرمان اور فرمان بازد نواب آصف الدولہ والیٔ لکھنؤ کے ذریعہ سے ۱۱۹۶ھ میں دیہات صورت پور و اسلام پور بھیلی پرگنہ مارہرہ بصیغۂ التمغا در حمت پور و سہورہ خورد و احمد پور پرگنہ بلرام بصیغۂ جاگیر خرچ خانقاہ حضرت کے نذر کیے جن میں سے اکثر کی زمینداری و معافی داری متولیانِ مابعد نے قریب کے زمانہ میں بیع و رہن کر کے تلف کر ڈالی" خاندان برکات ۱۸ (۲) خاندان برکات ۱۷-۱۹

۱ شاہ آل برکات ۔ ۱۰ رجب ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۵۰ء کو پیدا ہوئے تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء میں مارہرہ میں ایک پختہ وسیع جامع مسجد بنوائی۔ فن تکسیر و طب میں دستگاہ کامل تھی مولوی محمد میاں مارہروی لکھتے ہیں : "تبرکات و آثار شریفہ و کتب خانہ اور معاشی ظاہری از قسم املاک و دیہات و باغات وغیرہ جو اپنے مورثان ماسبق سے پائے تھے وہ سب حضرت کے پاس موجود و محفوظ رہے۔ حضرت نے خانقاہ میں بہت سے مکان تعمیر کرائے حویلی محلسرائے زمانہ از سرِ نو تعمیر کرائی۔ حضرت شعر بھی فرماتے تھے آشفتہ تخلص تھا۔" خاندان برکات ۲۰ شاہ آل برکات کا ۲۶ رمضان ۱۲۵۱ھ ۱۸۳۵ء کو انتقال ہوا۔ شاہ آل برکات کے دو عقد ہوئے پہلی بیوی سے آل امام عرف جیا میاں

(باقی اگلے صفحہ پر)

آویز بجود بقا ہمیں است در خویش نشین کہ جا ہمیں است
دل را تو ہمیشہ درنگہ دار ہاں جان جہاں نما ہمیں است
آزاد و برہنہ شو زعالم فحوائے کلام ما ہمیں است

ایضاً

گرچہ دل کاشانۂ آں دلبرِ فرزانہ شد چشم از بہر تماشا طرفہ بالاخانہ شد
درمیانِ عاشق و معشوق غیر از عشق نیست گل ہم بلبل ہم ہم شمع ہم پروانہ شد

ایضاً

قیمت یک تار زلفش گوہر دل گفتہ اند ایں متاعِ مفت را البتہ سوداگر دلے است

سید امام ان کی اولاد میں سید امام معروف بشاہ گدا اور سید مقبول عالم معروف بشاہ سوندھا سجادہ نشین ہوئے۔[1] اور حضرت شاہ گدا کی وفات تیرہ محرم ۱۲۰۵ھ میں ہوئی۔

سید برکات بخش شاہ گدا کی وفات کے بعد ان کے بیٹے سید برکات بخش معروف بہ سید بھکاری جانشین ہوئے جو زندہ ہیں۔ اور حضرت شاہ گدا کی

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ہوئے اور دوسری بیوی سے تین صاحبزادے آلِ رسول، اولاد رسول اور غلام محی الدین ہوئے۔ ملاحظہ ہو (۱) خاندان برکات ص ۱۹-۲۱ (۲) نور مدائح حضور صفحہ ۴۳-۴۴

(۳) برکات مارہرہ صفحہ ۸۱-۸۳

[1] سید امام معروف بہ شاہ گدا اور سید مقبول عالم معروف بہ شاہ سوندھا شاہ نجابت اللہ بن شاہ برکت اللہ کے فرزند تھے۔ شاہ نجابت اللہ نے اپنی خانقاہ علیحدہ بنائی اور سلسلہ بیعت و طریقت علیحدہ جاری کیا ان کا سلسلہ سرکار خورد کہلاتا ہے بشاہ نجابت اللہ کا انتقال شوال ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء میں ہوا۔ اس کے بعد ان کے صاحبزادے سید امام عرف شاہ گدا سجادہ نشین ہوئے۔ شاہ گدا کی ولادت ۱۱۳۸ھ مطابق ۱۷۲۵ء میں ہوئی۔ اور ۱۲ محرم ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء کو انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو خاندان برکات ص ۷۱

انگوٹھی کے نگینہ پر یہ مصرع نقش تھا: ع

گدا بادشاہ است ونامش گدا

سید مخدوم عالم حضرت شاہ سوندھا کی وفات کے بعد جو ۱۹؍شعبان ۱۲۱۳ھ کو ہوئی[۲]۔ ان کے بیٹے حضرت مخدوم عالم معروف بہ پیارے صاحب کہ ان کا پیدائشی تاریخی نام غلام آل عبا ہے۔ سجادہ نشین ہوئے اور ۱۳؍رمضان ۱۲۱۶ھ میں وفات پائی اور لفظ "سیزدہم رمضان" اُن کی وفات کی تاریخ ہے[۳]۔

سلطان عالم وصاحب عالم اس کے بعد ان کے دو بیٹے ایک سید سلطان عالم جو شاہ زادے کی عرفیت سے مشہور ہیں[۴] اور دوسرے سید صاحب عالم صاحب جو پیرزادے کی عرفیت سے مشہور ہیں[۵]۔ اس خاندان کو رونق دینے والے ہوئے

۱؎ شاہ برکات بخش ۱۱۷۰ھ مطابق ۱۷۵۶ء میں پیدا ہوئے اور انتقال ۱۸؍رجب ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء کو ہوا۔ سید برکات بخش کے ایک بھائی سید نجات بخش (المتوفی ۱۴؍جمادی الاولےٰ ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) بھی تھے۔

(خاندان برکات صفحہ ۷۱)

۲؎ شاہ مقبول عالم عرف شاہ سوندھا شاہ نجات اللہ کے دوسرے بیٹے تھے ان کی پیدائش ۱۱۴۰ھ/۱۷۲۷ء میں ہوئی اور انتقال ۱۹؍شعبان ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۹ء کو ہوا۔ (خاندان برکات ص۴۳-۴۲)

۳؎ شاہ مخدوم عالم کی پیدائش ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء میں ہوئی (خاندان برکات ص۴۴)

۴؎ سلطان عالم ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۰ء میں پیدا ہوئے اور انتقال ۹؍شعبان ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء کو ہوا۔ یہ امامیہ مذہب تھے۔ اور لاولد فوت ہوئے (خاندان برکات ص۴۷)

۵؎ صاحب عالم کی ولادت ۲۶؍ربیع الآخر ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء کو پیدا ہوئے۔ لفظ "تاریخ" سے سن پیدائش نکلتا ہے ۲؍محرم بروز جمعہ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء کو انتقال ہوا۔ گنبد درگاہ معلیٰ میں جانب غرب دفن ہوئے ان کے تین لڑکے سید عالم، شاہ عالم اور مقبول عالم ہوئے۔ صاحب عالم نے علوم مروجہ کی باقاعدہ تحصیل کی تھی (خاندان برکات ص۴۷-۵۰) مرزا غالب کے خاص دوست تھے۔ مرزا غالب نے اکثر خطوط صاحب عالم مارہروی کو لکھے ہیں۔ "ایک مرتبہ مرزا غالب نے صاحب عالم سے ان کی تاریخ پیدائش پوچھی انھوں نے لکھا کہ میں ۱۲۱۱ھ میں پیدا ہوا ہوں اور میری تاریخ پیدائش لفظ تاریخ سے نکلتی ہے اس پر غالب نے لکھا "تیری تاریخ میرا تاریخ" کیونکہ غالب ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔

خدائے تعالےٰ تا دیر ان کو سلامت رکھے۔

ثابت خاں بہادر جو ایک فقیر شاہ بلاق کی توجہ سے پیادہ گری سے امارت کے مرتبہ تک پہونچے۔ کول کی جامع مسجد اور قلعہ ان کے بنوائے ہوئے ہیں اور ثابت خانی پیادے بھی ان ہی سے منسوب ہیں۔ یہ صاحب البرکات کی اولاد کے ساتھ پورا عقیدہ رکھتے تھے۔ فتح علی خاں خلف ثابت خاں نے حضرت نجات اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک بار مبلغ ایک لاکھ روپئے پیش کئے تھے اور ان بزرگوں کی اکثر عمارتیں فتح علی خاں کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں۔[1]

سید احمد حسین معروف بہ میاں صاحب

سید لطف اللہ بلگرامی معروف بہ شاہ لدھا کی اولاد سے ہیں۔ بلگرام کے سُنیوں اور شیعوں کے اختلاف کے بعد فرخ آباد آئے۔ راقم کے مدرسے میں اُترے۔ قریب ایک ہفتہ ٹھہرے۔ پھر اپنے وطن لوٹ گئے۔ شعر کہنے کی طرف بھی رغبت ہے۔ امینؔ تخلّص ہے۔ یہ ان ہی کا شعر ہے ؎

اے برتر از ثنائے دو عالم ثنائے تو زیبد ترا ثنائے ثنائے خدائے تو

سنہ ۱۲۲۵ھ مطابق سنہ ۱۸۱۰ء میں وفات پائی۔

---

[1] نواب ثابت خاں ترکمان فرخ سیر اور محمد شاہ کے عہد میں کول کے حاکم اعلیٰ تھے یعنی سنہ ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء اور ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء کے درمیان انھیں نے یہاں حضرت شاہ اللہ بخش کی یادگار اور مزار تعمیر کرائے۔ جس کا کتبہ سنہ ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء ہے انھیں نے علی گڑھ کی مشہور جامع مسجد بالائے قلعہ (سنہ ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء سے لے کر ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء تک) تعمیر کرائی جیسا کہ کتبہ سے ثابت ہے۔ ان نواب ثابت خاں نے محمد خاں سروانی کے بنائے ہوئے قلعہ کا نام بجائے محمد گڑھ کے ثابت گڑھ رکھا مگر وہ بھی قائم نہ رہا جاٹوں نے رام گڑھ رکھا مگر یہ بھی قائم نہ رہا۔ عہد شاہ عالم ثانی میں ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں نے علی گڑھ رکھا جو اب تک قائم ہے۔ (شروانی نامہ ص ۲۷-۸) جب کول میں نواب ثابت خاں کا انتقال ہوگیا تو ان کے بیٹے فتح علی خاں ترکمان یہاں کے گورنر بنائے گئے مگر احمد شاہ اور شاہ عالمگیر ثانی کے عہد میں مرکزی حکومت بے حد کمزور اور بے قابو تھی فتح علی خاں جاٹوں سے جا ملے،، (شروانی نامہ ص۱۱)

سیّد آلِ مصطفےٰ ان (سید احمد حسین) کے والد سید آل مصطفےٰ عرف رحم میاں ہیں کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ذیل کا شعر ان ہی کا ہے ؎

پیغام دوست را بلب او شنیدہ ام
بردا شتیم ماز میان جبریل را

میر نوازش علی اُن (سید احمد حسین) کے دادا میر نوازش علی متخلص بہ فقیر کامل شاعر تھے۔ ذیل کا شعر ان ہی کا ہے ؎[1]

قبائے عقل کہ بودش غم است وتار افسوس
اگر ز عشق لنشہ پارہ صد ہزار افسوس

۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں وفات پائی۔

میر عظمت اللہ ان (احمد حسین) کے دادا میر عظمت اللہ بےخبر تخلص صاحب دیوان ہیں یہ شعر ان ہی کا ہے: ؎[2]

بُتے دارم کہ باشد از حیات مشا طگی ننگش
خدا گر پائے او می بوسد از روئے برو ننگش

۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۲۹ء میں وفات پائی۔

---

[1] میر غلام علی آزاد بلگرامی نے میر نوازش علی کے لئے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے:۔

روشن دلے سحر نفسے پاک گوہرے | واحسرتا کہ دامن ازین انجمن فشاند
دل وا تپید و نالۂ تاریخ و کشید | پیر یگانہ میر نوازش علی نماند

۱۱۶۷ھ م ۱۲۵۳-۴ء

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔ (۱) سرو آزاد صفحہ ۳۲۶
(۲) ماثر الکرام صفحہ ۱۱۶-۱۱۷

[2] میر عظمت اللہ بےخبر، میر لطف اللہ بلگرامی کے فرزند تھے نہایت خوش فکر شاعر تھے میرزا عبدالقادر بیدل سے تعلقات تھے انھوں نے اپنا تذکرہ سفینۂ بےخبر کے نام سے لکھا ہے۔ میر غلام علی آزاد نے ۱۱۳۴ھ ۲۱-۱۷۲۲ء میں

شاہ لدّھا ان کے دادا میر لطف اللہ تھے شاہ لدّھا ایک عارف تھے۔ جو اپنے وقت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور عاشقانہ شعر کہتے تھے۔ یہ اُن ہی کے اشعار ہیں۔

جمال اوست بہر شش جہت تماشا کن — خدا نقاب ندارد تو دیدہ پیدا کن
از راکش خدنگِ تو آید بجاں نشست — آرے براستی ہمہ جامی تواں نشست

۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۰ء میں وفات[۱] پائی۔

شاہ غلام عماد الدین بلگرامی جس وقت پیر میاں ولد شاہ یسین بلگرامی نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانے میں شہر فرّخ آباد میں وارد ہوئے۔ تو شاہ غلام عماد الدین بھی ساتھ تھے۔ اور راقم نے ان کی زیارت کی ہے۔ اسماء الٰہیہ بہت پڑھا کرتے تھے۔ ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں وفات پائی یہ ان کی وفات کا مصرعہ تاریخ ہے:۔

یافت مسکن بجنّت الماویٰ

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) بلگرام سے دہلی تک کا سفر بیخبر کے ساتھ کیا۔ آزاد نے نو صفحات میں ان کا کلام سرو آزاد میں نقل کیا ہے میر عظمت اللہ بیخبر ۲۴ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ ۱۷۳۰ء کو دہلی میں فوت ہوئے اور حضرت نظام الدین اولیا بدایونی کے جوار اقدس میں دفن ہوئے۔ آزاد نے ان کے انتقال پر ایک قصیدہ کہا ہے جس کے ہر مصرع سے تاریخ نکلتی ہے اس کے بارہ شعر سرو آزاد میں نقل ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو سرو آزاد ص ۳۱۵-۳۲۵ (۲) ماثر الکرام ص ۱۱۳-۱۱۶

[۱] میر لطف اللہ ولد میر کرم اللہ عنفوانِ شباب میں اپنے والد کے ہمراہ بنگال پہونچے اور وہاں شاہ اعظم کے مرید ہوئے اور انکی خدمت میں بہت سی ریاضتیں کیں۔ اس کے بعد نواب نجابت خاں کی نوکری کی بائیس سال کی عمر میں دُنیا سے قطع تعلق کر لیا اور سیاحت اختیار کی برہان پور پہونچے اور شاہ برہان کی خانقاہ میں رہے۔ اس کے بعد کالپی پہونچے اور میر سید احمد کالپوی کی بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے اور بلگرام آئے قریب ستر سال رشد و ہدایت کی مجلس کو گرم رکھا ۱۴ جمادی الاوّل ۱۱۴۳ھ ۱۷۳۰ء کو میر لطف اللہ کا انتقال ہوا۔ آزاد بلگرامی ۱۰ جمادی الاوّل ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۵ء میں میر لطف اللہ کے مرید ہوئے۔

(ملاحظہ ہو ماثر الکرام ص ۱۰۸-۱۱۳)

میر سید قادری سید قادری شاہ غلام عماد الدین بلگرامی کے داماد ہیں۔ جو بلگرام کے سادات سے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے شیدائیوں میں سے ہیں۔ ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۲-۳۳ء میں وفات پائی[1]۔ میر غلام علی آزاد فرماتے ہیں:۔

میر سید قادری آں معدنِ فضل و کمال — در صلاح و زہد و تقویٰ رکنِ ایمانی بود
از پئے سیدِ عرب آمد بروں از بلگرام — حجِ او مقبول در درگاہِ سبحانی بود
کرد طوفِ بارگاہ رحمۃ للعالمیں — آں کہ خاکِ مرقدش در عنبر افشانی بود
چوں سرِ شک افتادہ در دشتِ شہیدِ کربلا — آں کہ در خاکِ مزارش بوئے ریحانی بود
پس مریدِ سید یاسین در بغداد شد — کو نہالِ غوثِ اعظم قطبِ ربانی بود
باز شد در بلگرام و گوشۂ طاعت گزید — عاقبت ماوائے او در باغِ رضوانی بود
گفتہ ام مصراعِ تاریخی بامداد احد — حشرِ سید قادری با قطبِ گیلانی بود

سید باسط علی سید قادری کی اولاد میں سے سید باسط علی ہیں۔ جنہوں نے حجاز کے سفر سے لوٹ کر گمنامی کے گوشہ میں زندگی گذاری اور ۱۱۸۰ھ ۱۷۶۶ء میں وفات پائی۔ "نور اللہ مضجعہ" ان کی تاریخ وفات ہے۔

پیر میاں میر میاں ولد شاہ یٰسین بلگرامی جو شاہ امام الدین کے بڑے صاحبزادے تھے۔ پیر میاں نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانے میں بلگرام سے اکثر اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کے ساتھ فرخ آباد آیا کرتے تھے نواب اور ان کے ارکانِ حکومت ان کی

---

[1] سید قادری بن میر ضیاء اللہ بلگرامی، ملا جیون اور شیخ غلام نقشبندی لکھنوی کے شاگرد تھے حرمین شریفین کی زیارت کی تھی کچھ مدت دہلی میں رہے پھر بلگرام میں آ گئے۔ آزاد بلگرامی نے قطعۂ تاریخ انتقال کہا ہے:۔

رحل القادری سیدنا — صاحب الکشف والکرامات
الہم الحق عام رحلت — ان للمتقی لجنات

۱۱۴۵ھ م ۳-۱۷۳۲ء

بہت خدمت کرتے تھے اور دعوتیں کرتے تھے۔ پیر میاں رکن الدین بن میر نصیر الدین کی اولاد میں ہیں اور رکن الدین مخدوم الہدیہ کے بھتیجے ہیں۔ ان کے بزرگ مخدوم شیخ رکن الدین[1] نے سادات بلگرام میں سے ایک شخص کی استدعا پر خیرآباد سے آکر قصبۂ بلگرام میں قیام کیا تھا۔

شاہ یٰسین

شاہ یٰسین کی وفات ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں ہوئی۔[1] میر غلام علی آزاد بلگرامی کہتے ہیں:-

شاہ یٰسین آیت عرفاں — از جہاں رفت آں بزرگ سرشت
دوشش پروانہ وار سبحنے — گفت تاریخ "شمع بزم بہشت"

۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء

شاہ یٰسین نے دو بیٹے چھوڑے۔ حافظ میاں اور پیر میاں۔ اور حافظ میاں[2] کے تین بیٹے تھے۔ حیدر میاں۔ کلو میاں۔ للو میاں۔ حافظ میاں کے بعد پیر میاں سجادہ نشین ہوئے۔ پیر میاں نے ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں وفات پائی۔ ان کے سال وصال کے مطابق قرآنی آیت ان کے روضہ کے دروازہ پر ثبت ہے۔ اولیاء لاخوف علیہم ولا ہم یحزنون۔ پیر میاں نے دو بیٹے بھی چھوڑے۔ ہادی میاں اور سعدی میاں

سعدی میاں

سعدی میاں نے ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۸۲۵ء میں وفات پائی۔ مولوی محمد ارتضا علی خاں گوپاموی نے عربی قطعہ تاریخ کہا ہے۔ اس کے مادے

---

[1] شاہ یٰسین کے لئے ملاحظہ ہو ماثر الکرام ص۳۷

[2] اصل نام محمد حافظ تھا اپنے والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے تھے ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۶۰ء کو انتقال ہوا۔ اور بلگرام کے محلہ حیدرآباد میں دفن ہوئے۔ آزاد بلگرامی نے قطعہ تاریخ وفات کہا ہے:-

وداع جہاں کرد حافظ میاں — چراغ بزرگانِ عرفاں سرشت
شبے ہاتف غیب تاریخ او — بفرمود "او شمع بزم بہشت"

۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۰ء

ماثر الکرام ص۷۳-۷۴

کا مصرع یہ ہے :-

مات قطب الرشاد یا اسفا

اور اس زمانے میں سعدی میاں کا بیٹا شاہ دیدار حسن درگاہ اور خانقاہ کی رونق بنے ہوئے ہیں۔ حق سبحانہ تعالےٰ مدت تک زندہ رکھے۔

شیخ اللہ دیا اور شیخ اللہ دیا جن کا نام شیخ نظام الدین ہے شیخ علاء الدین صاحب کی بہن کے بطن سے ہیں جو قصبہ سندیلہ کے صاحبِ ولایت ہیں[۵۱]۔

شاہ عبدالرسول قادری مشرب فقیر اور حضرت سید قادری بلگرامی کے مرید تھے۔ گوشۂ گمنامی میں زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے مکان کے احاطے سے باہر قدم نہیں رکھتے تھے۔ نواب احمد خاں غالب جنگ اکثر ان کی ملاقات کو آتے تھے ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں وفات پائی۔ شاہ عبدالرسول قصبۂ کچندو کے رہنے والے تھے جو دریائے گنگ کے پار موضع راجگیر کے مقابل میں ہے اور ان دنوں وہ دریا برد ہوگیا ہے۔

مولانا علیم الدین اور مولانا علیم الدین کچندوی مولانا لطف اللہ کڑوی کے شاگردوں میں سے ہیں[۵۲]۔ اور سید قادری سادات واسطی، بلگرام کے رہنے والے ہیں۔ ان کی وفات ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء میں ہوئی[۵۳] اور مولانا علیم الدین کچندوی کی وفات ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں ہوئی۔ کہ ان کی نعش کو کچندو سے راجگیر میں لاکر دفن کیا گیا۔ اصل میں وہ مخدوم اخی جمشید کی اولاد میں ہیں۔

---

۵۱ سید علاء الدین کے والد کا نام میر سید خاں تھا۔ ملاحظہ ہو ماثرالکرام منہ

۵۲ اصل نام قاضی علیم اللہ ہے مفتی ولی اللہ فرخ آبادی نے علیم الدین غلط لکھا ہے۔ قاضی علیم اللہ نے تحصیل علم قاضی حبیب اللہ سندیلوی سے کی اور فاتحہ فراغ ملا لطف اللہ کروی سے پڑھی اس کے بعد کچندو کے قاضی ہوئے۔ ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو ماثرالکرام صفحہ ۲۴۹-۲۵۰

۵۳ سید قادری کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

شاہ نور علی شاہ عبدالرزاق بانسوی کے سلسلے کے مریدوں میں سے ایک فقیر تھے۔ مدت تک فرخ آباد میں رہے۔ اور یہیں وفات پائی۔ شمشیر خاں کی مسجد کے صحن میں دفن کئے گئے اور شاہ عبدالرزاق عبدالصمد خدا نما کے مرید ہیں جن کا مزار گجرات کے اطراف میں ہے شاہ عبدالرزاق کی وفات پانچ شوال ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں ہوئی۔[1]

شاہ امانت علی بخاری سادات سے ہیں اور خورجہ شکار پور[2] کے رہنے والے ہیں۔ نواب مظفر جنگ کے زمانے میں نواب کی خواہش پر فرخ آباد آئے قریب ایک ہفتہ رہ کر اپنے وطن لوٹ گئے۔ نواب مظفر جنگ اور نواب امین الدولہ ان کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔

شاہ غلام پیر عرف پیر میاں قصبہ سانڈی کے مخدوم زادے ہیں۔ اکثر شہر فرخ آباد آتے، اور مریدوں کے یہاں ٹھیرتے تھے۔ ان کے جدِ اعلےٰ شاہ نعمت اللہ ہیں جو محمد بن ابوبکر صدیق رض کی اولاد میں ہیں اکبر بادشاہ کے زمانے میں

---

[1] شاہ عبدالرزاق بن عبدالرحیم ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸ء میں پیدا ہوئے ابتدائے تعلیم کے بعد والد کا انتقال ہو گیا اور کوئی خاص سرپرست نہ تھا اس لئے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا اصل میں رسول پور کے رہنے والے تھے پھر وہاں سے ترک سکونت کر کے آگئے اور شاہی ملازمت اختیار کر لی۔ گجرات میں تعینات ہوئے وہاں میر عبدالصمد خدا نما کے مرید ہو گئے۔ ملازمت کے ساتھ درویشی کی روش بھی قایم رہی آہستہ آہستہ بڑے بڑے علماء مثل ملا نظام الدین سہالوی حلقۂ ارادت میں منسلک ہو گئے اور ان کے سلسلے کو بڑا فروغ ہوا۔ ۴ر شوال بروز چہار شنبہ ۱۱۳۶ھ ۱۷۲۴ء کو انتقال ہوا۔ ملا نظام الدین نے آپ کے حالات و ملفوظات "مناقب رزاقیہ" کے نام سے قلمبند کئے گئے ہیں جو طبع ہو چکے ہیں۔ مناسب رزاقیہ کا اردو ترجمہ "گلستان طریقت" کے نام سے مولوی محمد حسین نے کیا ہے۔ جو لکھنؤ سے ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۵ء میں طبع ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ شاہجہاں پور ص ۳۳۶ - ۳۴۲

[2] خورجہ ضلع بلند شہر (یو۔ پی انڈیا) مشہور و معروف قصبہ ہے۔

اپنے مرشد (بندگی شیخ نظام الدین[1] امیٹھوی) کی اجازت سے قصبہ سانڈھی میں آئے۔ اس وقت سے ان کی اولاد سانڈھی میں رہتی ہے اور پیر میاں مرید و خلیفہ شاہ افہام اللہ صفی پوری کے ہیں۔

شاہ قلندر بخش صاحب حال فقیر اور شاہ افہام اللہ صفی پوری کے مریدوں میں تھے سماع کے وقت ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ تین چار دن تک بے ہوش رہتے تھے۔ فرخ آباد میں وفات پائی اور اس کے اطراف میں مدفون ہوئے (شاہ قلندر بخش کے مرشد) شاہ افہام اللہ کی وفات ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۱ء میں ہوئی اور ان کی قبر صفی پور میں ہے یہ قصبہ لکھنؤ کے اطراف میں ہے۔

شاہ ظہور اللہ مولوی سید محمد عمر کے خلیفہ ہیں۔ یہ متوکل فقیر تھے۔ ان کا ظاہر و باطن پاک تھا۔ بڑھاپے میں ایک خاتون سے نکاح کیا جن کی پاک دامنی شوہر کی زندگی اور انتقال کے بعد ضرب المثل رہی۔

شاہ عبدالوہاب کشمیری شاہ قطب الدین کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ جو محمد زبیر سرہندی کے بڑے خلیفہ ہیں[2] اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں ہیں۔ شاہ عبدالوہاب نواب احمد خاں کے زمانے میں فرخ آباد آئے کوٹھ پارچہ کی مسجد میں چند سال ٹھہر کر وفات پائی حافظ محمد جمال جو شاہ قطب الدین کے بڑے خلیفہ ہیں۔ اکثر شاہ عبدالوہاب کے پاس تشریف لائے تھے۔ اور باہم صحبت رکھتے

---

[1] شیخ نظام الدین امیٹھوی شیخ معروف چشتی جون پوری کے شاگرد، مرید اور خلیفہ تھے۔ سماع سے پرہیز کرتے تھے اور مریدوں کو بھی اس سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اختلاف میں کیوں پڑتے ہو، اگر تقلید کرتے ہو تو پہلوں کی اور بڑوں کی کرو۔ نماز جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ اس کے بعد یہ نماز جمعہ پڑھتے خطبہ میں بادشاہوں کی تعریف مطلق نہیں ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو (۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۵۲۴ (۲) منتخب التواریخ ص ۴۲-۴۰۷ (۳) اخبار الاخیار ص ۲۸۴-۲۸۵ (۴) نزہۃ الخواطر جلد چہارم ص ۳۴۸-۳۸۰

[2] خواجہ محمد زبیر بن ابوالعلی اپنے دادا خواجہ حجۃ اللہ نقشبندی کے خلیفہ تھے ۵ ذی قعدہ بروز دوشنبہ ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۲ء کو پیدا ہوئے ۴ ذی قعدہ ۱۱۵۲ھ / ۱۷۴۱ء کو انتقال ہوا سرہند میں دفن ہوئے۔ ملاحظہ ہو مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۲۶۲-۲۶۴

تھے۔ اور مولوی کرم اللہ جو مدینہ منورہ میں دفن ہیں وہ بھی شاہ قطب الدین کے خلیفہ ہیں۔ اور راقم (مفتی ولی اللہ) کے وارد ہونے کے وقت اس پاک شہر مدینہ منورہ) میں مقیم تھے گو بندہ مکہ مبارکہ میں تھا کہ انہوں نے ١١٩١ھ ١٧٧٧ء میں وفات پائی۔

حاجی خدایار مولانا شاہ فخرالدین شاہجہاں آبادی کے اجل مریدوں میں ہیں۔ شہر فرخ آباد آکر لڑکوں کو تعلیم دیتے تھے اور اس آمدنی سے اکثر حاجتمندوں کی ضروریات میں ایثار کرتے تھے اور بہت تھوڑا اپنی ضرورت پر صرف کرتے تھے۔ راقم کے گھر کے قریب مکان تھا۔ راقم پر بہت توجہ فرماتے تھے۔ سنہ ١٢٢٠ھ مطابق ١٨٠٦ء کے بعد وفات پائی۔

شاہ فخرالدین دہلوی مولانا فخرالدین نے علم میں بڑی شہرت پائی اور ان کے کمالات تعریف سے بے پرواہ ہیں۔ حد درجہ خوش اخلاق تھے[۱] کہ جو طاقتِ بشری سے خارج ہے۔ سنہ ١١٩٧ھ مطابق ١٧٨٣ء میں وفات پائی[۲] اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

---

[۱] شاہ فخرالدین بن خواجہ نظام الدین ١١٢٦ھ مطابق ١٧١٤ء میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے علوم مروجہ کی تحصیل نہایت محنت اور شوق سے کی درسی کتابوں کے علاوہ دیگر علوم و فنون تیر اندازی اور فنونِ سپہ گری میں بھی مہارت حاصل کی اور اپنے والد خواجہ نظام الدین سے بیعت کی والد کے انتقال کے بعد لشکر میں ملازمت کرلی۔ ریاضت اور مجاہدہ میں بہت محنت کرتے تھے جب شہرت پھیلی تو ملازمت چھوڑ دی اور باپ کی مسند کو سنبھالا۔ سنہ ١١٦٠ھ مطابق ١٧٤٧ء یا ١١٦٥ھ مطابق ١٧٥١ء میں دہلی پہنچے اور اصلاح و ہدایت کا کام شروع کردیا۔ شاہ فخر کی تصنیفات میں عقائد نظامیہ، رسالہ مرجیہ اور فخرالحسن ہیں۔ سراج الدین بہادر شاہ ظفر کو بہت عقیدت تھی۔ شاہ فخر کا انتقال ٢٧ جمادی الثانی ١١٩٩ھ ١٧٨٤ء کو ہوا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے

(۱) تاریخ چشت صفحہ ٥٢٩ – ٥٦٠
(۲) واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم صفحہ ٣٩٦–٣٩٧
(۳) آثار الصنادید باب چہارم صفحہ ١٩ – ٢١
(۴) رسالہ فخر البرہانیہ صفحہ ٣٦ – ٥٩
(۵) خزینۃ الاصفیاء جلد اول صفحہ ٤٩٨ – ٥٠٥
(۶) برکات الاولیا صفحہ ١٦٦ – ١٦٧
(۷) مناقب المحبوبین صفحہ ٤٩ – ٥٤
(۸) تذکرۃ المعین فی ذکر الکاملین صفحہ ١٣٦ – ١٣٩
(۹) علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول صفحہ ٢١٨ – ٢٢٠

[۲] شاہ فخرالدین دہلوی کی تاریخ انتقال ٢٧ جمادی الثانی ١١٩٩ھ ١٧٨٤ء ہے۔

کے مزار کے قریب دفن ہوئے اور ان کے والد شاہ نظام الدین اطراف اورنگ آباد میں دفن ہیں۔ اور ان کے مرشد شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی دفن ہیں۔ اور ان کے مرشد شیخ یحییٰ مدنی بقیع میں شیخ آدم بنوری کے پہلو میں ایک چبوترے پر حضرت عثمان بن عفان کے گنبد کے نزدیک دفن ہیں اور مولانا فخر الدین کے بیٹے مولوی قطب[1] الدین نے شاہجہان آباد میں سنہ ۱۲۳۳ھ میں وفات[2] پائی۔

سید حسن علی لاہور کے رہنے والے ہیں۔ خرابیِ زمانہ سے شہر سے نکل آئے۔ اور فرخ آباد میں وارد ہوئے۔ سابقہ تعارف کی وجہ سے گل محمد خاں سوداگر کے قریب سکونت اختیار کی۔ اور اس کی خبرگیری پر اکتفا کی۔ کچھ مدت بعد حج کو گئے اور مدینہ طیبہ میں شیخ محمد سمان مدنی کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اور ان ہی کی خدمت میں بیعت اور خلافت سے فائز ہوئے اور پھر فرخ آباد لوٹے سنہ ۱۲۱۰ھ مطابق سنہ ۱۷۹۵ء

---

[1] حضرت شاہ فخر الدین کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام غلام قطب الدین تھا وہ دکن میں پیدا ہوئے شاہ فخر جب دہلی آئے تو ان کو اپنی بہن کے سپرد کر دیا شاہ فخر کے بعد خواجہ قطب الدین سجادہ نشین ہوئے اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر ان کے مرید تھے بہادر شاہ ظفر نے لکھا ہے۔

مرید قطب دیں ہوں خاک پائے فخر دیں ہوں میں	اگرچہ شاہ ہوں ان کا غلام کمتریں ہوں میں
انہیں کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں	دگرنہ یوں تو بالکل ہو سیہ مثل نگیں ہوں میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

غلام قطب الدین نے ۸ محرم الحرام سنہ ۱۲۳۳ھ مطابق سنہ ۱۸۱۷ء کو وصال فرمایا۔ اخبار الصنادید باب ۴ صفحہ ۲۱ پر سال وفات سنہ ۱۲۰۰ھ تحریر ہے جو صریحاً غلط ہے۔ ملاحظہ ہو

(۱) تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۵۱۵ - ۵۱۶ (۲) اخبار الصنادید باب چہارم صفحہ ۲۱

(۳) واقعات دار الحکومت جلد دوم صفحہ ۱۵۶ (۴) مناقب المحبوبین صفحہ ۱۵

[2] شاہ فخر الدین دہلوی کے صاحبزادے غلام قطب الدین کے تاریخ انتقال میں اختلاف ہے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے سنہ ۱۲۳۳ھ کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۵۱۶

کے بعد وفات پائی۔ اطرافِ فرخ آباد میں دفن ہوئے۔ اور شیخ محمد سلمان مدنی قادری مشرب فقیر تھے حرمین شریفین، مصر و شام اور روم کے بڑے بڑے لوگ ان کے معتقد تھے سنہ ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء سے قبل وفات پائی۔ ان کا مزار بقیع میں مشہور ہے۔

سیّد شاہ احسن اللہ دھلوی

ان کے بزرگ سیّد شاہ عزیز اللہ ہیں جو ملّا شاہ[۱] خلیفہ شاہ میر لاہوری[۲] کے بڑے معتبر مریدوں میں سے ہیں اور ان کے قریب کے بزرگ شاہ رحمت اللہ تھے جو داراشکوہ کے حادثہ کے بعد گمنامی میں زندگی بسر کرنے لگے ان کے والد شاہ غلام علی شاہ جہاں آباد کے بڑے بڑے بزرگوں میں سے تھے۔ شاہ احسن اللہ شاہ عالم فردوس مکان کے زمانہ میں شاہ جہان آباد سے سیاحت کے طور پر نکلے اور شہر لکھنؤ میں آئے اور کچھ روز آصف الدولہ کے پاس نہایت عزت سے رہے پھر شہر فرخ آباد میں آئے نواب مظفر جنگ نے بہت تعظیم و تکریم سے ان کا خیر مقدم کیا اور مظفر جنگ کے بعد نواب ناصر جنگ اور ان کے بیٹے نواب شوکت جنگ نے ان کے ساتھ ارادت اور عقیدت رکھی۔ اکثر صحبت میں بیٹھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ بلاغت بیانی اور لفاظی میں آپ سا آدمی نہیں دیکھا۔ اللہ تعالےٰ سلامت رکھے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ صاحب دیوان ہیں ذیل کے اشعار ان ہی کے ہیں:-

---

۱ شاہ محمد المعروف بہ ملّاشاہ قادری حضرت میاں میر کے اجل خلیفہ تھے بدخشاں کے قریب پیدا ہوئے ابتدائے شباب میں کشمیر آئے اور وہاں سے لاہور آکر حضرت میاں میر کے مرید ہوئے دارا شکوہ کے پیر تھے ملاشاہ قادری کا سنہ ۱۰۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھیئے رود کوثر صفحہ ۳۸۱-۳۸۶

۲ شیخ میاں میر کا اصل نام میر محمد تھا وہ سندھ کے مشہور شہر سیون میں پیدا ہوئے علوم مروجہ کی تحصیل کی پھر شیخ خضر سیوستانی کے مرید ہو گئے پچیس سال کی عمر میں لاہور آئے اور یہاں ریاضت و عبادت اور تلقین و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ میاں میر کی وفات سنہ ۱۰۴۵ھ مطابق سنہ ۱۶۳۵-۶ء میں ہوئی اور لاہور سے پانچ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں دفن ہوئے جو ان کے مزار کی وجہ سے میاں میر ہی کہلاتا ہے۔ ملاحظہ ہو رود کوثر صفحہ ۳۷۷ — ۳۸۱

دلم اسیر خم گیسوئے پریشاں ہست | بکوچہ کہ منم سیر صد بیاباں است
کجا فراغتِ شغل دگر جنون مرا | در از دستیِ من جملہ تا گریباں است
زانتشارِ حواسم چہ شرح می پرسی | سوادِ مسکنِ من کاکل پریشاں است
بہارِ عالم دیوانگی است قابل سیر | بہر کجا قدم نقشِ پا گلستاں است
بکنہ حسن تو حاشا کجا رسد احسن | بسانِ آئینہ چشم کشادہ حیران است

در فراقت نے ہمیں صبر و قرار از دست رفت | طاقت از پا راحت از دل اختیار از دست رفت

چو منصور از جہاں بگذشت احسن وا مکن لب را | کجا آں بلبلِ حق گو کہ باشد ہم زبان من

نصرت شاہ بدیع الدین شاہ مدار کے سلسلہ کے ایک فقیر تھے مجاذیب کے گروہ سے تعلق تھا جو فرخ آباد کے قریب شرف آباد کے تکیہ میں رہتے تھے۔ (سجادہ نشین تکیہ شرف آباد) اپنے کو اس گروہ کا بادشاہ قرار دیتے ہیں اور نصرت شاہ بھی اہل ثروت کی نظروں میں باعزت تھے۔ مجمع میں عَلَم اور نقارہ کے ساتھ چلتے تھے ان کا تکیہ فرخ آباد میں ہے ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ اولیا شاہ بیٹھے اور ان کے بعد حضوری شاہ وہ تکیہ ان کے وجود سے آباد ہے۔ اور شرف آباد کا تکیہ شاہ اللہ بخش کی وجہ سے آباد ہے۔

رسول شاہ ایک فقیر تھے مجذوبانہ زندگی بسر کرتے تھے اور لوگوں کے مجمع خاص کر عورتوں کی بھیڑ سے پرہیز رکھتے تھے راقم اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ ان کی وفات کے بعد صدیق شاہ ان کی جگہ بیٹھے اور صدیق شاہ کی وفات کے بعد تکیہ ویران ہو گیا۔ مگر صدیق شاہ کے بعض وابستگان تکیہ کی زمین پر دخل رکھتے ہیں

شاہ عبداللہ احمد آباد گجرات کے اطراف کے ایک فقیر ہیں۔ کمال قرأت کے ساتھ قرآن مجید کے ماہر ہیں۔ حج اور مدینہ منورہ کی زیارت بھی کر چکے ہیں۔ تیس سال سے گوشہ نشین ہیں کسی اہلِ ثروت کے سامنے اپنی حاجت پیش نہیں کرتے اور صبر و شکر کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

شاہ عنایت یہ ٹاٹ شاہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اکثر ٹاٹ کے کپڑے پہنا کرتے تھے شاہ علی اکبر نقش بندی بُرہان پوری کے مُرید ہیں۔ ہندوستان کے شہروں میں بہت پھرے ہیں اور جو کچھ امیروں سے لیتے تھے محتاجوں پر صرف کرتے تھے۔ نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانہ میں فرخ آباد آئے اور حجاز کے سفر میں راقم کا بھوپال سے برہان پور تک ان کا ساتھ رہا تھا۔ برہان پور پہونچنے پر شاہ علی اکبر کے مزار کی زیارت کی گئی۔

شاہ عنایت مجذوب فرخ آباد میں یہ ایک مجذوب تھے۔ شہر والے ان کے عقیدت مند تھے اکثر راقم کے گھر آیا کرتے تھے۔

چنّا شاہ ایک فقیر تھے مجذوبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ راقم کے گھر اکثر آیا کرتے تھے۔ اکثر کرامات ان کی میں نے دیکھی ہیں۔ ان کی وفات کے بعد امیٹھی دروازہ کے قریب دفن ہوئے۔

سدا سُہاگ موسیٰ سُہاگ کے فرقہ سے نسبت رکھتے ہیں۔ زنانہ لباس میں رہتے ہیں موسیٰ سُہاگ گجرات میں ایک فقیر ہوئے ہیں جو ہیجڑوں کے ڈھول اُٹھاتے تھے اور ان ہی کی سی وضع رکھتے تھے۔

غریب شاہ کالپی کے بزرگوں سے نسبت رکھنے والے ہیں۔ نواب غضنفر جنگ ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ ایک دن (ان کے پاس) نواب آئے ان کو

جاڑا بخار آرہا تھا۔ فرمایا "اے بخار! تو تھوڑی دیر کے لئے میری گُدڑی پر مسلط ہو جا۔ مجھے نواب سے باتیں کرنی ہیں۔ بخار گُدڑی کی طرف منتقل ہو گیا۔ گُدڑی کانپ رہی تھی۔ ان کی قبر فرخ آباد کے قلعہ کے قریب ہے۔

شاہ قدرت اللہ شاہ غلام قلندر کے مرید ہیں۔ جن کی قبر موضع چولس پور میں ہے جو بھوج پور کے علاقے میں ہے۔ یہ شاہ قدرت اللہ اپنی صورت اور سیرت میں اپنے پیر کے موافق تھے۔ نواب خدا بندہ خاں کے مکان کے قریب جگہ لے کر ایک گھر بنا لیا تھا۔ توکل سے گذران کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے داماد محمدی شاہ ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ اور چند دن ہوئے کہ وہ بھی انتقال کر گئے۔ اور شاہ غلام قلندر کبھی شعر بھی کہتے تھے ذیل کا شعر ان ہی کا ہے ؎

رہ مجرّد اور بادشاہی کر
کتخدائی نہ کر خدائی کر

شاہ اسمٰعیل شاہ عبد الجلیل الہ آبادی کی اولاد میں ہیں احمد خاں غالب جنگ کے زمانے میں فرّخ آباد آئے تھے چند برس قیام کر کے یہیں وفات پائی اور یہ شاہ عبد الجلیل جن کا سلسلہ شیخ عبد القدوس گنگوہی تک پہونچتا ہے۔ شاہ حبیب اللہ قنوجی کے پیر ہیں۔

شاہ حبیب اللہ قنوجی شاہ حبیب اللہ تمام فنونِ درسیہ کے عالم ہیں درویشی کے شغل میں مصروف رہنے کے باوجود منطق، فرائض اور تصوّف میں انکی تصانیف بھی ہیں ۱۱۴۲ھ مطابق ۳۰-۱۷۲۹ء میں وفات پائی۔

جو عمارتیں مسجد، مقبرہ اور احاطۂ تکیہ وہاں ہیں سب شجاعت خاں غلزئی کی بنائی ہوئی ہیں۔ جو سخاوت میں مشہور ہیں اور شیخ عبد القادر جیلانی کی گیارھویں شریف میں مشائخ، فقرا اور محتاجوں کو بہت کچھ داد و دہش کرتے تھے۔ یہ شجاعت خاں کا

معمول تھا۔

حکایت:۔ شاہ حبیب اللہ[1] تحصیل علم کے زمانہ میں کتاب ضو شرح مصباح شہر سندیلہ میں ایک بزرگ کی خدمت میں پڑھتے تھے۔ ایک دن اُستاد ان کی ناسمجھی سے غصّے ہوئے اور سخت و سُست فرمایا وہ روتے ہوئے سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ علاؤ الدین صاحب ولایت سندیلہ فرماتے ہیں، آؤ کہ میں تجھے تعلیم دوں اور خواب کی حالت ہی میں چند سطریں کتاب ضو کی پڑھائیں۔ جب بیدار ہوئے اُن کو اُستاد کی ضرورت نہ رہی اور اُنھوں نے ملا عبد الباقی جون پوری کے مدرسے میں بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کیا[2]۔

میر کلّن شاہ جہاں آباد کے فقراء میں سے ہیں قادری مشرب فقیر نواب غالب جنگ کے زمانے میں فرخ آباد آکر نواب صلابت خاں کی حویلی کے قریب رہے اور وہیں وفات پائی۔

شاہ برہان شاہ سبحان کے مرید ایک فقیر تھے۔ نواب صلابت خاں کی حویلی کے پاس ان کا تکیہ تھا۔ ان کے تکیہ میں سانپ بہت رہتے تھے لیکن کسی کو ستاتے نہ تھے اور وہ ان کے پینے کو دودھ رکھا کرتے تھے جس کو اکثر سانپ پیتے تھے۔

حسین شاہ ایک عزلت گزیں فقیر ہیں۔ فرخ آباد اور موشمس آباد کے راستے میں ایک عمارت واقع ہے۔ اس میں رہتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ اور تلاوت قرآن مجید کے پابند ہیں۔ ابھی زندہ ہیں۔ اس عمارت کو اصل میں ایک امیر نے سیّد قاسم اسرار کے لیے بنایا ہے

---

[1] شیخ حبیب اللہ قنوج کے مشائخ کبار میں سے تھے علوم درسیہ کے عالم اور مولوی علی اصغر قنوجی کے معاصر تھے سلوک و تصوف میں ایک خاص مقام رکھتے تھے اور مخلوق کے ارشاد و ہدایت میں مصروف رہتے تھے جواہر خمسہ تذکرۃ الاولیا، روضۃ النبی انیس العارفین اور الفاضل فی الفقہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ مؤلف تذکرہ علمائے ہند نے ان کی تاریخ انتقال ۱۱۴۰ھ مطابق ۱۷۲۷ء لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۵۷-۱۵۸

(۲) حدائق الحنفیہ صفحہ ۴۳۷-۴۳۸ (۳) نزہتہ الخواطر جلد ششم صفحہ ۶۲

جو سیّد تاج الدین بلگرامی گوشہ نشین کے مرید ہیں۔

شاہ رحمت اللہ شاہ حبیب اللہ (قنوجی) کے سلسلے کے مرید ہیں۔ چند سال موضع امیٹھی میں جو شہر فرخ آباد کے قریب ہے تکیہ قایم کیا۔ شاہ حبیب اللہ کی وفات کے بعد تیم شاہ رحمت اللہ تکیہ امیٹھی کو چھوڑ کر قنوج گئے اور شاہ حبیب اللہ کے تکیہ کو آباد کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے تکیہ کو آباد رکھتے ہیں۔

بسم اللہ شاہ شاہ حسام الدین گوالیاری کی مرید ایک عورت تھی۔ مردانہ لباس میں رہتی تھی اور فرخ آباد کے اکثر امیروں تک اس کی رسائی تھی۔ منڈی نمک کے محلہ میں درویشوں جیسا تکیہ بنا لیا تھا۔ وفات کے بعد اسی تکیہ میں دفن ہوئیں۔

منسا رام ایک رامانندی بیراگی فقیر تھے۔ نہایت مرتاض گرمی کے زمانے میں اپنے چاروں طرف دن رات آگ جلاتے تھے اور جاڑے میں آسمان کے نیچے بیٹھ کر اپنے سر اور بدن پر پانی گراتے تھے اور موسم برسات میں سایہ میں نہیں آتے تھے۔ شہر فرخ آباد میں شمال کی طرف گنگا کے کنارے تکیہ میں رہتے تھے۔ چند سال وہاں بسر کر کے لکھنؤ گئے اور وہاں نہر گومتی کے کنارے تکیہ کی بنیاد رکھی اور وہیں انتقال کیا۔ لوگوں سے کہا کرتے تھے۔ کہ باوجود اتنی ریاضت کے جو تم دیکھتے ہو۔ دو باتیں میرے دل سے نہیں جاتیں۔ ایک تو نیند میں آرام ملتا ہے۔ دوسرے امیروں کے آنے سے خوش ہوتا ہوں۔

بابا رام کشن ایک بیراگی رامانندی فقیر تھے۔ قریب پچاس سال سے سنگی رام پور میں گنگا کے کنارے تکیہ بنا کر گذران کرتے تھے اور دُنیا ان کے دیکھنے کو آتی تھی۔ چنانچہ ایک بار مہاراجہ دولت رام سندھیا بھی آئے تھے ان کے پاس بہت روپیہ پیسہ اور ساز و سامان بھی تھا۔ اور عام طور پر سدا برت جاری رکھتے تھے۔ ہر آدمی کو حسب لیاقت دیتے تھے اور کھلاتے تھے۔ چار سال ہوئے کہ اس جہان سے گزر گئے اور ان کے معتقدین میں زمین وغیرہ کی وجہ سے

اختلاف ہے جو ابھی فیصل نہیں ہوا ہے۔

انرت سادہ قوم سادہ کے ایک فقیر تھے جو اپنی نسبت توحید سے کرتے ہیں۔ سوائے خدائے واحد کے کسی کی عظمت کے قائل نہیں ہیں۔ اور اپنی گندان کسب سے کرتے ہیں۔ اور قوم سادھان کے لوگ ان کی بزرگی کی بہت تعریف کرتے ہیں۔

بالاجی رامانندی بیراگی فقیر ہیں۔ بہت عمر ہے۔ دُنیا میں خوب گھومے پھرے ہیں۔ ان دنوں دریائے گنگ کے کنارے گوشہ نشین ہیں۔

مقالہ نہم

مولوی حاجی صفت اللہ خیرآبادی

مخدوم اللہ دیا خیرآبادی کی اولاد میں ہیں جن کا نسب جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ تحصیل علوم قنوج اور دوسرے قصبوں میں کی اور علوم سے فراغت حاصل کر کے مولانا قطب الدین شمس آبادی، قاضی مبارک گوپاموی کی خدمت میں رہے مولوی محمد طاہر عرف محمد مسیٰ اور مولوی شیخ محمد شاہجہاں پوری ان کے شاگرد ہیں[1]۔ حاجی صفت اللہ سید

---

[1] حاجی صفت اللہ خیرآبادی ابن مدینۃ اللہ خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے نامور محدث اور صاحب باطن تھے اودھ میں حدیث کا رواج ان ہی کی بدولت ہوا۔ ردبدعات میں خاص کوشش فرماتے تھے ان کے سوانح نگار مولوی فخر الحسن بجر ذخار کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "جب عیسےٰ بیگ خاں عامل سرکار خیرآباد عشرہ محرم میں بزعم اختلاف عقائد اکثر حرف تحقیر آپ کی شان میں کہتا اس کی خبر آپ کو برابر ہوتی تھی جب آپ بہت پریشان ہوئے اور متغیر ہو کر فرخ آباد تشریف لے گئے وہاں اطفال محمد خاں بنگش آپ کے معتقد تھے عرصے تک آپ خیرآباد نہیں گئے۔" (حال حاجی صفت اللہ صاحب محدث صفحہ ۱۷-۱۸) حاجی صاحب ۱۱۲۴ھ سنہ ۱۷۱۲ء میں حرمین شریف تشریف لے گئے میر غلام علی آزاد بلگرامی سے ملاقات ہوئی تھی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں "۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۲۰ء میں وارد بلگرام ہوئے اور علامہ مرحوم میر عبدالجلیل کی ملاقات کے لیے ان کے دیوان خانے میں تشریف لائے اس وجہ سے مجھ ان کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔" مولوی فخر الحسن بجر ذخار کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "آپ خوش طبع بھی تھے اکثر سخن ظریفانہ آپ کی زبان مبارک سے نکل جاتے تھے امرا سے زیادہ ملاقات

(باقی لگے صفحہ پر)

عبداللہ[1] سیاح کے مرید ہیں۔ حرمین شریفین تشریف لے گئے ہیں۔ اور کئی برس وہاں ٹھہرے بھی ہیں۔ مدینہ طیبہ میں شیخ طاہر ولد شیخ ابراہیم کروی کورانی کی خدمت میں حدیث پڑھی اور لوٹنے کے بعد اپنے وطن خیرآباد میں تمام عمر علوم دین پڑھاتے رہے۔ ۱۱۵۷ھ مطابق ۱۷۴۴ء میں وفات ہوئی۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ان کی حسب ذیل تاریخ کہی ہے:-

بحر عرفان صفت اللہ کہ بود — عالم و عامل و الا مرتبت
خامۂ فکرت من تاریخش — زد رقم صدر نشین جنت

اور شیخ سعدی کا یہ مصرع بھی تاریخ ہے:- ع

خنک آں کس کہ گوئے نیکی برد

نواب محمد خاں غضنفر جنگ کے زمانہ میں کبھی فرخ آباد میں آتے تھے۔ اور معظم خاں دریابادی کے مکان میں ٹھہرتے تھے اور معظم خاں ان کی خدمت کرتے تھے اور غضنفر جنگ بھی خدمت کرتے تھے۔

مولوی احمد اللہ خیرآبادی

اور حاجی صاحب ممدوح کے ایک بیٹے مولوی احمد اللہ نامی تھے۔ جنھوں نے درسی کتابیں پوری استعداد سے پڑھی تھیں۔ آخر فراغت

(بسلسلہ صفحۂ گزشتہ) رکھتے اور امراء سے جس چیز کو آپ پسند فرماتے لے لیتے۔" (حال حاجی صفت اللہ محدث ص۱۶)

۱۸ ذیقعدہ ۱۱۵۷ھ / ۱۷۴۴ء کو انتقال ہوا۔ حاجی صفت اللہ خیرآبادی کے حالات، مکتوبات (۱۵ عدد) نیز حزب البحر معہ شجرات۔ "سلاسل مختلفہ کو مولوی فخرالحسن خیرآبادی نے در حال حاجی صفت اللہ خیرآبادی محدث" کے نام سے طبع کرا دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (۱) حال حاجی صفت اللہ صاحب محدث ص۲۲ (۲) تراجم الفضلاء ص۱ (۳) سیر العلماء از حکیم بہاء الدین ص۱۵-۱۶

[1] عبداللہ سیاح، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں تھے میر بدرالدین کے خلیفہ تھے جن کا مزار پھلواری (بہار) میں ہے۔ بڑے مرتاض اور صاحب باطن بزرگ تھے تمام عمر سیاحی میں گزار دی اور ایک طویل عمر پائی عظیم آباد (پٹنہ) میں بھی رہے۔ خیرآباد میں ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء میں انتقال ہوا۔ "غاب قطباً" سے تاریخ انتقال نکلتی ہے۔ (حال حاجی صفت اللہ صاحب محدث ص۹)

مولانا کمال الدین فتح پوری کی خدمت میں حاصل کی۔ اور وفات کے بعد دو[2] فرزند چھوڑے[5] ایک

مولوی غلام امام جو لاولد مرے[2]۔ اور دوسرے مولوی غلام صدیق[3]۔

معظم خاں افغانوں کی قوم سے قلعۂ دریاباد کا رہنے والا ایک سردار تھا۔ دریاباد جانبِ

جنوب دریائے جمن کے کنارے پر واقع ہے وہ قرآن و حدیث سے بہت محبّت رکھتا تھا۔ جوانی

میں قرآن مجید کو حفظ کیا تھا۔ اور ایک نسخہ صحیح بخاری کا بہت بڑی قیمت میں مکہ مبارکہ سے

لایا تھا اور یہ انقلابِ زمانہ دیکھیے کہ معظم خاں کی وفات کے بعد بہت کم قیمت میں بیچا گیا۔

اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلیہِ راجعون۔

مولوی فتح علی قنوجی شہر قنّوج کے بڑے بزرگوں میں سے ہیں۔ باپ دادا شہر قنوج کے قاضی تھے۔ اور چند دن نواب غضنفر جنگ کے گجرات کی صوبہ داری

کے زمانے میں ان کے لشکر کے قاضی رہے ہیں۔ درسی کتابیں مولانا علی اصغر قنوجی سے پڑھیں

مقاماتِ حریری ان کے ہاتھ کی لکھی دیکھی گئی۔ نہایت خوشخط اور حاشیہ دار تھی۔ اور اہل اللہ

سے بھی محبّت رکھتے تھے۔ اور خرقۂ خلافت حضرت شاہ میاں کی خدمت میں پہنا جو صاحب البرکات

مدفون مارہرہ کے فرزندوں میں سے ہیں۔ اور احمد خاں غالب جنگ کے زمانہ میں روشن خاں چیلہ کے

کے گھر میں رہے۔ اور نواب معیّنہ تنخواہ ان کو پہونچاتے تھے سنہ ۱۲۰۰ھ ۱۷۸۵ء کے آخر میں وفات پائی۔

مولانا اصغر علی یہ شیخ عبدالصمد کے بیٹے ہیں۔ جو مولانا عبدالباسط کے دادا اور مولانا رستم علی کے باپ ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۰۵۱ھ ۱۶۴۱-۴۲ء میں ہوئی اور ابتدا امیر سید محمد قنوجی

۱؎ مولوی احمد اللہ سنہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء میں پیدا ہوئے نہایت عالم فاضل اور صاحبِ باطن تھے ۲ رجب ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۴ء کو انتقال ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھیے:۔

(۱) حال حاجی صفت اللہ صاحب محدث ص ۲۳-۳۰ (۲) نزہتہ الخواطر جلد ششم ص ۲۹

۲؎ المتوفی ربیع الثانی ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء مزید حالات کے لئے دیکھیے حال حاجی صفت اللہ صاحب محدث ص ۳۰ - ۳۱

۳؎ المتوفی جمادی الاولیٰ ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۱ء مزید حالات کے لئے دیکھیے:۔

حال حاجی صفت اللہ صاحب محدث صفحہ ۳۱ - ۳۲

سے عربی پڑھنی شروع کی اور اس کے بعد متوسطات اور مطولات کی تحصیل میر عصمت اللہ سہارنپوری اور نواب دیانت خاں پدر مرزا محمد مصنف ردّ البدعت والمعتمد فی المعتقد اور مُلّا محمد زماں کاکوروی کی خدمت میں کی اور فراغت مُلّا لطف اللہ کی خدمت میں کی اور شیخ پیر محمد لکھنوی کی خدمت میں بیعت کی، جو اپنے زمانہ کے نامور شیخ تھے، چلّے کھینچے اور اجازت و خلافت پاکر شہر قنوج واپس ہوئے اور گوشہ نشین ہو گئے۔ مرتے دم تک کسی کے دروازے پر نہ گئے۔ اور نوّے سال سے متجاوز ہو کر ۵ ارشوال ۱۱۴۰ھ ۱۷۲۸ء میں جانِ جانِ آفریں کو سونپی اور میر غلام علی آزاد تاریخ فرماتے ہیں:۔

مولوی زماں علی اصغر　　از وفاتش کمال شد معدوم

سالِ تاریخِ او نوشت خرد　　شد نہاں آفتابِ صبحِ علوم

مولانا کی بڑی بڑی تصانیف ہیں۔ ایک تفسیرِ ثواقب التنزیل ہے کہ اگر اس کو علامہ جاراللہ زمخشری اور قاضی ناصر الدین بیضاوی دیکھتے تو داد انصاف دیتے۔ کہ کس درجہ قرآن کے اعجاز کے چہروں سے نقاب اٹھایا ہے۔ اور کس درجہ مفسرین کے درمیان باہم بات ڈال کر رفع خصومت کی ہے اور بار بار لطائف عالی لاکر نصوص اور فتوحات[1] کی تلخیص فرمائی۔ اور شریعت و حقیقت کے جمع کرنے میں مشغول ہوئے اور کوئی طعن کا کلمہ جو ظاہر بینوں کی زبان پر شیخ محی الدین ابن عربی کے حق میں جاری ہے قلم سے نہیں نکالا۔ دوسری تصنیف شرح نصوص الحکم ہے جس میں متن کے معرکے کے مقاصد اور شروح کو بڑی وسعت سے ملخص اور واضح کیا ہے۔ دوسری مثنوی فارسی ریاض المعارف ہے اس میں شیخ فریدالدین عطا مولوی معنوی اور حکیم ثنائی کے طرز پر مقالاتِ سلوک بیان کئے ہیں۔ اور ان کے سوا دیگر رسالے اور کتابیں

---

[1] فصوص الحکم و فتوحات مکیۃ تصانیف شیخ محی الدین عربی۔

تصنیف کی ہیں جو راقم کے دیکھنے میں نہیں آئیں[1]۔ اور جس سال مولانا علی صغر نے وفات پائی شاہ عبدالرشید قنوجی نے بھی وفات پائی۔ میر غلام علی آزاد نے تاریخ لکھی ہے۔

یافتم تاریخ آں قدسی سرشت — انجمن آرائے عبّاد بہشت
باز تاریخِ دگر آمد پدید — مجمع انوار حق عبدالرشید

اور ملا عصمت اللہ سہارن پوری کی وفات ۱۷۲۹ء میں ہوئی۔ اور اس سال ۱۹ رشعبان کو مکۂ مبارکہ میں بارش ہوئی کہ کعبے کے اندر قدِ آدم پانی پہونچا اور حرمِ محترم کی عمارتیں زمین پر گر پڑیں اور سلطان مرادِ چہارم کے حکم سے پھر نئی بنیں۔

مولانا رستم علی قنوجی یہ مولانا اصغر علی قنوجی کے بڑے بیٹے ہیں۔ نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانہ میں مرہٹہ کفّار کے قنوج پر تسلّط کے وقت اپنے بیٹے مولانا عبدالباسط کے ساتھ ہجرت کی نیت سے قنوج سے نکلے۔ شہر فرّخ آباد میں آئے۔ نواب غالب جنگ ان سے متعارف تھے۔ ان کی بہت تعظیم کی۔ کچھ مدّت فرّخ آباد میں رہ کر بریلی چلے گئے۔ حافظ رحمت خاں سے ملے اور ان کی زیادہ توجہ کی وجہ سے وہاں زیادہ قیام کیا ماہِ رمضان ۱۱۷۸ھ مطابق ۱۷۶۵ء شہر بریلی میں وفات پائی۔ اور چھ مہینے بعد تابوت کو قنوج لاکر ان کے والد مولانا علی صغر کے پہلو میں مسجد کے نزدیک جو مدرسہ کے سامنے واقع ہے۔ دفن کیا گیا۔ ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے تھے تحصیل علم مطولات تک والد سے کی۔ اور والد کی وفات کے بعد باقی درسیہ کتابیں مولانا نظام الدین لکھنوی سے پڑھیں ۱۱۴۲ھ مطابق ۳۰-۱۷۲۹ء میں فراغت پاکر اپنے وطن میں والد کے سجّادہ نشین ہوئے اور درس دینے لگے

---

[1] مولانا علی صغر قنوجی کی تصانیف میں للطائف العلیۃ فی معارف الالٰہیۃ، تبصرۃ المدارج (سلوک) العقیدۃ المہمۃ فی النفحۃ المحمدیۃ (قصیدہ) شرح قصیدۂ مذکورہ اور النفائس العلیۃ فی کشف اسرار المیمیہ بہر قابل ذکر ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) صفحہ ۳۴۱-۳۴۰ (۲) حدائق الحنفیہ صفحہ ۴۳۵
(۳) ابجد العلوم صفحہ ۹۳۰ - ۹۳۱ (۴) خزینۃ الاصفیاء جلد دوم صفحہ ۳۴۵

اور باوجود طریقہ چشتیہ میں والد سے بیعت اور خلافت رکھنے کے اپنے بڑے بھائی مولانا محمد کامل سے طریقہ نقش بندیہ میں بیعت اور خلافت حاصل کی۔ اور مولانا محمد کامل جناب محمد صدیق صاحب کے خلیفہ ہیں۔ جو خواجہ محمد معصوم کے فرزند ہیں۔ اور وہ فرزند ارشد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے ہیں۔ اور مولانا رستم علی کی تصنیفات میں سے تفسیر جلالین کے طرز پر ایک تفسیر صغیر ہے دوسری شرح مبارک جو باوجود جامعیت کے شرح کے اعتبار سے نور الانوار کا تہائی حصہ ہوگی۔[1]

مولوی عبید علی مولانا رستم علی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اپنے بھائی سے تحصیل علم کی۔ بعد ازاں خواجہ محمدی خاں کے ساتھ بنگال گئے اور چند سال وہاں رہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد فرخ آباد کے راستہ سے مولانا رستم علی سے ملنے بریلی گئے۔ پھر قنوج آکر چند سال قیام کیا۔ قصبہ بندگی میں جو کوڑہ جہاں آباد کے پاس ہے جاکر مقیم ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔

مولانا عبد الباسط قنوجی یہ اپنے والد کے ساتھ فرخ آباد آئے۔ اس کے بعد کئی مرتبہ بریلی سے بارادۂ قنوج اس راستے (فرخ آباد) سے گزر کر راقم کے گھر کو منور کیا۔ ان کی صورت دیکھنے والوں کی آنکھوں میں "اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ" کے معنی نقش ہو جاتے تھے۔ اور ان کی سیرت ہم نشینوں پر بمصداق "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" عقیدت کے دروازے کھولتی تھی۔ تقریر اور تحریر بولنے اور لکھنے کے وقت اور تدریس و تصنیف کے وقت وہ ایسی جامعیت رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ خیال میں بھی نہیں آتی۔ ان کا نسب محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتا ہے اور مولانا عماد الدین کرمانی مؤلف فصول عمادیہ ، جو فقہ کی کتاب ہے ان کے اجداد میں سے ہیں، زمانہ کے انقلاب کی وجہ سے مولانا عماد الدین کے ایک بیٹے کرمان سے تلنبہ آئے جو مضافات ملتان میں ایک شہر ہے۔ اور ان کے ایک بیٹے جن کا لقب

---

[1] مولانا رستم علی قنوجی کے مزید حالات کیلئے دیکھئے:۔ (۱) تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۹۰ (۲) ابجد العلوم صفحہ ۹۳۵ (۳) حدائق الحنفیہ صفحہ ۴۴۹

مبارک تھا قنوج آئے اور وہیں رہنے لگے۔ ان کے بیٹوں میں سے قاضی جلال قنوج کے قاضی ہوئے۔ اس زمانہ سے شہر قنوج میں عہدۂ قضا جاری ہوا اور اسی زمانہ سے شہر قنوج کا عہدہ قضاء جلال کی اولاد میں وراثتہً چلا آتا ہے۔ مولانا عبدالباسط ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ اور "چشم رستم علی" ان کی تاریخ پیدائش ہے۔ تمام علوم رسمی اور حقیقی اپنے والد سے حاصل کئے اور آخر عمر تک تدریس و تالیف میں مشغول رہے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ راقم کے بھائی سید وجہ اللہ نے جمعہ کے دن ربیع الاول کے مہینے میں ۱۲۲۳ھ میں شہر عظیم آباد میں وفات پائی۔ وہیں پیر دمڑیا کے تکیہ میں دفن ہوئے۔ مولانا عبدالباسط بسلسلۂ تقریب تعزیت فرخ آباد آئے اور مبتلائے بخار ہو گئے۔ اور ایک ہفتہ میں آدھی رات کے وقت ربیع الثانی کی دوسری تاریخ ۱۲۲۳ھ انتقال فرمایا۔ اسی دن نعش کو قنوج پہونچایا اور تیسری ربیع الثانی کو ان کے والد بزرگوار مولانا رستم علی کی قبر کے قریب دفن کیا گیا۔

ایک عجیب حادثہ یہ ہوا کہ ان کے لڑکے مولانا حسین علی خوبصورتی اور کمال میں باپ کی یادگار تھے پانچ مہینے بعد اسی سال رمضان شریف کے مہینے میں ۲۴ سال کی عمر میں انتقال کر گئے اور والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے

ان کے بیٹے مولوی غلام حسین عمر ۲۲ سال جامع فضل و کمال و علم و عرفان باقی ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس خاندان کو قیامت تک فضائل کی روشنیوں اور عمدہ خصلتوں کے ساتھ آباد رکھے مولانا عبدالباسط کو تصنیف کا بڑا شوق تھا[1]۔ ان کی تصنیفات سے شرح کافیہ ابن حاجب اور

---

[1] مولانا عبدالباسط قنوجی کی تصنیفات میں نظم اللآلی فی شرح ثلاثیات البخاری، انتخاب الحسنات فی ترجمہ احادیث دلائل الخیرات، حبل المتین فی شرح الاربعین وغیرہ بھی مشہور ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۲ (۲) ابجد العلوم ص ۸۴۱

(۳) نزہتہ الخواطر جلد ہفتم ص ۲۳۴ (۴) خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۳۸۵-۳۸۷

(۵) اتحاف النبلاء ص ۳۰۹-۳۱۰ (۶) حدائق الحنفیہ ص ۴۶۴-۴۶۵

شرح تہذیب المنطق ہے طالب علموں کے لئے اس سے بہتر شرح نہیں ہے۔ اور زبدۃ الفرائض مسائلِ میراث میں اور تاریخ منازل اثنا عشریہ ہے کہ اس میں عرب اور عجم کے اولیاء کا حال مکمل طور پر معلوم ہو سکتا ہے۔ اور شرح خلاصۃ الحساب بابِ مساحت تک اور شرح سلم العلوم آخر مبحث شرطیہ تک (ان سے یادگار ہیں)

قاضی سیّد محمد مربی اصلیت ان کی سادات بہانی سے ہے۔ جو سید کمال ترمذی کی اولاد ہیں۔ یہ زید شہید کی اولاد ہیں جو زین العابدین کے بیٹے ہیں۔ قصبات میں انھوں نے تحصیل علوم کی ہے۔ مولانا قطب الدین شمس آبادی کی خدمت میں فارغ التحصیل ہوئے۔ وہ بڑے مستند فاضل تھے اور ان کی تصنیفات میں سے سلم العلوم کی شرح ہے اور میر زاہد کے حاشیہ پر "رسالہ قطبیہ" پر حواشی ہیں۔

ان کے ایک جوان لڑکے تھے۔ جو قائم جنگ کی رفاقت میں مارڈالے گئے[1] اور قاضی محمد مربی کی وفات کے بعد ان کی پوتی کے شوہر سیّد فتح علی مسند قضا پر بیٹھے۔ ان کے چوروں کے ہاتھوں سے مارے جانے کے بعد سیّد غلام شاہ نواسہ قاضی محمد مربی مسند قضا پر بیٹھے۔

مولوی غوث علی ان کی وفات کے بعد یہ عہدہ مولوی محمد غوث علی کو ملا جو قصبہ کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ اور قاضی القضاۃ محمد نجم الدین علی خاں کے بھانجے ہیں۔

ملّا محمد غوث علی صاحب دین دار پرہیزگار عالم ہیں۔ اس کتاب کے لکھنے تک اس شہر میں عہدۂ قضا پر مسلط ہیں۔ قاضی سعادت علی پسر قاضی فتح علی پرگنہ شمس آباد وغیرہ کے قاضی رہ کر فوت ہوئے پھر ان کی بجائے قاضی موصوف کے بیٹے قاضی کاظم مامور ہوئے۔

مولانا قطب الدین شمس آبادی یہ مولانا قطب الدین سہالوی کے شاگرد ہیں۔ علم منطق، فلسفہ، کلام میں یگانۂ روزگار تھے شیخ محب اللہ بہاری مصنف سلم العلوم سلم الثبوت، جو بڑے مشہور عالم تھے۔ ان کے استاد ہیں۔ ان کا سنہ وفات ۱۱۱۹ھ[1] ۱۷۰۸ء ہے

---

[1] تذکرہ علمائے ہند (۳۹۱) بعض دوسرے تذکروں میں سال وفات ۱۱۲۱ھ ۱۷۰۹-۱۰ء درج ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے (۱) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۳۹۱-۳۹۲ (۲) ابجد العلوم صفحہ ۱۰۵ (۳) حدائق الحنفیہ صفحہ ۴۳۴ (۴) ماثر الکرام دفتر اول صفحہ ۲۰۶ (۵) سبحہ

اور حافظ امان اللہ[۵] بنارسی کے بھی اُستاد ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۷ء میں ہوئی۔

قاضی قوام الدین مارہروی مشہور فاضلوں میں سے ہیں۔ مولوی قطب الدین شمس آبادی کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے سلّم العلوم کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ جس کو بہترین شرح کہہ سکتے ہیں۔ اور قصبہ مارہرہ کا عہدہ قضا اب تک ان کے خاندان میں چلا آتا ہے اور قاضی معین الدین جو ایک معمر بزرگ ہیں۔ تقویٰ و فضائل میں مشہور ان کے صاحبزادے ہیں۔

مولانا محمد عمر سادات گجرات میں سے ہیں۔ رضوی النسب ہیں اور مولوی ہیں۔ قصبہ کنپل کی پیدائش ہے جو شمس آباد کا علاقہ ہے۔ اکثر علوم محمد عظیم ملانوی سے پڑھے۔ اور مولانا نظام الدین سہالوی کی خدمت میں طریقۂ قادریہ میں بیعت و خلافت حاصل کی۔ شہر مئو رشید آباد میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ نواب احمد خاں غالب جنگ، نول رائے نائب صفدر جنگ کے مقابلہ کے وقت مولوی (محمد عمر) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ریاست کی پگڑی اپنے سر پر باندھ کر لڑائی میں مشغول ہوئے۔ اور فتح کے بعد اس کے پورے معتقد ہو گئے۔ اور اکثر حاضر ہوتے تھے اور یہی باعث ان کے فرخ آباد رہنے کا ہوا۔ اس کے بعد آزردگی کے سبب یہاں سے اُٹھ کر شہر بریلی چلے گئے اور وہاں مسجد اور خانقاہ کی بُنیاد ڈالی۔ اور ایک عالم ان سے مستفید ہوا اور قریب وفات ان میں جذب پیدا ہو گیا تھا۔ کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اور وفات کے بعد چھ لڑکے چھوڑے۔ امام الہدیٰ، عثمان علی، سیّد علی، احمد علی۔ حسن علی، حسین علی۔ ان میں سے عثمان علی، مفتی محمد عوض کے قضیہ میں انگریزی سپاہیوں کے ساتھ سنہ ۱۲۳۰ھ میں شہید ہو گئے اور ان کے دو بیٹے ہیں۔ مولوی یعقوب علی

---

[۵] حافظ امان اللہ بنارسی اپنے زمانے کے ممتاز مصنف و عالم تھے ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۰ء) میں انتقال ہوا تفصیل کے لئے دیکھئے (۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۹ (۲) تذکرہ مشائخ بنارس ص ۴۳-۴۵ (بنارس ۱۹۶۱ء)

اور مولوی محبوب علی متقی اور عالم ہیں۔

مولوی محمد عظیم مولانا قطب الدین ولد قاضی شہاب الدین گوپاموی کے شاگرد رشید ہیں بڑے فاضل تھے۔ سلّم العلوم کی شرح لکھی ہے۔ اور میر زاہد کے حواشیِ ثلاثہ پر حاشیئے لکھے ہیں اور شرح ہدایۃ الحکمۃ جو مُلّا صدرا نے لکھی ہے۔ اُس پر بھی حاشیئے لکھے ہیں۔ کچھ مُدّت گلی گنج میں خان بہادر خواجہ سرا کی سرکار میں جو سرکار نواب غضنفر جنگ میں تھا۔ اور کچھ مُدّت روشن خاں کی سرکار میں جو سرکار غالب جنگ کے چیلے تھے عزت اور عظمت کے ساتھ دن گذارے۔ ان کے دو بھائی تھے۔ مولوی محمد رضا اور مولوی محمد مسیح۔ جو اکثر شہر فرخ آباد میں مشائخانہ حیثیت سے آتے تھے۔ اور شہر کے لوگ ان کی خدمت کرتے تھے۔

مولانا قطب الدین گوپاموی مولانا قطب الدین فاضل، مولانا نظام الدین کے ہمچشم تھے۔ اور ان کے والد قاضی شہاب الدین بھی فاضل تھے۔ علوم ریاضیہ کو بہت استعمال میں لاتے تھے[۱]۔ مولانا قطب الدین کے بعد ان کے بڑے بیٹے مولانا وہاج الدین[۲] کتبِ درسیہ پڑھانے میں اور نہایت عمدہ سمجھ اور تیز ذہن رکھنے میں اپنے ہم عصروں سے سبقت لے گئے تھے اور ابھی اس خاندان میں پڑھانے کی رسم باقی ہے۔ اس رسم کو پاک بے نیاز دیر تک قایم رکھے۔

مولوی صدر جہاں صفی پوری مولوی محمد عظیم کے شاگردوں میں سے ہیں۔ نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانے میں فرخ آباد آئے تھے۔ بخشی فخر الدولہ کے ساتھ کمال عزت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ فخر الدولہ کے مارے جانے کے بعد اپنے وطن چلے گئے وہاں چند سال کے بعد انتقال کیا۔

---

[۱] ملا قطب الدین بن ملا شہاب الدین گوپاموی علوم معقول و منقول میں فضیلتِ تامہ رکھتے تھے۔ ریاضی میں بڑا درک رکھتے تھے۔ ملا عبد الرحیم مراد آبادی کے شاگرد تھے صاحب ورزش تھے ۲۵ رمضان ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں انتقال ہوا۔ ماثر الکرام دفتر اول ص
(ارمغان یار، (تذکرہ علمائے گوپامئو ص ۱۲-۱۳)

[۲] مولوی وہاج الدین (وفات ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء) دیکھیے ارمغان یار ص ۲۱

مولوی کلیم اللہ مولوی محمد امجد قنوجی کے بیٹے تھے نواب غالب جنگ نے اپنے چھوٹے لڑکے نواب دل دلیر خاں کو ان کی شاگردی میں دیا۔ چنانچہ آخر عمر تک نواب دل دلیر خاں ہی کی سرکار میں بسر کی۔

مولوی بدرالدین فرشوری ان کی وفات کے بعد ان کے بھانجے مولوی بدرالدین فرشوری بلگرامی ان کی جگہ پر مقرر ہوئے۔ اور ابھی تک وہ اسی سرکار میں ملازم ہیں۔ اور نواب دِل دلیر خاں کے بیٹے ان کی لائق خدمات انجام دیتے ہیں۔

مولوی فیض اللہ مولوی کلیم اللہ کے ایک بھائی فیض اللہ نام تھے جو فارسی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے انھوں نے سکندر نامہ کی ایک شرح لکھی ہے۔

مولوی محمد امجد اُن کے والد محمد امجد مشہور عالم ہیں اور مولانا علی اصغر قنوجی کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اور شرح ہدایۃ الحکمۃ پر حاشیہ لکھا ہے جو ملا صدرا کی تالیفات میں سے ہے۔[۱]

مولوی عبدالصمد مُلا عبدالسّلام کی اولاد میں ہیں۔ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے کے دیوان خالصہ راجا ناگرمل کی سرکار میں ان کے بیٹے کی تعلیم کے لئے مقرر تھے۔ اس دفتر کی ابتری کے بعد شاہجہاں آباد سے فرخ آباد میں مراد خاں مصلی کے دَولت خانہ پر اُترے۔ نواب احمد خاں غالب جنگ نے یہ بات دریافت کر کے بخشی فخرالدولہ کو انھیں بلانے کے لئے بھیجا نواب مظفر جنگ نے اپنے لڑکے کی تعلیم ان کے سپرد کی۔ وہ چند سال بسر کر کے وفات پا گئے۔ ان کے بعد ان کے لڑکے مولوی عبدالباقی اس عہدہ پر مامور ہوئے اور مولوی عبدالصمد تفسیر میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ ان کا ایک رسالہ قرآن مجید کے لغات میں ہے۔ اور ملا عبدالسلام کی وفات ۱۰۲۷ھ مطابق ۱۶۲۷ء میں ہوئی۔ اور وہ میر فتح اللہ شیرازی کے شاگرد ہیں۔

---

[۱] مولوی محمد امجد صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ ملاحظہ ہو (۱) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۹۱۴ ـــ ۲۰۴ (۲) ابجد العلوم ص ۹۳۳ (۳) حدائق الحنفیہ ص ۴۵۷

مولوی عبدالباقی مولوی عبدالباقی مثنوی مولانا روم کے نہایت ماہر تھے۔ انھوں نے مثنوی معنوی کی شرح بھی لکھی ہے جو نہایت عمدہ ہے اور وہ نواب مظفر جنگ کے زمانے میں وطن گئے۔ چند روز بعد انتقال ہوگیا۔[۱]

مولوی فصیح الدین قنوجی قاضی جلال کے بیٹے ہیں۔ نواب غالب جنگ کے زمانے میں بخشی فخرالدولہ کی سرکار میں ان کے لڑکے بدرالدین خاں کی تعلیم کے لئے مامور تھے۔ اسی زمانے میں وفات پائی۔ ان کے ۲ دو لڑکے تھے۔ مولوی علیم الدین اور مولوی نعیم الدین مولوی عبدالباسط کی خدمت میں تعلیم حاصل کی اور مولوی نعیم الدین نے مدرسۂ فخرالمرابع میں تعلیم سے فراغت کی۔ پچاس سال سے کم عمر میں دونوں وفات پا گئے۔

مولوی محمد باقر قصبہ پالی کے بزرگوں میں سے ہیں۔ بخشی فخرالدولہ کی زندگی میں ان کے ساتھی تھے۔ فخرالدولہ کے مارے جانے کے وقت وہ بھی زخمی ہوئے۔ اس کے بعد فرخ آباد سے اپنے مکان چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

مولوی محمد لسان شیخ محمد والی کے بیٹے ہیں۔ قنوج کے بزرگ زادے اور مولوی رستم علی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ مدتوں نواب خدا بندہ خاں اور نواب امین الدولہ کی سرکار میں ملازم رہے۔ نواب حسین علی خاں اور نواب حسن علی خاں کے صاحبزادوں کو تعلیم دیتے تھے اسی طرح عمر بسر کی انہی کی سرکار میں نوکری کی حالت میں وفات پائی۔ شعر و شاعری کی طرف بھی میلان طبع تھا۔ مصرعۂ ذیل ان کی انگوٹھی کے نگینہ پر کھدا ہوا تھا۔ ع

این ذرۂ لسان را دالی محمد ہست

ملک العلما مولانا عبدالعلی مولانا نظام الدین کے فرزند ارشد ہیں اور مولانا نظام الدین مولانا قطب الدین انصاری کے منشی صدرالدین بردوانی کی طلبی پر رام پور سے بنگالہ جاتے وقت فرخ آباد میں وارد ہوتے۔ ۲ دو دن قیام کیا۔ ان کے بیٹے مولوی عبدالنافع

---

[۱] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صـ ۲۳۵

اور مولوی عبد الرب بھی اس شہر میں تشریف لائے ہیں۔

مولانا قطب الدین | مُلا قطب الدین ابن مولوی عبد الحلیم سہالوی جو شیخ عبد اللہ انصاری کی اولاد میں سے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور علماء میں سے ہیں اور انھوں نے علوم شیخ دانیال چوراسی کی خدمت میں حاصل کیے۔ جو مُلا عبد السلام ساکن دیوہ کے شاگرد ہیں، قاضی گھاسی سے بھی تحصیل علوم کی ہے۔ جو شیخ محب اللہ الہ آبادی کے اجل تلامذہ میں سے ہیں۔ اور وہ شیخ ابو سعید کے مرید ہیں۔ جو شیخ عبد القدوس گنگوہی کے نواسے ہیں۔

نقل ہے کہ مُلا قطب الدین بچپن میں بورئے پر لا نبے پڑے ہوئے تھے کہ ایک مجذوب فقیر نے ان کا پیٹ ملا اور کہا کہ یہ علم سے بھرا ہوا ہے۔ اس وقت حاضرین میں سے کسی نے کہا: کہ یہ بچہ عالم ہو گا۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد ظاہر ہو گیا کہ فقیر کی یہ مراد تھی کہ اس کی اولاد علم و فضل سے متصف ہو گی۔ اس زمانہ میں جلیل القدر علماء ہندوستان کی شاگردی کا سلسلہ ان تک پہونچتا ہے۔ ان کی وفات اس طرح پر ہوئی کہ کچھ اطراف کے زمین داروں نے انھیں شب خون

لہ مُلا عبد العلی بحر العلوم بن ملا نظام الدین نے سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم متعارفہ سے فراغت حاصل کر لی اپنے والد کے انتقال کے بعد کمال الدین کی خدمت میں اکتساب فیض کیا ایک خاص واقعہ کی وجہ سے اودھ کی حکومت نے خارج البلد کر دیا۔ ایک مدت تک شاہجہانپور میں رہے۔ ۱۱۷۳ھ میں جب روہیل کھنڈ پر شجاع الدولہ کا قبضہ ہو گیا تو نواب فیض اللہ خاں رئیس رام پور نے مُلا عبد العلی بحر العلوم کو رام پور بلایا اس کے بعد منشی صدر الدین کے بلانے پر بوہار (کلکتہ) پہونچے وہاں سے نواب والاجاہ محمد علی خاں رئیس کرناٹک کی طلبی پر مدراس پہونچے۔ مدراس ہی میں ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں انتقال ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۳۰۴-۳۰۶

(۲) مقالات شبلی جلد سوم ص ۱۱۶-۱۲۵-۱۳۱	(۳) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۱۳۷-۱۴۱
(۴) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۵۹	(۵) ابجد العلوم ص ۹۴۷
(۶) حدائق الحنفیہ ص ۴۶۷	(۷) اخبار الصنادید جلد اول ص ۶۰
(۸) حدیقۃ المرام نمبر شمار ۱۰۵	(۹) نزہۃ الخواطر جلد ہفتم ص ۲۸۲-۲۸۷
(۱۰) ملفوظات شاہ عبد العزیز ص ۸۵	(۱۱) علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد اول ص ۷۳-۷۵

سے شہید کیا[1] میر غلام علی آزاد نے ان کی تاریخ وفات کہی ہے ؎

علامہ بحرِ زاخر فضل و ہنر — در دامن اربابِ طلب ریخت گہر
دلِ خوں شد و تاریخ وفاتش گفتہ — قطب عالم شدہ شہید اکبر

مولانا قطب الدین کی وفات کے وقت چار بیٹے تھے۔

ملا محمد اسعد مولانا قطب الدین کے فرزند اوّل ملا محمد اسعد تھے جنھوں نے اپنے والد بزرگوار سے علوم کی تحصیل کی۔ باپ کی حیات میں بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب تک پہونچے۔ برہان پور کی صدارت پر فائز ہوئے وہیں وفات پائی۔ علامہ دوانی کے قدیم حاشیہ پر انھوں نے حاشیہ لکھا ہے۔ اور ان کے ایک بیٹے غلام مصطفےٰ تھے جنھوں نے مروجہ کتابیں اپنے چچا ملا نظام الدین سے پڑھیں شاہجہاں آباد جاکر قصبۂ ٹانوہ کا عہدہ قضا حاصل کیا۔ وہیں وفات پائی اور دو لڑکے چھوڑے۔ مولانا محمد حسن۔[1] اور مولانا محمد ولی۔[2]

---

[1] ملا قطب الدین شہید سہالوی تمام عمر تدریس و تعلیم میں مشغول رہے۔ قصبۂ سہالی میں عثمانی و انصاری شیوخ مقیم و قابض تھے اور زمینداری کی شرکت کی وجہ سے ہمیشہ نزاع رہتا تھا۔ ایک رات عثمانی شیوخ نے ملا قطب الدین کے مکان پر حملہ کر دیا اور ان کو مار ڈالا۔ ان کے مکان کو آگ لگا دی۔ اس ہنگامے میں انکی تصنیف شرح عقائد دوانی کا حاشیہ بھی تلف ہو گیا۔ کتاب تلویحات ان کی تصنیف سے ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے:-

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص۳۹۰-۳۹۱ — (۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۱۰-۱۹
(۳) احوال علمائے فرنگی محل ص۱۱ — (۴) مقالات شبلی جلد سوم ص۱۰۲-۱۱۴
(۵) مآثر الکرام دفتر اول ص۲۰۹-۲۱۰ — (۶) حدائق الحنفیہ ص۴۲۹
(۷) سبحۃ المرجان ص۷۶ — (۸) ابجد العلوم ص۹۰۴-۹۰۵

[2] ملاحظہ ہو (۱) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۴۰۸
(۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۳۰
(۳) احوال علمائے فرنگی محل ص۱۲-۱۳

مُلّا حسن محمد حسن اپنے زمانے میں جلیل القدر فاضل تھے۔ انھوں نے سُلّم کی شرح اور زواہد ثلاثہ پر حاشیہ لکھا ہے اور ان کی صفی پور کی بیوی سے ایک لڑکا غلام دوست نام تھا جو حجاز کے سفر میں رہزنوں کے ہاتھ سے شہید ہو گیا اور ان کے تین بیٹے۔ مولوی غلام یحییٰ۔ غلام زکریا۔ اور غلام محمد ہیں۔ جو صاحبِ علم و کمال ہیں اور رام پوری بیوی سے بھی کئی فرزند ہیں جن کے نام مولوی محمد اسحاق اور موسیٰ ہیں اور وہ رامپور ہی میں مقیم ہیں

مُلّا محمد ولی مولانا محمد ولی ولد غلام مصطفےٰ نے دو مولوی ظہور اللہ اور مولوی نور اللہ بیٹے چھوڑے۔ مولوی ظہور اللہ نے لکھنؤ میں وفات پائی۔ اور تین لڑکے چھوڑے مولوی نعیم اللہ۔ اسد اللہ۔ رحمت اللہ۔

مُلّا محمد سعید مولوی قطب الدین کے دوسرے بیٹے مولانا محمد سعید ہیں جنھوں نے باپ کے شب خون کے ہنگامہ میں شدید زخم کھائے لیکن زندہ رہے تندرست ہوئے

۱؎ ملا حسن بھی ملا بحر العلوم کی طرح لکھنؤ سے خارج البلد ہوئے۔ نواب فیض اللہ خاں نے رام پور میں بلا لیا تھا۔ تمام عمر رہے نکاح بھی وہیں کر لیا تھا شرح سلم اور حواشی زواہد ثلاثہ کے علاوہ شرح مسلم الثبوت (تا مبادی الاحکام) معارج العلوم (منطق) غایت العلوم (طبیعات) حاشیہ بر شرح ہدایۃ الحکمۃ صدر الدین شیرازی اور حاشیہ شمس بازغہ بھی ان کی تصانیف سے ہیں۔ تذکرہ کاملان رام پور و نزہۃ الخواطر کی روایت کے مطابق ۱۱۹۹ھ مطابق ۸۵-۱۷۸۴ء اور تذکرہ علمائے فرنگی محل کی روایت کے مطابق ۱۲۰۹ھ مطابق ۹۵-۱۷۹۴ء میں رام پور میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو: (۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۴۲۵-۴۲۶ (۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۴۶-۴۹ (۳) تذکرہ کاملان رام پور ص ۳۵۱ (۴) نزہۃ الخواطر جلد ششم ص ۲۹۶-۲۹۸ (۵) ابجد العلوم ص ۹۲۶-۹۲۷ (۶) گل رحمت (قلمی) ورق ۵۵

۲؎ ملا محمد ولی فرنگی محلی، ملا نظام الدین کے شاگرد تھے پرگنہ ملانواں (مضاف لکھنؤ) کے قاضی تھے۔ بعد از اں مستعفی ہو کر اپنے گھر پر قیام کیا اور تدریس علوم میں آخر وقت تک مشغول رہے۔ شرح سلم الثبوت اور حواشی زواہد ثلاثہ ان سے یادگار ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔ (۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۴۸۳ (۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۱۹۶ (۳) احوال علمائے فرنگی محل ص ۸۸

کے بعد عالمگیر اورنگ زیب کے دربار میں دادخواہ بن کر پہونچے۔ بادشاہ نے عالموں کو دادرسی کا حکم دیا۔ حویلی فرنگی محل جو سرکاری تھی مُلّا قطب الدین کے اہل وعیال کے رہنے کے لئے مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد ان کی وفات بادشاہی لشکر میں ہوئی[۱] اور وفات کے وقت ان کے دو بیٹے تھے۔ مولانا احمد عبدالحق۔ اور مولانا عبدالعزیز۔

ملا احمد عبدالحق

مولانا احمد عبدالحق نے تمام درسی کتابیں مولانا نظام الدین سے پڑھیں اور ایک مُدت تک طلبا کو پڑھایا۔ اور احمد عبدالحق، شاہ عبدالرزّاق بانسوی کے ارادتمند تھے۔ انھوں نے سلّم پر ایک شرح اور حاشیہ لکھا ہے۔ حاشیہ زاہدیہ متعلق شرح تہذیب پر ایک حاشیہ لکھا ہے اور حاشیہ زاہدیہ متعلق شرح مواقف پر بھی ایک حاشیہ لکھا ہے۔ وقت وفات تین لڑکے چھوڑے[۲]۔ سب سے بڑے مُلّا محمد محب اللہ ہیں جنھوں نے درسی کتابیں مُلّا نظام الدین سے پڑھیں اور ان کے تین بیٹے ہیں۔ مولوی محمد مبین[۱]۔ مولوی حبیب اللہ[۲] مولوی محمد اسحٰق[۳]۔

مولوی محمد مبین

مولوی محمد مبین درس وتدریس میں مشغول رہتے ہیں شاگردوں کی تعداد بھی بہت ہے عمدہ تصانیف یعنی شرح سلّم اور مسلم اور حواشی بر زواہد ثلاثہ لکھے ہیں۔ یہ سب تعریف سے مستثنیٰ ہیں[۳] اور ان کے کئی باکمال فرزند تھے۔ ان میں سے مولوی حیدر ہیں۔ جو سفر حجاز کے بعد حیدرآباد پہونچے اور وہاں عزت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور مولوی صفدر کا انتقال ہوگیا۔ مولوی محمد مبین لکھنؤ میں درس دیتے ہیں۔

۱؎ ملاحظہ ہو (۱) تذکرہ علمائے ہند ص۱۴۳ (۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۶۲-۶۳

۲؎ ملا احمد عبدالحق کا انتقال ۷ ذی الحجہ ۱۱۶۶ھ میں ہوا تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص۹۳ (۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ۲۳-۲۵ (۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۲۳-۲۵

۳؎ ملا محمد مبین لکھنوی کی تصنیفات میں وسیلۃ النجات (حالات اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) ترجمہ حکایات الصالحین شرح اسماء حسنیٰ، شرح تبصرہ (تصوف) زبدۃ الفوائد (بیان سحر رمضان) کنز الحسنات فی ایثار الزکوٰۃ وغیرہ ہیں ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء کو انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو (۱) تذکرہ علمائے ہند ص۱۶۹

(۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ۱۶۲-۱۶۴

مولوی ولی اللہ مولوی حبیب اللہ صاحب فضل وکمال تھے انھوں نے چار بیٹے چھوڑے ہیں۔ایک مولوی ولی اللہ جو بے نظیر عالم ہیں۔گویا اپنے خاندان کے عطر ہیں۔اکثر کتابوں پر ان کی شروح اور حاشئے ہیں۔جیسے تفسیر قرآن مجید۔اور شرح ہدایہ جو فقہ میں ہے۔اور شرح سلّم اور مسلم اور حواشی زواہد ثلثہ اور حاشیہ شرح ہدایۂ حکمت جو ملا صدرا کی یادگار ہے اور حاشیہ شرح عقائد عضدیہ (بر مبحث حدوث عالم) وغیرہ اور ان کمالات کے باوجود اخلاق کریمہ سے متصف ہیں۔ان دنوں ان اطراف میں آئے ہوئے ہیں۔بندۂ راقم کو ان کے ساتھ بہت محبت و عقیدت ہے۔دوسرے بیٹے مولوی نعیم اللہ جو باوجود فضل وکمال کے خطِ نسخ بطور یاقوت قلم خاں کے خوب لکھتے ہیں۔جو دیکھنے کے اور آنکھوں میں جگہ دینے کے قابل ہوتا ہے اور دوسرے تین بھائی سلام اللہ۔مولوی علیم اللہ۔مولوی حفیظ اللہ ہیں۔ان میں سے علیم اللہ کا انتقال ہوگیا اور حفیظ اللہ زندہ ہیں۔

مولوی انوار الحق ملا احمد عبد الحق کے فرزند اوسط مولوی انوار الحق ہیں۔جو تمام امور ظاہرے آخر تک کنارہ کئے رہے۔یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔اس شغل میں وفات پائی۔[۱] ان کے پانچ لڑکے تھے۔مولوی نور الحق۔مولوی علاء الدین۔اسرار الحق۔محمد صمد۔ان میں سے مولوی نور الحق انتقال کر گئے۔اور ان کے دو بیٹے ہیں سراج الحق اور برہان الحق۔

مولوی علاء الدین علاء الدین ملک العلماء مولانا عبد العلی کے داماد ہیں۔مولانا کی وفات کے بعد مدراس میں مشغلۂ تدریس میں رہے۔پھر

۱؎ ملا احمد نور الحق نے درسی کتابیں مولوی احمد حسین اور ملا محمد حسن سے پڑھیں اور تکمیل ملا عبد العلی بحر العلوم کی خدمت میں کی مجاہدہ اور ریاضت میں وقت صرف کرتے تھے ۲۶ر شعبان ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء کو انتقال ہوا۔ "رحمت حق بروح انور باد" سے تاریخ انتقال نکلتی ہے۔تفصیل کے لئے دیکھیے:۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۹۴ (۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ۲۵-۲۸

(۳) احوال علمائے فرنگی محل ص ۱۳-۱۴ (۴) آثار الاول من علمائے فرنگی محل ص ۶-۷

وفات پائی[۱] اور اسرار الحق نے باپ کی زندگی ہی میں وفات پائی اور ان کا ایک لڑکا امین الحق ہے اور محمد احمد اور محمد صمد زندہ ہیں۔ چھوٹے مولوی اسرار الحق ہیں۔ جو حافظ قرآن ہیں۔ اور مجموعہ علم و تقویٰ ہیں۔

مولوی عبدالعزیز مولوی عبدالعزیز بن ملا سعید نے اپنی وفات کے بعد ایک صاحبزادے مولوی یعقوب یادگار چھوڑے۔ جو فقہ، اصول، تقویٰ اور طہارت میں اپنا شریک نہ رکھتے تھے۔ انھوں نے بعد وفات چار لڑکے چھوڑے۔ مولوی عبدالقدوس[۱]، ابوالفضل[۲]، ابوالکرم[۳]، ابوالرحم[۴]۔ سب عالم و فاضل اور متقی ہوئے۔ ان میں سے عبدالقدوس زندہ ہیں۔ اور باقی تین کی باکمال اولاد ہے۔

مُلّا نظام الدین مُلّا قطب الدین کے تیسرے فرزند مُلّا نظام الدین ہیں[۲] جنھیں دُنیا کے علما کا اُستاد کہہ سکتے ہیں۔ مولانا شیخ کمال الدین فتح پوری اور مولانا حمداللہ سندیلوی ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ درمیانی کتابیں اپنے والد مُلّا قطب الدین سے پڑھیں اور شہادت

۱ھ مُلّا علاء الدین فرنگی محلی نے کچھ دنوں تحصیل علم مُلّا محمد حسین فرنگی محلی سے کی اس کے بعد اپنے چچا ملا احمد اظہار الحق سے بانس بریلی (روہیل کھنڈ) میں استفادہ کیا ان کی تصنیف میں شرح فصول اکبری ہے ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں مدراس میں انتقال ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ ملاحظہ ہو:۔ (۱) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۳۴۰

(۲) احوال علمائے فرنگی محل ص ۳۷-۳۸ (۳) حدیقۃ المرام نمبر شمار ۱۰۷

۲ھ ملا نظام الدین کی تاریخ انتقال تذکرہ علمائے ہند نیز دیگر تذکروں میں ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء تحریر ہے ملا نظام الدین کی تصانیف میں شرح تحریر الاصول لابن الہمام، شرح عقائد جلالی، حاشیہ حواشی قدیم دوانیہ، حاشیہ شمس بازغہ شرح رسالہ مبارزیہ اور مناقب رزاقیہ بھی قابل ذکر ہیں۔ شمس العلما محمد شبلی نعمانی کی تحقیق کے بموجب درس نظامیہ ان ہی ملا نظام الدین سہالوی کے نام سے منسوب ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے:۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۵۲۶ - ۵۲۷ (۲) احوال علمائے فرنگی محل صفحہ ۹ - ۱۰ - ۷۷

(۳) مقالات شبلی جلد سوم صفحہ ۹۱ - ۱۰۱ - ۱۱۴ - ۱۱۶ (۴) مآثر الکرام دفتر اول صفحہ ۲۲۰ - ۲۲۴

(۵) حدائق الحنفیہ ص ۴۴۵ (۶) سبحۃ المرجان ص ۹۴ (۷) ابجد العلوم ص ۹۱۱

کے بعد حافظ امان اللہ بنارسی سے جو محکم الاصول کے مصنف ہیں بقیہ کتابیں ختم کیں۔ اور ملا غلام نقش بند کی خدمت میں فاتحہ فراغ پڑھی ۹ رجمادی الاوّل ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء میں وفات پائی۔ اور ملّا غلام نقش بند نے ۱۱۲۶ھ ۱۷۱۴ء میں وفات پائی۔ ملّا نظام الدین شیخ عبدالرزاق قدوائی بانسوی کے مرید تھے۔ ان کی مسلم الثبوت پر ایک شرح ہے۔ اور شرح عقائد عضدیہ (مبحث حدوث) پر ایک حاشیہ ہے۔ اور شرح ہدایۂ حکمت جو ملّا صدرا کی ہے۔ اس پر بھی حاشیہ لکھا ہے۔ اور صبح صادق (شرح منار) پر بھی حاشیہ لکھا ہے جتنی ان کی تعریف کی جائے کم ہے۔

ملّا عبدالعلی بحرالعلوم اللہ پاک نے ان (ملا نظام الدین) کو ایک فرزند عطا فرمایا۔ جن کا نام ملک العلماء مولانا عبدالعلی ہے۔ جو اپنے زمانے میں فخرِ اوّلین و آخرین ہوئے۔ ان کی تصانیف مدرّسوں اور طالب علموں کے ہاتھوں میں مقاصد کی دستاویز ہیں۔ جیسے شرح مسلم الثبوت اور شرح مسلم الثبوت اور شرح سلّم العلوم معہ تعلیقات اور حاشیہ بر زواہد ثلاثہ اور حاشیہ شرح حکمت العین جو ملّا صدرا کی ہے۔ اور حاشیہ بر شمس بازغہ اور فقہ میں ارکان اربعہ وغیرہ۔ اور شہر چنا پٹن میں چوتھی ماہ رجب ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء میں وفات پائی۔[1] جو مدراس کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ ایک مولوی عبدالاعلیٰ فاضل و کامل جو باپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ اور دو بیٹے مولوی عبدالواحد اور مولوی عبدالواجد چھوڑے۔

مولوی عبدالعلی کے دوسرے مولوی عبدالنافع جن کے بیٹے مولوی محمد جامع موجود ہیں۔ ملا عبدالعلی کے تیسرے فرزند مولوی عبدالرب ہیں جن کی سخاوت طلبا اور فقرا میں ضرب المثل ہے ان کے لڑکے مولوی عبدالحکیم ہیں۔

مولوی محمد رضا ملّا قطب الدین کے چوتھے مولانا محمد رضا جنھوں نے علوم مولانا نظام الدین سے پڑھے اور سلّم پر انھوں نے بھی شرح لکھی ہے۔ انھوں نے سفر حجاز کیا اور

---

[1] ملک العلماء ملا عبدالعلی بحرالعلوم کی تاریخ انتقال ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء غلط ہے۔ مختلف مآخذ میں ۱۲۳۵ھ ۱۸۱۹-۲۰ء پائی جاتی ہے۔

اسی مقدس جگہ ان کا انتقال کیا[51]۔ ان کے بیٹے مولانا عبدالحی اور مولانا احمد حسین مشہور علماء میں سے ہوئے ہیں۔ عبدالحق لاولد مرے۔ احمد حسین کے ایک لڑکے مولوی سعدالدین ہیں۔ مولانا احمد حسین مولانا ذوالفقار علی ساکن دیوہ کے استاد رہے ہیں۔ فقہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا اور احمد حسین ہر کتاب کا مطلب بیان کرتے وقت مصنّف کی طرفداری کرتے تھے۔

مولوی سید علیم اللہ شاہجہان پوری

مولانا عبدالعلی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ یہ مولوی علیم اللہ۔ مولوی حبیب اللہ اور مولوی شریعت اللہ، ملک العلما کے حضور میں ایک ہی محفل میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ پرہیزگاری اور پاکیزگی میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے شاہجہان پور کے لوگ ان پر پورا اعتماد رکھتے تھے کئی بار سوداگروں کے ساتھ فرخ آباد تشریف لائے ہیں۔ یہ راقم ان کی ملاقات سے خوش ہوا[52]۔

مولوی محمد اکرم ولد ارشد مولوی شیخ محمد خاں شاہجہانپوری،

چند بار تجارت کے سلسلے میں فرخ آباد آئے ہیں۔ راقم نے انھیں جامع مسجد میں دیکھا۔ مولوی شیخ محمد خاں اس شہر کے مشہور عالموں سے ہیں۔ حاجی صفت اللہ خیرآبادی کے شاگرد ہیں۔ نواب احمد خاں غالب جنگ ان کا نہایت احترام کرتے تھے[53]۔

مولوی احمد خاں شاہجہان پوری

یہ مولانا محمد طاہر عرف موتی میاں کے بیٹے ہیں۔ نواب عمادالملک وزیر کے فرخ آباد کے قیام کے زمانہ میں فرخ آباد آئے۔ عمادالملک کی سرکار میں

---

۵۱ مولوی محمد رضا بھی شاہ عبدالرزاق بانسوی سے بیعت تھے۔ زیارت حرمین شریفین سے واپسی کے وقت بغداد میں انتقال ہوا۔ شرح مسلم کے علاوہ مسلم الثبوت کی بھی شرح لکھی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص۲۴۳ (۲) تذکرہ علمائے فرنگی محل ص۵۹

(۳) احوال علمائے فرنگی محل ص۳۲-۳۳

۵۲ ملاحظہ ہو تاریخ شاہجہانپور۔ صفحہ ۱۶۳

۵۳ مولوی محمد اکرم کے والد مولوی شیخ محمد خاں ابن عبدالرحمن نہایت عالم فاضل اور متقی و پرہیزگار تھے ان کے نامور فرزند مولوی محمد اکرم تھے ملاحظہ ہو تاریخ شاہجہان پور ص۱۵۸-۱۵۹

عزت سے زندگی بسر کی۔ عماد الملک کے جانے کے بعد بھی یہیں رہے۔ اور ایک عورت سے جو بنگش قبیلے سے تھی نکاح کیا۔ اس سے مولوی نصیر الدین پیدا ہوئے۔ پھر اطراف بنگال میں جاکر قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ مرشد آباد میں وفات پائی۔ وہیں دفن ہوئے۔

اور موتی میاں حاجی صفت اللہ خیرآبادی کے شاگرد ہیں۔ دیانت اور تقویٰ، پاکیزگی اور دینداری میں یگانۂ روزگار تھے[1]۔ تین بیٹے چھوڑے۔ مولوی احمد اور مولوی مجد الدین عرف مولوی مدن۔

مولوی مجد الدین عرف مولوی مدن

مولوی مدن جو مولوی دہاج الدین ولد مولانا قطب الدین گوپاموی کے شاگرد تھے اور علمی کمالات میں ہم عصروں سے سبقت لے گئے دوبارہ فرخ آباد آئے۔ آخر میں شہر بریلی میں ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۸۱۳ء میں وفات پائی۔

---

[1] مولوی احمد خاں کا عرف مولوی منوں تھا تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ شاہ جہاں پور صفحہ ۱۴۷-۱۴۸

[2] مولوی مدن کا نام مجد الدین احمد بن مولوی محمد طاہر ہے بڑے جید عالم اور فاضل علوم معقول و منقول تھے خصوصاً معقولات میں بڑا کمال حاصل تھا انھوں نے تحصیل علم اپنے والد سے اور تکمیل مولوی دہاج الدین گوپاموی سے کی۔ نواب سعادت علی خاں کے زمانے میں حاکم عدالت العالیہ رہے مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس رہے۔ ۱۴ مئی ۱۸۰۶ء کو مدرسی سے سبک دوش ہوئے گورنر جنرل نے دو سو روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ پنشن لینے کے بعد بریلی میں قیام کیا مقبرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں میں رہتے تھے اور وہیں طلبا کو درس دیتے تھے۔ ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں انتقال ہوا۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے گنبد کے قریب پختہ مزار ہے ان کے تلامذہ میں شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی مشہور ہیں۔ مولوی مدن حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے علوم معقول پر گفتگو کرنے کے لئے دہلی پہونچے اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین جب بریلی آئے تو ان سے بھی علمی مذاکرہ رہا کچھ مدت مولوی مدن کا بدایوں بھی قیام رہا ہے سوتھ محلہ میں رہتے تھے۔ بدایوں کے زمانۂ قیام میں مولوی مدن نے ایک قرآن کریم لکھا تھا۔ یہ قرآن کریم مرتب کی پھوپی مرحومہ ملانی غفور النساء (ف ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۶۲ء بروز پنجشنبہ) زوجہ چودھری حاجی شمس الدین زمیندار اوجھیانی ضلع بدایوں کے پاس تھا نہایت خوشخط لکھا ہوا تھا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے (۱) تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۱۴۷-۱۵۳ (۲) تاریخ مدرسۂ عالیہ کلکتہ صفحہ ۱۴۱-۵۱ (۳) کمالات عزیزی حصہ سوم (۴) تذکرہ کاملان رامپور صفحہ

مولوی سدید الدین عرف مولوی سدّن

تیسرے بیٹے مولوی سدید الدین عرف مولوی سدّن ہیں جو علوم عقلیہ اور نقلیہ میں مشہور زمانہ تھے اور نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں وزیر۔ ان کا نہایت احترام کرتے تھے لکھنؤ میں وفات پائی۔ اور وہیں کے اطراف میں دفن ہوئے[1]۔

مولوی قطب الدین شاہجہانپوری

ان پر درویشی غالب تھی۔ اور سیاحت کے سلسلے میں بہت سے بزرگ مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی وغیرہ سے ملاقات کی تھی۔ ۲۶ ماہ ربیع الاوّل کو ۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۳ء کو وفات پائی[2]۔

مولوی محمد غوث

مولوی قطب الدین کے بھائی ہیں۔ کچھ مُدّت سندیلہ میں مولوی باب اللہ کی خدمت میں اور کچھ مُدّت گوپامئو میں مولوی تاج الدین کی خدمت میں درسیہ کتابیں پڑھیں۔ مولانا کمال الدین کی خدمت میں فراغت حاصل کی۔ توکل و قناعت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ عاشق مزاج تھے۔ اکثر حسینوں سے میلان رکھتے تھے۔ آخر عمر میں بیمار ہو کر انتقال کیا۔ شاہجہانپور میں اپنے بھائی مولوی قطب الدین کی قبر کے پاس دفن ہوئے[3]۔

مولوی عبد الجبّار

فضل و کمال والے خاندان سے ہیں۔ کئی بار فرّخ آباد آئے اور راقم سے مُلاقاتیں کیں۔ زندہ ہیں خدا سلامت رکھے[4]۔

---

[1] نواب وزیر اودھ سعادت علی خاں مولوی سدّن کے شاگرد تھے۔ نواب سعادت علی خاں نے تخت نشین ہونے کے بعد نہایت اعزاز فرمایا حاکم عدالت دیوانی و مرافعہ رہے۔ مولوی عبدالرحمٰن موحد لکھنوی سے حسنِ اعتقاد رکھتے تھے تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۱۵۲ - ۱۵۶

[2] مولف تاریخ شاہ جہاں پور نے مولوی قطب الدین نام کے دو علما کا مختصر سا ذکر کیا ہے اور دونوں کے حالات مبہم ہیں لہذا تطبیق نہیں ہو سکی ملاحظہ ہو تاریخ شاہجہان پور۔ ص ۱۶۱-۱۶۸

[3] ملاحظہ ہو تاریخ شاہجہانپور ص ۱۶۲

[4] ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر جلد ہفتم ص ۹۷ - ۲۳۷

مولوی فضل اللہ بہاری

شہر بہار کے بزرگوں میں سے ہیں۔ شروع جوانی میں فرخ آباد آئے۔ قاضی سید محمد مرتی کی خدمت میں چند کتابیں پڑھیں مولانا محمد حسن لکھنوی کی خدمت میں تکمیل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر شیخ محمد ماہ جوہری لکھنوی کے مرید ہوئے۔ پھر فرخ آباد آکر مولوی کرامت اللہ واعظ دہلوی کی بیٹی سے نکاح کیا گوشہ نشین ہو کر قناعت سے زندگی بسر کی ۱۱۸۲ھ ۱۷۶۸ء میں اس عالم فانی سے کوچ کر گئے۔ امام خاں سوداگر کے باغ میں دفن ہوئے۔ راقم نے چند درمیانی کتابیں اُن سے پڑھیں۔

مولوی کرامتُ اللہ شاہجہان آبادی

نواب احمد خاں کے زمانے میں شہر فرخ آباد میں آئے۔ قناعت اور توکل کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور نماز جمعہ کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔ جس سے بہت لوگ محظوظ ہوتے تھے۔ نواب مظفر جنگ کے زمانے تک زندہ تھے۔ پھر وفات پائی۔[۵۱]

مولوی بدل خاں عرف بدن خاں

بنگش استرزئی افغانوں کی قوم سے ہیں۔ سب سے پہلے مولوی محمد عیاض کی خدمت میں صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد متوسطات مولوی حسن علی بدایونی کی خدمت میں اور مطولات مولوی عبدالرحیم سندھی کی خدمت میں پڑھیں اس کے بعد سید زاہد علی جونپوری کے مرید ہوئے گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ گوشہ نشینی اور فقر و قناعت میں عدیم المثل تھے۔ پانچ شعبان ۱۲۴۱ھ ۱۸۲۶ء میں وفات پائی۔[۵۲]

مولوی عبدالرحیم سندھی

شہر ٹھٹہ کے بزرگ زادوں میں سے ہیں۔ شروع جوانی میں علوم رسمیہ کی تحصیل کے بعد شہر الہ آباد میں آئے معقولات

---

۵۱ ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر جلد ہفتم ۳۹۷

۵۲ ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر جلد ہفتم ۹۷

کی کتابیں مولوی غلام حسین دکھنی کی خدمت میں پڑھیں۔ فارغ التحصیل ہوکر فرخ آباد آئے میاں محمد صلاح مرحوم کے مکان پر اُترے۔ چند سال ٹھہرے۔ لوگوں کو فائدہ پہونچایا۔ پھر اپنے وطن لوٹ گئے۔

مولوی سید دائم علی کڑہ کے سیدوں میں سے ہیں قصبات میں علوم حاصل کئے۔ مولانا کمال الدین فتح پوری کی خدمت میں فارغ التحصیل ہوئے۔ نواب سعداللہ خاں ولد علی محمد خاں اور نواب عنایت خاں ولد حافظ رحمت خاں کی سرکار میں ملازم ہوئے انھیں دنوں میں شہر فرخ آباد آئے۔ حکیم ثناء اللہ کی بیٹی سے نکاح کیا اور اس سے چار بیٹے یادگار چھوڑے۔ ان میں سے ایک مولوی غلام ضامن فارسی۔ عربی۔ معقول منقول اور طب میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ اور شعر بھی کہتے۔ ذیل کا شعر ان ہی کا ہے ؎

چیست جہان میزبان صحن فلک خوانِ او — بو قلمونی دہر نعمتِ الوانِ او
یک دہ بسر گشتہ خود جاکن و برخیز — بنشیں نفسے کار مسیحا کن و برخیز

ان کے قیام کے زمانے میں راقم نے موجز اور شرح اسباب ان سے پڑھیں۔ مجھ پر بہت مہربانی فرماتے تھے۔ سنہ ۱۱۹۸ھ-۱۷۸۳ء میں وفات پائی۔

مولوی عشق حسین کرڑوی مولانا کمال الدین فتح پوری کے اعلیٰ شاگردوں میں سے ہیں۔ نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانے میں شہر فرخ آباد آئے۔ حکیم سیف اللہ خاں کے مکان پر اُترے۔ اس کے بعد اپنے وطن جاکر وفات پائی۔

مولوی سید عماد علی بدایونی اکثر علوم درسیہ قصبات میں حاصل کئے۔ فارغ التحصیل ملک العلما مولانا عبدالعلی کی خدمت میں ہوئے۔ تعلیم و تدریس مشغلہ تھا۔ ان کی

ا؎ ملاحظہ ہو:۔
نزہۃ الخواطر جلد ششم صفحہ ۶۲

وفات کے بعد ان کے لڑکے عبدالعلی نامی فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور حکام وقت سے جو سالانہ مقرر تھا اسی پر قناعت کرتے تھے۔

مولوی حسن علی بدایونی تصبات میں تحصیل علوم کرکے مولانا محمد برکت الہ آبادی کی خدمت میں فراغت حاصل کی۔ پہلے حاجی محمد یٰسین الہ آبادی کے مرید ہوئے۔ اور جس وقت حاجی محمد یٰسین فرخ آباد میں تھے۔ ایک معینہ رقم نواب عمادالملک وزیر کی سرکار سے ان کے لئے مقرر تھی۔ کچھ مدت کے بعد فرخ آباد سے شاہجہاں آباد جاکر مولانا فخرالدین کے معتقد ہوئے پھر کچھ دن کے بعد بندیل کھنڈ گئے۔ وہاں کے پٹھان ان کی خدمت کرتے تھے۔ وہیں وفات پائی۔ کچھ مدت بعد ان کے بیٹے مولوی عبدالرزاق نے بھی وہیں وفات پائی[1]۔

مولوی حبیب اللہ علی گنج میں رہتے تھے۔ اکثر فرخ آباد آیا کرتے تھے۔ ان کا وظیفہ مقرر تھا جو ان کو پہونچتا رہتا تھا۔ ملا قطب الدین گوپاموی کے شاگرد تھے فقیرانہ مزاج تھے۔ گھر کا سارا سامان بیچ کر راستہ میں کنواں بنوایا کہ راہ گیر اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ وفات کے بعد چند بیٹے چھوڑے۔ سب سے بڑے شاہ پیر بخش ہیں انھوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کی ہیں۔ فقیرانہ زندگی گزارتے ہیں[2]۔

مولوی محمد صدیق راجپوت قوم سے ہیں۔ اسلام لانے کے بعد گوپامئو کے فضلاء سے تحصیل علوم کی اور ریاضیات میں ہیئت، ہندسہ اور حساب

---

[1] مولوی حسن علی بن شیخ عبداللطیف حمیدی علوم ظاہری باطنی کے جامع تھے صاحب تذکرۃ الواصلین کا بیان ہے کہ اپنے مرشد شاہ فخر دہلوی کے حکم کے مطابق سیونی چھپارہ ملک دکن میں ہدایت مخلوق کی غرض سے مقیم ہوگئے وہیں انتقال ہوا۔ مولوی حسن علی بدایونی کے دو صاحبزادے مولوی عبدالرزاق اور عبدالباقی تھے۔ عبدالباقی کی اولاد سے سلسلہ نسل چلا۔ تفصیل کے لئے تذکرۃ الواصلین صفحہ ۲۴۱ - ۲۴۳

[2] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ششم صفحہ ۶۲

مرزا خیر اللہ شاہجہاں آبادی سے حاصل کیے۔ اپنے گاؤں میں رہتے تھے۔ اور اکثر فرخ آباد آتے تھے اور اپنے ہی گاؤں میں جو فرخ آباد کا علاقہ ہے وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

مولوی ظہور محمد اور قادر شاہ

یہ دو بھائی تھے جو علم و فضل میں کامل تھے۔ نواب قائم جنگ اور ان کے متعلقین کی محبت کے سبب موضع اٹھیٹی میں جو فرخ آباد کے قریب ہے رہنے لگے وہیں وفات پائی اور دفن ہوئے۔

مولوی نصیر الدین

مولوی ظہور محمد کی وفات کے بعد مولوی نصیر الدین ولد مولوی ظہور محمد نے بھی قصبات میں تحصیل علوم کی۔ یاد الٰہی میں وقت گزارتے تھے[۵۱] ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مکان اور باغ پر قابض ہیں۔

مولوی غلام نبی بلگرامی

یہ مولوی اسمٰعیل بلگرامی کے بھتیجے ہیں۔ جو شاہ عبد الرزاق بانسوی کے ایک بزرگ خلیفہ ہیں۔ اور کمال الدین کی خدمت میں فارغ التحصیل ہوئے۔ نواب غالب جنگ کے زمانہ میں فرخ آباد آئے۔ بخشی رحمت خاں کی سرکار میں رہے۔ عزت سے زندگی بسر کی اور اس زمانے کے انقلاب کے بعد بلگرام گئے۔ ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۷۹۶ء میں وفات پائی[۵۲]۔ اور ان کے ایک بیٹے جامع فضل و کمال سید محمد نام ہیں۔ خدائے تعالےٰ سلامت رکھے۔ میر اسماعیل کی وفات[۵۳] ۴ ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ مطابق ۱۷۵۱ء میں ہوئی۔

مولوی غلام علی آزاد۔ بلگرامی

ان (مولوی سید امیر حیدر) کے دادا سید غلام علی آزاد بڑے عالم اور عربی فارسی کے شاعر ہیں ان کی بڑی بڑی تصانیف مثلاً سبحۃ المرجان۔ خزانۂ عامرہ۔ ید بیضا۔ سرو آزاد۔ غزلان الہند۔ ماٰثر الکرام مشہور ہیں انھوں نے ماٰثر الکرام میں اپنا حال اس طرح لکھا ہے کہ ان کی پیدائش ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ مطابق ۱۷۰۴ء کو ہوئی اور میر محمد طفیل سے درسی کتب پڑھیں۔ اور حدیث و لغت کی کتابیں اپنے نانا سے جن کا نام

---

۵۱ ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۵۰۱-۵۰۲ ۵۳ ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۳۶۲

میر عبد الجلیل بلگرامی تھا۔ اور عروض و قافیہ اپنے خالو میر سید محمد بلگرامی سے اور علم طریقت سید لطف اللہ عرف شاہ لدّھا سے حاصل کیا۔ سنہ ۱۱۵۰ھ مطابق ۱۷۳۷ء میں حرمین شریفین کی زیارت کی۔ شیخ محمد حیات اور شیخ عبد الوہاب طنطاوی کی خدمت میں قرأت سیکھی اور کتب حدیث کی اجازت ملی اور سفر حجاز سے لوٹ کر اورنگ آباد دکن میں مقیم ہوئے۔ عمر عزت سے بسر کی۔ سنہ ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء میں وفات پائی[1]۔ قصبہ روضہ (گلبرگہ) میں شاہ برہان الدین کی قبر کے نزدیک دفن ہوئے۔

مولوی امیر حیدر بلگرامی

امیر حیدر کے والد سید نور الحسین نامی ایام جوانی میں بلگرام کے تالاب میں نہاتے وقت ڈوب گئے اس وقت سید امیر حیدر تین برس کے تھے۔ ان کی پیدائش سنہ ۱۱۶۵ھ مطابق ۵۲-۱۷۵۱ء میں ہوئی۔ شروع میں تحصیل علوم بلگرام میں میر سید محمد متخلص بہ شاعر کی خدمت میں کی اس کے بعد اپنے دادا کی خدمت میں اورنگ آباد جا کر تربیت حاصل کی۔ مولانا نور الہدیٰ، مولانا سید قمر الدین اورنگ آبادی کے بڑے بیٹے کی خدمت میں تمام کتابیں پڑھیں۔ اور علم طب اور مطب حکیم عبد السّلام برہان پوری سے حاصل کیا۔ یگانۂ روزگار ہوئے۔ سید غلام علی آزاد کی وفات کے بعد اورنگ آباد سے بلگرام آ کر رہنے لگے۔ تھوڑے دن کے بعد عہدۂ افتا، عدالت کل پرشہر کلکتہ

---

[1] میر غلام علی آزاد بلگرامی کی تصنیفات میں ضوء الدراری شرح صحیح بخاری (نا تمام) (کتاب الذکر) تسلیۃ الفواد (قصائد) روضۃ الاولیاء، سند السادات فی حسن خاتمۃ السادات، دیوان فارسی، مظہر البرکات۔ سبعہ سیارہ وغیرہ بھی ذکر کے قابل ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۳۶۲ - ۳۶۳
(۲) مقالات شبلی جلد پنجم صفحہ ۱۱۲ - ۱۲۸
(۳) مآثر الکرام دفتر اوّل صفحہ ۱۶۱-۱۶۴-۳۰۳-۳۱۱
(۴) قاموس الاعلام صفحہ ۳۲ - ۳۵
(۵) حدائق الحنفیہ صفحہ ۳۵۴ - ۳۵۶
(۶) نزہۃ الخواطر جلد ششم صفحہ ۲۰۱ - ۲۰۵
(۷) خزانہ عامرہ صفحہ ۱۳۳ - ۱۴۵
(۸) سبحۃ المرجان صفحہ ۱۱۸
(۹) روضۃ الاولیا صفحہ ۴۵ - ۴۶
(۱۰) تذکرہ بے نظیر صفحہ ۲-۱۵- (۱۱) اتحاف النبلاء صفحہ ۳۳۰-۳۳۵ (۱۲) معارف (اعظم گڑھ)

میں مامور ہوئے۔ اچھی طرح بسر کی۔ اور اہل عدالت ان کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ کئی سال بعد اپنے وطن کے ارادہ سے بلگرام آرہے تھے کہ راستہ میں مرشد آباد پہونچتے وقت ان کے ہاتھ میں پھوڑا نکل آیا اور اس کی تکلیف سے انتقال کر گئے۔ اور یہ واقعہ ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء کا ہے۔ کسی نے ان کی تاریخ انتقال کہی ہے:۔

وائے ویلا میر حیدر رفت

اور کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ذیل کے اشعار ان ہی کے ہیں:۔

این نہ گویم کہ مرا از قفس آزاد کنید — در چمن موسم گل نام مرا یاد کنید

بمیدان محبت تیغ و خنجر را کہ می پرسد

کہ قتل عاشقاں از تیغ ابروے تو می شاید

گرہ ز خاطر مسکیں کشا سرت گردم — کشودہ بند قبا در بر آ سرت گردم

بگوشہ رفتہ تواں کرد جان من معلوم — کہ جیست ما تو مرا مدعا سرت گردم

اور میر سید محمد میر عبد الجلیل کے بیٹے فرشتہ خصلت تھے۔ سن وفات ۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۷۹ء ہے۔ ان کا ایک دیوان ہے تخلص شاعر ہے۔ شروع دیوان کی غزل کے اشعار ذیل میں لکھے جاتے ہیں:۔

آں کہ بخشیدہ است رونق مصحف روئے ترا — راد حسنت مد بسم اللہ گیسوئے ترا

۱؎ مولوی امیر حیدر دس سال تک کلکتہ میں مفتی رہے ان کی تصنیف سے صرف و نحو میں دو رسالے ہیں۔ ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۸۱

۲؎ سید محمد بلگرامی بن سید عبد الجلیل علم و ادب میں بڑا درک رکھتے تھے طفیل محمد اترولوی کے شاگرد تھے والد سے عربی ادب کی تحصیل کی کتاب الجزء الاشرف من المستظرف (منتخب کتاب مستظرف) ۱۱۵۵ھ مطابق ۱۷۴۲ء میں تالیف کی ۸ر شعبان ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۱ء میں بلگرام میں انتقال ہوا ملاحظہ ہو۔ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی نے سید محمد بلگرامی کی تاریخ وفات صحیح نہیں لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو (۱) علمائے ہند صفحہ ۲۲۹-۲۳۰

(۲) مآثر الکرام دفتر اول صفحہ ۲۹۳ — ۲۹۶

گر بمنت خواہد از من ور خریداری کند — کہ برخواں می دہم دربانی کوئے ترا

شاعر از دیوان حسنت انتخابے کردہ است — مصرعے قدِ ترا دو بیت ابروئے ترا

سیدؔ امیر حیدر کا ایک بیٹا ہے جو کمالات سے متصف ہے۔ مولوی سیدؔ امیر حسن نام ہے خدا اس کو سلامت رکھے۔

مولوی اسلم بلگرامی یہ شیخ غلام حسن فرشوری بلگرامی کے بیٹے ہیں۔ عربی و فارسی فنون میں کمال رکھتے ہیں۔ اور محاورات سے خوب آگاہی ہے۔ اساتذہ کے احوال بخوبی معلوم ہیں۔ ان کے اکثر اشعار متقدمین کے سے ہوتے ہیں۔ چند سال ہوئے ایک تقریب میں فرخ آباد آئے تھے۔ اس وقت مثنوی لیلےٰ مجنوں ان کی زبان سے اکثر میں نے سنی ہے۔ بہت اچھی کہی ہے۔ صاحبِ دیوان ہیں[۱]۔ ذیل کی غزل ان ہی کی ہے:۔

پُر خوں دلے بطرۂ جاناں فروختیم — با سنبل ایں شقائق نعمان فروختیم

دل خوش نشینِ کوچۂ دلدار ساختیم — ایں عندلیب را بگلستان فروختیم

بازار حسن زیب بسودائے ما گرفت — از بس متاعِ عشق بخوباں فروختیم

ذوقیں ز بوسۂ لبِ شیریں او شدیم — لب تشنگی بچشمۂ حیواں فروختیم

سودائے ترک غمزۂ نے خواب خوش داشت — پاس گ‌ئے ناں ہمہ سترباں فروختیم

دل را حوالہ گاہِ غم زلفِ یار بود — گوئے کہ داشتیم بچوگاں فروختیم

دستِ رفوگراں ہمہ از بخیہ باز ماند — از بس کہ چاکہا بگریباں فروختیم

دادیم دل ز دست خریدیم داغ عشق — ہر شرارہ لعل بدخشاں مروختیم

گو زخم ہا خوریم بپاک است اسلما
ما سینہ را بخنجر بُرّاں فروختیم

۱۔ ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہشتم صفحہ ۴۲۵ - ۴۲۶

مولوی محمود مولانا محمد برکت الہ آبادی کے شاگرد رشید ہیں۔ اور اپنے زمانے کے بڑے فاضلوں میں سے ہیں۔ افغانوں کا زمانہ ختم ہونے کے بعد شہر فرخ آباد میں آئے۔ کچھ دن صاحبزادہ دولت زماں کے دولت خانہ پر قیام کیا۔ پھر رام پور[1] چلے گئے۔ وہیں وفات پائی۔[2]

مولوی عزت علی سید ابوالفرخ واسطی کی اولاد اور مولوی حیدر علی سنادہلوی کے شاگرد ہیں۔ نواب مظفر جنگ کے زمانے میں شہر فرخ آباد میں آئے نواب سے ملے۔ نواب کی وفات کے بعد دو تین بار آئے تھوڑا قیام کرکے پھر وطن چلے گئے۔ وہیں وفات پائی۔[2] ان کے فرزند رشید مولوی قاسم علی ہیں۔ حق تعالےٰ زندہ رکھے۔

مولوی روشن علی جونپور کے رہنے والے ہیں۔ بڑے مشہور فاضل اور مولوی ابوالخیر جون پوری کے قریبی رشتہ دار ہیں آپ کا خاندان صاحب علم و فضل تھا۔ مولوی روشن علی قاضی ثناء اللہ جونپوری کی اولاد میں ہیں۔ تصانیفِ کثیرہ کے مالک ہیں۔ کافیہ ابن حاجب تحریر اقلیدس اور خلاصۃ الحساب کا ترجمہ کیا۔ اور مقالاتِ حریری کی طرز پر ایک کتاب لکھی۔ اور ایک کتاب عربی لغت میں ہے۔ بخشی ململ کے دوست ہونے کے وقت فرخ آباد آئے راقم سے محبت کرتے تھے۔ اس کے بعد شہر کلکتہ میں مدرس ہو گئے۔ اور وہیں انتقال ہوا۔[3]

حکایت:۔ مولوی روشن علی مرحوم نے لغت عربی کی تالیف کے وقت راقم کو ایک سوال لکھا۔ صاحب قاموس کہتا ہے:۔

---

[1] نواب فیض اللہ بہادر رئیس رام پور کے عہد (۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء تا ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء) میں علوم معقول و منقول کے مشہور استاد تھے مولوی عبدالرحمن موجد لکھنوی ان کے شاگرد تھے۔ (تذکرہ کاملان رام پور صفحہ ۳۸۲ - ۳۸۳)

[2] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۳۱۸۔

[3] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۱۸۷ - ۱۸۸۔

اقتواہ بمعنی استخدمہ (اس سے خدمت لینی چاہی) یہ شاذ ہے واجب اللزوم ہے۔ صغرا اور کبرا اس دلیل کا دونوں باطل ہیں۔ کیونکہ اقتوی "افتعل" کے وزن پر نہیں اور نہ افتعل کا لازم ہونا واجب ہے۔

راقم نے جواب میں لکھا کہ کتاب قاموس میں "افتعل" تحریف افعلّ باب افعلال ہے پس دلیل کے دونوں مقدمے بطلان سے خالی ہیں۔

اقتویٰ اصل میں "اقتوو" واؤ کے ساتھ تھا اس میں تعلیل ہوئی جیسا کہ "ارعویٰ" میں ہوئی ہے اور اس بات پر گواہ ائمہ فن کا کلام ہے کہ قاموس میں تحریف ہے جو ان کی کتابوں میں تصریح کے ساتھ مذکور ہیں[۵۱] اور اس قسم کے سوال و جواب مولوی روشن علی اور راقم کے ساتھ کئی بار ہوئے ہیں۔

مولوی رعایت علی خاں ان مولوی روشن علی کے بھتیجے مولوی رعایت علی خاں ولد مولوی روشن علی، انگریزی عمل دخل کے شروع ہی سے ان شہروں کے حاکم کے ہمراہ آئے۔ راقم سے ملاقاتیں ہوئیں مہربانیاں فرماتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد آقا کے ساتھ شاہجہاں آباد گئے۔ اکبر شاہ کی سرکار سے خان کا لقب ملا اور واپسی کے بعد اپنے وطن جونپور پہونچے وہیں وفات[۵۲] پائی۔ چار بیٹے چھوڑے۔

مولوی کفایت اللہ ان کے رشتہ داروں میں سے مولوی کفایت اللہ ہیں جو عہدۂ افتاء مرافعہ

---

[۵۱] احمد فارس الشدیاق نے قاموس کے اغلاط اور دوسرے اہم مسائل "الجاسوس علی القاموس" میں لکھے ہیں۔

[۵۲] مولوی رعایت علی خاں ایک مدت تک کلکتہ میں بھی رہے۔ انگریز سرکار میں کسی ذمہ دار عہدہ پر متعین تھے۔ ایک موقعہ پر مولوی رعایت علی نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے کسی عالم کے لئے کلکتہ بھیجنے کی درخواست کی تھی جس پر حضرت شاہ غلام علی دہلوی (ف ۱۸۲۴ء) نے شاہ عبدالعزیز کو لکھا تھا کہ فرنگیوں کی نوکری اور افتاء کے منصب قبول کرنا مناسب نہیں ہے اس پر شاہ عبدالعزیز نے شاہ غلام کو مفصل جواب لکھا اور ان کو مطمئن کیا ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۸۶-۸۷

ثانی پر اضلاع علاقہ بریلی میں مامور تھے۔ بہت نیک طبیعت اور خوش اخلاق ہیں ۱۲۴۶ھ / ۳۰-۱۸۲۹ء میں وفات پائی۔ ان کی جگہ ان کے عہدے پر ان کے بیٹے مولوی فضل اللہ مامور ہیں۔

مولوی امر اللہ خاں غازی پوری

شیخ افضل[1] الہ آبادی کے خاندان کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں۔ میر محمد عسکری جونپوری اور غلام حسین دکنی[1] کی خدمت میں تحصیل علوم کی۔ ان کے بڑے بھائی مولانا خیر الدین 'آشوب عالم' کے مصنف ہیں۔ جو فارسی میں فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ عہد سلطنت کی تاریخ ہے۔ مولوی امر اللہ خاں کچھ مدت بادشاہ کے ملازم رہے۔ پھر انگریز حاکموں کے ساتھ رہے اچھے اچھے عہدے پائے۔ اور بہ سبب بصارت زائل ہونے کے استعفا دے دیا۔ اور کچھ وظیفہ سرکار انگریزی سے ان کے لئے مقرر ہوا ہے تندرست اور زندہ ہیں۔

مولوی عبد الحق گوپاموی

نواب انور الدین خاں کے خاندان سے ہیں۔ قصبات کے مشہور علماء سے مثلاً ملک العلماء مولانا عبد العلی سے تحصیل علم کی اور فرخ آباد آئے۔ نواب شوکت جنگ کی تعلیم دینے پر مامور ہوئے عزت سے زندگی بسر کی۔ زندہ ہیں[2]۔

---

[1] مولوی غلام حسین دکنی اپنے زمانے کے نامور فاضل تھے۔ شیخ محمد اعلم سندیلوی و مولوی برکت اللہ الہ آبادی سے علوم و فنون کی تحصیل کی الہ آباد میں مسندِ درس جما دی۔ مولوی سلام اللہ لاہوری اور مولوی دلدار علی مجتہد لکھنوی وغیرہ ان کے شاگرد تھے۔ ان کی تصنیف سے ایک رسالہ بسیطہ فی التحقیق الجعل المولف والجعل البسیط ہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۳۵۲) علامہ تفضیل حسین (ف ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء) نے مولوی دلدار علی کے ذریعہ علم منطق میں مولوی غلام حسین دکنی سے مباحثہ کیا تھا۔ (تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۳۹)

[1] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۷۹ [2] جب مولوی عبد الحق اپنے وطن گوپامؤ چلے گئے تو ان کے بجائے ان کے شاگرد اور نواسے مولوی معین الدین فرخ آباد آئے ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ مولوی قدرت اللہ گوپاموی مولوی مقبول احمد گوپاموی اور مولوی خادم حسین خاں وغیرہ ان کے شاگرد تھے ۱۴ شعبان ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء کو مولوی عبد الحق کا انتقال ہوا ملاحظہ ہو ارمغان یاور صفحہ ۱۵-۱۶

مولوی عبدالحق نیوتنوی

پاکیزگی اور پرہیزگاری میں اگلے لوگوں سے سبقت لے گئے۔[1] سفر حجاز اختیار کیا اور فریضۂ حج ادا کیا اور حضرت سرورِ کائنات کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ شہر یمن میں محدثین اور فقہاء سے محبت رکھتے تھے۔ علوم حدیث تفسیر اور فقہ حاصل کئے اور شاہجہاں آباد کے علماء جیسے تاج المفسرین مولانا عبدالعزیز اور ان کے دونوں بھائی مولوی رفیع الدین اور مولوی عبدالقادر سے روحانی وجسمانی فضائل حاصل کئے۔ اور قصبۂ نیوتنی میں بقید حیات ہیں۔ فرخ آباد آنے کے وقت وحید الزماں حکیم فرزند علی خاں کے دولت کدہ پر قیام کیا اور راقم کو ملاقات سے نوازا۔[1]

مولوی مردان علی بدایونی

رام پور اور شاہجہاں آباد کے فضلا سے علوم پڑھے شاہ غلام علی کے مُرید ہیں جو قدسی مآب مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ ہیں۔ اور ان دنوں حکیم سید فرزند علی خاں کے مکان پر قیام پذیر ہیں۔[2]

---

[1] مولوی عبدالحق بن مولوی فضل اللہ قصبہ نیوتنی کے رہنے والے تھے لکھنؤ میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ عثمانی شیخ تھے ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۱-۲ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے سات حج کئے اور ان میں سے ایک حج سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کے ساتھ کیا اور آخری حج میں بمبئی میں ۱۲۸۶ھ میں انتقال ہوا مسجد الخیر میں دفن ہوئے۔ ان کا مسلک عدم تقلید تھا چنانچہ اس موضوع پر ان کی کتاب الدرالفرید فی المنع عن التقلید ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے:-

(۱) تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۸-۲۷۹ (۲) تذکرہ مشائخ بنارس ص ۵۸-۵۹ (۳) سیرت سید احمد شہید ص ۳۴۵-۴۴۴

(۴) نزہتہ الخواطر جلد ہفتم ص ۲۳۹-۲۴۵ (۵) تراجم علمائے اہل حدیث صفحہ ۳۴۴-۳۴۵

[2] حکیم معز حسین فرخ آبادی نے ان سے استفادہ کیا تھا (نزہتہ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۴۸۰) مولوی امام الدین بدایونی مرحوم نے مولوی مردان علی کا ذکر اپنے رقعات موسومہ "گلزار ہند" میں دو جگہ کیا ہے۔ مولوی امام الدین بدایونی مولوی مردان علی کے شاگرد تھے۔ مولوی امام الدین کے صاحبزادے مولوی حکیم احسان کریم بدایونی مرحوم انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل بسلسلہ طالب علمی لکھنؤ میں مقیم تھے ان کو مولوی امام الدین لکھتے ہیں:

"استاذی معظمی تحریر زمان لوذعی دوراں حضرت مولوی مردان علی صاحب دام افادتہ می فرمایند

مولوی شاہ غلام محی الدین ان (مولوی نذیر الدین حسن) کے والد شاہ غلام محی الدین سرہند کے بزرگ زادوں میں سے ہیں۔ حافظ رحمت خاں کے زمانے میں شہر بریلی میں آئے عزت سے زندگی بسر کرتے تھے اور اویسی طریقہ رکھتے تھے۔ شاعری میں بھی استعداد کامل تھی۔ چنانچہ اٹھارہ سیپاروں کی تفسیر نظم میں لکھی ہے اور محکم سے

چو جذبِ معنیٔ وحدت بعارف آرد رو
نہ ممکن است کہ ماند بقیدِ صورت بند

وفات پائی۔ اطرافِ شہر بریلی میں[1] دفن ہوئے۔

مولوی نذیر الدین حسن نذیر الدین حسن، احمد یار خاں نائب رئیس فرخ آباد کی رفاقت میں رہے اور یہیں وفات پائی۔ قلعہ کی دیوار کے نیچے دفن ہوئے اور کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ اور شائق تخلص تھا[2]۔ ذیل کی غزل ان ہی کی ہے:۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) کہ بعلانے یعنی آں نورچشم (مولوی احسان کریم) باید نوشت کہ اوقات شب و روز را صرف تحصیل علوم شریفہ باید داشت۔ ایں مصرعہ سعدی برخواند کہ گرم است پیوستہ بازار علم ۔ ملاحظہ ہو گلزار ہند (رقعات مولوی امام الدین بدایونی) ۲۲-۲۳

[1] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ششم صفحہ ۲۱

[2] مولوی نذیر الدین حسین سرہندی صاحبزادہ احمد یار خاں بن نواب ذوالفقار خاں بن حافظ رحمت خاں کے رفیق ملازم تھے انھوں نے فارسی زبان کے ضروری قواعد و قوانین سے متعلق ایک کتاب "مصدر فیوض" لکھی ہے جو فارسی صرف و نحو کی مشہور و متداول کتاب ہے اس کے آغاز میں شائق لکھتے ہیں "نذیر الدین حسن شائق قریشی ہاشمی ابن شاہ غلام محی الدین اویسی التماس رکھتا ہے کہ یہ رسالہ کہ نام اسکا "مصدر فیوض" ہے اور تاریخ اس کی تصنیف کی اس نام سے حاصل ہوتی ہے واسطے فارسی سیکھنے والوں کے شہر بریلی میں بیچ رفاقت اور ملازمت امیر عالی مقام نواب احمد یار خاں بہادر ... کی جمع کیا گیا" اور اس کا اختتام ان اشعار پر کیا گیا ہے:۔

ہزار شکر ہوا "مصدر فیوض" تمام — خدا کرے کہ یہ ہو مصدر فیوض نام
یہ میں نے جمع کیا ہے کہ پائدار رہے — جہاں میں میں نہ رہوں مجھ سے یادگار رہے
جو فارسی میں ضروری تھا سو بیان کیا — ملال طبع نہ ہو اس لئے نہ طول دیا
مجھے کرم سے بزرگوں کے ہے امید فلاح — جہاں کہیں کہ خطا ہوئے کریں اصلاح
وگرنہ عیب کو ڈھانپیں مرے برحمت خاص — کریں دعا تو تمنا ہے مجھ کو با اخلاص

غزل

غضب ہے مجھ سے تو چھپتا پھرے اے سیم بر بر بر — پھروں میں ڈھونڈتا دن رات اپنا چھوڑ گھر گھر گھر

خزاں کو دیکھ بلبل کیوں نہ رو دے تیرہ روزی سے — کہ اس کا کر گئی برباد سب نور بصر صر صر

دکھا دے حسن کا جلوہ کہ میرے جی میں جی آوے — ترے روانہ تاب پہنچا ہوں اے رشک قمر مر مر

فدا کرتی ہیں شیرینی پہ جسکی طوطیاں جاں کو — بھلا کیوں میں نہ لوں اس لب کے بوسے شکر کر کر

مولوی منیر علی سیون کے رہنے والے ہیں جو لکھنؤ کے قریب ایک قصبہ ہے انھوں نے درسی کتابیں مولوی حیدر علی سے پڑھیں جو مولانا حمداللہ سندیلوی کے بیٹے ہیں اور فارسی نظم و نثر مرزا قتیل سے پڑھی۔ جو مشہور فارسی داں ہیں۔ فرخ آباد آکر نواب شوکت جنگ کی سرکار میں نیابت کے امیدوار ہوئے[1]۔ پھر بنارس گئے کچھ مدت بعد وفات پائی (انگریزوں کی ملازمت میں عمر گذاری)، بندہ سے ملاقات تھی کرم فرماتے تھے[2]۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) پڑھیں جو فاتحہ شائق پہ وہ بھی پاویں مراد — بحق احمد مرسل و آلہ الامجاد

مولوی نذیرالدین حسن شائق نے مشہور کتاب بہار دانش مصنفہ شیخ عنایت اللہ کو آسان فارسی میں عطر بہار کے نام سے لکھا جو ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۶ء) میں مطبع نامی لکھنؤ میں طبع ہوئی ہے۔

[1] مولوی عبدالقادر رامپوری نے ان کا نام منیرالدین علی لکھا ہے۔ مولوی منیر علی کچھ دنوں بریلی (روہیل کھنڈ) میں بھی رہے مولوی عبدالقادر رامپوری لکھتے ہیں:-

"بریلی پہونچا عظیم اللہ خاں کی فرمائش پر دو روز وہاں توقف کیا اور بھیر خان کا تعارف مولوی منیرالدین آسیونی سے کرا دیا جو ٹامس بروک صاحب ایجنٹ بریلی کے منشی تھے اور ماتحتوں کی نظروں میں اصلی ایجنٹ معلوم ہوتے تھے۔" (ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول ص ۹۵ نیز دیکھیے تذکرہ روز روشن ص ۱۶۴)

[2] مولوی منیر علی کا حال اس کتاب میں دو جگہ نقل ہو گیا ہے دوسری جگہ صرف ایک جملہ کا اضافہ تھا جو یہاں قوسین میں لکھ دیا گیا ہے

مولوی عبدالرحمٰن قصبہ اسیون کے صاحبزادوں میں سے ہیں۔ مجموعہ فضائل و کمالات ہیں۔ مولوی حیدر علی سندیلوی کے شاگرد ہیں چند برس سے فرخ آباد آکر اس شہر کے رئیس زادوں کی سرکار میں رفاقت پذیر ہیں[۱]۔

عبدالقادر خان جائسی دربار باجی راؤ مرہٹہ کے ساتھ اس کے ہنود کے معبدوں میں متھرا جاتے وقت شہر فرخ آباد آئے۔ شہر والوں کو اپنی ملاقات سے خوش کیا۔ اگرچہ ظاہر میں دُنیا داروں کی سی زندگی ہے۔ لیکن حقیقۃً اہل اللہ میں سے ہیں۔ اور اہل اللہ کے ساتھ دلی اعتقاد اور پوری محبّت رکھتے ہیں اور زندہ ہیں۔ اور اطرافِ بنارس میں عزت سے بسر کرتے ہیں[۲]۔

مولوی غلام مصطفےٰ بردوانی ملک العلماء مولوی عبدالعلی کے شاگرد ہیں۔ فنونِ عربیہ اور فنونِ شرعیہ میں ماہر ہیں۔ اس شہر میں آنے کے وقت ضلع اُناؤ کے عہدۂ افتا پر مامور تھے۔ بعد ازاں اس ضلع سے ضلع بیر بھوم میں منتقل ہو گئے کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ اور مصطفےٰ تخلّص کرتے تھے۔ قصّہ سیر من اللہ مثنوی میں نظم کر کے ضلع بیر بھوم سے راقم کے پاس بھیجا۔ مثنوی میں کہتے ہیں :۔

بیا رمزِ عشق مجنوں ساز ہشیار ‌‌‌ ‌‌ بہر سو از تو می بینم گرفتار
اسیرِ دامِ تو پیر و جواں است ‌‌ ‌‌ زتیرت از جگر ہا خوں چکاں ہست
نمیدانم چہ افسونی چہ نیرنگ ‌‌ ‌‌ کہ ہر جا جلوہ فرمائی بصد رنگ

---

[۱] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۲۵۶

[۲] مولوی عبدالقادر بن واصل علی بن رحمت اللہ صاحب علم و فضل تھے جائس میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ علمائے زمانہ سے علوم مروجہ کی تحصیل کی شیخ غفور اشرف اشرفی جائسی کے مرید ہوئے پھر لکھنؤ پہونچے انگریز رزیڈنٹ کے یہاں تقرب حاصل کیا۔ چار سال آصف الدولہ کی ملازمت میں رہے پھر انگریز ریزیڈنٹ کے ہمراہ کلکتہ پہونچے۔ بعض معاملات کے سلسلے میں نیپال گئے اور دولت انگلشیہ کے متعلق بہتر سعی و کوشش کی۔ ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۲۹۳ [۳] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۶۱

بعاشق گہہ نہی صد بند خواری — گہے معشوق را عاشق بہ آری
چہ کالائے نصیب ہست دربار — بدکانِ تو مائل ہر خریدار
دریں عالم اگر جان و دلے است — یقیں دانند ترا ہم منزلے ہست
چہ گویم زاں چہ داری آتش تیز — کہ سوزی صبر و تقوی ورع و پرہیز
درونِ سنگ و آہن کردہ جا — ازاں آتش بروں آید از انہا
دلِ دریا ہم از تو شور دارد — وگرنہ دود از دل چوں برآرد
بہر کوچہ بہر بازار و ہر بام — بہر سو شور و غوغا ہست بس عام
نہ بینی صوفیاں در وجد و حال اند — ز حرفِ عشق در فکر و خیال اند
چو مستاں پائے کوباں ست بردست — ز سوزِ عشق گہہ بالا گہے پست
خراباتی خرابِ عالمِ عشق — نتادہ مست بے خود از غمِ عشق
چرا پُرسوز صوتِ بربط و نے — اگر نہ نشہ دارد از خمِ مے
برہمن مست و سرشارِ محبّت — بہ بت دارد سروکارِ محبّت
اگر مسجد اگر کعبہ اگر دیر — بہر جا ہست بے شک عشق را سیر
اگرچہ عشق دارد وحدتِ ذات — ولے در صدقِ ش آمد اختلافات
بفروے صدق او کامل تر آمد — بدیگر صدق او ناقص در آمد
حقیقی و مجازی عشق ہر دو — دو قسم آمد ز یک مقسم ازیں رو
بذاتِ خود حقیقی ہست واجب — مدام و ثابت و باقی ولا ریب
چو در ماہیتش تشکیک آمد — ازاں در صدق او تفکیک آمد

مجازی را نمی دانند مذموم
رجو عشق در حقیقت ہست معلوم

مولوی رحم علی خاں

نواب پُردل خاں سکندری کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے نانا مُراد خاں شاہجہاں آباد کے مشہور اطبا میں سے تھے کہ رسالۂ بواسیر اور رسالۂ ضیق النفس۔ ان کی تصانیف ہیں۔ جو ہمیشہ سے نوبت بہ نوبت بڑے بڑے طبیبوں کے زیرِ مطالعہ رہتی ہیں۔ مولوی رحم علی خاں نے کتب درسیہ مولوی غلام نبی بریلوی اور مولوی غلام حسین لکھنی سے پڑھیں اور نظم و نثر فارسی کی کتابیں میاں جیو نھتن بریلوی[1] سے پڑھیں جو وہاں کے مشہور معلمین میں سے تھے۔ اور انھوں نے سکندرنامہ نظامی کی شرح بھی لکھی ہے اور فنِ طب محمد ایوب، میر کوچک علی اور میر عوض علی سے حاصل کیا۔ جو اس زمانے میں مشہور طبیب گزرے ہیں اور مولوی رحم علی خاں کی تصانیف فارسی میں خلاصۃ العلوم مطلوب طالب، مصباح صبیان، تذکرہ شعرا۔ مصطلح الشعرا اور طب میں بدیع تجارب اور بدیع النوادر ہیں۔ راقم نے طریقہ مطب انہی سے حاصل کیا ہے۔ اور طریقت میں ان کو بیعت اور خلافت سید شرف الدین جالیسری سے حاصل تھی۔ جو میر ہاشم مغربی کے اولاد میں سے ہیں۔ اور میر ہاشم مغربی شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی اولاد میں ہیں۔ مولوی رحیم علی خاں کی وفات ۱۲۳۶ھ ؍ ۱۸۱۱ء میں ہوئی اور فرخ آباد کے اطراف میں بیرون دروازۂ دفن ہوئے[2]۔ ان کے دو بیٹے مراد علی خاں اور امانت علی خاں ہیں جو تلاشِ معاش میں سیر و سیاحت کرتے پھر رہے ہیں۔ کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ایمان تخلص تھا۔ ذیل میں ان کے اشعار لکھے جاتے ہیں:۔

قدِ موزوں او ز خویشتم برد   می کنم سیرِ عالمِ بالا

---

[1] میاں نھتن بریلوی کا اصل نام قطب علی تھا سید غلام محمد عمر الحسنی و قادری کے مرید تھے میاں نھتن نے فارسی زبان و ادب کے اصول و قواعد کے متعلق ایک کتاب تکملۃ الفارسی کے نام سے لکھی ہے اس کتاب میں سات ابواب ہیں اس کا قلمی نسخہ مرتب (محمد ایوب قادری) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

[2] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۱۷۳

دلم از دستِ جورِ او بشکست — صحبت سنگ و شیشہ تا بہ کجا

پیش او از حسنِ یوسف بر زبان حرفے گزشت — رشئے در ہم کرد و گفت او ہم عزیزے بود ہست

از من بے نشاں مجو نامے — کشتۂ عشق را مزارے کو

حکیم ثناء اللہ یہ حکیم فیض اللہ کے بیٹے ہیں[1]۔ ان کا نسب سید علی ہمدانی پر ختم ہوتا ہے۔ اور طب میں حکیم جعفر اکبر آبادی سے نسبت رکھتے ہیں۔ جو حکیم اسمٰعیل عرف حکیم ٹوٹرو کے شاگرد ہیں۔ حکیم ثناء اللہ جوانی میں نواب فتح علی خاں ولد نواب ثابت خاں کے ملازم رہے۔ قصبہ کول میں اوقات گذاری کرتے تھے۔ اس کے بعد فرخ آباد آکر نواب غالب جنگ کی سرکار میں ملازم رہے۔ ان کے مطب کی گرم بازاری تھی۔ وفات سنہ ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶-۷ء میں ہوئی۔ "رضی اللہ عنہ" سے تاریخ نکلتی ہے۔ ان کے ۲ دو بیٹے تھے۔ ایک حکیم منظہر علی معتمد معالجہ نواب مظفر جنگ تھے کہ وہ اور ان کے بیٹے حکیم حیدر علی کامل تقرب رکھتے تھے حیدر علی کے بیٹے مولوی ببر علی بھی سرکار سے تعلق رکھتے ہیں۔ خدا ان کو زندہ رکھے اور حکیم منظہر علی ۵ رمضان سنہ ۱۲۲۲ھ کو اور حکیم حیدر علی ۱۱ ذی قعدہ سنہ ۱۲۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ حکیم منظہر علی مادہ تاریخ وفات "پنجم ماہ رمضان" ہے اور یہ مادہ تاریخ ان کی تدفین کے وقت راقم نے کہا تھا۔ دوسرے بیٹے حکیم ممتاز علی تھے جو عالمِ جوانی میں مرے اور انھوں نے دو بیٹے غلام مصطفےٰ طبیب تخلص اور غلام حسین یادگار چھوڑے دونوں کا انتقال ہو گیا۔

حکیم میر غلام علی ان کا نسب میر نور اللہ احراری سے ملتا ہے اور طریقت میں ان کی نسبت میر نعمان اکبر آبادی سے ہے۔ اور طب میں معتمد الملک

---

[1] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم ۱۱۴

حکیم علوی خاں سے تعلق ہے نواب غضنفر جنگ نے اپنے زمانے میں ان کو شاہجہاں آباد سے لاکر فرخ آباد رکھا۔ اہل شہر کے طبیب ہو گئے۔ وفات کے وقت پانچ لڑکے چھوڑے ان میں سے مولوی میر ابن علی ہیں جنھوں نے سرکار انگریزی سے تعلق کے زمانے میں بہت دولت جمع کی۔ عزیزوں۔ دوستوں۔ غریبوں۔ محتاجوں کے ساتھ مراعات کیں۔ پھر وفات پائی۔ ان کے بیٹے میر حسن دارالحکومت کلکتہ میں علوم درسیہ کی تحصیل میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کے دلی مقاصد پورے فرمائے۔

حکیم شیخ محمد قاسم

گوالیار کے مشائخ میں سے ہیں۔ نواب غضنفر جنگ کے زمانے میں فرخ آباد آگر رہنے لگے۔ طب میں ہندی قوانین پر عمل کرتے تھے اکثر رس کُشتے، پاگ اور گولیاں ہندوستانی طریقہ پر تیار کرتے تھے اور شہر کے لوگوں کو دیتے تھے ان کی وفات کے بعد ان کے شاگرد حکیم رحم خاں زندگی بھر ان ہی کے طریقہ پر چلتے رہے خدا تعالےٰ غریق رحمت فرمائے۔

حکیم سید امام الدین خاں شاہجہاں آبادی

ان کے دادا شاہ غلام محی الدین شاہ پیر محمد لکھنوی کے بزرگ خلیفہ ہیں۔ اور قصبہ نیوتنی کے سیدوں میں سے ہیں جو شہر لکھنؤ کا علاقہ ہے۔ اور مولانا لطف اللہ کڑوی کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں۔ شاہ پیر محمد سے خلافت حاصل کرنے کے بعد وطن مالوف چھوڑ کر بانگر مئو میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ وہیں وفات پائی۔ ان کے والد سید غریب اللہ نے علوم درسیہ قصبات میں پڑھے اور شاہجہان آباد جاکر حکیم جعفر جون پوری کی خدمت میں علم طب اور مطب سیکھا۔ یہ حکیم جعفر حکیم مصری سے نسبت رکھتے ہیں۔ جو اکبر بادشاہ کے زمانے میں مشہور طبیب ہوئے ہیں۔ اور سید غریب اللہ فنِ طب کی تکمیل کے بعد محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے عمدہ طبیبوں میں سے ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ اور سید امام الدین خاں نے تحصیل علومِ منطق و فلسفہ قاضی مبارک گوپاموی اور قاضی محمد بناہ مستعد خاں جونپوری سے کی اور

طب کی تکمیل علماً اور عملاً اپنے والد اور معتمد الملک علوی خاں سے کی۔ شاہجہاں آباد کے لوگوں میں تفرقہ واقع ہونے کے زمانے میں وہاں سے فرخ آباد آئے۔ نواب عماد الملک وزیر کی وساطت سے نواب احمد خاں غالب جنگ کی سرکار میں بسر اوقات کرتے تھے احمد خاں کی وفات کے بعد چند روز لکھنؤ اور اس کے اطراف میں اوقات گذاری کی۔ پھر نواب مظفر جنگ کی استدعا پر فرخ آباد آکر عزت و احترام کے ساتھ گذر بسر کی۔ وہیں وفات پائی۔ ان کی نعش بانگر مئو پہونچائی گئی اور ان کے دادا غلام محی الدین کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ان کے پانچ لڑکے تھے۔ ان میں کے دو زندہ ہیں۔

حکیم سیّد فرزند علی ایک سید فرزند علی خاں کہ انکو طب علمی و عملی میں جالینوس اور بقراط کی نظیر کہہ سکتے ہیں[1]۔ ایک شاعر ان کی تعریف میں کہتا ہے ع

خاکِ درِ فرزند علی خاکِ شفا ہے

دوسرے سیّد فرزند حسن خاں ہیں۔ جو ان دنوں سرکار شاہ اودھ رئیس لکھنؤ میں ملازم ہیں۔ خدا سلامت رکھے۔

حکیم میرک خاں کحّال شاہجہاں آباد کے عمدہ طبیب ہیں۔ یہاں تک کہ حکیم شریف خاں شاہجہاں آبادی نے کتاب علاج الامراض میں معالجاتِ چشم اکثر ان کے مجربات کا ذکر کیا ہے۔ نواب غالب جنگ نے عارضۂ ضعفِ بصر لاحق ہونے کے وقت انھیں شاہجہان آباد سے طلب کیا تھا۔ اپنے سرکاری محل میں ٹھیرایا تھا۔ غالب جنگ کی وفات کے بعد کسی طرف جاکر وفات پائی۔

حکیم محمد فخر الدین عباسیہ شیوخ میں سے ہیں۔ اور اپنے والد شیخ عبد الباقی کے شاگرد ہیں جو اعتماد الدولہ قمر الدین خاں وزیر کے یہاں عہدہ دار تھے۔ شیخ عبد الرحیم شاہجہاں آبادی والد شاہ ولی اللہ محدث کے شاگرد تھے اور یہ شاہجہاں آباد میں "شہر

[1] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۳۷۱

طبیب تھے۔ شاہجہاں آباد کے لوگوں میں تفرقہ پڑنے کے وقت وہاں سے فرخ آباد آ گئے نواب عالی جنگ کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ حکیم محمد اکبر ارزانی[1] کے طریق معالجہ پر چلتے تھے اور ان کے ایک صاحبزادے شیخ عبدالمجید تھے جن کی ایک تصنیف "مفردات ادویہ" ہے اور دوسری تصنیف اپنے والد کے مجربات میں ہے۔ اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پاگئے۔ (حکیم محمد فخرالدین' انتقال کے بعد سید فضل امام کے باغ میں دفن ہوئے[2])

حکیم روح علی خاں شاہجہاں آباد کے طبیبوں میں سے ہیں جو نواب غالب جنگ کے زمانے میں فرخ آباد آئے۔ ان کی سرکار میں ملازم ہوئے اور غالب جنگ کی وفات کے بعد کسی طرف جاکر انتقال کیا۔

حکیم محمد علی خاں مشہور بحکیم امی بایدہ حکیم سید خلیل کابلی کے خاندان سے ہیں۔ جو نادر شاہ قہار ایران کے طبیب تھے۔ نواب غالب جنگ کے زمانہ میں آئے اور نواب ناصر خاں کے مکان کے قریب ٹھہرے۔ تھوڑی سی معیشت پر گزران کرتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے دونوں بیٹے سید احمد علی اور امجد علی لکھنؤ جاکر کسی مزار کے متولی ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔

حکیم محمود شہر کے مشہور طبیب ہیں۔ نواب غالب جنگ کی وفات کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

---

[1] حکیم محمد اکبر ارزانی بن حاجی محمد مقیم اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے کے مشہور طبیب تھے۔ ان کی تصنیفات میں میزان الطب، حدود الامراض، مجربات اکبری، مفرح القلوب (شرح قانونچہ) قرابادین قادری، اور طب اکبر ہیں۔ طب اکبر، شرح اسباب علامات کا ترجمہ ہے جو انھوں نے ۱۱۰۵ھ / ۱۶۹۲ء میں مکمل کیا۔
ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۷

[2] نسخہ فرخی میں یہ عبارت زائد ہے۔

حکیم انور اس سرکار (فرخ آباد) کے طبیبوں میں سے ہیں۔ حکیم ثناء اللہ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ ان کے دو لڑکے محمد جان اور محمد خاں ایک ہی دن پیدا ہوئے۔ دونوں میں ذرا فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مگر غور سے دیکھنے کے بعد (فرق معلوم ہوتا تھا)۔

حکیم عبداللہ نواب عمادالملک کے ساتھ فرخ آباد آئے۔ عمادالملک کے جانے کے بعد بھی یہیں رہے۔ یہاں تک کہ وفات پائی۔ متقی و پرہیزگار تھے اور علوم عربیہ سے واقف تھے۔

حکیم اسداللہ یہ بھی عمادالملک کے ساتھیوں میں سے تھے۔ حکیم فخرالدین مرحوم کے رشتہ دار تھے۔ وفات کے بعد اس شہر کے اطراف میں دفن ہوئے۔

حکیم شرف الدین سہاوری نظم و نثر میں طب کی کتابیں تالیف کی ہیں۔ قصبۂ سہاور کے قاضی تھے حضرت شاہ اچھے مرحوم کے مرید تھے جو حضرت شاہ برکات مرحوم کے سجادہ نشین ہیں عہدۂ قضا سے مستعفی ہونے کے بعد شہر سہاور میں وفات پائی۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

حکیم اکبر علی حکیم مہدی اکبرآبادی کے فرزند رشید ہیں جو کتاب معدن التجربات کے مؤلف ہیں حکیم جعفر اکبرآبادی کے شاگرد ہیں بڑھاپے میں فرخ آباد آئے۔ چند سال علاج معالجہ کی گرم بازاری رہی۔ پھر وفات پائی۔

۱ے شیخ شرف الدین بن شمس الدین سہاور (ضلع ایٹہ) میں پیدا ہوئے۔ عالم و فاضل اور حکیم حاذق تھے۔ حکیم رحم علی سکندروی صاحب "بضاعۃ الاطبا" سے علوم کی تحصیل کی۔ حکیم شرف الدین کی فارسی میں ایک تصنیف "المفردات الہندیہ" ہے جو ۱۲۲۱ھ کی تالیف ہے۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۲۴ھ کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ہفتم صفحہ ۲۰۶ — ۲۰۷

حکیم ہیکا جرّاح نواب یحییٰ خاں کے خاصہ کے ملازمین میں سے ہیں۔ عمل جرّاحی میں دستِ شفا حاصل تھا۔ مرنے کے بعد ایک لڑکا امام الدین چھوڑا جو نواب آصف الدولہ مرحوم کے خاص تراش عتیق اللہ کا داماد تھا۔ ایک لڑکا اس کا الٰہی بخش نام ہے۔ جو شفاخانۂ انگریزی فتح گڈھ میں ڈاکٹر ہے۔

بسنت رائے کحّال نواب احمد خاں بہادر کی عہدِ ریاست میں فرخ آباد آکر رہنے لگے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے معالجۂ چشم میں کمال رکھتے ہیں۔ منجملہ ان کے کیشو رائے اس علاج میں بہت مشہور ہیں۔

راجی بھٹ بیدک، جوتش، نیائے شاستر اور بیاکرن میں اس علاقہ کے مشاہیر میں سے تھے شہر اور اطراف کے لوگ ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کے دو بیٹے کمالات کے اوصاف سے متصف ہیں۔ پنڈت اُمادت اور پنڈت بانکے دت (نام ہیں)

رام سہائے بید اگرچہ ان کا ذریعہ معاش بزازی کی دوکان تھی۔ اس کے باوجود شہر کے لوگ ان سے علاج میں دریغ نہ کرتے تھے اور ہندی فن طب ان کی اولاد میں جاری ہے۔

مقالۂ دہم [1]

(شعراء و خطاط)

یہ مقالہ فارسی و ہندی شعراء کے تذکرہ میں اور فرخ آباد کے خوش نویسوں کے بیان میں ہے۔

احتشام حیدر، احتشام سید احتشام حیدر اور سید حسین حیدر [2] دونوں حقیقی بھائی ہیں اور راقم کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ قصبۂ سانڈی کے سادات اور اچھے شاعر ہیں۔ احتشام حیدر کے اشعار درج ذیل ہیں:۔

بادِ صبا اگر گزری بر مزارِ ما ۔۔۔ افشاندن است بر سرِ کویش غبارِ ما
با برق ہم رکاب بسیاب ہم عناں ۔۔۔ از حد گزشت کارِ دلِ بے قرارِ ما
گاہے نمی بری بغلط نیز نامِ ما ۔۔۔ یادت بخیر باد فراموش کارِ ما

گر قتل کند، شمع ز قتلم مکنید ش ۔۔۔ یاراں بہاں عربدہ کیشم بگزارید

---

[1] مقالہ دہم کا ترجمہ خاکسار مرتب محمد ایوب قادری کا کیا ہوا ہے۔

[2] سید حسین حیدر صفدر کے حالات "ص" کی ردیف میں ملاحظہ ہوں۔

میر احسان علی پہانی کے سید ہیں اور سید کمال ترمذی کی اولاد میں ہیں۔ اپنے وطن سے فرخ آباد آئے اور فن طب کو عملاً و علماً حکیم مظہر علی سے سیکھا پھر ان کی دامادی میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد شاہجہاں آباد جا کر فارسی نظم و نثر کی تکمیل کی کبھی شعر بھی کہتے ہیں۔ یہ شعر ان ہی کا ہے ؎

برسرِ بالیں من یار آمد و نشست و رفت — چوں طبیبے پیشِ بیمار آمدہ بنشست و رفت

کیست تا بہ لعل لبش ہمسری کند — آئینہ را چہ تاب کہ اسکندری کند

در خیالت نیست خواب راحت یکدم مرا — حلقۂ زلفِ تو باشد حلقۂ ماتم مرا

بسکہ حرفِ عشق آں لعل در دل کندہ ام — زیں نشانہا می کند بدنام یک عالم مرا[۵۱]

ہے خبر دھوم سے امسال آتی ہے بہار — دیکھئے کیسا چمن میں گل کھلاتی ہے بہار

گل تو نافرماں تھا اور دوسرے شعلہ کیا — بلبلوں کے دل جلے کو اور جلاتی ہے بہار

صحبتِ گل ہے غنیمت بلبلو! یہ جان لو — ساتھ ہی اپنے خزاں کو بھی لے آتی ہی بہار

دیکھ حلقۂ زلف کا تیری ہے سنبل غمزدہ — اس لئے جامِ سیاہ اس کو پہناتی[۵۲] ہی بہار

باغ میں جھکتی نہیں[۵۳] بادِ صبا سے ڈالیاں — گل کی پابوسی کو اپنا سر جھکاتی ہی بہار

یار ہے شیشہ ہی اور ہی فرشِ سبزہ لب جو — جھومتی جھکتی جھکتی لہلہاتی ہی بہار

---

۵۱ یہ چاروں اشعار ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب نے نقل نہیں کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو اردو ادب، علی گڑھ جولائی ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۹۔

۵۲ کذا فی الاصل۔

۵۳ نسخہ فرخی میں نہیں کی بجائے یہ ہیں

کچھ نہیں احسان کھلتا غنچۂ دِل یہ مرا
گرچہ دم دے دے اُسے ہر دم کھلاتی ہی بہار

حافظ محمد احسن حافظ غلام محمد مرحوم کے بھانجے ہیں۔ فارسی اور ہندی میں شعر خوب کہتے ہیں۔ جفر۔ نجوم و رمل میں ماہر ہیں۔ ذیل کے اشعار اُن کے ہیں:-

ہو کیوں نہ اب جہاں کا سب کاروبار اُلٹا — گردش سے ہے فلک کی لیل و نہار اُلٹا
سر سبز ہند کی ہو کیوں کر زمیں پڑی ہے — ہر روز ہل زحل کا کھیتوں پہ دھار اُلٹا
دم دم میں ہیں عدم یہ زندہ شدہ گدا اب — کیا مشتری فلک پر تیرا مدار اُلٹا
ترکی تمام تازیست مریخ کی جدی پر — کیا پینترے بدل کر تروار مار اُلٹا
ای آفتاب رخشاں بے مہر ہم پہ کیوں ہے — مرکز سے تیرے خارج کیا یوں شمار اُلٹا
زہرہ کا دیکھو زہرہ مارا ہے کیا چلتر[1] — ہر ایک بیسوا ہے کرتی سنگار اُلٹا
بھولا محاسبہ میں بے علم ہو عطارد — گنتا ہے ایک پردہ صد بر ہزار اُلٹا
ماہِ منیر روشن ہو جبکہ در بدر ہو — دوڑا پھرے ہے گردوں زار و نزار اُلٹا
راس و ذنب کا لڑکا خود کٹ گیا سر و دُم — یہ عقدہ وا ہو کیونکر ہے پیچ دار اُلٹا
ہر ہفت اختروں کی تاثیر منعکس سے — نہ آسماں کا ہی۔ سب تار و تبار اُلٹا
بگڑی ہے اس طرح سے اہل جہاں کی کل بل — کل کل سے سکی بے کل ہر یار غار اُلٹا
بی مین میکھ اس میں بھولا ہی جیسا مینڈھا — یا جیسی گاؤ فربہ ہی ہر حمار[2] اُلٹا
سرطان سی جس کی صورت ہو شیر کنیا پر — تل بیٹھا اژدہا سا دنبالہ دار اُلٹا

---

[1] نسخۂ رفرخی میں یہ شعر اس طرح ہے:- زہرہ کا دیکھو زہرا مارا ہی کیا چلتر
ہر ایک بیسوا ہی کرتی سنگار اُلٹا

[2] ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے اس کو خمار لکھا ہی۔

عقرب منش جدی ہے دھن بخت عش ابرو — بچھو سا بھاگتا ہے کیا ڈنک مار الٹا
آویں امام مہدی عیسیٰ کے دور میں شیخ — جبہ پہن نہ ہو تو خر پر سوار الٹا

احسن تو اب چلا چل سیدھا بکوئے محبوب
گو ہو جہاں کا سب کچھ یہ کار و بار الٹا

محمد صادق علی خاں اختر تخلص بندر ھگلی کے قاضی زادے ہیں۔ فارسی، ہندی کی نظم ونثر میں صاحبِ کمال ہیں۔ کتاب مجاہد حیدریان کی تالیف ہے۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے :۔ ایک مرتبہ فرخ آباد کر راقم (مفتی ولی اللہ) سے ملے[1]۔ ذیل کے اشعار ان ہی کے ہیں :۔

جلوۂ کرد قدرت کبک دری پیدا شد — عکست افتاد، در آئینہ پری پیدا شد
چشمِ جادوئے تو افگند بشوخی نگہے — بہر خوبانِ جہاں عشوہ گری پیدا شد
کرد پرواز ز ہجران تو رنگ از رخِ من — در جہاں سلسلہ نامہ بری پیدا شد[2]
کس بدورانِ تو با خاطر آسودہ نزیست — تا بدورِ قمرت فتنہ گری پیدا شد
دل کہ بر بوئے تو عزمِ سفرے داشت مدام — ناگہاں نکہتِ بادِ سحری پیدا شد[3]

---

[1] قاضی محمد صادق خاں، اختر ولد قاضی محمد لعل، ہوگلی کے رہنے والے تھے۔ سرکاری عہدیدار تھے امادہ میں تحصیل دار ہے فارسی شعراء کا تذکرہ "آفتاب عالم تاب"، محامد حیدریہ، دیوان فارسی و اردو نیز اور دوسری تالیفات ان سے یادگار رہیں۔ (تذکرہ سراپا سخن صفحہ ۱۰۷) صبح صادق، نقد الافشار نقود الحکم بھی ان کی تالیفات سے ہیں غازی الدین حیدر کی ملازمت میں رہے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ دستور الجمن صفحہ ۶۳ ریاض الفردوس صفحہ ۱۵۹-۱۴۷۔ مرزا قتیل کے شاگرد تھے۔ ان کی ایک کتاب گنج نیرنج بھی ہے فن کیمیا اور شعبدہ بازی میں بھی کمال رکھتے تھے (بحق شعراء صفحہ ۱۷)۔

[2] و [3] یہ دونوں شعر ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے نقل نہیں کئے ہیں۔

ملاحظہ ہو اردو ادب علی گڑھ جولائی ۱۹۵۴ء صفحہ ۲۱

اخترآں یار دمِ نزع بہ بالیں آمد
تا بگویم خبرے بے خبری پیدا شد

طوبےٰ فتد از پا دلِ جنت رود از جا	بر جلوہ اگر سروِ خرامانِ تو آید
از دست مدہ ایں دلِ صد پارہ اختر	کیں شانہ کشِ زلف پریشانِ تو آید

نیند بیمار کو ہرگز نہیں آتی ہے مگر	مردمِ چشم تیری رکھتی ہیں بیماری و خواب

کب تلک جور و جفا خوف نہیں تم کو ذرا	اے ستم پیشہ بتاں ہم بھی خدا رکھتے ہیں
لوگ جب سنتے ہیں قصے تیرے دیوانوں کے	قیس و فرہاد کے افسانے اٹھا رکھتے ہیں

عزم جان بازی ہے خضر رہِ مقصد اختر
تیغ سے ہم طلبِ آبِ بقا رکھتے ہیں

شیخ غلام اخی مولوی بدرالدین بلگرامی کے فرزند ارشد ہیں۔ فارسی اور ہندی کے بڑے شاعروں میں سے ہیں شعر خوب کہتے ہیں اشعار ذیل ان ہی کے ہیں:۔

اے آں کہ در ثنائے تو قاصر زبانِ ما	بالاتری زِ وہم و قیاس و گمانِ ما

تکمہ از لختِ دلم ہست گریبان ترا	رشتۂ از رگِ جاں بخیۂ دامان ترا

ریخت خون نشتر جدائیہا	کردہ گل رنگ آشنائیہا
مردم و در رہش نہ شد خاکم	خاک بر فرق نارسائیہا!
چہ کنم تا براستی آید	ابروئے اوز کج ادائیہا
در گلستانِ دہر نام آور	شد اخی در غزل سرائیہا

چوں ماہ خند شبے کہ زپہلوئے من جُدا　　انجم گریستند جدا انجمن جدا[1]

در بزم یار رو لبم بر لب جام است امشب　　چشم بیدار مرا خواب حرام است امشب
خواند سوئے خودم از لطف اخی یوسفؔ من　　شکرِ ایزد کہ مرا بخت غلام است امشب

دل سوئے خدا آر، کہ یارے بہ ازیں نیست　　در ترکِ خودی باش کہ کارے بہ ازیں نیست

چنانکہ لعل لبت شد زخوردنِ[2] پان سُرخ　　کسے نہ دید بدیں گونہ رنگِ مرجان سُرخ
کسے گزشت چو من خوں فشاں مگر امروز　　کہ شد برنگِ چمن دامنِ بیاباں سرخ

چو آں بیگانہ خو از من جدا شد　　بجانم غم بدل درد آشنا شد
ترا ہیچ اے اخیؔ مشکل نیاید　　اگر مشکل کشا، مشکل کشا شد

آناں کہ در خیال تو خود را فنا کنند　　در خواب رخ اگر بنمائی چہا کنند
دِل را اخیؔ مدہ بہ بتاں از پئے خدا　　کیں کافرانِ سنگ دِل آخر دغا کنند

نادیدہ بے تو چشم مرا اشک بار شمع　　بر حالِ من گریست زغم زار زار شمع

---

[1] یہ آٹھ اشعار ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے نقل نہیں کئے ہیں ملاحظہ ہو اُردو ادب علی گڑھ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۱

[2] نسخہ فرخی میں خوردن پان کی بجائے سُرخی پان ہے۔

روشن آمد داغِ دل تا در کنارِ من چراغ   نیست پروانیم کہ آید بر مزارِ من چراغ

رُخِ تو غیرتِ بتانِ فرنگ   داغ دارِ تو گل رُخانِ فرنگ

اگر بر نوحہ آرم از عنا دل !   بر دالحانِ من دل از عنا دل

بر درش عمرے ز دردِ دل فغانے داشتم   طاقتِ فریادِ من ہم در زمانے داشتم
طے بہ تنہائی نہ کردم راہِ عشق اے آخی   از ہجومِ اشک با خود کاروانے داشتم

اگر روزے بیائی در کنارم   کنی از ہر دو عالم بر کنارم

خوردیم اگر شراب بے تو   کردیم جگر کباب بے تو
عمریست کہ بر آخی حرام است   نقل و گزک و شراب بے تو

جان رفت اگر بے تو زتن رفتن جاں بہ   گر با تو نہ شد زیستم مردن از اں بہ

تا دید ترا، بخوشش خرامی   زد کبک دری دمِ غلامی
واللہ کہ از مسیح کم نیست   اعجازِ تو وقتِ خوش کلامی
بودند چنانکہ در فصاحت   فردوسی و سعدی و نظامی
دریادِ لبِ شکر فشانت   مردم بہزار تلخ کامی[1]

---

[1] آخر کے سولہ اشعار نسخۂ فرخی میں بھی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کو ڈاکٹر محمد انصار الدین آرزو نے نقل کیا ہے۔

سید اشرف علی کتاب خواں ہیں۔ شعر بھی کہتے ہیں۔ اشعار مندرجہ ذیل ان ہی کے ہیں۔[۱]

وے کہ یار رُخِ خویش بے نقاب کند　　فلک بہ پردۂ شب چشم آفتاب کند
چساں ندیدہ بدیدارش اضطراب کند　　بیک نگاہ دلِ مردماں خراب کند
دراں زماں کہ شود ماہ من براسپ سوار　　زمانہ از مہِ نو بہرِ او رکاب کند

شکوہ از آشنا کنم نہ کنم　　لب چو بیگانہ وا کنم نہ کنم
دل ز من بر د آں جفا پیشہ　　گلۂ از جفا کنم نہ کنم

کہ برآشفت زلفِ یار مرا　　کہ برآشفت روزگار مرا

چو حالِ عابد بیمار در تحریر می آید　　مسلسل موجِ اشک از دیدہ چوں زنجیر می آید
چو گویم از اسیرانِ شمر در حلقۂ ماتم　　بگوشِ دل صدائے نالۂ شبیر می آید
چرا اشرف ز عصیاں می کنی اندیشۂ محشر
چو بحرِ عفو جرمت شاہِ خیبر گیر می آید

حافظ غلام محی الدین اظہر تخلص۔ حافظ محمد احسن کے بڑے بھائی ہیں۔ حافظ غلام محمد قادری کی زندگی میں فرخ آباد آئے۔[۱] شعر خوب کہتے ہیں۔ ذیل کے اشعار اُن ہی کے ہیں:-

۲۳

---

[۱] غلام حسین سروری اور میر فرزند علی کے شاگرد اور شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے۔ بچوں کو تعلیم دیتے تھے (گلشن بیخار، تذکرہ سرور ص۱۰۱ گلستان بے خزاں ص۱۹، یادگار شعرا ص۲۶) تذکرہ سراپا سخن ص۱۲ قدرت قاسم لکھتے ہیں کہ غلام حسین سروری ان کے والد تھے (مجموعہ نغز ص۶۲ گلشن ہمیشہ بہار ص۱۱)

جو تو نہ ہوتا تو عاشقوں کو جہاں سے کچھ مدعا نہ ہوتا
یہ ایسے جلتے کہ نام کو یاں نشاں بھی انکا رہا نہ ہوتا

جہاں کے گلشن میں عام ہوتی اگر ہماری یہ دل کی تنگی
ہزار کوشش سے ایک غنچہ دمِ صبا سے کھلا نہ ہوتا

ہمارے خوں سے اگر کفِ پا کو اپنے کرتا کوئی بھی رنگیں
پسند دستِ پری رخاں پر کبھو یہ رنگِ حنا نہ ہوتا

جہاں تلک تھی بساط اپنی جفا سے تیری نہ رخ کو پھیرا
وفا بھی گر ہم سے کچھ تو کرتا بھلا ہی ہوتا برا نہ ہوتا

تڑپ تڑپ کر ہی طائرِ دل چھٹا ہے لفِ سیہ سے جوں توں
طپش نہ ہوتی جو بال و پر کی تو دام سے یہ رہا نہ ہوتا

کسی کے شکوے سے کیا ہی حاصل ہوا ہوں برباد اپنے ہاتھوں
سمجھ کے کرتا میں کام اپنا تو غم میں یوں مبتلا نہ ہوتا

تری گلی میں تری ہی الفت ہوئی ہے زنجیرِ پا ہماری
وگرنہ ہم جاتے واں کہ جس جا گزارِ بادِ صبا نہ ہوتا

کیا ہے لبریز مے پیالہ تو مجھ کو پینے کی دے اجازت
کہ صبر آتا ہے دل کو ساقی جو تو نے ساغر بھرا نہ ہوتا

ہوئی نہ دستِ جنوں سے ناصح یہ تیری محنت تمام ضائع
بلا سے یوں ہی تو رہنے دیتا مرا گریباں سیا نہ ہوتا

جہاں میں اسکی ریا کو ثابت کیا اسی کے ہی بوریا نے
وگرنہ زاہد ملک تھا اس میں جو رنگ سبحۂ ریا نہ ہوتا

دکھائی مجھ کو فلک نے اظہر یہ کیسی گردش یہ کیا مصیبت
جو کاش ایسی ہی زندگی تھی تو مر ہی جاتا جیا نہ ہوتا[1]

مژدۂ وصل الٰہی تو سنا جیتے جی
چہرۂ شاہدِ مقصود دکھا جیتے جی

اپنے جل بجھنے سے پروانہ رکھی کچھ ہرگز
شمع نے مفت سر اپنے کو دیا جیتے جی

سعی سے اپنی ہوئی بادِ صبا باختہ دم
ہائے پر دل کا یہ غنچہ نہ کھلا جیتے جی[2]

گھس گئی ناخنِ تدبیر ز انگشت ولے
وا مرا عقدۂ خاطر نہ ہوا جیتے جی

بے قرار ایسے ہی دن رات ہو دل جس بن تیرا
کبھی آرام سے ہرگز نہ رہا جیتے جی

---

[1] یہ غزل نہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے یہاں ہے اور نہ نسخۂ فرخی میں ہے۔

[2]

ستمِ عشق کہ ہے تفرقہ پرداز جہاں — نہ سہے کوئی جو کچھ ہم نے سہا جیتے جی[۱]
آوے کب تربتِ عشاق پر وہ بعد از مرگ — جو ستم گار کہ ہرگز نہ ملا جیتے جی[۲]
گو سیا ہم نے وے ہائے جنوں کے ہاتھوں — اس گریباں میں سدا چاک رہا جیتے جی
سبزۂ تربتِ مجنوں نہ ہوا خشک ابتک — دیدۂ تر سے یہ سیلاب بہا جیتے جی
سربسر جلوۂ حق عشق بتاں میں دیکھا — نہ کریں ترک کبھو نام خدا جیتے جی[۳]
حشر تک نے یہ زمیں ہوئے نہ تاریک اظہر — جو ہے آئینۂ دل کو جلا جیتے جی

شیخ احمد خاں

اظہر تخلص شاہجہاں پور کے رہنے والے ہیں۔ کئی مرتبہ فرخ آباد آئے۔ فارسی میں اُستادانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ذیل کے اشعار اُن ہی کے ہیں:-

اے ناظم[۴] دیوان سخن از تو زبانہا — تو خط بود از نام تو برنا لہ جا نہا
ہر جا کہ بود شعلہ فگن نورِ یقینست — چوں اخگر پژمردہ بخاک اندر کمانہا
در وادیِ عشقیم سراسیمہ و حیراں — خضر رہِ ما نیست بجز ریگِ روانہا[۵]
اُفتادہ چو نقشِ قدم راہ روانم — عنقا شدہ در منزلِ من سنگ نشانہا[۶]
بازارِ تجرد کہ در و حسن خریدار — نگرفت متاعے زغمِ سود و زیانہا
ذاتِ تو بود شمعِ شبستانِ دو عالم — باشد پر پروانہ بوصفِ تو زبانہا[۷]

اظہر بہ ثنایت ز سرِ نکتۂ اوّل
چوں گنگ کہ از خواب نہ دو طرح بیانہا[۸]

[۱تا۴] یہ چاروں شعر نہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے نسخہ میں ہیں اور نہ نسخۂ فرخی میں ہیں۔

[۵] نسخۂ فرخی میں ناظم کی بجائے نامہ ہے۔

[۶،۷] و نمبر[۸] ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے نسخہ میں صرف یہی تین شعر نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو اردو ادب علی گڑھ

[۸] یہ شعر نسخۂ فرخی میں نہیں ہے۔

الٰہی در دلم انداز عشق بے محابا را — کنم تا سیر چوں فرہاد و مجنوں کوہ و صحرا را
بکارِ خویشتن ہر اہلِ ہمت دور تر ماند — کہ جز خشکی نباشد بہرۂ ہر اہلِ دریا را
ببستم رشتہ بر انگشت و ریاد تو ای مہ رو — برنگِ شمع ببستم رشتۂ آتش سراپا را
سخن بستم در مضمون نازک چوں رگِ گلہا — بجز رنگیں خیالاں کس نفہمد معنیٔ ما را
مکن از اہلِ عالم رشتہ گر سیر فلک خواہی — کجا پرواز باشد طائرانِ رشتہ برپا را
اگر واصل بوحدت می شوی فارغ ز کثرت شو — کہ یک سو آں گسست از رشتۂ وحدت مسیحا را
نباشد از سیہ بختی خلل در کارِ مشتاقاں — برنگِ مومیائی می شود بشکستہ دلہا را
تمیزِ نیک و بد جز سینۂ صافی کہ بود حاصل — تفاوت می کند آئینہ روئے زشت و زیبا را
بسا ناداں بود اظہر بدولت ہر کہ می نازد — بقا چوں سایۂ ابرِ رواں شد مالِ دنیا را[1]

امیر الدین محمد بریلوی | آزاد تخلص۔ شیخ عظمت علی کے ساتھ شہر فرخ آباد آئے۔ اچھے شعر کہتے ہیں۔[2] ذیل کے اشعار ان ہی کے ہیں :۔

---

[1] یہ غزل ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے نقل نہیں کی ہے۔ ملاحظہ ہو اردو ادب جولائی ١٩٥٢ء صفحہ ٢٢ اور نسخہ فرخی میں بھی اس کے چھ مختلف شعر ہیں۔

[2] شیخ امیر الدین آزاد بریلوی، غلام علی عشرت کے شاگرد تھے (گلشن بے خار صفحہ ١٢، گلستانِ بے خزاں صفحہ ٧، یادگار شعرا صفحہ ١٤) صاحبِ دیوان تھے (تذکرہ سراپا سخن ١٨٢، ٢٦٧) نواب نیاز احمد خاں ہوش نے فارسی کتابیں خلیفہ امیر الدین آزاد سے پڑھی تھیں۔ ١٨٣٧ء میں بریلی میں محرم اور رام نومی کے ایک ساتھ ہونے پر سخت فساد ہوا جس میں چودھری بسنت رائے ایک پرجوش مسلمان شیخ رحیم بخش رح کے ہاتھ سے مارا گیا۔ شیخ رحیم بخش رح کو پھانسی ہوئی۔ شیخ رحیم بخش کا مزار بریلی میں نریادل جانے والی سڑک اور پاگل خانہ کے درمیان میں نیاز احمد ٹھیکیدار (ف ١٩٤٩ء) کی کوٹھی کے ایک گوشے میں پختہ بنا ہوا ہے۔ امیر الدین آزاد نے شیخ رحیم بخش رح کا ایک پُر درد مرثیہ لکھا۔ یہ مرثیہ ہمارے دوست سید تعظیم علی بریلوی کے پاس قلمی صورت میں محفوظ ہے۔ نول کشور پریس لکھنؤ سے واسوخت کا مجموعہ ضخیم جلدوں میں "شعلۂ جوالہ" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں امیر الدین آزاد کا واسوخت بھی شامل ہے جس میں اکتالیس بند ہیں۔ ڈاکٹر لطیف حسین بریلوی کو آزاد کا دیوان بھی مل گیا ہے۔

بخت بدبیں کہ اگر یار ز نامم پرسد   قاصد از فرطِ خوشی نام فراموش کند
از تماشائے گل و سرو کند قطع نظر   ہر کہ نظارۂ آں سروِ چمن پوش کند

نیست آزادؔ مرا طاقتِ یارائے جواب
کاں پری چہرہ سخن بالبِ خاموش کند[1]

دہد ز دستِ حنا بستہ کسے یادم   شرابِ لعل کہ در ساغرِ بلوریں است
ز پا فتادم و از دستِ خویشتن رفتم   ہنوز آں مہِ بے مہر بر سرِ کیں است

بروز بزمِ تو آزادؔ نا امیدانہ
بخواں کہ زہم صحبتانِ دیریں است[2]

لانہ ہمدم گل میری محفل میں تو اور لانہ شمع   گل ہے گلبرگ لبِ لبریز رُخ جانانہ شمع
ہوں میں وہ دل سوختہ اب شمعِ بزمِ عاشقاں   قبر پر میری جلادیں بلبل و پروانہ شمع[3]

ہر دم اُٹھا اُٹھا کے نہ صاحب دکھائیے تیغ   حاضر ہے بے گناہ سمجھ کر لگائیے تیغ[4]

شیخ محمد یار بریلی کے رہنے والے ہیں۔ اُستاد تخلص ہے۔ محمد امیر الدین آزادؔ کے بیٹے ہیں۔ ذیل کے اشعار ان ہی کے ہیں :-

---

[1] تیسرا شعر نسخہ فرخی میں نہیں ہے۔
[2-4] یہ اشعار نسخہ فرخی میں نہیں ہیں۔
[5] ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے آزادؔ بریلوی کے صرف یہ دو اشعار ہی نقل کیے ہیں۔
ملاحظہ ہو اُردو ادب علی گڑھ جولائی ۱۹۵۲ء
صفحہ ۲۲ و ۲۳

چوں آں بُتِ جفا جو از من صبر ندارد — دانم خدا برحمت برمن نظر ندارد
نقاش را در شبیہش نقشِ کمر ندیدی — یا تو نظر نداری یا او کمر ندارد
ہر کس کہ دید یکرہ صد زخم خوردہ بر دل — ہر چند آں ستمگر تیغ و تبر ندارد
رحمے بچشم زارم ای شوخِ بے مروت — جز دیدن تو چشم کار دگر ندارد
اُستاد چوں کشاید گستاخ چشم بروے — خورشید بر رُخِ او تابِ نظر ندارد[1]

ورقِ دل پہ وہ تصویر رقم کرتے ہیں — ہم خرابہ میں بنا باغِ ارم کرتے ہیں
صبحدم وہ جو علم تیغِ دو دم کرتے ہیں — آدمی کیا، ہر خورشید قلم کرتے ہیں
ہم بھی کیا چاؤ بھرے ہیں کہ تیرا کرکے خیال — دمبدم سورۂ اخلاص کو دم کرتے ہیں
بندۂ صیاد نہیں آہوئے صحرا نہیں تم — کس لئے آپ مجھے دیکھ کے رم کرتے ہیں

فرّخ آباد چلو چھوڑو وطن کو اُستاد!
خوبرو تم پہ بریلی کے ستم کرتے ہیں!

شیخ غلام نبی "اللہ یار" سے خطاب کئے جاتے تھے۔ نواب مظفر جنگ کے زمانے میں فرخ آباد آئے۔ راقم (مفتی ولی اللہ) کے گھر کے قریب چند دن رہے۔ بلگرام کے رہنے والے ہیں۔ جس وقت نواب سربلند خاں مبارز جنگ ان علاقوں میں صوبہ دار تھے۔ اور ان کے والد شیخ اللہ یار کلاں نواب مذکور کے ساتھ رہتے تھے تو ۱۱۲۰ھ (۱۷۰۸–۱۷۰۹ء) میں شہر پشاور میں پیدا ہوئے[2] ان کے والد راجہ ابھے سنگھ راٹھور سے مقابلہ کے وقت ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰–۱۷۳۱ء)

---

[1] فارسی اشعار ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے نقل نہیں کئے ہیں (ملاحظہ ہو اردو ادب علی گڑھ جولائی ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۳)

[2] اصل نام مرتضیٰ حسین حسینی اللہ یار خطاب اور غلام نبی تاریخی نام ہے ۱۱۳۳ھ (۱۷۲۰–۱۷۲۱ء) میں پیدا ہوئے۔ (حدیقۃ الاقالیم صفحہ ۲) مختلف اُمرا مثلاً دلاور جنگ سربلند خاں، برہان الملک سعادت خاں، صفدر جنگ ابو المنصور خاں، شجاع الدولہ، راجہ نول رائے
(باقی اگلے صفحہ پر)

میں مارے گئے۔ اس وقت غلام نبی کم سن تھے۔ نواب نے انھیں شیخ اللہ یار کا خطاب دیا تھا اور مختلف طور سے تربیت فرمائی۔ چنانچہ ان کا ذکر نواب سربلند خاں کے ترجمہ میں ہو چکا ہے، شیخ غلام نبی اللہ یار نے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں ملکوں اور شہروں اور ان کے باشندوں کا حال ہے۔ اس کتاب کا نام حدیقۃ الاقالیم ہے۔ ایک کتاب اور تصنیف کی ہے۔ جس کا نام "لوحِ محفوظ" ہے ۱۲۱۰ھ ۱۷۹۵ء کے بعد وفات پائی۔ کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ جس زمانہ میں انگریزوں کے ساتھ تھے تو قلعہ گوالیار کے فتح کی تاریخ لکھی ہے۔

گر تو پرسی سال ہجران از آں فتح عظیم　　یک ہزار و یک صد و تسعین و بالائش چہار

۱۱۹۴ھ ۱۷۸۰ء

میر انشاء اللہ خاں حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے ہیں۔ دو تین بار شہر فرخ آباد میں آئے عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ ہندی۔ پنجابی۔ بنگالی۔ پشتو وغیرہ کئی زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ نواب وزیر سعادت علی خاں کے مسندِ حکومت پر بیٹھنے کے وقت ۴ زبانوں میں قصائد تہنیت لکھے۔[۱]

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) عالی جاہ قاسم خاں علی قلی خاں داغستانی اور نواب احمد خاں بنگش وغیرہ کی ملازمت میں رہے اور یہ ملازمتیں قریب ۵۵ سال کی عمر تک کیں پھر چند سال خانہ نشین رہے بعدہٗ ایک دوست رجب علی کی تحریک پر انگریزوں کی ملازمت میں داخل ہوئے اور اپنے آقا مسٹر ڈکا کی تحریک و ترغیب نواب آصف الدولہ کے عہد میں "حدیقۃ الاقالیم" فارسی زبان میں لکھی مصنف کی عمر اس وقت ساٹھ سال تھی۔ (حدیقۃ الاقالیم ص ۲-۳)

[۱] میر انشاء اللہ سراج الدولہ کے عہد میں ۱۱۶۹ھ ۱۷۵۷-۸ء مرشد آباد میں پیدا ہوئے۔ شاہ عالم کے زمانے میں انشاء اللہ اپنے والد کے ہمراہ دہلی آئے یہ ذوالفقار الدولہ نجف خاں کی امارت کا عہد ۱۱۸۵-۹۶ھ ۱۷۷۱-۸۲ء تھا۔ انشا شاہ عالم کے متوسلین میں شامل ہو گئے ۱۲۰۶ھ ۱۷۹۱ء کے قریب انشا لکھنؤ پہنچے۔ لکھنؤ میں مصحفی و انشا کے تاریخی معرکے رہے۔ انشا اول شہزادہ سلیمان شکوہ کے اور پھر نواب سعادت علی خاں کے مصاحب رہے۔ انشا نے ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۷ء میں انتقال کیا ان کی کلیات اور دریائے لطافت مشہور ہیں ان کی ایک کتاب "رانی کیتکی کہانی" جس میں ہندی کے سوا کسی دوسری زبان کا کوئی لفظ نہیں آیا ہے اور ایک غیر منقوط کہانی "سلک گوہر" بھی طبع ہو چکی ہیں۔ آخر الذکر کتاب مولوی امتیاز علی خاں عرشی رامپوری نے مرتب کر کے شائع کرائی ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: (۱) لکھنؤ کا دبستانِ شاعری ص ۱۶۹-۱۹۰ (۲) گلِ رعنا ص ۲۵۳-۲۶۳ (۳) تاریخ داستانِ اردو ص ۱۷۵-۱۸۱ (بقیہ اگلے صفحہ پر)۔

اشعار ذیل ان ہی کے ہیں :-

پھنس گئی عندلیب ہو بے بس — وائے تنہائی اور کنجِ قفس
آئے شورش اور بہار کے دن — ہو چکا ہم سے خیر ضبطِ نفس
قیس لیلے[۱] سے مل گیا شاید — اب جو آتی نہیں ہے بانگِ جرس
اس کے پرتو کے سبب یہ جلوے ہیں — موسیٰ و نور و نار طور و قبس
شب جو اس سے میں راہ میں پٹا — خوفِ حاکم رہا نہ بیمِ عسس
ہاتھا پائی تو کچھ ہوئی ایسی — اس کی انگلی کی چڑھ گئی جھٹ نس
لگی کہنے کہ میرے کر دامن کو — نہ کیا ہے کسی نے اب تک مس
مفت جل جائے گا ارے بھی سرک — ارے میں آگ ہوں اور تو ہے خس
جب یہ دیکھا کہ چھوڑتا ہی نہیں — تب یہ ٹھہری کہ دوں گی بوسے دس[۱]
گن کے دس لے، لے گیارھواں نہ بھی — مجھ کو پیٹے، کرے جو اور ہوس

ایک[۱] دو[۲] تین[۳] چار پانچ چھ[۶] سات
اٹھ نو[۹] دس[۱۰] ہوئے بس انتالیس

کو صولتِ اسکندر و کو حشمتِ دارا — اے صاحبِ فطرت
پہرہ فاعتبروا یا اولی الابصار کا آیا — تا ہو تجھے عبرت

بسلسلہ صفحہ گزشتہ (۱) آبِ حیات صفحہ ۲۵۴-۳۰۲

(۵) گلشن ہند صفحہ ۱۴۱-۱۴۳ (۶-۷) تذکرہ شعراء (ابن امین اللہ طوفان مرتبہ قاضی عبدالودود صفحہ ۳-۴۰

(۷) گلستن بے خزاں صفحہ ۱۰-۱۱ (۸) گلشن بے خار صفحہ ۲۹-۳۰

(۹) تذکرہ سراپا سخن صفحہ ۳۳، ۱۴۷، ۱۶۴، ۲۲۴، ۲۲۷ (۱۰) یادگار شعرا صفحہ ۳۴

(۱۱) تذکرہ خندہ گل صفحہ ۸۰-۹۷ (۱۲) گلشن ہند ۱۴۳-۱۴۴ (۱۳) تذکرہ شعرائے اردو صفحہ ۱۹-۲۰ (۱۴) تذکرہ ہندی صفحہ ۲۳-۲۴

(۱۵) دلی کا دبستان شاعری صفحہ ۱۹۶-۲۰۲ (۱۶) تذکرہ سرور صفحہ ۴۳-۴۷ (۱۷) مجموعۂ نغز صفحہ ۸۰-۹۰

مستانہ جو ہم نے قدحِ بنگ چڑھایا — در عالمِ وحشت
یوں خضر لگا کہنے ہنیئاً و مریئاً — اب دیکھ حلاوت
ہے جی میں فقیروں کی طرح کھینچ لنگوٹا — اور باندھ کے ہمت
تا کنجِ خرابات میں ٹک گھونٹیے سبزہ — یوں کیجے عبادت
اے حضرتِ عشق اے سائیں اجی مولا — یہاں کیجئے عنایت
مرشد میرے ہادی میرے مالک مرے داتا — دیجے مجھے نعمت
میں خاک نشیں ہوں جو گروہِ فقرا سے — کیا سمجھے ہو مجھ کو
رومال چھڑی لیکے جو ٹک کھینچوں ادا سا — دکھلا دوں کرامت
خوش رہتے ہیں چار ابرو کے تبلا کے صفایا — مانند قلندر
نے ہم کو غمِ دزد نہ اندیشۂ کالا — ہے خوب فراغت
درویش بلا نوش بلا چٹ ہیں میاں دوست — پینک میں جو آویں
افعی کو مسل کر کریں افیون کا گھولا — ہیں ایسے ہیں آفت
آزادوں کے لہجہ میں غزل ایسی سناوے — از بہرِ تفنّن
اب تو اپنی بولی کے کچھ اشعار کہہ انشا — ہو جس میں ظرافت[1]

آنند کہن مکھلی ہندی بھاکا میں کہ جو دوہرہ اور کبت سے عبارت ہے کامل مہارت حاصل تھی اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے رامائن کا اردو زبان میں ترجمہ کیا آخر عمر میں بال بچوں سے کنارہ کش ہو کر بندرابن میں جمنا کے کنارے رہتے تھے یہاں تک کہ احمد شاہ کے قتل میں متھرا کے نواح میں ایک مغل کے ہاتھ سے مارے گئے اور عین زخم پہونچنے

۱؎ نسخۂ فرخی میں یہ مستزاد شامل نہیں ہے۔

کی حالت میں فی البدیہہ کہا:-

از زخم نصیباں ترا عار ز مرہم　　　قربان سر تیغ تو یک زخم دگر ہم
بالیں ہمہ شب ز اشک من تر گردد　　　بر بستر من برگ گل اخگر گردد
خواب آید و در دیدۂ من بیند آب　　　از غرق شدن ترسد و بس تر گردد

حکیم امان خاں آہ | اپنے چچا حکیم رحیم خاں کے بعد طبابت کا مشغلہ جاری رکھا۔ ہندی اُردو شعر بھی کہتے تھے۔ نمونہ یہ ہے:-

افسوس آہ تجھ میں اتنا اثر نہیں ہے　　　رونے سے تیرے ابتک اس کو خبر نہیں ہے

عجب تیری تاثیر اے آہ دیکھی　　　نہ آیا تو پیارے بہت راہ دیکھی

بالامیاں | مارہرے کے بزرگ زادے ہیں ہندی اور فارسی میں خوب شعر کہتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے ؎

نہ پھرا قوال دے جو شب کوئی　　　مر گیا ہو کے جاں بہ لب کوئی
خوب مجھکوں جو پاؤں ہائے تجھے　　　ایسا آتا نہیں ہے ڈھب کوئی
ہم جو کہتے تھے وہ خفا ہے نہ چھیڑ　　　بات بگڑی بنی ہے اب کوئی
رنت کہوں حال کوئی میں تم سے　　　کہہ دیں اس پاس ہو نہ جب کوئی
ہیں کچھ اور ہی ترے سخن بالا
یوں تو کہتے غزل ہیں سب کوئی

---

۵ اسپرنگر نے تذکرۂ ذکا کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا رحم رسول نام تھا اور بلگرام کے شاہ برکات کی اولاد میں تھے۔ ملاحظہ ہو یادگار شعراء صفحہ ۳۶

امانت علی خاں بلیغ نواب غضنفر جنگ کے امیرزادوں کے خاندان سے ہیں۔ ان کے والد محمدی خاں اور دادا پرمول خاں کچھ دنوں تک نواب مظفر جنگ کی نیابت میں رہے نمونۂ کلام یہ ہے۔

از نقشِ دل سیپارہ ام گر دست پنہاں در بغل　　زانساں کہ گبر و کافرے دزدیدہ قرآں در بغل
دادم ز تابِ روئے او دل را فروغِ تازہ　　فانوس را آوردہ ام شمعِ فروزاں در بغل
طفلاں بے امیدِ اماں دارند قرآں نزدِ خود　　من نیز دارم ہر زماں تصویرِ جاناں در بغل
چو آں خورشید رُو گردد بشادی ہم کنارِ من　　زند پہلو بصبحِ عید شامِ انتظارِ من
چراغ از روغنِ گل کس نگرا فروخت بر خاکم　　کہ چوں پروانہ قربانست بلبل بر مزارِ من
چوں آں رشکِ چمن مائل بسوئے من نمی گردد　　اگر یارب کہ خواہد کرد رفعِ خار خارِ من

غوغائے خلق است گرد سرِ من　　بنگر بکویش کرّ و فرِ من
مے خوار و مستیم و شاہد پرستیم　　رنداں گواہ اند بر محضرِ من
با راہِ کعبہ کارے ندارد　　عشقِ بتاں ست تا رہبرِ من
در کوئے جاناں از اشکِ گلگوں　　شد نہرِ جنت چشمِ ترِ من
مالیدہ ام چشم بر آستانش　　شاید کہ بوسند مردم درِ من

تیغش جدا کرد از ہم بلیغا
سر از تنِ من، تن از سرِ من

خواجہ ابوالحسن تائب کشمیری تھے، فرخ آباد میں بسلسلۂ تجارت رہتے تھے اور کشمیر کے مشہور شاعر توفیق[1] سے شاعری میں اپنا تعلق بتاتے تھے نمونہ یہ ہے:-

---

[1] توفیق کشمیر کا مشہور شاعر ہے اس کے حالات کے لئے دیکھیے۔ (۱) عقدِ ثریا از مصحفی ص ۱۸ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سنہ ۱۹۳۴ء
(۲) تذکرہ نتائج الافکار: از قدرت اللہ گوپاموی ص ۱۳۰-۱۳۱ طبع بمبئی ۱۳۳۶ھ (۳) تذکرۂ شعرائے کشمیر (فارسی گویاں) از محمد اصلح کشمیری ورق ۱۶ (قلمی)

جو نم کوس رحلت زد و خبر شد کوہ و صحرا را ‏ رہ خود گیر اے مجنوں وطن کن کوئے لیلی را

زیارانِ زمانی دشمنِ جاں قدرداں باشد ‏ دم آخر کہ ہمدم جز سکندر بود دارا را

خریدار سر فرہاد خسرو شد تماشا کن ‏ کہ حرفِ تلخ دلالہ چو شیریں کرد سودا را

اگر اعجاز نبود وحی را ناقص چہ می فہمد ‏ کجا قول ملک معقول گردیدہ است سارا را

گو تاب تو حال پیر کنعاں از غنی بشنو

کہ روشن کرد نور دیدہ اش چشم زلیخا را

میر ہدایت علی تمکین

رام پور کے اہل علم سے ہیں فرخ آباد میں دو مرتبہ آئے تھے راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) سے ملاقاتیں رہیں۔ نمونہ یہ ہے:۔

دانی مرا اگر ز درت نیست غم و لے ‏ گفتن رقیب را بنشیں مے کشد مرا

بے قدر مشک و عنبر سارا کند کسے ‏ از زلفِ خویش اگر گرہے وا کند کسے

باشم بلند منزلت از یاد قامت ‏ زانساں کہ سیر عالم بالا کند کسے

معلوم می شود رخ تاباں تو بخط ‏ چوں شمس بازغہ کہ محشی کند کسے

غلام جیلانی ثروت

نواب عماد الملک وزیر کے بیٹے ہیں شعر کہتے ہیں نمونہ یہ ہے:۔

دل از لفوں تلک پہنچا تو دست آرزو پہنچا ‏ غلط ہے بات یہ ساری نہیں پہنچا نہ تو پہنچا

نے خوش آتا ہے چمن نے ہوائے جو مجھے ‏ خار ہے گل چشم میں اپنے بن اس گل رو مجھے

جمیل الدین جنوں شیخوپوری [۱]

نظم میں، نثر میں کمال رکھتے تھے۔ اساتذۂ روزگار سے استفادہ کیا تھا۔ نمونہ یہ ہے :-

کسے کہتے ہیں موسیٰ کیا تجلّی لن ترانی کیا
وہی ہے جلوہ فرما اور وہی محوِ تماشا ہے

دمِ آخر ہے اے آرامِ جاں اک دم تو آ یاں تک
کہوں کیا کس طرح سے یہ ترا بیمار شیدا ہے

طبیب آپس میں کہتے ہیں خدا پر چھوڑ دو اس کو
کہ یہ بیمار رسوا سازِ اعجازِ مسیحا ہے

گریباں گیر ہی کچھ ان دنوں یہ شورشِ وحشت
بس اپنا ہاتھ ہے اور گوشۂ دامانِ صحرا ہے

خدا حافظ ہی کیا انجام ہوگا اس کی الفت کا
ابھی سے یہ جنوں بے طرح کچھ محوِ تماشا ہے

نہیں کچھ مرہم کافور یہ زخمِ دل طالب
یہ ہے الماس کا مشتاق یا عاشق نمک دان کا

وہ تیغ ابروئے شمشیر لایا قتل کو میرے
مبارکباد دو مجھ کو کہ دن ہی عید قرباں کا

میر کلو حجام

دارالسلطنت شاہجہاں آباد کے خاص تراش ہیں۔ مولانا فخر الدین [۲] مرحوم و مغفور کے مرید [۳] ہیں۔ نمونہ یہ ہے :-

---

[۱] موضع شیخوپور پرگنہ بھوجپورہ (ضلع فرخ آباد) سے متعلق ہے یہاں درگاہ شاہ محمود براق ہیں، ۱۷، ۱۸ جمادی الثانی کو ایک سالانہ میلا لگتا ہے (تاریخ فرخ آباد از منشی دیبی پرشاد، مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد ۱۹۵۹ء)

[۲] حضرت شاہ فخر الدین دہلوی المتوفی ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۵ء

[۳] عنایت اللہ نام ہے میر کلو کے نام سے مشہور ہیں حجام تخلص تھا مو تراشی کا پیشہ کرتے تھے ان کی والدہ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کی مرید اور ماما تھیں جب والدہ کا انتقال ہوا تو حضرت شاہ فخر دہلوی نے پرورش فرمائی۔ مولانا ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ خدمت کرنے والوں میں ان سے زیادہ کوئی محرمِ راز نہ تھا کیونکہ بچپن سے حضرت کے مزاج سے واقف اور خادم خاص تھے (ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی ص ۵۶) حضرت شاہ فخر دہلوی سے بیعت و ارادت رکھتے تھے سودا کے شاگرد تھے (مجموعۂ نغز ص ۱۹۸) حکیم قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں :-

"درویش نہاد، صاحب شعور، بیشتر اوقات مشغول بحق می ماند و مثنوی مولوی معنوی علیہ الرحمۃ می خواند

جنونم کوس رحلت زد خبر شد کوہ و صحرا را — رہِ خود گیر اے مجنوں وطن کن کوئے لیلیٰ را

زیارانِ زمانی دشمنِ جاں قدرداں باشد — دمِ آخر کہ ہمدم جز سکندر بود دارا را

خریدار سر فرہاد خسرو شد تماشا کن — کہ حرفِ تلخ ولالہ چو شیریں کرد سودا را

اگر اعجاز نبود وحی را ناقص چہ می فہمد — کجا قول ملک معقول گردیدہ است سارایا

مگو تا ئب تو حال پیر کنعاں از غنی بشنو

کہ روشن کرد نور دیدہ اش چشم زلیخا را

میر ہدایت علی تمکین رام پور کے اہل علم سے ہیں فرخ آباد میں دو۲ مرتبہ آئے تھے راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) سے ملاقاتیں رہیں۔ نمونہ یہ ہے:-

دانی مرا اگر ز دورت نیست غم ولے — گفتن رقیب را بنشیں مے کشد مرا

بے قدر مشک و عنبر سارا کند کسے — از زلفِ خویش اگر گرہے وا کند کسے

باشم بلند منزلت از یاد قامتت — زانساں کہ سیر عالم بالا کند کسے

معلوم می شود رُخِ تاباں تو بہ خط — چوں شمس باز غہ کہ محشی کند کسے

غلام جیلانی ثروت نواب عماد الملک وزیر کے بیٹے ہیں شعر کہتے ہیں نمونہ یہ ہے:-

ے

دلا زلفوں تلک پہنچا تو دست آرزو پہونچا — غلط ہی بات یہ ساری نہیں پہنچا نہ تو پہنچا

نے خوش آتا ہی چمن نے ہی ہوائے جو مجھے — خار ہی گل چشم میں اپنے بن اس گل رو مجھے

جمیل الدین جنوں شیخوپوری[۱] نظم میں، نثر میں کمال رکھتے تھے۔ اساتذۂ روزگار سے استفادہ کیا تھا۔ نمونہ یہ ہے:-

کسے کہتے ہیں موسیٰ کیا تجلّی لن ترانی کیا ۔۔۔ وہی ہے جلوہ فرما اور وہی محوِ تماشا ہے

دمِ آخر ہے ای آرامِ جاں کہ دم تو آ یاں تک ۔۔۔ کہوں کیا کس طرح سے یہ ترا بیمار شیدا ہے

طبیب آپس میں کہتے ہیں خدا پر چھوڑ دو اس کو ۔۔۔ کہ یہ بیمار رسوا سازِ اعجازِ مسیحا ہے

گریباں گیر ہی کچھ ان دنوں یہ شورشِ وحشت ۔۔۔ بس اپنا ہاتھ ہے اور گوشۂ دامانِ صحرا ہے

خدا حافظ ہی کیا انجام ہوگا اس کی الفت کا ۔۔۔ ابھی سے یہ جنوں بے طرح کچھ محوِ تماشا ہے

نہیں کچھ مرہم کافور یہ زخمِ دل طالب ۔۔۔ یہ ہے الماس کا مشتاق یا عاشق نمک دان کا

وہ تیغ ابروے شمشیر لایا قتل کر میرے ۔۔۔ مبارکباد دو مجھ کو کہ دن ہی عیدِ قرباں کا

میر کلو حجام[۳] دار السلطنت شاہجہاں آباد کے خاص تراش ہیں۔ مولانا فخر الدین[۲] مرحوم و مغفور کے مرید ہیں۔ نمونہ یہ ہے:-

---

[۱] موضع شیخوپور پرگنہ بھوجپورہ (ضلع فرخ آباد) سے تعلق ہے یہاں درگاہ شاہ محمود براق ہیں، ۱۷، ۱۸ / جمادی الثانی کو ایک سالانہ میلا لگتا ہے (تاریخ فرخ آباد از منشی دیبی پرشاد مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد ۱۹۵۹ء)

[۲] حضرت شاہ فخر الدین دہلوی المتوفی ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۵ء

[۳] عنایت اللہ نام ہے میر کلّو کے نام سے مشہور ہیں حجام تخلص تھا مو تراشی کا پیشہ کرتے تھے ان کی والدہ حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کی مرید اور ماما تھیں۔ جب والدہ کا انتقال ہوا تو حضرت شاہ فخر دہلوی نے پرورش فرمائی۔ مولانا ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ خدمت کرنے والوں میں ان سے زیادہ کوئی محرمِ راز نہ تھا کیونکہ بچپن سے حضرت کے مزاج سے واقف اور خادمِ خاص تھے (ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی صفحہ ۵۶) حضرت شاہ فخر دہلوی سے بیعت و ارادت رکھتے تھے سودا کے شاگرد تھے (مجموعۂ نغز صفحہ ۱۹۸) حکیم قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں:-

"درویش نہاد، صاحب شعور، بیشتر اوقات مشغول بحق می ماند و مثنوی مولوی معنوی علیہ الرحمۃ می خواند

ہر دم نظر آتے ہیں نئے یار تمہارے — ہم جی چکے گر ہیں یہی اطوار تمہارے
اس شوخ کے کوچہ میں نہ جایا کرو حجام — اک دن کہیں چھن جائینگے ہتھیار تمہارے
یہ جی میں تمنّا ہے کہ ان آنکھوں کو چوموں — بچتے نہیں کس واسطے بیمار تمہارے
مت بند قبا کھول کے گلزار میں جاؤ — ہو دیں گے ابھی گل گلے کا ہار تمہارے

خط آنے سے بھی اپنی رسائی نہیں ہاں — حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں

اسیر زلف رکھے قیدیِ کمند کرے — پسند اس کی ہے جس طرح وہ پسند کرے
رقیب ہو گیا دیوانہ پر ترا حجّام — جو حکم ہو تو ابھی قصد چار بند کرے

حجّام ہر دو دست ترا قطع لازم است — اصلاح می دہی خط پروردگار[1] را

(بسلسلۂ صفحۂ گزشتہ) دو ولہ سماع بود و بعدمی فرمود" (مجموعہ نغز صفحہ ۱۹۱) قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے کہ ہر غزل کے مقطع میں پرورش تخلص کرتے ہیں۔ قاسم نے حجام کے اکتیس اشعار بطور نمونہ نقل کئے ہیں جن میں تیرہ جگہ حجام تخلص آیا ہے پرورش کہیں نہیں آیا ہے۔ مصحفی لکھتے ہیں کہ قصبہ سہارنپور ریڑھ کے رہنے والے تھے مدتوں دہلی میں رہے خانہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مشاعروں میں ان کو اکثر داد ملتی تھی۔ غزل کے ہر مقطع میں اپنے پیشے کی رعایت ضروری سمجھتے تھے۔ دہلی کا ہر چھوٹا بڑا ان کو دوست رکھتا تھا۔ مشائخانہ طریقہ پر رہتے تھے اس لئے محلہ کے لوگ ان کو "شاہ جی" کے نام سے پکارتے تھے۔ مصحفی سے مدتوں سے آشنائی تھی اور ان کے ساتھ نہایت عاجزی سے پیش آتے تھے ان کی عمر ۸۵ سال سے زیادہ ہوئی تذکرہ ہندی ص۷۶ تقریباً ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۹ء میں انتقال ہوا۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے:-

(۱) تذکرہ شعرائے اردو میر حسن ص۵۰
(۲) تذکرہ خندۂ گل از عبدالباری آسی ص۱۹۷-۱۹۸
(۳) گلستان بے خزاں ص۶۹
(۴) گلشن بے خار ص۵۵-۵۶
(۵) طبقات الشعرا علیگڑھ میگزین اگست ۱۹۱۳ء ص۱۵۵
(۶) یادگار شعرا ص۷
(۷) تذکرہ سراپا سخن از میر محسن علی محسن ص۲۷۵
(۸) سخن شعرا ص۱۲۲ ۳ یہ شعر نسخہ فرخی میں زیادہ ہے۔

حسین شاہ حقیقت[1]

شاہجہاں آباد کے بزرگ زادے اور حکیم محمد نواز کے بھانجے ہیں فرخ آباد میں آنے کے موقعے پر اکثر راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) کے پاس تشریف لائے تھے لکھنؤ میں رہنے کی وجہ سے مشہور شاعر جرأت لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ شعر خوب کہتے ہیں چنانچہ جرأت کی غزل کو مخمس کیا ہے جو یہ ہے[2] :-

صحبت اب باہم نہیں یہ پیچ ہیں ایام کے — ہو گئے موقوف چرچے عیش اور آرام کے
جی کے بہلانے کو ظالم ہو چکے تھے شام کے — کل جو بیٹھا پاس میں یکجا ترے ہم نام کے
رہ گیا بس نام سنتے ہی کلیجا تھام کے

نارسائی پر مرے ظالم کی کیجیو کوئی غور — یعنی اب جو ہجر میں کچھ وصل کا ٹھہرا ہے طور
سو فلک ہم کو کوئی دم میں کھا چاہے تھوڑ — وائے قسمت اس کا وعدہ شب کے آنے کا ہے اور
ڈھل چلا یاں زیست کا دن آتے آتے شام کے

ساکنانِ باغ جو گاہے نہ ہوتے تھے ملول — ان پہ اب ہر ستم سے ہے حوادث کا نزول
دیکھ تو ٹک اے فلک اس ظلم سے ہے کیا حصول — شاخِ گل پر کل جو بلبل بیٹھتے تھے پھول پھول
آج سو نالاں ہے کس کس شکل نیچے دام کے

اب جا سوسوں کے ڈر سے اس کو بلواتے ہیں ہم — نے اسے کچھ حال اپنا جا کر دکھلاتے ہیں ہم
اس صنم کے گھر میں جانے نہیں پاتے ہیں ہم — ہے وہ جس گھر میں تصور باندھ کر جاتے ہیں ہم
صدقے اس صحن و در و دیوار، سقف و بام کے

دیکھ سرگرم جفا ہم چپ ہی بیٹھے کیا کریں — سن کے ہم صدقے نہ کچھ منہ سے کہیں گے کیا کریں
اف نہیں کرنے کے گر آنسو بہیں گے کیا کریں — جو کرو گے ظلم تم سب سہیں گے کیا کریں
تم بنے اس کام کے اور ہم بنے اس کام کے

---

[1] اصل نام میر شاہ حسین بن سید عرب شاہ، ان کے بزرگ خوست کے رہنے والے تھے وہاں سے لاہور اور دہلی آتے ہوئے
(باقی اگلے صفحہ پر)

خون آنکھوں سے مری کیوں نہ اب ہر دم بہے طعنے نشتر اس کے یہ کوئی بھلا کیونکر سہے
کچھ توقع دوستی کی اس سے پھر کیونکر رکھے مانگوں کچھ ہونٹوں میں ہی تو یوں اشاروں میں کہے

اس کو کیا بوسہ دو جو لائق نہ ہو دشنام کے

جس میں ہو ترک ادب بندہ نہیں کرتا وہ کام نام صاحب کا زباں پر لائے پھر کیونکر غلام
ہو قبول اب عرض یہ میری میں کرتا ہوں سلام اپنے منہ سے کس مزے سے لیتے ہو تم اپنا نام

لیجو پھر اک بار میں صدقے گیا اس نام کے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) لکھنؤ پہونچے۔ میر شاہ حسین اپنے نانا حکیم میر محمد کے ہمراہ لکھنؤ آئے (تذکرہ سراپا سخن ص۶) مصحفی نے لکھا ہے کہ بریلی میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں سن تمیز کو پہونچے ان کے ایک بزرگ نواب محبت خاں کے بچوں کے معلم تھے۔ قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے اوّل تُرک سواروں میں نوکر رہے۔ جب یہ رسالہ برخاست ہوا تو جرأت کی سفارش پر امام بخش قاؔل کشمیری کے یہاں بچّوں کی تعلیم پر ملازم ہو گئے۔ امام بخش کشمیری نے مصحفی کے تذکرہ کا نسخہ عاریتاً مانگا اور تقریباً تمام مسودہ بغیر اجازت کے میر شاہ حسین حقیقت سے نقل کرا لیا۔ جب مصحفی کو اس حقیقت کا علم ہوا تو سخت جزبز ہوئے۔ مصحفی فرماتے ہیں :-

جانتے ہیں سب کہ اک مدت سے یہاں مصحفی کے تذکرے کا شور ہے
تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا بے حقیقت مصحفی کا چور ہے

میر شاہ حسین حقیقتؔ، کٹ صاحب کے ہمراہ ان کے میر منشی ہو کر چینا پٹن (مدراس) گئے اور وہیں انتقال ہوا (تذکرہ ہندی صفحہ ۸۶-۸۷) دیوان ریختہ۔ تحفۃ العجم، خزینۃ الامثال اور صنم کدۂ چین وغیرہ آٹھ تصنیفات ان سے یادگار ہیں (سراپا سخن ص۱۰۵) خزینۃ الامثال میں عربی، فارسی اور ہندی کے امثال جمع کئے گئے ہیں۔ اس کا دیباچہ بھی حقیقت نے تینوں زبانوں میں لکھا ہے یہ کتاب ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰-۱ء میں تالیف ہوئی ہے۔ تذکرہ علمائے ہند ص۱۶۵) خزینۃ الامثال اور صنم کدۂ چین طبع ہو چکی ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کا نام میر حسن شاہ لکھا ہے جو درست نہیں۔ میر شاہ حسین کے نامور فرزند میر محسن علی محسن تھے جنھوں نے تذکرہ سراپا سخن ۱۲۶۹ھ میں لکھا جو نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں طبع ہوا ہے۔ عبد الغفور نسّاخ نے ان کی مثنوی ہشت گلزار دیکھی تھی (سخن شعرا ص۱۳۶)

(۱) مجموعہ نغز صفحہ ۲۱۹-۲۲۰ (۲) گلشنِ بے خار صفحہ ۶۱ (۳) گلستان بے خزاں صفحہ ۷۲

(۴) یادگار شعرا صفحہ ۷۶ (۵) گلشن ہمیشہ بہار صفحہ ۳۱-۳۲

ہے ہوا اور ابر و گلشن، مطرب و قانون و چنگ
برق بھی کوندے ہے بدلی اپنا دکھلائے ہے رنگ
جوش مستی میں ہم اپنی کیا کہیں دل کی اُمنگ
ساقیا گر بس چلے اپنی تو ہے ایسی ترنگ

دو جہاں کو دیں تجھے بدلے ہم اک اک جام کے

برہمن اور شیخ میں آتا ہو نت جھگڑا اچلا
پر کھلا ابتک نہیں ہی یہ کسی پر ماجرا
تو ہی اے کافر! گر آتا کام اب بہرِ خدا
باندھ کر بالوں کا جوڑا اپنے مکھڑے کو دکھا

عقدے تا کھل جاویں سب کفر اور اسلام کے

تجھ سے دیوانوں کو ہو کب جنوں کی آرزو
سر خرو مجنوں بھی تا سُن کے تیری ہاؤ ہو
لڑمرے اس سے حقیقت گر کہے کوئی عدو
پختہ مغزانِ جنوں میں آپ کو کہتا ہے تو

ہم تو دیوانے ہیں جرأت اس خیالِ خام کے

شہامت خاں حیرت

ان کے والد صلابت خاں، غضنفر جنگ کے خاندان کے منتسبین میں سے ہیں اور انھوں نے خود تنگیِ معاش اور قلتِ اسباب کے باوجود شاعری کو اعلے مرتبہ تک پہونچایا اور یہ قدما کے انداز پر شعر کہتے ہیں نمونہ یہ ہے ۱-

کرد چشمِ تو چناں بیخود و بے ہوش مرا
کہ کشیدند شب از بزمِ تو بر دوش مرا
چوں نسیم از سر گلشن پئے رفتن برخاست
دید چوں از چمن آں سرو قباپوش مرا
خواستم غنچہ صفت لب بہ سخن بکشایم
کرد یادِ لبِ خاموش تو خاموش مرا
گر نظر باز کنم بر تو بعزمِ دیدن
چشمِ مست تو کند بیخود و مدہوش مرا
در شبِ زلفِ تو دل خواب فراغت خوش داشت
کرد بیدار عبث صبح بنا گوش مرا
از لبِ لعلش چو در دل یاد می آید مرا
ہمچو نے ہر دم ز لب فریاد می آید مرا
وقت کشتن ہم برو بسبش خوشدیدن نداد
گریہ بر بے رحمیِ جلاد می آید مرا

زیرِ لب می گفت بلبل با کہ گویم در قفس — انچہ در دل از تو اے صیاد می آید مرا

دوش در محفل چو طرزِ گفتگوی من شنید

گفت حیرت از نظر او ستاد می آید مرا

خادم علی خادم — قصبہ کیتھل کے بزرگ زادے اور قادر علی خاں خوش نویس کے داماد ہیں۔ قرآن کریم کے حفظ کرنے اور نظم و نثر میں حافظ غلام محمد مرحوم کے شاگرد ہیں خطِ نستعلیق مرزا محمد علی کی وضع پر خطِ نسخ یاقوت رقم خاں محمد عارف کے انداز پر، خطِ شکستہ سیت گفا خاں کے طور پر اور خط شفیعا جدید طریقے پر خوب لکھتے ہیں[1]۔ بمونہ یہ ہے:-

خوب برزانحۂ دل دار تمناست مرا — انقدا طالع بیدار تمناست مرا

شور دریائے چشمِ پُرنم کا — اب ہوا ہے محیط عالم کا

سنگدل پتھرا گئیں آنکھیں مری — تو نہ آیا آ گئیں آنکھیں مری

ہجر میں گل کے مر گئی فصلِ خزاں میں عندلیب[2] — غسل اب اس کو باغباں دیجو تو گلاب سے

---

[1] حکیم قدرت اللہ قاسم مجموعۂ نغز میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے دہلی میں تعلیم و تربیت پائی نواب احمد خاں بنگش کے پسر خواندہ مظفر جنگ (ف سنہ ۱۲۱۱ھ) کے ملازم ہوئے اور دو سو روپے ماہانہ مقرر ہوا۔ نواب ناصر جنگ (ف ۱۲۳۶ھ) نے ان سے استفادہ کیا تھا۔ نہایت قابل، خلیق، مہربان، شفیق، متواضع نیک اخلاق اور مودّب تھے۔ انشا پردازی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے خطِ نسخ، نستعلیق، شفیعا، تعلیق اور شکستہ خوب لکھتے تھے۔ فارسی اور اُردو دیوان مرتب کئے تھے۔ اپنے اشعار حکیم قدرت اللہ قاسم کو بھیجے تھے جو انھوں نے اپنے تذکرے میں شامل کئے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیے:-

(۱) مجموعہ نغز ص ۲۳۱-۲۳۳ (۲) تذکرہ گلستان سخن ص ۲۰۷-۲۰۸ (۳) گلشن بے خار ص ۶۲

(۴) گلستان بے خزاں ص ۷۹ (۵) یادگار شعرا ص ۸۰ (۶) سخن شعرا ص ۱۴۹ (۷) گلشن ہمیشہ بہار ص ۳۴

[2] مجموعۂ نغز میں یہ مصرعہ اس طرح تحریر ہے:- "فصلِ خزاں میں عندلیب مر گئی گل کے ہجر میں"۔ دیکھیے ص ۲۳۲

امر سنگھ خوش دل قوم کے کائستھ اور غازی پور کے رہنے والے تھے۔ انگریزی عملداری کے آغاز میں کلکٹر رسل صاحب کے دیوان کی حیثیت سے فرخ آباد میں آئے۔ نظم و نثر خوب لکھتے تھے نمونہ یہ ہے۔

گرم است بس کہ نالۂ آتش فشانِ ما ۔۔۔ سوزد بہ رنگ شمع زباں در دہانِ ما

زلف خوش در حلقہ دارد رُخ یار مرا ۔۔۔ صبح صادق در بغل باشد شب تار مرا

قاضیوں نے (کلکٹر کو) کوئی عرضی دی تھی ان کی عرضی کی پیشانی پر قاضیوں کے کہنے سے یہ رباعی لکھدی تھی۔

ای عقدہ مشکلات وا از تو شود ۔۔۔ وے درد نہفتہ را دوا از تو شود

تو قاضی الحاجات جہانے در خلق ۔۔۔ ایں حاجت قاضیان روا از تو شود

محمد دلیر چھپو اموی نظم و نثر میں کمال رکھتے تھے، مثنوی قصۂ کاروپ بطور قران السعدین خوب لکھی ہے۔

الٰہی وحشت آباد جنونم ۔۔۔ پری در شیشہ و من در فسونم

نمی دانم چہ غفلت دارد ایں مے ۔۔۔ کہ ساقی در بر و من طالب وے

رسالہ پنج گنج میں ایک عبارت سے نظم میں قصہ بن جاتا ہے۔ یہ بات ندرت سے لکھی ہے کبھی ہندی شعر اردو شعر بھی کہتے تھے۔ نمونہ یہ ہے۔

راہ سخت عشق بازی میں کوئی دل چاہیئے ۔۔۔ سو بلا کے دام میں اک مرغ بسمل چاہیئے

آج آیا ہے صنم ناز و ادا کی فوج سے ۔۔۔ سامنے ہونے کو اب ہم سا مقابل چاہیے

دربدر خانہ بخانہ ہے چراغ مہر و ماہ ۔۔۔ ہم سے پروانے کو اے دل شمع محفل چاہیئے

ہم ہوئے اس بحر آفت مبتلا از ناز یار ۔۔۔ چاہیئے کشتی سوا رو! ہم کو ساحل چاہیئے

کیا اترلا وے رقیبوں کا غلو مجھ پر دلگیر   مہرباں احوال کا وہ راحتِ دل چاہیے

مادھورام دِل شہر فرخ آباد کے خوش گو جوان ہیں۔[1] نمونہ یہ ہے:۔

کب دل پہ ترے پند سے باز آئے ہے ناصح   وہ طفل نہ ہووے کہ جو باتوں میں بہل جائے

خوبرویوں میں تو ہی بالا ہے   تجھ پہ کچھ فضل حق تعالےٰ ہے

حُسن خریدار مول ہنستے ہیں   دل بھی کیا ان دنوں میں سستے ہیں

مہر چند ذرّہ قوم کے کھتری ہیں۔ پنجاب سے فرخ آباد میں آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی فارسی میں ذرّہ اور اُردو میں مہر تخلّص کرتے ہیں اور بھاکا زبان میں دوہرا کبت بھی کہتے ہیں۔[2]

یادمی آید چو در دل آں قدر عنا مرا   بس قیامت می شود می افگند از پا مرا
کے کند پندت بدل تاثیر ای ناصح عبث   شہرتِ عشقم دہی و می کنی رُسوا مرا
ذرّہ کارے نیست با دوزخ رانے از بہشت   اندکے درخانۂ خمار باید جا مرا

ای طبیب از پیش من برخیز کن کارے دگر   درگزر از دارو مرا دارم من آزارے دگر

---

[1] اسپرنگر نے عشقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ مادھورام دل، فرخ آباد کے رہنے والے اور اگروال بنئے تھے یادگار شعرا ص۸۵
[2] اسپرنگر نے عشقی، شورش اور ذکاء کے حوالوں سے لکھا ہے کہ منشی مہر چند صوبہ لاہور کے باشندے ہیں ایک مدت فرخ آباد میں رہے ایک اُردو دیوان جمع کیا فارسی میں ذرّہ تخلّص کرتے تھے ذکاء نے لکھا ہے کہ یہ جہدی آباد (گجرات) کے رہنے والے تھے۔ ملاحظہ ہو یادگار شعرا ص۲۰۰

رنگ زرد و چشم تر لب خشک کو دارد رقیب — غیر ازیں ہم عاشقاں را ہست آثارِ دگر
نیست ای جانِ جہاں گر ایں متاعِ دلپسند — مسترد کن پیش خود دارم خریدارے دگر
قتل کردی عاشقاں را تیغ کردی در نیام — باز برکش ماندہ ہست ایں یک گنہگارے دگر
آمدی بر عہدِ خود لیکن بہ اغوائے رقیب — می کشی شمشیر با من بود اقرارے دگر
راہ خود رو زاہدا زیں چہ پرسی راز عشق — ایں طریقِ دیگر است ایں ہست اسرارے دگر
بر سر بیمار خود گر آمدن باشد بیا — شب نخواہد زیستن او دارد اطوارے دگر
روز در یادِ رخش شب در خیالِ زلفِ یار — نیست ما را غیر ازیں روز و شب کارے دگر
ذرہ را دشوار باشد بے نمودن راہِ عشق — گر بر آید خارے از پا می خلد خارے دگر [۱]

مرزا مرتضیٰ ذہنی نواب جعفر قلی خاں کے فرزند تھے اور طبع رسا کے مالک تھے نواب ناصر جنگ کی تعریف میں کہتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے:-

تولا ہزار مرتبہ اہلِ قیاس نے — میزانِ عقل میں تجھے یا شاہِ اختراں
پلّہ فلک پر اس کا گیا بس کہ تھا سبک — پلّہ زمیں پہ تیرا رہا بس کہ تھا گراں

حافظ محمد محسن رضا حفظ قرآن، طب، شاعری۔ نثر نگاری۔ عربی ادب اور زیچ میں صاحب کمال تھے۔ شیخ محمد شجاع کی اولاد میں (ایک صاحب) جو مولوی معنوی علیہ الرحمۃ کی مثنوی کے جاننے میں مشہور تھے اور ان کے والد شیخ محمد منتظم فردوس آرام گاہ محمد شاہ کے عہد میں شہر فرخ آباد میں تجارت کے سلسلہ میں آئے اور یہیں وفات پائی۔ حافظ محمد محسن کا ہندی اور فارسی میں دیوان تھا جس میں مثنوی اور قصیدے

---

[۱] نسخہ فرخی میں یہ پوری غزل درج ہے جس میں بارہ شعر ہیں۔

بھی تھے۔ نمونہ یہ ہے۔[1]

ہست عفو تو خریدار و متاع من گناہ　　کردہ ام بیع سلم لاتقنطوا دارم گواہ

رُباعی

اے آنکہ ز جملہ خلق بس بالائی　　آری ز علو قاب قوسین آئی
زاں سایہ نداشتی کہ سایہ ہمتاست　　چوں واحد لاشریک بی ہمتائی

وصلت لب تو آمدہ تا بر زبان ما　　گردیدہ است کان بدخشاں دہان ما

مدتے شد کہ فراقت جان بلبم داریم ما　　انچہ یک دم برق دارد روز و شب داریم ما

ہیچ شے بر نیست در چشم بین ما　　عیب چینی نیست چوں آئینہ در آئین ما

اے بہر جا جلوہ فرما خود تو تنہائی کجاست　　صد ریکجائی بگوئے یا۔ ہر جائی کجاست

روشن بدل است داغ ما را　　در خانہ بس ایں چراغ ما را

جانم از تو کنارہ کہ شد آبادامشب　　سایۂ زلف تو بر دوش کہ اُفتاد امشب

---

[1] حکیم قطب الدین باطن لکھتے ہیں کہ شیخ محسن رضا دہلی کے رہنے والے ہیں۔ علم طب کے ذریعہ نواب فرخ آباد کی سرکار میں پہونچے۔ قطب الدین باطن نے محسن رضا کا دیوان از اول تا آخر دیکھا ہے۔ اردو کا ایک شعر بطور نمونہ لکھا ہے ۔ کس چشم سرمگیں پہ دل خستہ چوٹ ہے　　آہ شہزادہ زن شجر کرہ طور ہے
(تذکرہ گلستان بے خزاں ص)

بندۂ حسن و جمالت بشری نیست کہ نیست — سجدہ را بر درت افتادہ سری نیست کہ نیست

نہ ہمیں کوئے بتاں مشرب مے خوردن است — قبلہ ام ابروئے ساقی سجدہ از خود رفتن است

ارنی گو بر جنت گر نظرے وا می کرد — انچہ بطور ندیدہ است تماشا می کرد

گریہ ہا کردم بے درگریہ ام کارے نشد — اشک ماتم آستین دست غم خوارے نشد

بکنج زلف تو مسکن دل مرا باشد — شکستہ را بمقام شکستہ جا باشد

من ہمہ چوں شمع در محفل مکانے داشتم — در زمانے بیش ازیں من ہم زبانے داشتم

جائے بگیر و مملکت جم نثار کن — چیزے کہ او مدام بود اختیار کن

شرط است سینہ صاف چو آئینہ داشتن — ننگ است ورنہ خرقۂ پشمینہ داشتن

اے آنکہ پر تجلی طور از نگاہ تو — رشکِ ختن مدینہ بزلفِ سیاہ تو

برخیز رضا کہ دوستداراں رفتند — از خواب برآ کہ سر کہ یاراں رفتند
تنہا و پیادہ و رفتن لازم — بیدار شو را بلہا سواراں رفتند

مرزا رحیم جان ولد مرزا نور جان، شہر فرخ آباد کے سوداگر ہیں نمونہ یہ ہے :-

لوگ دُنیا میں رستے بستے ہیں ایک کم بخت ہم ترستے ہیں
دل یہ سودائی مجھ کو بیچے ہے ایک بوسے کو لے ترستے ہیں

شیخ غلام مرتضیٰ سروری نظام معجز کے شاگرد اور حافظ غلام محمد صاحب کے چچا زاد بھائی تھے طبع رسا کے مالک فارسی زبان کے محاورے خوب جانتے تھے اور صاحبِ دیوان بھی تھے۔[1] نمونہ یہ ہے :-

خدایا دردِ عشقے دہ دل و جان سروری را بحسن خویش بکشا چشم میدان سروری را
مکن محتاج بر دوں ہمتش در عالمِ مستی بلطف خویشتن بسپار سامان سروری را
زہر دردے نسازی ناز بردار طبیبانش بدردِ عشق خود مگزار درمان سروری را
فگن ظلِ کرامت بر سرش و زاہجمندی ہا بہم چشماں فرد ں کن شوکت و شان سروری را
براوراق نگارینش نیابد تا خزاں دستے بہار جاودانی رہ گلستان سروری را
بیعقوبش یوسف طلعتاں اچشم روشن کن عزیز مصر معنی ساز دیوان سروری را
ز طرف ازیں دآں مگسل نہ بالتش او کن گویا بجد خویشتن طبع سخنداں سروری را

مکن تغافل بیار ساقی زبادہ پر کن ایاغ مارا کہ تشنہ کامی ز حد فزوں شد نماند دیگر ایاغ مارا

---

[1] ریاض الفصحا میں مصحفی لکھتے ہیں کہ اصلی نام شیخ رضی الدین اور غلام مرتضیٰ عرف تھا بزرگوں کا وطن سوہدرہ (مضاف لاہور) تھا انھوں نے دہلی میں نشو ونما پائی۔ مسن جہاں دیدہ اور کثیر الکلام شخص تھے فارسی خوب جانتے تھے۔ نظم میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ بارہ سال سے لکھنؤ میں ہیں اور فقیر (مصحفی) سے دہلی سے ملاقات ہے۔ ملاحظہ ہو ریاض الفصحا از غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ مولوی عبدالحق ص ۱۳۲ — ۱۲۵ انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد ۱۹۳۴ء

زسوز سینہ امیدوارم کہ وصل جاناں نصیب گردد — مراد حاصل شود بیکدم چو گشت روشن چراغ مارا
خدائے بخشد مگر رہائی زبند غم ہائے بے نہایت — کہ نیست یکدم نبس تنگاپو بہ کار دنیا فراغ مارا
کجاش جویم کجاش پرسم کجاش یابم کجاش بینم — چو بے نشاں است ذات پاکش نگشت پیدا سراغ مارا

مرزا رفیع سودا[1] شاہجہاں آباد کے مرزا تھے، نواب احمد خاں غالب جنگ کے زمانے میں فرخ آباد میں آئے اور نواب کے دیوان مہربان خاں کی سرکار میں چند سال مقیم رہے اور اس زمانے کے شعراء ان کو اپنا اُستاد مانتے تھے آخر عمر میں لکھنؤ پہنچے اور وہاں شعراء کے ساتھ شعر و شاعری کے مشغلے اور ہنگامے رہے وہیں انتقال ہوا۔

نمونہ یہ ہے:-

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا — موسیٰ نہیں جو سیر کرے کوہ طور کا
پڑھئے درود حسن صبیح و ملیح کا — جلوہ ہر ایک پر ہے محمد کے نور کا
توڑوں یہ آئینہ کہ ہم آغوش عکس ہے — ہووے نہ مجھ کو پاس جو تیرے حضور کا
بیکس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا — گویا ہے یہ چراغ غریباں کے گور کا
ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے — ای ہم صفیر فائدہ ناحق کے شور کا
سودا کبھی نہ مانیو واعظ کی گفتگو
آوازۂ دہل ہے خوش آئند دور کا

---

[1] مرزا محمد رفیع سودا ابن مرزا محمد شفیع، دلی میں پیدا ہوئے تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ بزرگوں کا پیشہ سپہ گری تھا باپ بسلسلۂ تجارت ہندوستان میں وارد ہوئے پہلے سودا سلیمان قلی خاں کے اور بعد کو شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے احمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں ان کی شاعری عروج پر تھی روساء میں بسنت خاں خواجہ سرا اور مہربان خاں رند زیادہ مہربان تھے جب مرہٹہ گردی میں دلی برباد ہوگئی تو سودا نے باہر کا رخ کیا اور فرخ آباد پہونچے فرخ آباد میں کم و بیش سترہ سال قیام رہا۔ شیخ چاند مرحوم لکھتے ہیں: "کہا جاتا ہے کہ نواب احمد خاں بنگش کے انتقال پر سودا فرخ آباد سے فیض آباد گیا یہ صحیح نہیں بلکہ اس کی وفات (۱۱۸۵ھ) سے کچھ قبل اس نے فرخ آباد کو خیر باد کہی نواب احمد خاں اپنی وفات سے دو سال قبل بصارت سے محروم

(باقی اگلے صفحہ پر)

ساقِ سیمیں تری شب دیکھ کے گوری گوری　　شرم سے شمع ہوئی جاتی ہے تھوڑی تھوڑی
نیشکر کے بھی تجھ لب سے کیا تھا دعویٰ　　آج تک اس کی جدا ہوتی ہے پوری پوری

میر سوز شاہجہاں آباد کے سید اور سید محمد زاہد دہلوی کے مرید تھے نواب احمد خاں کے زمانے میں مہربان خاں دیوان کی سرکار میں بہت عزت کے ساتھ رہتے تھے شعر خوب لطافت و ملاحت کے ساتھ کہتے تھے نمونہ یہ ہے :-

---

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ہوگیا تھا...... نواب کی بیماری اور اس کے اوہام پرستانہ معالجے نے فرخ آباد کے پناہ گزین شعرا کو نئی گردش کا پیام سنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سودا نے اس کی وفات سے قبل نہ کہ بعد وفات فرخ آباد کو خیرباد کہی اس کا ثبوت خود اس کے کلام میں موجود ہے۔ نواب شجاع الدولہ اودھ کے زمانہ میں فیض آباد پہونچے آصف الدولہ کے زمانے میں ان کی زندگی خوب فراغت سے بسر ہوئی اور لکھنؤ میں ۱۱۹۵ھ میں انتقال ہوا تفصیل کیلئے دیکھئے :-

(۱) سودا از شیخ چاند ایم اے (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۶ء) (۲) لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۱۵۰-۱۶۱
(۳) دلی کا دبستان شاعری ص ۸۲-۹۹ (۴) کلیات سودا ص ۱۲۴، ۱۸۰، ۱۸۱ - ۲۲۱، ۳۲۱، ۱۸، ۳۱۶
(۵) دبستان اودھ از راجہ درگا پرشاد ص ۹۵-۹۶ (۶) آب حیات ص ۱۴۸-۱۸۰
(۷) تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ ص ۱۰۵-۱۲۳ (۸) نکات الشعراء ص ۳۱-۳۲

۱؎ میر سید محمد قنوجی کی اولاد میں تھے اور سید محمد شاہجہاں آبادی کے مرید تھے نواب احمد خاں کے زمانے میں شہر فرخ آباد آئے اور محلہ بنگش پورہ میں سکونت اختیار کی خاص و عام ہر شخص ان کا معتقد تھا مزاج میں کمال استغنا رہتا اور اہل دنیا کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے تھے۔ ۱۰ محرم ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء کو انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو باب ہشتم صفحہ

۲؎ محمد میر بن ضیاء الدین، دہلی وطن تھا۔ شاعری کے علاوہ دیگر علوم و فنون میں بھی کمال رکھتے تھے خوش نویسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے نسخ نستعلیق اور شفیعا خوب لکھتے تھے فن تیر اندازی میں استادانہ مہارت رکھتے اس مضمون پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ احمد شاہ کے زمانے میں جب دلی پر تباہی آئی تو ان کو بھی دلی سے نکلنا پڑا بہت دنوں مہربان خاں رند کی معاونت کی بدولت فرخ آباد میں رہے۔ اس کے بعد لکھنؤ گئے نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا مگر ان کا وہاں دل نہ لگا کچھ دن ٹھہر کر مرشد آباد کا رخ کیا وہاں سے پھر لکھنؤ واپس چلے آئے۔ ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء میں لکھنؤ میں انتقال ہوا قدرت اللہ شوق نے لکھا ہے "در محمد نگر ٹانڈہ بارے اتفاق ملاقات افتاد" اس سے معلوم ہوتا ہے نواب محمد یار خاں امیر کے یہاں بھی کچھ دنوں رہے۔ قدرت اللہ شوق نے ان کو ساکن شاہجہان پور لکھا ہے اور رام بابو سکسینہ نے نساخ کے حوالے لکھا
(باقی اگلے صفحہ پر)

کھول منہ دیکھو لاڈلے ہیں دلِ ناصبور کو — بھاپ لگے گی پُھلبلے جھانکیو مت تنور کو
حور قصور کے نام سے ذکرِ صنم بھلا دیا — شیخ کو کہیو قاصدا پھٹے منہ اس شعور کو

کہوں کس سے شکایت آشنا کی — سنو صاحب یہ باتیں ہیں خدا کی
دعائیں دوں تو کہتا ہے کہ ہو دور — سُنی میں نے دُعا تیرے دغا کی
کہا میں نے کہ کچھ خاطر ہیں ہوگا — تمہارے ساتھ جو میں نے وفا کی
تو کیا کہتا ہے بس بس چونچ کر بند — دفا لایا ہے دت تیری دفا کی
عدم سے زندگی لائی تھی بہلا — کہ دُنیا جائے اچھی ہے فضا کی
جنازہ دیکھتے ہی ڈر گیا دل — ارے ظالم دغا کی رے دغا کی
تجھے ای سوز کیا مشکل پڑی ہے — جو ڈھونڈھے ہے سفارش آشنا کی
کوئی مشکل نہیں رہنے کی مشکل — محبت ہے اگر مشکل کشا کی

بلبل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا — اپنے ہی دل میں پھول کے گلزار دیکھنا
نازک ہے شیشۂ دلِ عاشق سنبھالیو — غم سے بھرا ہے ای مرے غمخوار دیکھنا
جو جو سُنا تھا کان سے دیکھا ہے آنکھ سے — چپکا ہی رہیو ای لبِ اظہار دیکھنا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) قصبہ تلہر ضلع شاہجہانپور میں انتقال ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے

(۱) گلشن ہند صفحہ ۱۵۱ - ۱۵۸
(۲) مخزن نکات صفحہ ۴۸
(۳) تذکرۂ ہندی ص ۱۱۱ - ۱۱۶
(۴) تذکرہ شعرائے اُردو صفحہ ۸۷ - ۹۱
(۵) تاریخ ادب اُردو صفحہ ۱۰۶ - ۱۰۸
(۶) لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۱۳۵ - ۱۳۸
(۷) مجموعۂ نغز صفحہ ۳۲۰ - ۳۲۷
(۸) طبقات الشعرا (طبع سوم) علی گڑھ میگزین اگست ۱۹۳۶ء ص ۱۳۱
(۹) یادگار شعراء ص ۱۱۱ - ۱۱۲
(۱۰) گلشن بے خار صفحہ ۱۰۴ - ۱۰۵
(۱۱) گلستان بے خزاں ص ۱۱۴ - ۱۱۵
(۱۲) دلی کا دبستان شاعری ص ۱۸۰ - ۱۸۲

شکوہ عبث ہی یار کے جوروں کا ہر گھڑی   غیرت کے ساتھ شوق سے ہر بار دیکھنا
سوداؔ کی بات بھول گئی تجھ کو سوزؔ آہ
جو کچھ خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا

ہر گھڑی چٹکیاں نہ لو صاحب   اب تو یہ پیار خوش نہیں آتا
یہ غضب ہے کہ چپ رہو تو کہے   نقش دیوار خوش نہیں آتا
اور جو کچھ کہو تو کہتا ہے   مجھ کو تکرار خوش نہیں آتا

دل کے ہاتھوں سے میں خراب ہوا   جل گیا بھن گیا کباب ہوا
اشک آنکھوں سے پل نہیں تھمتا   کیا بلا دل ہے دل میں آب ہوا
جن سے اک دم جدا نہ ہوتے تھے   ان کا جلنا خیال و خواب ہوا
یاریوں دور جا بسے اللہ   کیا زمانے کا انقلاب ہوا
سوزؔ کچھ منہ بنائے آتا ہے
آج مجرے کا پھر جواب ہوا

کھپ گیا حسنِ یار آنکھوں میں   کیا ہی پھولی بہار آنکھوں میں
تو نہ جاوے گا اور نہ آوے گا   گریہ بے اختیار آنکھوں میں
کٹ گئیں انتظار کی راتیں   ایک دو تین چار آنکھوں میں
بزم خوباں میں سوزؔ جا نکلا   یار سے ہو کے چار آنکھوں میں
کی اشارت کہ میں کہاں آؤں   بول اٹھی چشم یار آنکھوں میں

میر بہادر علی چھبرامَوی سیّد | تیز فہم جوان ہیں شعر خوب کہتے ہیں[1] نمونۂ کلام حسب ذیل ہے:—

کمن آزردہ دل ظالم چو من آزردہ جانے را — زند یک نالۂ آزردہ دل برہم جہانے را
دہد یک رشتہ شیرازہ جمعیت بصد اجزا — بچشم کم مبین تا می توانی ناتوانی را
زبس در سر ہوائے عالمِ ایجاد بود او را — زدود آہ برپا کرد سید آسمانی را
خمِ ابروئے چوں تیغ کہ آمد در نظر ما را — کہ ہر موئے مژہ نزد نوک خنجر در جگر ما را
بمصر حسن آں شیریں شمائل چوں نظر کردم — ز ہر عضوے گداز افتاد بر تنگ شکر ما را
بلے از دولت دیں می کشد دنیائے دوں خلعت — گواہ ایں سخن باشد شکست رنگ زر ما را
محبت پیشگاہ را مبرہم یک گمہ نہ می باید — چرا رسوائے عالم می کنی ای چشم تر ما را

بسکہ در عہد تو بازار تمنا کردم — ہمہ کس را بہوایت سر سودا گرم است

ہر نفس راحت و آرام ز من می طلبی — ایں ندانی تو دلا تا کہ سر و کار من است
ہر دو را در سر زلف تو بہم باید بست — دل گنہگار تو است دیدہ گنہگار من است
ہیچ گہ ہیچ کسم پرسش احوال نکرد — بجز از غم کہ انیس دل افگار من است

---

[1] میر بہادر علی ولد سید مردان علی (کن خوار علی ۲۳ چھبرامئو کے نہایت ذی حرمت اور صاحب علم شخص تھے اور ایک مختصر قیمتی کتب خانے کے مالک تھے مرزا نصیر الدین حیدر (ف ۱۲۸۲ھ) چھبرامئو میں ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۶-۷ء میں تحصیلدار رہے تھے۔ انھوں نے میر بہادر علی کے کتب خانے کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ نجھے ان کے کتب خانے میں بہار ہند مصنفہ منشی امر سنگھ (قلمی) ملی جو کہیں اور دستیاب نہیں ہوتی۔ میر بہادر علی کے لڑکے یا بھتیجے میر سلامت علی تھے (ملاحظہ ہو وقائع نصیر خانی مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری ص ۱۹-۲۰ مشمولہ وقائع عبدالقادر خانی) علم و عمل جلد دوم) آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۶۱ء)

نالہ شعلہ فشانم اثرے پیدا کرد — تحلِ آتش زدہ آخر ثمرے پیدا کرد
ہر کہ چوں شمع بہ بزمِ تو گزر کرد شبے — جگرے سوختہ و چشمِ ترے پیدا کرد

چناں می سوزدم دل در فراقِ آتشیں روے — کہ اشکِ گرم بر مژگان من لختِ شرر دارد
گریباں کردہ ام قدر جنوں در عالمِ مستی — نمی خواہم دمے عشقِ تو ازمن است بردارد

آں ماہ مہرباں چو زرخ پردہ وا کند — خورشید پیشش آید و کارِ سہا کند
گردادہ ام بہ لالہ رخے دل چہ عیب من — عاشق برائے خوش دلی جان را فدا کند
ہر کس کہ خاکِ پائے ترا ساخت توتیا — خاکش بسر اگر طلب کیمیا کند
ہر وقت زلفِ خویش در آئینہ بنگری — زنجیرے تو ہم مدام خود آئی خدا کند[1]

کس آئینہ رو کے طلب گار ہیں ہم — کہ حیرت سے جوں نقشِ دیوار ہیں ہم
سبک دوش کر ہم کو اے تیغِ قاتل — بہت بارِ سر سے گراں بار ہیں ہم
ذرا اک برس ہم پہ اے ابرِ رحمت — سیہ کار ہیں ہم گنہ گار ہیں ہم
نہیں ساغرِ مے کی کچھ ہم کو حاجت — ترے لعلِ مے گوں سے سرشار ہیں ہم
کرے کیا اثر خاک ہم کو دوا کچھ — تری چشمِ فتاں کے بیمار ہیں ہم
کیا ہم کو تنگ ایسا ہی دل نے سید — کہ دن رات بحثت کے پرستار ہیں ہم

زلف نے تیری مجھ کو مار رکھا — بال حق میں مرے وبال ہوئے
اس کے ہاتھوں سے سب ہیں خوش سید — ہم تو اک دست پائمال ہوئے

---

[1] نسخہ فرخی میں میر بہادر علی چھبرامتوی المتخلص بہ سید کے اُنسٹھ اشعار فارسی بھی بطور نمونہ درج ہیں۔

منشی الٰہی بخش شوق

لاہور کے بزرگوں میں سے ہیں، اکبرآباد میں پیدا ہوئے۔ بہت خوش طبیعت تھے شعر خوب کہتے تھے کہ اس میں حرف گیری کی گوئی گنجائش نہ ہوتی تھی شاعری کے تمام اقسام قصیدہ۔ غزل، مثنوی لکھتے تھے جن کو محاورہ دان سخن سنج حضرات پسند کرتے تھے، نثر رنگارنگ طریقے پر لکھتے تھے مطلب خوب ادا کرتے تھے ان کے کلام کا کچھ نمونہ یہاں لکھا جاتا ہے [۱]

نوشتم از سواد دیدۂ بسم اللہ عنوان را — بہ خون ناب جگر جدول کشیدم لوح دیوان را
گل دیوانگی را آبرو از چشم تر دادم — شکستم خار از نوک قلم در دل گلستاں را
ز عشق جامہ زیباں در سرم افتاد ایں سودا — رسا ندم تا بدامن از جنوں چاک گریباں را
کدامی جلوۂ او بنگرم کز پرتو روشن — نہاں ہر ذرّہ دارد در بغل خورشید تاباں را
مرا تا شوق استاد ازل تعلیم فرما شد
بہ آب دیدہ شستم نامۂ اعمال عصیاں را

داغ بر داغ نہم سینہ بریانی را — تا بچشم تو کنم عرض گلستانی را
عشق را ما حضر از خون جگر پیش کنم — بدل گرم کنم خدمت مہمانی را
عجبے نیست کہ چوں زلف خود آشفتہ شوی — تو اگر گوش کنی حال پریشانی را
شوق از گریہ کہ ایں خانہ خرابی کردی — در بغل داشت نہاں چشم تو طوفانی را

---

[۱] حکیم قطب الدین باطن لکھتے ہیں کہ الٰہی بخش شوق دہلی میں پیدا ہوئے۔ کٹرہ عرب خان محلہ تاج گنج میں رہتے تھے مرزا مظفر بخت خلف مرزا جواں بخت کے یہاں فرخ آباد میں منشی تھے متانت و فطانت، چستی و چالاکی طباعی و جودت مزاج ان میں بدرجہ اتم تھا فارسی اور اردو میں دو دیوان مرتب کئے اور نلدمن اردو نثر میں لکھی۔ (گلستان بے خزاں ص ۱۲۱) ایک کتاب اردو زبان "قوانین السلطنت" کے نام سے لکھی نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے تعلقات تھے سنہ ۱۲۴۱ھ میں انتقال ہوا (گلشن بے خار ص ۱۱۱، یادگار شعرا ص ۱۲۰-۱۲۱

سخن شعرا صفحہ ۲۵۴

آنچناں بے تو خونِ دل خوردم / خون دل خورد ہر کہ دید مرا
نرسیدی بدردمن نفسے / نفس آخر بلب رسید مرا
آفرید آنکہ یار را از حسن / شوق از عشق آفرید مرا

آمد بہار و رفت گلِ نوبہار ما / دل خوں شدہ چو غنچۂ گل در کنار ما
رفتیم تا بیا و لب لعل او بخاک / شد لعل شب چراغ چراغ مزار ما

بچشمِ یار نرگس را چہ نسبت / ازیں بینا بہ نابینا چہ نسبت
عکس اے سرو سراز قامتِ یار / ترا با عالمِ بالا چہ نسبت

در غمِ فراق تو قطرہ قطرہ اشکم / رفتہ رفتہ دریا شد طرفہ ماجرا نیست

گل از گلشن گریباں چاک در کوئے تو می آید / بنازم سبزۂ خط را کہ بر روئے تو می آید
اشکم آلودہ بخون ناب جگر می آید / ایں جگر گوشہ بخوں تشنہ نظر می آید
سرگزشتے است کہ پایان نہ پذیرد بسخن / بر سرم آنچہ کہ از دیدۂ تر می آید

با سر زلفِ تو راست چہ می باید کرد / روز عمرم شب تار است چہ می باید کرد
ہر ذرہ را از مہر او در دل تجلائے دگر / ہر قطرہ را از بحر او در سینم دریائے دگر

بیا اے مایۂ نورِ نظر در دیدہ ام جاں کن / دریں طاق صفا بنشیں مردم را تماشا کن

حاجی اللہ یار خاں صابر قاضی محمد یار خاں و محمد شفیع خاں کے حقیقی بھائی تھے چند سال ہوئے تو سفر حجاز اور زیارات عالیہ کے لئے گئے تھے اب ان کا کچھ حال معلوم نہیں۔ نمونہ یہ ہے:-

عاشق کے خون دل کو جو ہر دم ملا کرے ۔۔۔ ہاتھوں میں پھر وہ رنگ حنا مل کے کیا کرے
پھاڑے چمن میں رشک سے گل پیرہن وہیں ۔۔۔ گلشن میں آ کے بند قبا گر وہ وا کرے
اُٹھتا نہیں ہے درد جُدائی کا دیکھئے ۔۔۔ کب تک غم فراق اذیت دیا کرے

نظام الدین صانع بلگرامی وہاں کے شیوخ میں سے اور روح الامین خاں کے خاندان سے ہیں غالب جنگ کے زمانے میں فرخ آباد آ کر سرکاری ملازم ہوئے۔ مرزا رفیع سودا فارسی میں ان سے اصلاح لیتے تھے۔ نمونہ یہ ہے:-

از توای خرد نہ دیدم چو کشود کار خود را ۔۔۔ بہ جنوں حوالہ کردم ہمہ کار و بار خود را

غم ما بیشتر از ماست در دل غمگساراں را ۔۔۔ کہ از بیمار رنج افزوں بود تیمارداراں را

بپوش چشم خود از روئے نو خطاں زاہد ۔۔۔ کسیکہ منکر مصحف بود مسلماں نیست

ہمچو استادے کہ از شاگرد گردد نامور ۔۔۔ در دبستان جنوں مجنوں ز من شہرت گرفت

خار خار نو گلے دارم کہ شوق جلوہ اش ۔۔۔ بلبل تصویر را در نالۂ زار آورد

کسیکہ مہر و وفا از زمانہ می طلبد — چنیں بود کہ ز مفلس خزانہ می طلبد
گر آہ، بہ محفل نہ دہی صانع مارا — بگذار کہ تا در پس دیوار نشنید
از نالۂ من بس کہ بہ تنگ آمدہ آں شوخ — فرمود کہ از کوچہ من دور نشنید

ندانم باکہ گردید آشنا دل — کہ با من ایں چنیں شد بے وفا دل

کشیدم زہر ہجراں را بذوق وصل گلروئے — کہ باید خورد بر اُمید صحت تلخ داروئے
نمی دانم چہ جوہر دارد ایں آئینہ حیرانم — کہ در سرکار خوباں طرفہ پیدا کرد قابوئے[1]

حسین حیدر صفدر

سید حسین حیدر جن کا تخلص صفدر ہے۔ آخر عمر میں فرخ آباد آئے[1]

؎۱ بلگرام کے عثمانی شیخ میں سے تھے ۱۱۳۹ھ/۲۷-۱۷۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ نظام الدین احمد تاریخی نام ہے بچپن میں حفظ قرآن کیا۔ میر نوازش علی کی خدمت میں تربیت حاصل کی اور ان ہی کی خدمت مشق سخن کی (سرو آزاد از غلام علی آزاد بلگرامی ص ۳۴۸ تذکرہ نتائج الافکار ص ۳۴۹) سودا نے ان سے اصلاح لی ہے (مجموعہ نغز ص ۳۵۷) علی ابراہیم خاں کے دوست تھے جب کسی سے اچھا شعر سُنتے تو گھڑیوں روتے اور بے چین رہتے شاہ عالم بادشاہ غازی کے بائیسویں سال جلوس تک مرشدآباد اور کلکتے میں رہتے تھے۔ فارسی کا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ اُردو میں کم شعر کہتے تھے (گلشن ہند ص ۱۶۹) فارسی کا دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء یا ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۵ء میں انتقال ہوا۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو نے نشاندہی کی ہے کہ ان کے دیوان کا ایک نسخہ کتب خانہ خدا بخش بانکی پور میں بھی موجود ہے۔ ("تذکرہ شعرائے فرخ آباد - اُردو ادب علی گڑھ جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۳۵)

نیز دیکھئے:-

(۱) گلشن بے خار صفحہ ۱۲۵ — (۲) گلستان بے خزاں صفحہ ۱۴۱
(۳) یادگار شعراء " ۱۲۵ — (۴) عقد ثریا صفحہ ۳۸
(۵) چمنستان شعراء " ۴۸۹-۴۹۰ — (۶) گلشن ہمیشہ بہار صفحہ ۶۹

چند ماہ راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) کے گھر پر مقیم رہے یہیں انتقال ہوا اور شہر کے اطراف میں دفن ہوئے نمونہ یہ ہے:-

قمری زبان خویش کشد ارہ سرورا — در گلشنے کہ جلوہ کند نونہال من

چشم دارم کہ روم جانب سلطان نجف — سرمۂ دیدہ کنم خاک بیابان نجف

غلام مصطفےٰ خان طبیب حکیم ممتاز علی کے فرزند تھے۔ اس دُنیا سے نوجوان گزر گئے نمونہ یہ ہے:-

گر با غیار وفا خواہی کرد — با کہ اے یار جفا خواہی کرد

بسمل از تیر نگہ اے کج باز — راست فرما کہ کرا خواہی کرد[۱]

خلیفہ محمد یٰسین عاجز شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے نظام خاں معجز کے شاگرد تھے فرخ آباد میں آئے مقیم ہوئے اور انتقال ہو گیا قصۂ لیلےٰ مجنوں خوب کہا ہے:-

اے حسن کا ترے قیس مفتوں — لیلےٰ ترے عشق بیچ مجنوں

شیریں ترے شوق بیچ فرہاد — تھا یاد سے تری کوہ کن شاد

جب خواب میں ترا جلوہ دیکھا — یوسف ہوا چاہ سے زُلیخا

تو حُسن اور عشق کا ہر معبود — ہے تیرا ایاز دل سے محمود

جس جگہ ہے تری عزت اور شان — کم مور سے بھی ہی وہاں سلیماں

---

۱ ڈاکٹر مختارالدین احمد آزاد نے فارسی کے دونوں اشعار نقل نہیں کئے ہیں ملاحظہ ہو اُردو ادب علی گڑھ جولائی ۱۹۵۴ء صفحہ ۳۵

ہوتا جو نہ غم سے تیرے دِل شاد — کب سرو کو لوگ کہتے آزاد
غم تیرے سے بس کہ گل ہے برہم — چہرے پر عیاں ہے اشکِ شبنم
ہے عشق سے تیرے بس کہ ترساں — صد برگ کا چاک ہے گریباں
ازبس تیرے سوز سے تھا بے کل — خود لالا بنا ہے شکل منقل
تا ہوئے صفت سے تیرے گلشن — سر پاؤں تک زبان ہے سوسن
ہے ماہ کے دل میں تیرا ہی درد — ہے مہر کا تیرے غم سے رُخ زرد
غم تیرے سے اس جوشش کھایا — جو بحر کے لب میں کف بھر آیا
دے عشق کو اس طرح کی تاثیر — جو بھاگے ہے اس سے عقل کا پیر
صورت ایک خاک سے بنائی — کی اس میں نمود سب خدائی
ہر چند فلک نے چرخ کھایا — کچھ تیرا نشان بھی نہ پایا
دن رین پھرے ہیں مہر اور ماہ — پاتے نہیں تیرے در او پر راہ
گردان گئے اس طرح سے افلاک — جس طور پھرے کمہار کا چاک
کیا کر سکے وصف تیری انساں — جبریل بھی اس جگہ ہے حیراں

عاجز تیرے وصف میں زبان ہے
حیران تری حمد میں بیان ہے

میر علی بخش عاشق خطِ نستعلیق کے خوش نویس عاشق تخلّص اور گلاؤٹی کے سیدوں میں سے تھے اچھے اخلاق والے اور سب سے مہربانی سے پیش آنے والے تھے۔ یگانہ شعر کہتے تھے۔ نمونہ یہ ہے:۔

گشتم بہ دورِ نرگست سرمست صہبائے دگر — کز چشم مست می چکد صہبائے مینائے دگر
با غیر گر دل بستی ہم سودائے دلی — زنجیر پائے خود کنم زلف چلیپائے دگر
عاشق بہ صحرا رفتہ، دل دربلا ہا بستہ — شاید کہ مجنوں گشتۂ دریاد لیلائے دگر

کعبہ و بُت خانہ زد برہم ز آئینش مپرس | کفر و ایماں ہر دو غارت کرد از دینش مپرس
ریخت بر زخمِ نمک از خندہ شکر فشاں | شور در عالم فتاد از لعلِ شیرینش مپرس

دلا کہ در دلِ شب دست بر دعا داری | بگو کہ جز رہ عشقش چہ مدعا داری
اگر نہ محوِ جمالِ خودی تو اے مہ رو | حضورِ چشمِ خود آئینہ را چرا داری
چہ سود عاشقِ بیدل ز ہرزہ گردیہا | قدم براہ توکل چو نقش پا داری

دلم فدائے نگاہت نظر دریغ مدار | منم فتادہ براہت گزر دریغ مدار

جس دم نقاب چہرے سے اپنے اُٹھائے گل | بلبل ہزار رنگ سے سینہ پہ کھائے گل
فصلِ خزاں میں گریۂ بلبل سے ہر جگہ | لختِ جگر پڑے ہیں چمن میں بجائے گل
گلشن میں کیا جگہ ملی قسمت سے بعدِ مرگ | ہے دفنِ عندلیب تہِ نقشِ پائے گل
یہ آرزو ہے عاشقِ بے دل کو میری جان | بستر پہ تری آنکھوں سے اپنی بچھائے گل

وہ گل چمن میں بندِ قبا کو جو وا کرے | گلگوں قبا کو اپنے ہر اک گل قبا کرے

بنا کر آشیاں اے باغباں ہم | چمن میں پھنس گئے جاویں کہاں ہم
عزیزو! ناقۂ لیلیٰ کی خاطر | کریں گے پائے بوسِ سارباں ہم
اسی آہِ رسا سے رفتہ رفتہ | لگا دیں گے فلک پر نردباں ہم
اُڑے جاتے ہیں اب تو آہ کے ساتھ | ہوئے ہیں ضعف سے بس ناتواں ہم
بتوں کے عشق سے پیری میں عاشق | ہوئے نامِ خدا پھر نوجواں ہم

حسین قلی خاں عاشقی

تذکرہ نشترِ عشق کے لکھنے والے ہیں اسی نواح میں سرکار انگریزی کی طرف سے تحصیل داری کے عہدے پر مامور ہیں کبھی فرخ آباد بھی آتے ہیں فارسی میں شعر خوب کہتے ہیں۔

آں فتنہ بنشستہ چوں بے ساختہ برخاست ۔۔۔ آرام و قرار از من دل باختہ پرداخت

آنکہ در عشق گردی لعبت چین است ہمین است ۔۔۔ آنکہ آشوب دل و آفت دین است ہمین است

خواہش وصل کسے افتاد است ۔۔۔ طرفہ در سر ہوس افتاد است

آں چشم سیاہ زمانہ برگشت ۔۔۔ گویا کہ زما زمانہ برگشت
بر سرم گل عذار آمد و رفت ۔۔۔ حیف فصل بہار آمد و رفت
خاک بر سر ہمی کنم از غم ۔۔۔ ہم چو باد آں سوار آمد و رفت
عاشقی ہم چو لالہ در دنیا ۔۔۔ با دل داغدار آمد و رفت[1]

---

[1] آقا حسین قلی خاں بن آغا علی خاں قاچار خراسانی، عاشقی پٹنہ میں پیدا ہوئے دولت تیموریہ میں ان کے بزرگ نہایت اعزاز و اعتبار کے مالک تھے متین و خلیق شخص تھے۔ وجیہ الدین عشقی کے شاگرد تھے۔ عاشقی نے بھی اپنے استاد کے اتباع میں ایک تذکرۂ شعراء "نشترِ عشق" مرتب کیا جس میں ۱۴۷۰ شعراء کا تذکرہ ہے اختر اورینوی نے نشترِ عشق کی تالیف کا سن ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء بتایا ہے۔ (بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا صفحہ ۳۲۷) اور ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے سال ترتیب ۱۲۲۳-۲۴ھ / ۱۸۰۸-۹ء لکھا ہے (اردو ادب جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۳۸) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے لکھا ہے کہ عاشقی عربی نہیں جانتے ہیں اس لئے غلطیاں کی ہیں (گلشن بے خار صفحہ ۱۳۳، یادگار شعراء صفحہ ۱۳۸) ڈاکٹر مختار الدین آرزو لکھتے ہیں کہ نشترِ عشق کے نسخے کتب خانہ خدا بخش بانکی پور، کتب خانہ حبیب گنج، کتب خانہ رام پور اور کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی میں موجود ہیں۔ (اردو ادب جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۳۸)

پنڈت دیارام عاشق فرخ آباد کے خوش گو (شاعر) ہیں نمونہ یہ ہے:-

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا ‌‌ وہ دیکھا سُنا جو سُنا تھا نہ دیکھا
اسے کون پاوے ہے اور کون دیکھے ‌‌ کوئی ایسا جو اس کو پایا نہ دیکھا
دم آنکھوں میں آکر رہا پردہ بے دید ‌‌ مجھے دیکھنے بھی نہ آیا نہ دیکھا
نہ دیکھا مری آنکھ نے تیرے بن کچھ ‌‌ ادھر تو نے لاکن نہ دیکھا نہ دیکھا
ان آنکھوں میں وہ کچھ سمایا ہوا ہے ‌‌ کہ بن اس کے کچھ بھی سمایا نہ دیکھا
وہ آنکھوں سے دیکھا جو کانوں سنا تھا ‌‌ دہن ہم نے ای یار تیرا نہ دیکھا
دل و دیدہ عاشق کا تیری طرف ہے ‌‌ یہ دیکھا بھی تو نے کبھی یا نہ دیکھا

کشن چند عاشق (کشن چند عاشق) مہر چند کے بڑے بھائی ہیں شعر خوب کہتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے:۔

جی میں ہے جب قیس لیلیٰ وش کوئی پیدا کروں ‌‌ پھر نئے سر سے جنوں کا سلسلہ پیدا کروں
آرزو میری جو حاصل ہو تو میں تنا کروں ‌‌ پاس تم بیٹھا رہے بس تجھ کو میں دیکھا کروں
خامہ ساں ٹپکے ہے آنکھوں سے مرے اشکِ سیاہ ‌‌ تیرہ بختی اپنی کیونکر میں نہ افشا کروں
زلف نے عارض سے مجھ کو دیکھ کر چپکے کہا ‌‌ دل کو تو شیدا کر اس کے جی کو میں شیدا کروں
بارہا جی میں کھٹکتی ہے مری یہ آرزو ‌‌ ہو کہیں لوگوں سے تنہا کوئی ڈھب ایسا کروں

سر بہ صحرا ہو نکل جاؤں میں عاشق اب کہیں
بیٹھ کر دل چپ کی جا گہ میں میں رویا کروں

لہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے یہ شعر نقل نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اردو ادب علی گڑھ جولائی سنہ ۱۹۵۳ء صفحہ ۳۸۱

دل سے کب بھولے ہی تیری یاد سوتے جاگتے | رات دن ہی نالہ و فریاد سوتے جاگتے
گر گمند زلف سے نکلے پھنسے در بندِ دام | بند سے تیرے نہوں آزاد سوتے جاگتے
شب کو ہے در فکر قفس ہے دن کو در بند دام | ہم سے کب غافل ہے وہ صیاد سوتے جاگتے
شب کو در فکر معاش و دن کو تدبیر تلاش | عمر غفلت میں گئی برباد سوتے جاگتے

کیونکہ عاشق ہو میسر وصل اس بت کا مجھے
ہو رقیب اس پاس جوں ہمزاد سوتے جاگتے

ہربھجے رائے عزیز قوم کے کھتری تھے بچپن میں لاہور سے آئے تھے منشی مہر چند کی فرزندی رہے اور فرخ آباد میں آباد ہو گئے اچھے جوان ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے :-

تیرے ہی در پر ہی تکیہ ہر گدا و شاہ کا | پھر سوا تیرے مجاور کسی کی ہو درگاہ کا
دشتِ حیرت میں ہیں بھٹکا تھا یکایک ہو گیا | خضر راہِ عشق جلوہ اک بت گم راہ کا
کیا ملک کیا حور و غلماں کیا پری کیا آدمی | غور سے دیکھا تو سب میں نور ہے اللہ کا
مرجعِ اصلی کا وہ لمبا سفر درپیش ہے | اور مہیا کچھ نہیں توشہ عدم کی راہ کا
رہ گیا ہوں میں گراں باری سے تنہا دشت میں | کوچ سارا کر گیا ہے قافلہ ہمراہ کا
ایک کے تن پر ہے لرزہ ایک کے تن میں ہے داغ | روبرو اس کے تو یہ رتبہ ہے مہر و ماہ کا

اے عزیز! اپنی نظر میں اب کوئی آتا نہیں
جب سے میں بندہ ہوا ہوں اس بتِ دل خواہ کا

بھولتا ہرگز نہیں دل سے خیال اس شوخ کا | کھب رہا ہی بس کہ آنکھوں میں جمال اس شوخ کا
عشق کے میدان میں دشوار ہے رکھنا قدم | اس کو آسان ہو جو سمجھے جان و مال اس شوخ کا
خامشی میں مار ڈالے بات میں دیوے جلا | سحر اور اعجاز میں دیکھو کمال اس شوخ کا

مُرغِ دل ہر ایک کا قیدی نہ ہو کیونکر عزیز
دام ہے زلفِ سیاہ، دانہ ہے خال اس شوخ کا

میر محمد عسکری سادات بلگرام سے ہیں۔ بزرگان مارہرہ سے قرابت رکھنے کی وجہ سے مارہرہ جاتے ہوئے اکثر فرخ آباد سے گزرتے ہیں کثرت اخلاق کی وجہ سے راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) سے بہت التفات رکھتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے:۔

ترکشت تا بوصفِ لب او دہان ما　　آب حیات جوش زند از دہان ما

گل بہ بلبل بنماید رُخ نیکوئے ترا　　بلبلِ از دو ورِ حسرت نگرد روئے ترا

مژہ فوارہ و شوراب شد از گریۂ ما　　تلخ در دیدہ شکر خواب شد از گریۂ ما

گر مسیح است دوا را نستانیم ازو　　بخدا درد فروشی نبود ہیشہ ما

مہے شد روبرو ناگاہ مارا　　کہ مہر او ربود از راہ مارا
شود از جاں فرشتہ بندہ ما　　چو خوانے بندہ درگاہ مارا
نیامد بر سر آں ماہ دو ہفتہ　　بسر شد عسکری یک ماہ مارا

شب راہست پایانی نہ آغاز سحر امشب　　بغوغائے قیامت ہست آبستن مگر امشب

گل زمیں داغ مارا ہست فصلِ نو بہار　　تا لباس آں سمن کے خار زنگاری شد است

نتواں ہوائے مے زمن دل کباب شست　　دایہ بجائے شیر لبم از شراب شست

با چو تو دشمنی است سرِ دوستی مرا　　عیبے گزیدہ ام کہ ہنر با در و کم است

بے خیالِ تو خواب راچہ کنم　　بے رخت آفتاب را چہ کنم
شب ماست و مہر بانم نیست　　ایں شب ماہتاب راچہ کنم
کرد چشم خراب خانۂ دل　　چشم خانہ خراب راچہ کنم
آہ بے ضبط را کنم گر ضبط　　دیدہائے پر آب را چہ کنم
او فصیح است و عسکری الکن　　با سوالش جواب را چہ کنم

جانم خراب و چشم پر آب و جگر کباب　　روزے مرا شدہ است بساماں گریستن

غلام حضرت عشقی فارسی کہنے والے اور مرزا محمد حسن قتیل کے شاگرد ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی قاضی غلام احمد شعر خوب کہتے ہیں[۱]۔ نمونہ یہ ہے:

پر جفا بود نمی دانستم　　فتنہ را بود نمی دانستم
یار گریاں سرِ نعشے می گفت　　با وفا بود نمی دانستم
رعشق ما ترک نمودم بے ہیچ　　رہ نما بود نمی دانستم
گفتم زلف ترا مشکِ ختن　　از خطا بود نمی دانستم

---

[۱] ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو لکھتے ہیں کہ عسکری کا دیوان فارسی کتب خانہ خدا بخش بانکی پور میں موجود ہے اور ان کا کلام کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور کتب خانہ حبیب گنج میں بھی بعض بیاضوں میں دیکھنے میں آیا ہے۔ (اردو ادب جلد ۴ نمبر ا صفحہ ۴۰)

کشتہ مارا بہ تاسف فرمود — بے خطا بود نمی دانستم
از تو پرہیز زا دل ای شوخ — پر بجا بود نمی دانستم
بود عشقی کہ بہ رندی مشہور — پارسا بود نمی دانستم

عطا حسین عطا بریلوی فرخ آباد میں معالجے کے سلسلے میں آئے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

از نور احمدی دل و جانم منور است — زاں رو مرا وظیفۂ نعتِ پیغمبر است
من از کجا و نعت شہ دو سرا کجا — کیں مرتبہ ز حوصلۂ ما فزوں تر است
واجب بود فدائے سخن گفتنش عطا — ہر کس کہ او رسول خدا را ثنا گر است

للہ الحمد آمدی با تو سخن ہا گفتنی است — بیش ازیں من با خیالت گفتگوئے داشتم
گریۂ بے اختیارم کرد رسوا اے عطا — ورنہ در بزم نکویاں آبروئے داشتم

کیا قیس بے نصیب کی ٹھہری ہے وصل کی — لیلیٰ چلی ہے بن کے بہت آج بن کو تو[1]

عنایت حسین عنایت شیخ عظمت علی بریلوی کے بھتیجے ہیں۔ نمونہ یہ ہے ؎

اب نہ دیکھینگے کسی کی نرگسِ بیمار ہم — کب تلک کھنچیں گے ناحق عشق کے آزار ہم
کیا غرض ہم کو کریں تیری خوشامد اس قدر — ڈھونڈ لیں گے تجھ سے بہتر اب کوئی دلدار ہم

---

[1] نسخۂ فرخی میں عطا بریلوی کا یہ اردو شعر درج نہیں ہے۔

سن لے ای ظالم! ہمارا آخری ہی یہ کلام | تیرے کوچے میں نہ آوینگے کبھی نہار ہم
تو نہ سمجھا جان تک ہم نے نہ کی تجھسے دریغ | ترک کر بیٹھے محبت اب تری ناچار ہم
گر عنایت کیجے کہے سے پھر نہ ہو تو منحرف | عفو کر دیتے ہیں سب تقصیر تیری یار ہم

حافظ غلام احمد غلامی

حافظ غلام محمد کے شاگرد ہیں۔ اچھے شعر کہتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے :-

مصحف رو کا جو عاشق ترے جاناں ہو گا | ہی یہ لاریب کہ وہ حافظ قرآں ہو گا
روبرو جب وہ مرا مہر درخشاں ہو گا | منہ تو دیکھو کہ مقابل مہ کنعاں ہو گا
رنگ یاقوت میں یہ آب کہاں ہی بلبل | سب گل برگ سا کب لعل بدخشاں ہو گا
زلف کے مارے تو لگے ہی پریشاں ہی دل | پیچھے کاکل ہی پڑی کیا سر و ساماں ہو گا
شیخ منکر ہے ترے مصحف رو سے جاناں | کس طرح دیکھیے کافر یہ مسلماں ہو گا
دسترس اب تو نہیں مجھکو ترے دامن تک | ایکدن ہاتھ مرا تیرا گریباں ہو گا

اس کے ابرو کا غلامی جو لکھا تو نے وصف
رشک دیوان ہلالی ترا دیواں ہو گا

پھر گیا وہ جب سے یار اپنا | ہے گا برگشتہ روزگار اپنا
ہاتھ میں گل جو لے وہ شاخ چمن | گل یہ سمجھے ہے افتخار اپنا
مت بہا طفل اشک کو اے چشم | ہے یہی دل کا یادگار اپنا

زلف سیاہ کا جب سے یہ دل مبتلا ہوا | دیوانہ سر بسر ہوا زنجیر پا ہوا
رنگ شفق نہیں ہی یہ ہمدم بغور دیکھ | ہی عکس خون میرا فلک پر پڑا ہوا
زخم جگر کو دیکھ مرے ہنس کے یوں کہا | ہی موسم خزاں میں نیا گل کھلا ہوا

چوا شک چشم تر سے ہمارے ہوا رواں ۔۔۔ آخر کو رفتہ رفتہ دُرِ بے بہا ہوا
آزاد وہ غلامیؔ دو عالم سے کیوں نہ ہو
جو دل اسیر طرۂ زلفِ دوتا ہوا

سدا غم سے رکھا ہے ناشاد دل کو ۔۔۔ مری جان اب کیا ہی ارشاد ہم کو
نہیں چین پیشانی بے وجہ اس کی ۔۔۔ کوئی پیش آئی ہو رو داد اس کو
رسائی فلک پر جو چاہے غلامیؔ
تو کر خاک درگاہ بغداد دل کو

آنکھوں سے لہو بہائیں گے ہم ۔۔۔ بہ رنگ اسے دکھائیں گے ہم
قد اس کا دکھا کے شمع تجھ کو ۔۔۔ پروانہ صفت جلائیں گے ہم
اس آنکھ کا کھینچنے کو نقشہ ۔۔۔ نرگس کی قلم بنائیں گے ہم

جگر ٹکڑے ہے گو ہیں صد زباں ہم ۔۔۔ بہ رنگِ غنچہ اے غنچہ دہاں ہم
نشانہ دل کیا تیرِ نگہ کا ۔۔۔ ترے قربان ای ابرو کماں ہم
وصال اس کا نہیں ممکن میسر ۔۔۔ ملا دیں گر زمین اور آسماں ہم
اگر لکھیں حقیقت خال و خط کی ۔۔۔ تو ہوں شیریں رقم اور نکتہ داں ہم
ہجومِ داغِ دل سے اے غلامیؔ
بہ رنگِ پھلجھڑی ہیں گل فشاں ہم

حافظ الف خاں فداؔ صاحب طبع شخص تھے ۔ فارسی اور ہندی میں شعر کہتے تھے ۔ نمونہ یہ ہے :-

بغربتم بگزارد مرو بسوئے وطن — کہ بے گل رخ تو خار ہست بوئے وطن
بشام زلف تو تا من بغربت افتادم — زیاد روئے دلم برد صبح کوئے وطن
بخندہ لب نکشایم بعالم غربت — فسردہ است قضا تا بسر گلوئے وطن
ز جوشش گریہ سرشکم ریز آب محیط — کہ آب رفتہ نیاید دگر بجوئے وطن
بسان قمری نالاں بباغ نالہ کنم — چو یاد آیدم از شاخ سرو جوئے وطن

خون تن آتش فرقت سے ہے اخگر مانند — دل ہے اسپند صفت سینہ ہی مجمر مانند
جوہری کیوں نہ کہے رشک سے دیکھ بھلا — صدف چشم میں جو اشک ہے گوہر مانند
بال پرواز نہ صیاد نے رکھے باقی — قفس تن میں ہے دل طائرِ بے پر مانند
مکتبِ عشق میں کی مشق جنوں جب سے شروع — تن لاغر ہے مرا رشتۂ مسطر مانند
ہجر میں لیلیٰ کی جوں قیس کفِ پا میں مرے — خار صحرائے جنوں چبھتے ہیں نشتر مانند
اے خدا بہر خدا ہاتھ سے مت آن چھوڑ — شافع حشر ہی کون آلِ پیمبر مانند

فدوی[1] مشہور شاعر ہے نواب احمد خاں کے عہد میں فرخ آباد آئے۔ مرزا رفیع سوداؔ سے ہجو نگاری اور ہم طرح غزلوں میں مقابلہ ہوا۔ نمونہ یہ ہے:-

گر بسے گل عذار آنکھوں میں — گل لگے جیسے خار آنکھوں میں
غمزہ و عشوہ و کرشمہ و ناز — قہر ہے ہر چہار آنکھوں میں

---

[1] پنجاب کے باشندے اور کسی بقال کے فرزند تھے۔ مکندرام نام تھا۔ مسلمانوں کی صحبت میں رہ کر مسلمان ہو گئے اور صابر علی شاہ صابر کے شاگرد تھے۔ شعر و شاعری میں خوب مشق بہم پہونچائی تھی جوانی میں ایران کا سفر کیا اور چار برس خراسان و اصفہان میں رہے مذہباً شیعہ تھے مرزا سوداؔ نے فدوی کی ہجو میں فدوی کی زبان سے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے

سید قاسم علی قاسم علی

سید محمد غوث کی اولاد سے ہیں کہ جن کا حال کتاب اخبار الاخیار اور سفینۃ الاولیاء میں مرقوم ہے اور ان کی ماں میر محمد حسین خاں عطا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) ؎ مشاعروں میں ہند کے ئیں گیا ایران تک کو سیکھی زباں داں کی بھی جا کے خراسان تک (سودا)
کچھ دنوں نواب محمد یار خاں امیر (ف ۱۱۸۶ھ) کے یہاں ٹانڈہ (آنولہ) میں رہے اور کچھ مدت فرخ آباد میں بھی رہے وہاں ایک عطار کی دکان کے قریب مکان لے لیا تھا فرخ آباد میں سودا سے معرکے بھی رہے طرفین سے ہجو نگاری کا مظاہرہ ہوا۔ سودا نے جو ہجویں لکھی تھیں وہ کلیاتِ سودا میں موجود ہیں مگر فدوی کی ہجویں نسیاً منسیاً ہو گئیں۔ آزاد نے آبِ حیات میں اس سلسلہ کا ڈیڑھ شعر لکھا ہے۔

کچھ کٹ گئی ہے بیٹی کچھ کٹ گیا ہے ڈورا دم داب سامنے سے وہ اڑ چلا لنٹورا

ع بڑوا ہے مسخرہ ہے سودا اسے ہوا ہے

آزاد لکھتے ہیں فقیرانہ وضع سے زندگی بسر کرتے تھے مشاعرے میں جاتے تو کبھی بیٹھ کر ورنہ کھڑے کھڑے ہی غزل پڑھ دیتے کچھ دنوں نواب ضابطہ خاں (ف ۱۷۸۵ء) کی سرکار میں بھی ملازم رہے۔ نواب ضابطہ خاں کی فرمائش پر یوسف زلیخا کو اردو میں منظوم کیا۔ یوسف زلیخا کا ایک قلمی نسخہ استاذی مولوی اسد علی خاں آنولوی (ف ۵۷ ۱۹ء) کے ذخیرۂ علمیہ میں دیکھنے کو ملا جو ۱۲۱۲ھ کا مکتوبہ تھا میر حسن اور حکیم قدرت اللہ قاسم نے مردے بر خود غلط جاہل ناکندہ تراش لکھا ہے مگر پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی لکھتے ہیں کہ میر حسن کا فیصلہ فدوی کے حق میں چنداں منصفانہ نہیں"۔ اسپرنگر نے لکھا ہے کہ بریلی میں قتل ہونے نساخ نے لکھدیا ہے کہ مراد آباد میں انتقال ہوا تفصیل کے لئے دیکھئے سخن شعراء صفحہ ۳۵۹)

(۱) آبحیات از شمس العلماء محمد حسین آزاد صفحہ ۱۵۵ (شیخ مبارک علی لاہور سنہ ۱۹۵۰ء)
(۲) مجموعہ نغز قدرت اللہ قاسم (جلد دوم) صفحہ ۳۸ - ۴۱
(۳) پنجاب میں اردو از حافظ محمود خاں شیرانی ۳۷۷ - ۳۷۹۔
(۴) تذکرہ شعرائے اردو از میر حسن دہلوی صفحہ ۱۲۰
(۵) گلشن بےخار نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ صفحہ ۱۴۶ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۸۷۴ء)
(۶) گلستان بےخزاں از قطب الدین باطن
(۷) کلیاتِ سودا صفحہ ۲۰۸ - ۲۱۲، ۲۷۴ - ۲۷۵ (نولکشور پریس سنہ ۱۹۱۶ء)
(۸) یادگار شعراء از طفیل احمد صفحہ ۱۵۳ - ۱۵۴
(۹) گلشن ہمیشہ بہار صفحہ ۱۴۳ - ۱۴۴

۱؎ میر محمد حسین خاں تحسین میر باقر خاں شوق کے بیٹے اور اٹاوہ کے رہنے والے تھے نہایت خوش نویس تھے مرصع رقم کے لقب سے مشہور تھے انھوں نے ابتداءً میر منشی کی حیثیت سے کئی سال کلکتے میں گزارے جب جنرل اسمتھ انگلستان چلا گیا تو یہ پٹنہ چلے آئے اور وہاں وکالت کرنے لگے پھر چند سال کے بعد نواب شجاع الدولہ (ف ۱۷۷۵ء) کی ملازمت میں داخل ہوئے ان کے انتقال کے بعد نواب آصف الدولہ کے متوسل رہے اور آصف الدولہ کے زمانے ہی میں ۱۷۹۷ء سے قبل قصۂ چہار درویش کو مکلف اردو میں "نو طرز مرصع" کے نام سے مرتب کیا تحسین نے

مرصع رقم کی بیٹی ہیں[2]۔ وہ فرخ آباد کے اطراف میں اکثر تحصیل داری پر مامور رہے اور کبھی اس شہر فرخ آباد میں بھی تشریف لاتے۔ طبع وقاد و ذہن نقاد کے مالک ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے :-

دل می تپد او خبر ندارد | عشقم اثرے مگر ندارد
دارد ہمہ انچہ بایدش لیک | در کوئے وفا گزر ندارد
بستہ است چناں کمر بقتلم | گویند کہ او کمر ندارد
دیدیم بچشم خویش دریا | طغیانی چشم تر ندارد
نقش سیہ است و من سیہ روز | ہم رنگ دلا ضرر ندارد
بہر تسخیر ہیچ یک نقش | خاصیت نقش زر ندارد
طالع نہ شد آہ بہر رویش | آیا شب من سحر ندارد
در شہر دلم بہ ششدر افتاد | صحرا خوش ترکہ در ندارد

آں کیست دریں زماں کہ قاسم
سر دارد و درد سر نہ دارد

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) اس کے علاوہ تین کتابیں اور لکھیں (۱) ضوابط انگریزی (۲) تاریخ قاسمی۔ (۳) انشائے تحسین ملاحظہ ہو :-

(۱) ارباب نثر اردو از سید محمد ص ۴۳ - ۵۰ (مکتبہ معین الادب لاہور سنہ ۱۹۵۰ء)

(۲) داستان تاریخ اردو از حامد حسن قادری صفحہ (عزیزی پریس آگرہ سنہ ۱۹۵۷ء)

(۳) اردو مخطوطات حامد اللہ ندوی ص ۴۸ - ۵۰ (بمبئی سنہ ۱۹۵۶ء)

[1] محمد طفیل نے GRANDSON کا ترجمہ "پوتا" کیا ہے جو درست نہیں (یادگار شعراء صفحہ ۱۶۱)

[2] نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ لکھتے ہیں :-

"در فن موسیقی مہارت خوشی دارد، سابق خدمت تحصیل محالات بسرکار انگریزی داشتہ، اکنوں در لکھنؤ می گزراند" (گلشن بے خار صفحہ ۱۵۶)

حافظ کاشف علی کاشف قصبہ سانڈی کے کھرے سید اور صاحب دیوان ہیں شہر فرخ آباد میں آئے ہیں۔ نمونہ یہ ہے:-

بہ شورم در آورد در وجدائی ۔۔۔ تو اے جان شوریدہ گاہ درکجائی

مرزا آدینہ بیگ کامل اچھے سوداگر تھے انقلاب زمانہ سے فقر و فاقہ کی زندگی گزارنی پڑی فرخ آباد میں وفات پائی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔

یہ نمونہ ہے :-

تجھکو جس دن سے نہیں ہے بادہ خواری سے فراغ ۔۔۔ ایک دم پاتے نہیں ہم آہ و زاری سے فراغ
شمع ساں دوری میں تیری ایک شب اے ماہ رو ۔۔۔ دیدۂ تر کو نہیں ہے اشکباری سے فراغ
مضطرب رہنے سے اس کے سخت ہے مجھ پر عذاب ۔۔۔ کاش کہ پاوے مرا دل بے قراری سے فراغ
ہمدمو! یاں سے گیا ہے جیسے وہ وعدہ خلاف ۔۔۔ ہم کو اک لحظہ نہیں ہے انتظاری سے فراغ
یار بن نالہ سے اس کو ایک دم فرصت نہیں ۔۔۔ کیونکہ پاؤں اپنے دل کی غمگساری سے فراغ
خویش و بیگانوں کی کب اس طرح کی باتیں نہیں ۔۔۔ چشم گریاں کو جو ہووے اشکباری سے فراغ
ان کے طالع کے برابر نیک ہیں کس کے نصیب ۔۔۔ ایک دم جی کو نہیں تھا صحبت رہی سے فراغ
ہو گیا جس روز سے کامل مرا بیدار بخت ۔۔۔ ایک شب مجھکو نہیں اختر شماری سے فراغ

کمتر شاہ کمتر ان کے والد اسلم خاں نواب احمد خاں کی سرکار کے خاص ملازم تھے انھوں (کمتر شاہ) نے اپنے والد کی وفات کے بعد درویشی اختیار کرلی اور شاہ احسن اللہ دہلوی کے مرید ہوگئے اس کے بعد لکھنؤ پہونچے اور خواجہ کمہاری کی اولاد میں خواجہ حسن کے عقیدت مند ہوگئے۔ سنہ ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) کے بعد اس دنیا سے دار الآخرت کی طرف سفر اختیار کیا۔ ہر طرح کے ہندی اشعار بہت کہتے تھے اور فارسی کم کہتے تھے۔ ان کی کلیات میں ایک لاکھ سے زیادہ اشعار ہیں۔[1]

(لہ اگلے صفحہ پر)

تجھے چھوڑ کر میں اگر جاؤں گا | تو پھر دو جہاں سے گزر جاؤں گا
جلاتا ہے ٹھوکر سے پیارے تو مردہ | قدم نیچے کل تیرے مر جاؤں گا
جو کاٹے ہے یہ تیغِ ابرو زیادہ | میں سینے کی لے کر سپر جاؤں گا
مرے پاس جس وقت آتے ہو صاحب | تو کہتے ہو اب میں کدھر جاؤں گا
چھٹا آستانہ ترا مجھ سے جس دم | خدا جانے پھر میں نہ گھر جاؤں گا
جو اک آن ہنسنا تو اک آن رونا | میں اوقات یوں کر بسر جاؤں گا
مجھے دیکھ بسمل لگا ہنس کے کہنے | نہ گھبرا، ترا کام کر جاؤں گا
رسکتا نہیں تجھ کو چھوڑوں گا تیرا | میں پیمانۂ عمر بھر جاؤں گا

بقا کس کو ہے دارِ فانی میں کمترؔ
رہا آج کل کر سفر جاؤں گا

گنا بیگم

علی قلی خاں والہ، شش انگشتی کی صاحبزادی ہیں۔ نواب عماد الملک وزیر کی بیوی ہیں۔ نواب عماد الملک کے ہمراہ فرخ آباد آئی تھیں۔ شعر خوب کہتی تھیں۔ نمونہ یہ ہے[1]:-

اشک اُمڈا ہوا پھر ضبط سے کم رُکتا ہے | ناصحا اُٹھ میری بالیں سے کہ دم رُکتا ہے
چل ہوا کھا نہ صبا اس دلِ دلگیر کو چھیڑ | تو فرہ پارے گی تو غنچہ تصویر کو چھیڑ

---

[1] حکیم قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے کہ میر سوز اور مرزا سودا سے اصلاح لیتی تھیں اور منتظر بھی تخلص تھا (مجموعہ نغز، ص ۱۴۵) شیفتہ لکھتے ہیں کہ میر قمر الدین منت سے اصلاح لیتی تھیں (گلشنِ بے خار ص ۱۶۴) نیز دیکھئے ولیم ارون نے ان کا نام ہنو بیگم لکھا ہے (تاریخ فرخ آباد ص ۹۳) ان کی قبر آگرہ سے تریسٹھ میل کے فاصلہ پر بسمت جنوب موضع نور پور میں واقع ہے۔ یہ مقام گوالیار سے پندرہ میل جانب شمال ہے۔ اس پر مختصر سا کتبہ درج ہے جس کا مضمون یہ ہے:۔ ہنو بیگم ۱۱۸۷ھ مطابق ۲۵ مارچ ۱۷۷۳ء تاریخ فرخ آباد ص ۹۳ (دیکھو)، یادگارِ شعرا ص ۱ (۲) گلستانِ بے خزاں ص ۱۹۹

آگر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے | خوابِ عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے
خود ہی پیالہ خواہ سبو کیجیو کلال | ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے

کہتے ہیں اسے ڈوب موا آج کوئیں ہیں | ظالم جو ترا شیفتہ چاہِ ذقنی تھا

نواب محبت خاں محبتؔ[1] حافظ رحمت خاں کے فرزند رشید ہیں دو تین مرتبہ فرخ آباد آئے ہیں۔ نمونہ یہ ہے:۔

---

[1] نواب محبت خاں بن حافظ رحمت خاں (ش ۱۷۷۴ء) ان کی پیدائش ۱۱۶۵ھ میں ہوئی تمام علوم مروجہ حاصل کئے۔ پشتو، فارسی اور عربی کے علاوہ سنسکرت میں بھی کافی مہارت رکھتے۔ حافظ رحمت کی شہادت کے بعد شجاع الدولہ ان کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ کچھ دنوں خاندان کے دوسرے حضرات کے ساتھ الہ آباد کے قلعہ میں نظر بند رہے نواب آصف الدولہ نے لکھنؤ بلایا وہیں سکونت اختیار کی ۱۳ صفر ۱۲۲۴ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ (حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۳۱۳) اسیر نگر نے جرأت کے حوالے سے نیز نساخ نے بھی تاریخ انتقال ۱۲۲۲ھ ۱۸۰۷ء لکھی ہے (یادگار شعرا ص ۱۷۶۔ سخن شعرا ص ۴۱۶۔ نواب محبت خاں فنونِ سپہ گری اور علم موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے شاعری میں جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے (گلشن ہند ص ۲۳۰، تذکرہ میر حسن ص ۱۷۴ تذکرہ سرور ص ۶۶۵ مجموعہ نغز ص ۱۶۰ قلندر بخش جرأت محبت خاں کی سرکار میں ملازم تھے جرأت کا مشہور شعر ہے:۔

بسکہ گلچیں تھے سدا حسن کے ہم بستان کے | ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خان کے

مسٹر جانسن کی فرمائش پر قصۂ سیسی پنوں "اسرار محبت" کے نام سے ۱۱۹۶ھ میں منظوم کیا یہ مثنوی میر حسن کی مثنوی سحر البیان سے دو سال قبل لکھی گئی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ قواعد فارسی کا "آمد نامہ" اور ایک "لغت" بھی لکھی۔ دیوان انڈیا آفس میں موجود ہے۔ (کیٹیلاگ انڈیا آفس)

مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) نواب محبت خاں محبتؔ اور مثنوی اسرار محبت از ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ (العلم کراچی جلد ۶ شمارہ ۱) (۲) تذکرہ ہندی ص ۲۱۳ (۳) طبقات الشعرا (علی گڑھ میگزین اگست ۱۹۳۰ء ص ۱۴۶) (۴) گلشنِ بے خار ص ۱۷۱ (۵) تذکرہ سراپا سخن ص ۸۵ (۶) گلستان بے خزاں ص ۲۰۹ گلشن ہمیشہ بہار ص ۹۵

باز تشریف ز شفقت سوئے ما آوردی — خوش بیا! اے غم جاناں کہ صفا آوردی
بہر من رنج و غم و محنت و اندوہ و الم — آہ ای عشق چہ گویم کہ جفا آوردی
کردہ بودیم وفاہا و جفاہا دیدیم — بر تو ایں بود حق ما کہ بجا آوردی
پیش آں خسرو خوباں چہ بری نذر حقیر — او محبت تو دل خویش کجا آوردی

یارب از آزار عشقم ہر نفس بیمار ساز — بر دل و جانم مسلط ہر دم ایں آزار ساز
ہر نفس در کام جان من شراب شوق ریز — بے خود از خویشم کن و در عشق خود ہشیار ساز[1]
بر در کس کہ روم جز آستاں در گہت — کار من دیگر کہ سازد چوں تو باشی کار زار
صبح کن شامم ز نور خویشتن چوں آفتاب — جلوہ فرمائے ز خواب غفلتم بیدار ساز
عشق گر کفر است کافر بندہ را کن اے خدا — در محبت دین بود یارب مرا دیندار ساز

خالی رہے نہ، تحفۂ دشنام لے چلے — ہم بھی ترے حضور سے انعام لے چلے
کر ٹکڑے ٹکڑے دل کے جدا کر ورق ورق — گل کی طرح وہ شوخ گل اندام لے چلے
خرچا درم نہ ایک یہ عیار مفت بر — اپنا غلام کر مجھے بن دام لے چلے
شیریں سے لے کے کوہ کنی، کوہ کن کیا — اب جاں کنی کا آپ سے ہم کام لے چلے

پنڈت مصاحب رام مصاحب پنڈت دیا رام کے بھائی ہیں۔ شعر کہتے ہیں[2]۔ نمونہ یہ ہے :-

---

[1] نسخہ فرخی میں محبت کے صرف فارسی کے چھ شعر بطور نمونہ درج ہیں۔

[2] مصاحب تخلص، پنڈت مصاحب رام ابن پنڈت دیپ چند متوطن دہلی نمونہ یہ ہے :-

راز دل صاف ہو گیا ظالم ❊ آہ سوزان و چشم پُر نم سے

(سخن شعراء، صفحہ ۴۴۰)

از حسن ماہ رویت بدر منیر ہر شب — باشد ز ہالۂ خود در حلقۂ غلامی
اے آفتاب خوبی از شہرۂ جمالت — خورشید ہر سحرگہ بر در گہت سلامی
یوسف بہ عرصۂ خود با وصف بے نشانی — در مصر حسن و خوبی چوں تو نہ گشتہ نامی
از عندلیب بستاں تا طوطی سخن گو — مثل تو نیست ہرگز در طرز خوش کلامی
رمزیست عاشقاں را از چشم خوش نگاہاں — ای ناصحے سخن گو تو در میاں کدامی
تحصیل فیض صحبت ہر دم غنیمتے داں — چوں گشتہ مصاحب با پختگاں نہ خامی

محب علی مُفلِس | روشن علی کے بیٹے اور فرخ آباد کے رہنے والے ہیں۔ شعر کہتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے[1]:-

مجھے جاہ و حشم سے کام کیا مفلس کہاتا ہوں — خدا کے گھر میں پڑ رہتا ہوں ٹکڑے مانگ کھاتا ہوں

آؤں تو لاکھ بار، پہ درباں ترے کہیں — مُفلِس مجھے سمجھ کے نہ جیلے آبرو کریں

مرزا تاج بیگ ممنون | لاابالی شخص اور نواب غضنفر جنگ کے رفیق تھے۔ نواب ممدوح کے ابتدائی زمانے اور اپنی عمر کے آخری دَور میں ترک ملازمت کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور فاقہ کشی اختیار کی سنہ ۱۱۵ھ ۱۷۳۷-۸ء میں انتقال ہوا۔ نمونہ یہ ہے:-

شاعر و خوش نویس و نقاشم — بخت گر نیست بر ہنر شاشم

---

[1] محب علی نام، رامپور میں عطر فروشی کرتے تھے، مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے بہتر برس کی عمر ہوئی سنہ ۱۲۲۳ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو:-

(۱) انتخاب یادگار صفحہ ۳۴۴ (۲) گلشن بے خار صفحہ ۳۴۴

(۳) گلشن بے خزاں صفحہ ۲۲۹ - ۲۳۰

بہ پیشِ آتشِ حسنت چہ تابِ آئینہ را | اگر پناہ نہ می بود آب آئینہ سا
خونِ دلہا خورد نہ پرہیزد | نرگسِ یار طرفہ بیمار است

میر احمد علی منتظر میر ریاض علی کے فرزند رشید تھے نواب احمد خاں کے زمانے میں ان کے والد قاضی سید مربی کی حویلی کے قریب رہتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

اُس وعدہ خلاف کا نہ آنا | جانا کہ صرف کیا بہانا
کیجئے کرم ایک لمحہ صاحب | جتنا ہی کہا، کہا نہ مانا
ہنسا، تو کرے گا قتل عالم | اللہ اللہ رے مُسکرانا

مہربان خاں مہربان نواب احمد خاں کے عمدہ سردار تھے ان کی سرکار میں دیوانی کے عہدے پر سرفراز تھے۔ شاہجہان آباد کے اکثر شاعروں کو آرام سے رکھتے تھے[1]۔ نمونہ یہ ہے :۔

---

[1] نواب مہربان خاں رند بھی تخلص کرتے تھے دہلی کے رہنے والے تھے نواب احمد خاں بنگش غالب جنگ کی سرکار میں دیوان تھے ایک مُدت تک اس عہدے پر سرفراز رہے۔ شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا بلکہ شعرا کے بڑے قدردان تھے مرزا رفیع سودا اور میر سوز کو فرخ آباد بلاکر رکھا اور ان کی کفالت کی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے شعرا ان کے سحابِ کرم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ شاعری کے علاوہ تیر اندازی، شمشیر شناسی اور موسیقی میں بڑے ماہر تھے کبت خوب کہتے تھے صاحبِ دیوان تھے۔ مصحفی نے مرزا قتیل کے ہمراہ رستم نگر (لکھنؤ) میں ان سے مُلاقات کی وہ کہتے ہیں کہ علم سے بہرہ نہ رکھتے تھے بلکہ تلفظ بھی درست نہ تھا لکھنؤ ہی میں انتقال ہوا۔ افسوس کہ اس معارف پرور رئیس کی تاریخ انتقال نہیں ملتی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے :۔ (۱) گلِ رعنا صـ ۱۳۵–۱۳۶ (۲) یادگار شعراء صـ ۱۰۱ (۳) تذکرہ ہندی صـ ۱۰۶ (۴) تذکرہ سرور صـ ۲۸۴ (۵) گلشن ہند صـ ۱۳۹–۱۴۱ (۶) تذکرہ شعرائے اردو صـ ۷۵ (۷) تذکرہ سراپا سخن صـ ۲۷ (۸) مجموعہ نغز صـ ۲۷۶ (۹) گلستان بے خزاں صـ ۹۸ (۱۰) دو تذکرے (تذکرہ عشقی) مرتبہ کلیم الدین احمد صـ ۳۶۹–۳۷۰ (۱۱) طبقات الشعراء (علیگڑھ میگزین اگست ۱۹۳۸ء) صـ ۱۴۱ (۱۲) گلشن بے خار صـ ۱۹۰

میں تو غلام دل سے ہوں اس مہرباں کا
غنچہ بھی زر خرید ہے جس کے دہان کا

دھڑکا نہ مجھ کو بوسے پر اے یار ہر گھڑی
شرمندہ میں نہیں ہوں ترے برگ پان کا

یہ کہکشاں نہیں ہے مرے غم کو دیکھ کر
سینہ پھٹا ہے ہول سے اب آسمان کا

دہم سے ترے یہ نہیں ہونے کا اے طبیب
دل میں لگا ہے تیر اس ابرو کمان کا

سن مہرباں گلی سے صنم کے نہ سر اٹھا
ممنون ہوں میں اپنے دل ناتوان کا

محمد ناصر خاں ناصر نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کے داماد اور محمد قاسم خاں کے باپ ہیں جن کا ذکر امیروں کے ضمن میں گزرا ہے زبردست شاعر ہیں ان کا کلام نظامی کے کلام کے برابر رکھا جاتا ہے۔ فرخ آباد میں ورود کے وقت راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) سے ملاقاتیں رہیں۔ لیلی مجنوں کا قصہ مثنوی میں لکھا ہے اس مثنوی میں عشق کی مدح میں بڑی جودت دکھائی ہے:-

ہر سر کہ ز عشق با خبر نیست
ہاں بر سر سنگ زن کہ سر نیست

ہر سر کہ سر عشق خالیست
آنجا جگہ شکستہ حالیست

ہر سر کہ بعشق گرم خوں نیست
شائستہ درگہ جنوں نیست

دل کرد ز عشق مرتبہ حاصل
بے عشق خرابہ است بے دل

آباد حریم دل ز عشق است
آمیزش آب و گل ز عشق است

عشق آمدہ مغز و پوست عالم
معنی عشق است و لفظ کردم

عشق است کہ بر ملک رساند
عشق است کہ با ملک نشاند

سرمایۂ افتخار عشق است
مجموعۂ اعتبار عشق است

مقصد ز وجود چیست جز عشق
در محفل بود کیست جز عشق

بے عشق کدام زندگانیست
بے عشق حرام زندگانیست

بردل کہ ز درد عشق تنگ است | زنہار وش مخواں کہ سنگ است
عشق آمد و رونق جہاں داد | عشق آمد و جسم و دل و جان داد
تا ہست جہاں جہاں عشق است | تا ہست مکان، مکان عشق است
عشق آمدہ جان و عالمش تن | عالم از عشق گشتہ روشن
در عشق حیات جاودانی است | باقی عشق و جملہ فانی است
عشق آیۂ رحمتِ الٰہی | در عشق بجوہر انچہ خواہی
آئینہ پرتو خدا عشق | معمور ز ارض و سما عشق
عشق است کلید گنجِ جاوید | عشق است بہار باغ اُمید
سرجوش شراب ناب عشق است | سوز جگر کباب عشق است

خواجہ رحمت اللہ ناطق لاہور کے رہنے والے ہیں شاہجہان آباد میں آئے۔ اور شاہ غلام علی خلیفہ مرزا جان جاناں کے مرید ہوئے تجارت کے سلسلہ میں فرخ آباد میں آئے۔ یہیں انتقال ہوا۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

بوالہوس لبِ لباں تو ہوس آمد و رفت | بر سمر قند مکرر چو مگس آمد و رفت

جلوۂ کہ سیر آں قد و بالا کند کسے | از سرو بوستاں چہ تماشا کند کسے

امام الدین خاں ناظر شاہجہانپور کے رہنے والے اور صاحبِ فہم تھے شعر ایران کے اشعار پسند کرتے تھے۔ نمونہ یہ ہے:۔

دخل دے کر بزم خلوت میں ہر اک دمساز کو | مت سبک فرمایئے یوں قدر حسن و ناز کو
سرو بالا تجھ میں جو انداز ہے رفتار کی | کبک کیا جانے ہے اس رفتار کے انداز کو

رات میرے حق میں کیا ارشاد فرماتے تھے آپ
پاس بٹھلا کر رقیبانِ فسوں پرداز کو

مت ہماری لاش سے کر جلوہ فرمائی دریغ
ہم بھی دیکھیں ای مسیحا دم ترے اعجاز کو

یوں تو ای صیاد اب مطلق مری پروا نہ کر
مرغ پر بستہ بھی ہوتے ہیں کہیں پرواز کو

دل میں اس کے کچھ تو تیرے عشق نے تاثیر کی
ورنہ کب میل صحبت تھا بُتِ طناز کو

کل وہ آہو چشم ناظوؔ آکے میرے دام میں
آہ کیسا رم گیا سُن کر تری آواز کو

شیخ نظام الدین نامیؔ فرخ آباد کے عطر فروشوں کے خاندان سے ہیں[۵۲]۔ نمونہ یہ ہے:۔

گریباں چاک دامن تک لہو آنکھوں سے جاری ہے
کہیں کیا ہم بھلا مجنوں عجیب حالت تمھاری ہے

گئے بس بھول اپنے آپ کو اس روز سے ہم تو
نظر صورت پڑی جس روز سے ہم کو تمھاری ہے

کھلی رہتی ہے یہ جو دیکھتے ہو چشمِ نرگس کی
سو اس کو بھی کسی گل رو کی شاید انتظاری ہے

برابر جی کے میں کیونکر نہ رکھوں آہ چھلّے کو
چھلا تھا جس نے دل میرا یہ اس کی یادگاری ہے

نہ پوچھ احوال نامیؔ تو ہماری چشمِ گریاں کا
غرض جب دیکھتے ہیں ہم تو اشک آنکھوں سے جاری ہے

خواجہ احمد جان نحویؔ طبع رسا رکھنے والے جوان اور خطۂ کشمیر کے رہنے والے ہیں چائے کی تعریف میں انھوں نے کہا ہے:۔

زند جوشش دو سینہ ام مدح چائے
قلم راست آرتش از یں زیرپائے

ا۵ مؤلف تاریخ شاہجہاں پور بھی کچھ حالات نہ بتا سکے۔ ملاحظہ ہو تاریخ شاہجہان پور
۵۲ اسپر نگر، عشقی کے حوالے سے لکھا ہے نامی فرخ آبادی کچھ عرصے سے اٹاوے میں رہتے ہیں۔
(یادگار شعراء ص ۲۰۵)

زنم حرفے از مدحتش چرب و نرم
کہ افتادہ در روغنم نان گرم

بصورت ہم سبز چوں خطِ یار
شود بعد پختن چو لعلِ نگار

برنگِ ریا حین بود مشک بو
پس از طبخ مانند گل سرخرو

بدیدن زمرد صفت سبز رنگ
چو پختہ شود لعل آرد بچنگ

گہے حلۂ سبز دارد بسر
گہے غازہ بر رو چو گل برگ تر

چو سبزانِ رعنا بہت برگش ثمر
چو عشاق در جوشش خونیں جگر

گل رنگ او رشک لعلِ مذاب
بخوں نماں طپد لعل و یاقوت ناب

فتاد آتش از سرخیش در عقیق
ہمہ تن بخوں است مرجان غریق

مے تلخ شد آب از حسرتش
کہ رنگے ندارد بر لذتش

ز تنبول پر بودہ ہست آب و رنگ
بہ بزمش بود قہوہ را بار تنگ

گر ایں راح میدید جمشید پیش
ازیں بادہ می کرد پر جام خویش

بسانِ ہمیں راح عرفان سرشت
شرابے نباشد مگر در بہشت

ز چائے خطائے شد آنکس کہ ہست
ز مشک ختن زود افشاند دست

برو آب و تابش بیک جلوہ دل
برنگے کہ خوباں چین و چگل

چنین سبز گلگون جلوہ نما
ندیدم دریں گلشن جانفزا

چو اندر خم دیگ آید بجوشش
برآرند فی الفور مستاں خروش

بہ بزمش چو آرند دلکش سماط
فرو چینندش انبساط و نشاط

گل ساغرش لالۂ باغ ذوق
بشب خوردنش مشرب اہل شوق

ز شرم ایاغش شود در شفق
بہر شام خورشید غرق عرق

برد گوئے از ماہ و خور جامِ او
سزد بادۂ اہل دل نامِ او

بمردہ دلاں بخشد آبِ حیات
بجاں تشنہ اش شیر قند و نبات

مفرح تراست از بہارِ چمن بمعنی بود کیمیائے سخن
اگر آب خضرش بخوانم رواست دگر رشک تریاق گویم بجاست
بدیدار خون کبوتر بود غلط رشک یاقوت احمر بود
کسے را کہ گردید گردوں بکام زند ہر شے زیں مے لعل جام
اگر ذاکر حق خورد در شبش بذکر خدا وا نماند لبش
کند گرم در ذکر حق جان او ہمیں است بس آب حیوان او
بہ پرسید وصفش ز شب زندہ دار کہ می فہمد او قدر ایں آب نار
کسے گر کشد رنج تاب و مشاق خورد قطرۂ زاں شود چست و چاق
زند گر کشش بعد آب و طعام شود حاصلش زود ہضم طعام
کند تشنگی دور گر کاذب است دل صادقاں را ازاں جاذب است
کسے را کہ شد لب بلب ساغرش نباید گہے خوشش لب دلبرش
رسد نکہتش ہر کرا در دماغ نیفتد خوشش بعد ازاں بوئے باغ
کشی جامش ار نوش در بوستاں نماید چمن در نگاہت جنال
خورد جرعۂ اش ہر کہ در بحر و بر در آید بچشمش ارم خشک و تر
جلال است ایں راوق لعل رنگ بخور تا قیامت نوائش بے درنگ
چنیں دیدہ ام در کتاب شگرف کہ در مفردات است دریائے ژرف
کہ جائے کہ از قسم عالی تراست بسے دور از دست سوداگر است
مگر حاکمانِ ختا و ختن بر ہمسراں و شہاں زمن
فرستند چوں تحفۂ غریب کہ باشد فرح بخش و خاطر فریب
بمدحش چہ خونِ جگر خوردہ ام کہ رنگیں سخن بر لب آوردہ ام
بہ بندم لب خویش نحوی کنوں کہ وصفش بود از بیانم فزوں

نصیر شاہجہان آباد کے عمدہ شاعروں میں تھے ایک مرتبہ فرخ آباد آئے تھے تو راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) سے ملاقات ہوئی۔ نمونہ یہ ہے:۔

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

ظہور اللہ خاں نوا[1] ان کی جائے پیدائش شہر بدایوں ہے لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا اور وہاں کے شاعروں سے خوب نوک جھونک رہی ایران گئے اور فتح علی شاہ کے حضور میں باریاب ہوئے سعدی ہند کا خطاب ملا اور وہاں سے واپس لوٹنے پر فرخ آباد آئے فارسی شاعری کی ہر صنف، غزل، مثنوی اور بزم و رزم کے متعلق خوب کہتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے:۔

مدعی آمد عیادت از زبانِ یار کرد ... آہ ایں پرسش مرا بار دگر بیمار کرد

---

[1] ظہور اللہ ولد شیخ دلیل اللہ، بدایوں وطن تھا شاعری میں حکیم بقاء اللہ خاں بقاؔ اکبر آبادی سے تلمذ تھا۔ مرزا جہاندار شاہ کی سرکار سے خوش فکر خاں کا خطاب ملا تھا۔ ایران کا سفر بھی کیا وہاں شاہ فتح علی قاچار (۱۷۹۷ء-۱۸۳۲ء) کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ اس زمانہ میں ہندو پاکستان میں سخت سیاسی انتشار تھا مسلمان کا سیاسی غلبہ ختم ہو چکا تھا۔ انگریزوں کے قدم پوری طرح جم چکے تھے ظہور اللہ نوا نے شاہ ایران کے حضور میں فارسی میں ایک قصیدہ پیش کیا اس میں ہند پاکستان کی زبوں حالت کا نہایت زور دار الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے اُردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے مصحفی لکھتے ہیں "فکر شعر در زبان ہندی و فارسی ہر دو می کند ان قصیدہ را بسیار بمتانت و پختگی سرانجام می سازد معہذا طرز نظم قصیدہ اش بہ سبب اندراج لغات عربی و فارسی از بلغائے زماں جدت و بسیار فراست دارد" (تذکرہ ہندی صفحہ ۲۶۳) قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں "در غزلیات ہم فکر رسائے دارد" (مجموعہ نغز ۲۸۶) لکھنؤ یہاں جرأت سے معرکے رہے اور طرفین سے ہجویں لکھی گئیں ۱۲۴۶ھ میں انتقال ہوا۔ حکیم محمد وحید اللہ بدایونی نے قطعہ تاریخ کہا ہے۔ ظہور اللہ خاں آں سعدی ہند نبودہ مثل او در ہر شاعر چو در جنت رسیدہ گفت ضواں نوا فخر بدایوں در دنیا بُد فارسی کا کلام بیشتر رہا۔ اُردو میں ایک مختصر سا دیوان تھا۔ قاضی عبدالودود کو دیوان مل گیا ہے ایک مثنوی مع دعذرا چھپ چکی ہے

(اگلے صفحہ پر دیکھئے)

مرگ اندر شکِ رقیب و تلخیِ ہجرم رہاند — خوابِ شیرینی نصیبم طالعِ بیدار کرد
آتشِ بے دودِ او جان و دل کونین سوخت — کارِ برقِ گرم و ترسوزاں گل بے خار کرد
ہر کہ بر بالینم آمد در زمانِ آخریں — اندکے حالم شنیدہ گریہ بسیار کرد
عالمے وارد نوا رسوائیِ عشقِ بتاں
زاں جہت از ننگ ننگ و عارِ دل را عار کرد

قضائے یار بہ بالیں رقیب می آید — سوئے مریض اجل با طبیب می آید
بشہرِ ناز فروشاں کہ شہر آباد است — غریبِ انگشیدا ایں غریب می آید

شیخ قاسم وارستہ | شعر بھی کہتے ہیں۔ ان کا نمونہ یہ ہے:-

کرا احتراز ز حشمت دل خراب کند — چگونہ مست ز میخانہ اجتناب کند
دمے کہ زینتِ زیں می شوی رعایتِ شوق — بہ پائے بوسِ تو تا لب تہی رکاب کند

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) جو نایاب ہے نوا کا فارسی کلام دو رجسٹروں میں مولوی محمد سلیمان بدایونی مرحوم (ف ۱۹۶۳ء) کے یہاں محفوظ ہے۔ مولوی محمد سلیمان بدایونی مرحوم کو نوا کے مکتوبات (فارسی) کا ایک مجموعہ بھی ہاتھ لگا تھا جس سے نوا کے اکثر حالاتِ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہو

(۱) عمدۂ منتخبہ (تذکرہ سرور) صفحہ ۷۹۵ — ۷۹۶
(۲) یادگارِ شعراء صفحہ ۲۱۰ — ۲۱۱ — (۳) تذکرہ سراپا سخن صفحہ ۲۱۷
(۴) لکھنؤ کا دبستانِ شاعری صفحہ ۱۵۳
(۵) آبِ حیات صفحہ — (۶) مختصر سیر ہندوستان صفحہ ۹۳/۹۴
(۷) گلستانِ بے خزاں صفحہ ۲۵۵ — (۸) سخن شعراء صفحہ ۵۳۳
(۹) گلشنِ ہمیشہ بہار صفحہ ۲۱۲

منشی بشارت علی وحشی قصبہ کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ آج کل شہر فرخ آباد کی منصفی پر مامور ہیں۔ نمونہ یہ ہے :-

به عدم ہم زغم عشق نشانے پیداست — بسر خاک شہید تو فغانے پیداست
کے رماں می دہم ترک سیاہ حشمت — بہر صید دل ما تیر و کمانے پیداست
راحتے نیست دمے در چمن دہر بہ کس — زیر پہلوئے گل از خار سنانے پیداست
ہم چو شمع سحری خستہ و رنجور ترا — ہر دم از کاہش دل تازہ زبانے پیداست

سوخت در سینہ مگر ایں دل شیدا وحشی
کہ بلب از دم گرم تو دخانے پیداست

نگارے زیب محفل بود شب جائے کہ من بودم — قمر از چرخ نازل بود شب جائے کہ من بودم
ز زخم تیر مژگان و کمان ابروئے او پُر خم — جہانے دست بر دل بود شب جائے کہ من بودم
چو صبح از عارض سوئیش منور ساخت محفل را — فروغ شمع باطل بود شب جائے کہ من بودم
مگر تیغش فسوں دارد کہ وقت ذبح بر بسمل — بلا گردانِ قاتل بود شب جائے کہ من بودم

خرام ناز مہرویان مگر آفت بود وحشی!
کہ کبک روح بسمل بود شب جائے کہ من بودم

گوکل چند ہندو قوم کے کھتری اور منشی حہر چند کے چھوٹے بھائی ہیں۔ شعر کہتے ہیں۔[1] نمونہ یہ ہے:-

نمی آید پری رویاں مرا یک دم قرارا مشب — چہا گردید مشکل بر دل دیوانہ کارا مشب

---

[1] ملاحظہ ہو یادگار شعراء صفحہ ۲۲۱۔

ز چشم تر ہمی ریزم سرشک لاله گوں از بس — گریباں گیر دامانم شده خوں بہار امشب

جہاں شد تیره ما را در نظر از انتظار او — نمی دانم بسوئے کیست یارا روئے یار امشب

بیا دریک نفس در رہ بہ پہلوئے بیمار خود بنشیں — که می گردد ز پہلو بہ پہلو دائم ایں بے قرار امشب

نه رفت اے میرزا بہر عیادت بر سرت ہندو
طبیب آمد ز بالیں تو گریاں زار زار امشب

مقالۂ یازدہم[1]

مفتی محمد ولی اللہ فرخ آبادی

نسب نامہ ان کا نسب امام حسین اصغر بن زین العابدین تک اس طرح پہونچتا ہے کہ (مفتی) محمد ولی اللہ بن سید احمد علی بن غلام حسین مدفون سوادِ قصبۂ سانڈی بن سید محمد چودھری قصبۂ سانڈی بن سید سعد اللہ بن سید فیض اللہ بن سید احمد ثانی بن سید اجمل بن سید اشرف بن سید امجد بن سید احمد جد سادات سانڈی بن سید حسین مدفون قنوج بن سید اسمٰعیل بن سید اسماعیل بن سید برہان الدین بن سید تاج الدین بن سید عبدالمجید[2] بن سید نعمان بن سید حمزہ ثانی بن سید حسین بزرگ بن مخدوم سید احمد زاہد مدفون سوانہ بن سید حمزہ بن سید ابو بکر بن سید عمر بن سید محمد بن مخدوم سید احمد تختہ مدفون لاہور ملقب بہ مثال رسول اللہ بن سید علی کمکی بن سید حسین حمصہ بن سید محمد مدنی[3] معروف بہ شاہ ناصر

---

[1] اس مقالہ کا ترجمہ مرتب محمد ایوب قادری نے کیا ہے۔

[2] ماثر الکرام (دفتر اول صفحہ ۲۹۰) میں یہ نام سید الحمید تحریر ہے۔

[3] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، انساب سادات کا ایک اہم ماخذ ہے اس میں سید حسن حمصہ کے تین لڑکے (۱) علی کمکی (۲) حسین (۳) محمد بتلائے گئے ہیں مگر اس شجرہ میں ان تینوں بھائیوں کو علی کمکی بن حسین بن محمد دکھایا گیا ہے۔

ترمذی بن سید حسن حمصہ[۵۱] بن سید موسیٰ حمصہ بن سید علی بن امام حسین[۵۲] اصغر بن امام زین العابدین ابن امام حسین شہید کربلا بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب زوج فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین۔

اس نسبت کے بیان سے اپنے اس انتساب کا اظہار مقصود ہے جو اس آفتاب عالم تاب (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہے۔

گرچہ خوردم بزرگی دارم
ذرّہ آسا بہ نسبت خورشید

حسین اصغر اور اس نسب کے اسماء کی شرح اس طرح ہے کہ امام حسین اصغر جن کی کنیت ابو عبداللہ ہے محدّث، فاضل اور متقی تھے انھوں نے ۱۵۷ھ / ۷۷۳-۴ء میں وفات پائی اور بقیع غرقد میں دفن ہوئے اور ان کو اصغر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ امام زین العابدین کے ایک لڑکے حسین اکبر تھے جو امام محمد باقر سے بڑے تھے اور یہ حسین اصغر مدینہ منوّرہ کے سادات کے مورث ہیں اور بنی حسین کے نام سے معروف ہیں۔

سید حسین لفظ "حمصہ" جو سید موسیٰ۔ سیّد حسن اور سید حسین کا لقب ہے (حاء پر زیر ہے میم مشدّد ہے اور اس پر زیر ہے اور صاد پر زبر ہے) اصل میں اس کے معنی چنا ہیں اس لیے کہ ان کا چہرہ چھوٹا تھا اور چنے کی طرح تھا۔ سیّد حسن ابن سید موسیٰ بنی عباس کے زمانے میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر شہر ترمذ میں سکونت پذیر ہو گئے کیونکہ عباسی امرا میں سے جو مدینے کا حاکم تھا اس سے ناموافقت ہو گئی۔ اور ان کے لڑکے سید محمد جوان کے ہمراہ تھے شاہ ناصر ترمذی کے نام سے مشہور ہوئے۔

---

[۵۱] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (صفحہ ۳۰۴) میں حمصہ کو حمصۃ اور ماثر الکرام (دفتر اول ۲۹) میں خمیس لکھا ہے۔

[۵۲] ماثر الکرام (دفتر اول ۲۹) میں یہ نام امام حسن اصغر تحریر ہے۔

سیدّ علی "کعکی" کی طرف منسوب ہے کیونکہ کعک خشک روٹی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں کہ مسافر اس کو بطور توشے کے لیتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ سیدّ علی تنوری روٹیوں کے ٹکڑوں کو خشک کر کے رکھ لیتے تھے اور ان ٹکڑوں کو حاجیوں کو دیا کرتے تھے۔

سیدّ احمد تختہ لفظ "تختہ" کی حقیقت و صحت کا علم نہیں ہے[۱]۔ یہ لفظ سید احمد مذکور کے نام کے ساتھ لگا ہوا ہے اور سیدّ احمد کے لقب "مثال رسول اللہ" کی وجہ یہ ہے کہ ان کا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے بہت موافقت رکھتا تھا جیسا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے[۲]۔ سیدّ احمد تختہ مثال رسول اللہ اپنے باپ کی وفات کے بعد ترمذ سے لاہور آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی اور انتقال کے بعد وہیں دفن ہوئے اور ان کا قبرستان لاہور کے قریب محلہ چہل بی بی کے نام سے مشہور ہے[۳]۔ سیدّ احمد تختہ نے وفات کے وقت ایک فرزند سید عمر نام

---

[۱] خزینۃ الاصفیا میں تُختہ (توختہ) کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک رات سید احمدؒ کے پیر نے ان کو اپنے حجرے میں سے آواز دی جب یہ پہونچے تو حجرے کے دروازے کو بند پایا۔ ادب کی وجہ سے دروازہ نہیں کھلایا اور ساری رات وہیں کھڑے رہے صبح کو جب مرشد نے دروازہ کھولا تو ان کو کھڑا ہوا پایا اس سے ان کے مرشد خوش ہوئے اور تُختہ کے لقب سے یاد کیا تختہ ترکی زبان میں کھڑے ہونے والے یا ہر وقت کے حاضر باش کو کہتے ہیں ملاحظہ ہو خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۲۵)

[۲] احادیث مبارکہ کے بیان سے مطابقت کر کے کسی شخص کو مثال رسول اللہ کہنا نہایت غلط ہے یہی وہ رجحانات تھے جن کی آڑ لے کر باطنیوں نے زور پکڑا تھا۔

[۳] سید احمد تُختہ کا انتقال بروایت خزینۃ الاصفیا (جلد دوم صفحہ ۲۵۲) سنہ ۶۰۲ھ مطابق سنہ ۱۲۰۵ء میں ہوا اور وہ محلہ چہل بی بی بس جواب طویلہ غلام محی الدین قریشی کے نام سے مشہور ہے دفن ہوئے۔ یہاں ایک بات اور غور طلب ہے کہ سید احمد تختہ کو زین العابدین کی نویں پشت میں دکھایا گیا ہے اور ان کا انتقال چھٹی صدی ہجری میں ہوا ہے لہٰذا علم انساب کی رو سے سید احمد تُختہ کو کم سے کم پندرھویں پشت میں ہونا چاہیے تھا۔

چھوڑا[ملے] اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سید عمر ان کے بڑے بھائی سید محمد کے لڑکے تھے۔ اور سید احمد نے ان کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا لہٰذا نسب نامے میں یہ تینوں نام اس ترتیب سے مذکور ہیں سید عمر بن سید محمد بن سید احمد تختہ مدفون لاہور[ملہ]۔

سیّد احمد زاہد

سید احمد زاہد جو سوانہ میں مدفون ہیں (سوانہ لاہور کے نواح میں ایک قصبہ ہے) کے تین لڑکے سیّد حسین بزرگ، سید حامد اور زید شہید تھے اور سید حسین بزرگ کے سید حمزہ ثانی تھے۔ سید حسین جو مدفون قنوج ہیں وہ سادات داعی پور اور سادات سانڈی کے جدِ مشترک ہیں، ان کے انتقال کے بعد ان کے دو[۲] لڑکے ہوئے ایک سید ابو القاسم جو سادات داعی پور کے مورث ہیں۔

سیّد حسن

ان (سیّد ابو القاسم) کے ایک فرزند سیّد محمد ہوئے[ملہ]۔ ان کے فرزند بندگی سید حسین ہوئے جنھوں نے آبادی داعی پور کے باہر مسجد شیر گڑھ کی بُنیاد رکھی اور اس کی تاریخ "خیر الامکان" سے ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء نکلتی ہے[ملہ]۔

سید اشرف عرف درگاہی

سادات داعی پور میں سے ایک شخص سیّد فرید الدین تھے کہ جنھوں نے داعی پور کو چھوڑ کر بلگرام میں توطن اختیار کر لیا تھا اور ان کے فرزند میں

ملہ خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۲۵۲) میں سید احمد تختہ کی صرف دو[۲] لڑکیاں بی بی حاج اور بی بی تاج کے نام بتائے گئے ہیں کسی فرزند کا ذکر نہیں ہے۔

ملہ اس بیان کی روشنی میں شجرہ مشکوک بلکہ منقطع سا ہو جاتا ہے۔

ملہ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ جب داعی پور کے قریب شیر شاہ نے شیر گڑھ آباد کیا تو شہر قنوج کے سادات بخاریہ اور دوسرے بزرگوں کو سکونت کی غرض سے وہاں بلایا۔ سید محمد بھی قنوج سے شیر گڑھ پہونچے اور چونکہ جلد ہی حکومت خاندانِ تیموریہ میں منتقل ہو گئی اس لئے لوگ قنوج واپس آگئے، مگر سید محمد نے فرمایا کہ ہم فقیر ہیں ہمیں رہنے کے لئے یہی جنگل (شیر گڑھ) مناسب ہے۔ لیکن وفات کے بعد ان کی تدفین قنوج میں ہوئی۔
(مآثر الکرام دفتر اول ص ۲۹۱)

ملہ ملاحظہ ہو مآثر الکرام دفتر اول ص ۲۹۱)

سید اشرف تھے جو سید درگاہی کے نام سے مشہور تھے اور میر عبد الجلیل بلگرامی کے معاصر تھے اور علم و فضل میں ممتاز تھے۔ میر عبد الجلیل نے ان کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

قطعہ تاریخ انتقال میر اشرف از میر عبد الجلیل بلگرامی

میر اشرف سر آمد فضلا　　برد تشریف سوئے منزل قدس
ہاتفے گفت سال تاریخش　　اشرف وارد آں محفل قدس

سید احمد علی مولف کے والد

دوسرے سید احمد سادات سانڈی کے مورث ہیں۔ مولف (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) کے والد سید احمد علی اکیاون[۵۱] سال کی عمر میں گیارہ سو ستاسی ہجری (۱۱۸۷ھ ۱۷۷۳ء) میں فوت ہوئے[۵۳]۔ اور شہر فرخ آباد میں سید فضل امام کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔ راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) نے ان کے انتقال کی تاریخ اس طرح کہی ہے۔

---

۵۱ سید اشرف سے فرید الدین تک سلسلہ اس طرح متصل ہوتا ہے سید اشرف بن خیر الامام بن سید احمد بن عبد الفتاح بن فرید الدین (ماثر الکرام دفتر اول صفحہ ۲۹۰)

اور فرید الدین سے بندگی سید حسن تک سلسلہ اس طرح منتہی ہوتا ہے فرید الدین بن سید محمد بن عبد القادر بن بندگی سید حسن (ماثر الکرام دفتر اول صفحہ ۲۹۰) فرید الدین کی اولاد بلگرام کے محلہ میدان پورہ میں رہتی تھی۔ (ماثر الکرام دفتر اول صفحہ ۲۹۱)

۵۲ سید اشرف ۱۰۷۴ھ ۱۶۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ میر عبد الجلیل بلگرامی اور میر طفیل محمد بلگرامی کے خاص دوست تھے متاہل ہونے کے بعد میر عبد الجلیل بلگرامی کی ترغیب و تحریص سے تحصیل علم کی طرف راغب ہوئے اور علوم مروجہ کی تحصیل کی مختلف ملازمتوں میں زندگی بسر کی شاہزادہ محمد اعظم، نواب مبارز الملک سربلند خاں اور نواب صفدر جنگ کے ملازمین میں منسلک رہے۔ آخر عمر میں بلگرام آکر گوشہ نشین ہوگئے ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۱-۲ء میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو (ماثر الکرام دفتر اول ص ۲۹۱-۲۹۲)

۵۳ مفتی ولی اللہ نے اپنے والد کے حالات بہت ہی مختصر لکھے ہیں اور دادا کا تو کوئی ذکر نہیں کیا۔

قطعۂ تاریخ انتقال سید احمد علی

از

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی

سیادت مرتبت احمد علی رفت — بجنت بست با عزّ و مکرم
پئے تاریخ چو رفتم بفکرت — خرد گفتہ ز شعبان بود ہشتم

بچپن اور تعلیم

راقم (مفتی ولی اللہ) کا اصلی وطن قصبہ سانڈی ہے جو خیر آباد کے مضافات میں سے ہے نو سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ فرخ آباد میں پہونچا۔ فرخ آباد، قنوج اور بریلی میں مروجہ درسی علوم حاصل کئے اور مولانا عبدالباسط قنوجی کی خدمت میں فراغ حاصل کیا۔

بیعت وزیارتِ حرمین

اور حرمین شریفین جاتے وقت گیارہ سو نواسی ہجری سنہ ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء میں شہر رحمت آباد میں جو دکن کے بلاد شریفہ میں سے ہے۔ خواجہ رحمت اللہ سے نقشبندیہ سلسلہ میں منسلک ہوا اور ان سے نقشبندیہ اور قادریہ طریقہ حاصل کیا گیارہ سو نوّے ہجری سنہ ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء میں حرمین شریفین پہونچا اور قریب ڈیڑھ سال ان مقامات مقدسہ میں مقیم رہا۔ اور زیارت حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔

اسی زمانے میں شیخ القراء و المحدثین شیخ احمد سفر اور ان کے والد شیخ محمد سعید سفر اور شیخ عبدالملک مفتیِ مکہ (مفتی مذہب امام ابی حنیفہ) اور رئیس المؤذنین شیخ ابراہیم زبیری (مفتی مذہب امام شافعی) سے کتبِ حدیث پڑھ کر اور سُن کر اجازت حاصل کی اس کے بعد واپس ہوا۔ اواخر گیارہ سو اکیانوے (۱۱۹۱ھ ۱۷۷۷ء) میں فرخ آباد پہونچا اور آرام کیا اور خود کو علوم و معارف کے مشاغل میں مصروف کیا۔

راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) کی ولادت ۱۴ ماہ شوال گیارہ سو پینسٹھ (۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۲ء) بروز جمعہ ہوئی۔ اور اس مصرعہ سے تاریخ ولادت نکلتی ہے:۔

"جزاک اللہ فی الکونین خیراً"

تعمیر مدرسہ اب عمر قریب اسی سال کے پہونچ چکی ہے[1]۔ معلوم نہیں کہاں تک کھینچے گی بارک اللہ لنا فی اعمارنا و اعمالنا (اللہ تعالےٰ ہماری عمروں اور عملوں میں برکت فرمائے) راقم (مفتی ولی اللہ فرخ آبادی) نے اپنی اس طویل عمر میں کئی مرتبہ طلباء کو درسی کتابیں ختم کرائیں اور جو کچھ میری آمدنی سے بچا تھا اس سے کچھ زمین خرید کر مدرسہ کی بنیاد رکھی[2] اور اس کا نام فخر المرابع و مربع المفاخر رکھا اور ان دو کلموں سے اس کے آغاز کی تاریخ نکلتی ہے جو بارہ سو چوبیس ہجری (۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء) ہے۔

تصنیف و تالیف فرصت کے اوقات کو غنیمت سمجھتے ہوئے تالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ مؤلف (مفتی ولی اللہ) کی تالیفات سے کتاب تفسیر موسوم بہ نظم الجواہر ہے جو دیکھنے کے لائق ہے اور اس قابل ہے کہ دیدہ و دل اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ بھی چند دوسرے رسائل ہیں[3] کہ

---

[1] مفتی ولی اللہ فرخ آبادی سرکار انگلشیہ کی طرف سے ۲۹ اگست ۱۸۰۸ء کو مفتی مقرر ہوئے اور ۱۳ اکتوبر ۱۸۲۶ء تک مفتی کے عہدے پر کام کیا۔ (تاریخ فرخ آباد از ولیم آروِن ص۳)

[2] مدرسہ کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا۔ (تاریخ فرخ آباد از ولیم آروِن ص۳)

[3] مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کی تصانیف تفسیر نظم الجواہر اور تاریخ فرخ آباد کے علاوہ (۱) شرح دردالتقریب (۲) حزب التوسل الی جناب سید الانبیاء والرسل کے نام بھی ملتے ہیں۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے ان کے ایک اور قلمی رسالے کی نشان دہی کی ہے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے میں ہے۔

(اُردو ادب علی گڑھ جولائی ۱۹۵۴ء)

جو اہل بینش کے نزدیک مسلّمہ ہیں۔[1]

خواجہ رحمت اللہ نقشبندی مولف کے مرشد

ان کی ولادت گیارہ سو تیرہ (۱۱۱۳ھ - ۱۷۰۱ء) ہجری میں ہوئی۔ اور ان کی تاریخ پیدائش "فیض اکبر" سے نکلتی ہے۔ ان کے والد خواجہ عالم ولایت ماوراء النہر کے خواجہ نادگان کے خاندان سے تھے۔[2] نوجوانی میں باپ کے پاس سے جاکر سید علوی بروم کی خدمت میں پہونچے اور انکے طریقے میں بیعت ہوئے اور تمام سلاسل میں اجازت و خلافت پائی[3] (خواجہ رحمت اللہ) گیارہ سو تینتالیس (۱۱۴۳ھ - ۱۷۳۰ء) میں حرمین شریفین کی زیارت کو گئے اور اس وقت دیوان حافظ سے فال نکالی تو یہ غزل نکلی:۔

غزل حافظ

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی ۔۔۔ تا راہ رو نباشی کے راہ بر شوی

در مکتبِ حقائق پیش ادیبِ عشق ۔۔۔ ہاں ای پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

---

[1] نظم الجواہر کا ایک بہت اچھا نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے کتاب کی بڑی تقطیع ہے اور (۱۴۱۴) صفحات ہیں مسلم یونیورسٹی لائبریری (علی گڑھ) عبدالسلام کلیکشن) میں ایک رجسٹر ہے جو مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کے خود ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اس پر عنوان درج ہے:۔ "تاریخ ہائے وفات مختلف بزرگان" اس کتاب میں ہجری سنین کے مختلف واقعات کی عیسوی سنین سے مطابقت کی گئی ہے اس کو ہم "تقویم ولی اللہی" کا نام دے سکتے ہیں اس کتاب کا نمبر سلسلہ (۱۷۰۷) ہے۔ مفتی ولی اللہ نے علم صرف میں ایک رسالہ نقود الصرف لکھا ہے اور صحیح مسلم کی شرح لکھی ہے۔ مفتی ولی اللہ کا انتقال ۵ رجمادی الثانی ۱۲۴۹ھ مطابق ۸ ار نومبر ۱۸۳۲ء کو فرخ آباد میں ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

[2] خواجہ رحمت اللہ کے والد خواجہ عالم توران کے رہنے والے تھے وہاں سے ترک سکونت کرکے بلگاؤں (حال احاطۂ بمبئی مہاراشٹر) پہونچے خواجہ رحمت اللہ بلگاؤں میں پیدا ہوئے۔ عنفوانِ شباب میں اپنی خالہ کے پاس کرنول میں آگئے۔ یہیں تعلیم و تربیت ہوئی۔ اور نواب کرنول کے یہاں بطور سلحدار دو اسپہ ملازم ہو گئے۔

[3] سید علوی بروم کرنول کے مشہور بزرگ تھے کرنول ہی میں خواجہ رحمت اللہ نے ان سے نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت کی۔

دست از مسِ وجود چو مردانِ رہ شوی | تا کیمیائے عشق بیابی و زر شوی
خواب و خورت ز مرتبۂ خویش دور کن | آنگہ رسی بخویش کہ بے خواب و خور شوی
گر نورِ عشقِ حق بدل و جانت او فتد | باللہ کز آفتاب فلک خوبتر شوی
از پائے تا سرت ہمہ نور خدا شود | در راہِ ذوالجلال چو بے پا و سر شوی
گر در سرت ہوائے وصال ست حافظا | باید کہ خاک درگہ اہل ہنر شوی

حرمین شریفین پہونچکر سید اشرف ولد سید ادیا، مکی سے دوبارہ نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ میں بیعت ہوئے اور سید اشرف مکہ مبارکہ میں جبل بوقبیس پر رہتے تھے۔ اور شیخ عبدالنبی شامم چوراسی کے خلیفہ ہیں۔

خواجہ رحمت اللہ کی وفات قلعہ اودگیر[1] میں بروز جمعرات بعد غروب آفتاب ۲۶ ربیع الاول گیارہ سو پچانوے ہجری (۱۱۹۵ھ ۱۷۸۱ء) کو ہوئی اور وہاں سے نعش مبارک رحمت آباد لائی گئی اور جامع مسجد میں مدفون کی گئی۔ سید غلام علی آزاد نے تاریخ انتقال کہی ہے۔

قطعہ تاریخ انتقال خواجہ رحمت اللہ قدس سرہ

از سید غلام علی آزاد

شہ ملک ولایت رحمت اللہ | ز دنیا سوئے عقبیٰ رخت بربست
اگر پرسند تاریخ وصالش | بگو بار حمتِ اللہ پیوست

رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً وختم اللہ لنا بالخیر

---

[1] خواجہ رحمت اللہ نے آراضیات خرید کر رحمت آباد کے نام سے ایک بستی آباد کی۔ ان کی خانقاہ جنوبی ہند میں رشد و ہدایت کا ایک بڑا مرکز تھی۔ معاصر امراء سے بھی ان کے تعلقات بہت اچھے تھے خواجہ رحمت اللہ نے مختلف دیار و امصار کی سیر و سیاحت بھی کی تھی۔ دکنی اردو میں ایک کتاب تنبیہ الغفلاء کے نام سے لکھی جس میں حرام و بدعات کا رد کیا گیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے اور یہ کتاب ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء میں مطبع مجیدی کانپور میں (یو پی) طبع ہو چکی ہے۔

ضمیمہ ۱

نوابانِ فرخ آباد

۱۔ نواب محمد خاں بنگش غضنفر جنگ (بن ملک عین خاں) سنہ ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء تا سنہ ۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۳ء

۲۔ نواب قائم خاں بنگش قائم جنگ (بن محمد خاں بنگش) سنہ ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۳ء تا سنہ ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء

۳۔ نواب امام خاں بنگش[۱] (بن محمد خاں بنگش) ذی الحجہ سنہ ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۳ء تا شعبان سنہ ۱۱۶۳ھ

۴۔ نواب احمد خاں غالب جنگ (بن محمد خاں بنگش) شعبان سنہ ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء تا سنہ ۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء

۵۔ نواب دلیر ہمت خاں مظفر جنگ (بن احمد خاں بنگش) سنہ ۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء تا سنہ ۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء

۶۔ نواب امداد حسین خاں ناصر جنگ (بن دلیر ہمت خاں) سنہ ۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء تا سنہ ۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء

۷۔ نواب خادم حسین خاں شوکت جنگ (بن امداد حسین خاں) سنہ ۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء تا سنہ ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۳ء

۸۔ نواب تجمل حسین خاں ظفر جنگ (بن خادم حسین خاں) سنہ ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۳ء تا سنہ ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء

۹۔ نواب تفضل حسین خاں (بن نصرت جنگ بن امداد حسین خاں ناصر جنگ) سنہ ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔ ۱۸۵۹ء میں مکہ معظمہ جلاوطن کئے گئے اور وہیں ۱۸۸۲ء میں انتقال ہوا۔

---

[۱] قائم خاں کے قتل کے بعد امام خاں مسند نشین ہوا مگر اس کو صفدر جنگ بہانے سے قید کر لئے گئے اور قید میں قتل کر دیا گیا

ضمیمہ ۲

نوابان و شاہان اودھ

۱-	سعادت خاں برہان الملک	(بن محمد نصیر)	سنہ ۱۱۳۲ھ تا	سنہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء
۲-	ابوالمنصور صفدر جنگ	(بن جعفر خاں)	سنہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء تا	سنہ ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء
۳-	جلال الدین حیدر شجاع الدولہ	(بن صفدر جنگ)	سنہ ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء تا	سنہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۵ء
۴-	محمد یحییٰ آصف الدولہ	(بن شجاع الدولہ)	سنہ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۵ء تا	سنہ ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء
۵-	وزیر علی خاں	(متبنّٰی آصف الدولہ)	ربیع الثانی ۱۲۱۲ھ تا	شعبان ۱۲۱۲ھ
۶-	سعادت علی خاں	(بن شجاع الدولہ)	شعبان سنہ ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۸ء تا	سنہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء
۷-	غازی الدین حیدر	(بن سعادت علی خاں)	سنہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء تا	سنہ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء
۸-	نصیر الدین حیدر	(بن غازی الدین حیدر)	سنہ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء تا	سنہ ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء
۹-	محمد علی شاہ	(بن سعادت علی خاں)	سنہ ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء تا	سنہ ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء
۱۰-	امجد علی شاہ	(بن محمد علی شاہ)	سنہ ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء تا	سنہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء
۱۱-	واجد علی شاہ	(بن امجد علی شاہ)	سنہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء تا	سنہ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء

فروری ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ معزول ہوئے اور مٹیا برج کلکتہ میں نظر بند کر دیئے گئے، اور وہیں سنہ ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء میں انتقال ہوا۔

۳

ضمیمہ

شاہانِ مغلیہ

۱۔ ظہیر الدین بابر (بن عمر شیخ مرزا) ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء تا ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء

۲۔ نصیر الدین ہمایوں (بن بابر) ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء تا ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء (شیر شاہ نے ۹۴۷ھ میں ہمایوں کو ہندوستان بدر کیا تقریباً پندرہ سال بعد ۹۶۱ھ / ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان حاصل کیا

۳۔ جلال الدین اکبر (بن ہمایوں) ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء تا ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء

۴۔ نور الدین جہانگیر (بن اکبر) ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء

۵۔ شہاب الدین شاہجہاں (بن جہانگیر) ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء تا ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء میں معزول ہوا اور ۱۶۶۶ء میں انتقال ہوا۔

۶۔ محی الدین عالمگیر (بن شاہجہاں) ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء

۷۔ شاہ عالم بہادر شاہ (بن عالمگیر) ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء تا ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء

۸۔ جہاندار شاہ (بن شاہ عالم) ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء تا ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء قتل کیا گیا

۹۔ فرخ سیر (بن عظیم الشان) ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء تا ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء مارا گیا

۱۰۔ محمد شاہ (بن جہاں شاہ) ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء تا ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء

۱۱۔ رفیع الدرجات (بن رفیع الشان) ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء تا ۲۰ رجب ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء سوا تین ماہ بادشاہ رہا

۱۲۔ رفیع الدولہ (بن رفیع الشان) ۲۰ رجب ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء تا ۷ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء چار ماہ بادشاہ رہا۔

۱۳۔ احمد شاہ (بن محمد شاہ) ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء تا ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء اندھا کر کے قید کر دیا گیا۔

۱۴- عالمگیر ثانی	(بن معزالدین)	۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء	تا	۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء	
۱۵- شاہ عالم ثانی	(بن عالمگیر ثانی)	۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء	تا	۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء	
۱۶- اکبر شاہ ثانی	(بن شاہ عالم ثانی)	۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء	تا	۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء	
۱۷- بہادر شاہ ظفر	(بن اکبر شاہ ثانی)	۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء	تا	۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء	جنگ آزادی

سنہ ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کی وجہ سے جنوری سنہ ۱۸۵۷ء میں قید ہوکر رنگون پہونچے اور وہیں نومبر سنہ ۱۸۶۲ء میں انتقال ہوا۔

کتابیات

۱- آب بقا — خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت مرتبہ مرزا جعفر علی نشتر (نامی پریس لکھنؤ ۱۹۱۸ء)

۲- ابجد العلوم — نواب صدیق حسن خاں (مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء)

۳- آب حیات — شمس العلما محمد حسین آزاد (لاہور ۱۹۰۵ء)

۴- القاء المنن بالقاء المحن — نواب صدیق حسن خاں (مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۳۰۵ھ)

۵- اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین — نواب صدیق حسن خاں (مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ)

۶- آثار الاول من علمائے فرنگی محل۔ مولانا عبدالباری (مطبع مجتبائی لکھنؤ)

۷- آثار الصنادید — سر سید احمد خاں (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۶ء)

۸- احوال علمائے فرنگی محل — الطاف الرحمن قدوائی (مطبع مجتبائی لکھنؤ)

۹- اخبار الاخیار فی اسرار الابرار — شیخ عبدالحق (مطبع مجتبائی دہلی)

۱۰- اخبار الصنادید (جلد اول دوم) حکیم نجم الغنی خاں (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۴ء)

۱۱- اخبار الصنادید جلد اول) نجم الغنی خاں (لکھنؤ ۱۹۱۸ء)

۱۲- آدینہ بیگ (ٹائپ شدہ) محمد باقر ملک (مخزونہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی)

۱۳- ارباب نثر اردو — مولوی سید محمد (مکتبہ معین الادب لاہور ۱۹۵۰ء)

۱۴- اردو مخطوطات — حامد اللہ ندوی (بمبئی ۱۹۵۶ء)

۱۵۔ اُردو میں پشتو کا حصہ — امتیاز علی عرشی (پشتو اکیڈیمی) پشاور سنہ ۱۹۶۰ء)

۱۶۔ ارمغان یاور (تذکرہ علمائے گوپامئو) — مفتی انتظام اللہ شہابی — ابو العلائی اسٹیم پریس آگرہ)

۱۷۔ اصح التواریخ (جلد اول) — محمد میاں مارہروی — (لکھنؤ سنہ ۲۴۳ء)

۱۸۔ اصح التواریخ (جلد دوم) — محمد میاں مارہروی — (لکھنؤ سنہ ۱۳۴۳ھ)

۱۹۔ اقتباس الانوار — شیخ محمد اکرم — (لاہور سنہ ۱۸۹۵ء)

۲۰۔ اکمل التاریخ (جلد اول) — محمد یعقوب ضیاء القادری — (مطبع قادری بدایوں سنہ ۱۹۱۵ء)

۲۱۔ انتخاب یادگار — منشی امیر احمد مینائی — (تاج المطابع لکھنؤ سنہ ۱۲۹۰ھ)

۲۲۔ انوار العارفین — محمد حسین مراد آبادی — (مطبع صدیقی بریلی سنہ ۱۲۹۰ھ)

۲۳۔ برکات الاولیاء — مولوی امام الدین گلشن آبادی — (افضل المطابع دہلی سنہ ۱۳۲۳ھ)

۲۴۔ برکات مارہرہ — طفیل احمد بدایونی — (نولکشور پریس لکھنؤ)

۲۵۔ بوستان اودھ — راجا درگا پرشاد — (لکھنؤ سنہ ۱۸۸۶ء)

۲۶۔ بہار میں اُردو زبان کا ارتقاء — اختر احمد اختر اورینوی — (مطبوعہ لیبل لیتھو پریس پٹنہ سنہ ۱۹۵۷ء)

۲۷۔ پنجاب میں اُردو — حافظ محمود خاں شیرانی — (مکتبہ معین الادب لاہور سنہ ۱۹۴۹ء)

۲۸۔ تاریخ احمد — عبد الکریم — (مطبوعہ سلطان المطابع)

۲۹۔ تاریخ ادب اُردو (رام بابو سکسینہ) — مرزا محمد عسکری — (نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۹ء)

۳۰۔ تاریخ امروہہ — محمود احمد عباسی — (طبع سنہ ۱۹۳۰ء)

۳۱۔ تاریخ قصبہ امیٹھی — شیخ خادم حسین — (مطبوعہ)

۳۲۔ تاریخ اودھ (حصہ اول) — نجم الغنی خاں — (لکھنؤ سنہ ۱۹۱۹ء)

۳۳۔ تاریخ اودھ (حصہ سوم) — نجم الغنی خاں — (نول کشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۸ء)

۳۴۔ تاریخ اودھ (جلد چہارم) — حکیم نجم الغنی خاں — (نول کشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۸ء)

۳۵	تاریخ بدیع (منظوم)	امیر اللہ تسلیم (مطبوعہ)
۳۶	تاریخ بنارس	مظہر حسن (بنارس سنہ ۱۹۱۶ء)
۳۷	تاریخ پنجاب (گلشن پنجاب)	دیبی پرشاد (مطبع عمدۃ الاخبار بریلی سنہ ۱۸۵۰ء)
۳۸	تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی	خواجہ نعمت اللہ ہروی (مرتبہ ڈاکٹر امام الدین ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان ڈھاکہ سنہ ۱۹۶۰ء)
۳۹	تاریخ ریاست رام پور	اکرام عالم بدایونی (نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۴۰ء)
۴۰	تاریخ شاہجہان پور	مولوی مسیح الدین خلیل (نامی پریس لکھنؤ ۱۹۳۲ء)
۴۱	تاریخ شیر شاہی (عباس خاں شروانی)	مظہر علی خاں ولا (مرتبہ ڈاکٹر معین الحق) (سلمان اکیڈیمی کراچی سنہ ۱۹۶۳ء)
۴۲	تاریخ ضلع فرخ آباد	پنڈت دیبی پرشاد (گورنمنٹ پریس الہ آباد سنہ ۱۸۵۹ء)
۴۳	تاریخ فرخ آباد (اردو ترجمہ)	ولیم ارون (مطبع حسنی، فتح گڑھ سنہ ۱۸۸۰ء)
۴۴	تاریخ فرشتہ	محمد قاسم ہندو شاہ (نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۸۸۴ء)
۴۵	تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ	مولوی عبدالستار (مدرسۂ عالیہ ڈھاکہ سنہ ۱۹۵۹ء)
۴۶	تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت (جلد دوم)	سید ہاشمی فرید آبادی (انجمن ترقی اردو، کراچی)
۴۷	تاریخ مشائخ چشت	خلیق احمد نظامی (ندوۃ المصنفین، دہلی سنہ ۱۹۵۳ء)
۴۸	تاریخ مہاراجگان ہند (جلد اول)	نجم الغنی خاں رامپوری (نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۲۷ء)
۴۹	تاریخ ہندوستان (جلد نہم)	شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی (دہلی سنہ ۱۸۹۸ء)
۵۰	تواریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار	اولاد حیدر فوق (مطبع انگیری پٹنہ سنہ ۱۹۱۵ء)
۵۱	تواریخ ڈھاکہ	رحمان علی طیش (آرہ سنہ ۱۹۱۰ء)
۵۲	تحفۃ الکرام (اردو ایڈیشن)	میر علی شیر قانع ٹھٹوی (سندھی ادبی بورڈ کراچی سنہ ۱۹۵۵ء)
۵۳	تحفۃ السلاطین (ترجمہ محمد نظام)	مرتبہ حاجی محمد مقتدی خاں شروانی (علی گڑھ سنہ ۱۹۵۶ء)

۵۴ تذکرۂ بے نظیر — عبدالوہاب افتخار مرتبہ منظور علی (الٰہ آباد یونیورسٹی الٰہ آباد سنہ ۱۹۴۰ء)

۵۵ تذکرہ خندۂ گل — مولوی عبدالباری آسی (نگار مشین پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۲۹ء)

۵۶ تذکرہ روز روشن — محمد مظہر حسین (مطبع شاہجہانی بھوپال سنہ ۱۲۹۷ھ)

۵۷ تذکرہ ریختہ گویاں — فتح علی گردیزی مرتبہ مولوی عبدالحق (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۳ء)

۵۸ تذکرہ سخن شعراء — عبدالغفور نساخ (مطبع نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ)

۵۹ تذکرہ سرور (عمدۂ منتخبہ) — نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی، دہلی سنہ ۱۹۶۱ء)

۶۰ تذکرہ شعراء — ابن امین اللہ طوفان مرتبہ قاضی عبدالودود (آزاد پریس پٹنہ سنہ ۱۹۵۹ء)

۶۱ تذکرہ شعرائے اردو — میر حسن دہلوی مرتبہ نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی (انجمن ترقی اردو دہلی سنہ ۱۹۴۰ء)

۶۲ تذکرہ شعرائے کشمیر (فارسی گویاں) — محمد اصلح کشمیری (قلمی)

۶۳ تذکرہ صبح گلشن — نواب حسن علی خاں (مطبع شاہجہانی بھوپال سنہ ۱۲۹۵ھ)

۶۴ تذکرہ علمائے فرنگی محل — مولوی عنایت اللہ (لکھنؤ سنہ ۱۹۳۰ء)

۶۵ تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) — مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی سنہ ۱۹۶۱ء)

۶۶ تذکرہ کاملان رام پور — احمد علی خاں شوق (ہمدرد پریس دہلی سنہ ۱۹۲۱ء)

۶۷ تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے عرب و اسلام — شاہ محمد کبیر دانا پوری (نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۳۲۴ھ)

۶۸ تذکرہ مشائخ بنارس — عبدالسلام نعمانی (ندوۃ المعارف بنارس سنہ ۱۹۶۱ء)

۶۹ تذکرۃ المعین فی ذکر الکاملین — مولوی زین العابدین (مطبوعہ سنہ ۱۸۹۰ء)

۷۰ تذکرہ مشاہیر کاکوری — محمد علی حیدر (اصح المطابع لکھنؤ سنہ ۱۹۲۷ء)

۷۱ تذکرہ نتائج الافکار — مولوی محمد قدرت اللہ گوپاموی (اردشیر خا فنع بمبئی دیماہ ۱۳۰۴ شمسی)

۷۲ تذکرۃ الواصلین — مولوی رضی الدین فرشوری (نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۴۶ء)

۷۳ تذکرۂ ہندی — غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ مولوی عبدالحق (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد سنہ ۱۹۳۳ء)

۷۴	تراجم علمائے اہل حدیث	ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی (جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۸ء)
۷۵	تراجم الفضلاء (فارسی مع انگریزی ترجمہ و حواشی)	مولانا فضل امام خیرآبادی (بہ ترتیب انتظام اللہ شہابی) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۵۶ء)
۷۶	حکمت القاری (قلمی)	قطب علی متخلص (مملوکہ محمد ایوب قادری کراچی)
۷۷	جنگ نامہ	عالم علی خاں (غضنفر حسین) مرتبہ مولوی عبدالحق (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ۱۹۳۲ء)
۷۸	جنگ نامہ دو جوڑہ (مکتوبہ ۱۲۵۱ھ)	مولوی غلام جیلانی (قلمی مخزونہ رضا لائبریری رام پور)
۷۹	جنگ نامہ دو جوڑہ (مکتوبہ ۱۹۲۴ء)	معظم عباسی (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری۔ کراچی)
۸۰	حال حاجی صفت اللہ خیرآبادی محدث	مولوی فخرالحسن خیرآبادی (الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۳۲ء)
۸۱	حالات و ملفوظات شاہ فخر دہلوی	مترجمہ و مرتبہ درد کاکوروی (سلمان اکیڈمی کراچی ۱۹۶۱ء)
۸۲	حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ	محمد حسن نقشبندی (اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور)
۸۳	حدائق الحنفیہ	فقیر محمد جہلمی (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۶ء)
۸۴	حدیقۃ الاقالیم	اللہ یار عثمانی (مطبع نولکشور، لکھنؤ)
۸۵	حدیقۃ المرام فی تذکرۃ اطباء الاعلام	محمد مہدی واصف (مطبع مظہر العجائب پریس ۱۳۰۹ھ)
۸۶	حیات حافظ رحمت خاں (طبع اول)	سید الطاف علی بریلوی (نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۳ء)
۸۷	خاندان برکات	محمد میاں مارہروی (حسنی پریس بریلی ۱۳۴۶ھ)
۸۸	خزانۂ عامرہ	غلام علی آزاد بلگرامی (کان پور ۱۸۷۱ء)
۸۹	خزینۃ الاصفیا (جلد اول)	مفتی غلام سرور (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۴ء)
۹۰	خزینۃ الاصفیا (جلد دوم)	مفتی غلام سرور (" " ")
۹۱	داستان تاریخ اردو	حامد حسن قادری (عزیزی پریس آگرہ ۱۹۵۷ء)
۹۲	دلی کا دبستان شاعری	ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی (انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۴۹ء)

۹۳ دو تذکرے (شورش، عشقی) مرتبہ کلیم الدین احمد (لیبل لیتھو پریس پٹنہ ۱۹۵۹ء)

۹۴ دیوان کاظم خاں شیدا (قلمی) کاظم خاں شیدا (مخزونہ اسلامیہ کالج لائبریری پشاور)

۹۵ ذخیرۃ الخوانین (جلد اول) شیخ فرید بھکری بہ ترتیب و مقدمہ ڈاکٹر معین الحق
پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء)

۹۶ رسالہ تاریخہائے وفات خلف زادگان (قلمی) مفتی ولی اللہ فرخ آبادی (عبدالسلام کلکشن مسلم یونیورسٹی لائبریری علیگڑھ)

۹۷ رسالہ در شرائط جمعہ (قلمی) میر سلطان مسعود (مملوکہ محمد ایوب قادری۔ کراچی)

۹۸ رسالہ فخر البرہانیہ ڈاکٹر دراز علی (مطبع نامی الہ آباد، ۱۹۰۲ء)

۹۹ رود کوثر شیخ محمد اکرام (لاہور سال طباعت ندارد)

۱۰۰ روضۃ الاولیاء غلام علی آزاد بلگرامی (مطبع اعجاز صفدری حیدرآباد دکن ۱۳۱۰ھ)

۱۰۱ ریاض الفصحاء غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ مولوی عبدالحق (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۴ء)

۱۰۲ زبدۃ العقائد (مکتوبہ ۱۲۹۰ھ) سید احمد کالپوی (قلمی مملوکہ محمد ایوب قادری کراچی)

۱۰۳ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان غلام علی آزاد بلگرامی (بمبئی ۱۳۰۳ھ)

۱۰۴ سراپا سخن میر محسن علی محسن (مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۸۶۱ء)

۱۰۵ سراج الدولہ محمد عمر (فدا الٰہی) (انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۲ء)

۱۰۶ سرو آزاد غلام علی آزاد بلگرامی مرتبہ عبداللہ خاں (کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ۱۹۱۳ء)

۱۰۷ سفرنامہ مخلص ڈاکٹر اظہر علی (ہندوستانی پریس رام پور ۱۹۴۶ء)

۱۰۸ سفر اودھ مسیح الدین کاکوروی (الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۲۶ء)

۱۰۹ سودا شیخ چاند (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۶ء)

۱۱۰ سیرت سید احمد شہید ابوالحسن علی ندوی (نامی پریس لکھنؤ ۱۹۳۹ء)

۱۱۱ سیر العلماء (علمائے سیتاپور کے حالات) حکیم بہاء الدین (مطبع وحیدی کانپور ۱۳۲۶ھ)

۱۱۳ سیر المتاخرین غلام حسین طباطبائی (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ء)

۱۱۳	شروانی نامہ	عباس خاں شروانی	(علی گڑھ ۱۹۵۳ء)
۱۱۴	شعلۂ جوالہ (مجموعہ واسوخت)	امیر الدین آزاد	(نولکشور پریس لکھنؤ)
۱۱۵	شمع انجمن	نواب صدیق حسن خاں	(مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۳ھ)
۱۱۶	صولت شیر شاہی	احمد مرتضیٰ	(علی گڑھ ۱۹۳۴ء)
۱۱۷	طبقات الشعراء	قدرت اللہ شوق	تلخیص ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی (علیگڑھ میگزین اگست ۱۹۳۶ء)
۱۱۸	عطر بہار	نذیر الدین حسین	(مطبع نامی لکھنؤ ۱۳۱۳ھ)
۱۱۹	عقد ثریا	غلام ہمدانی مصحفی	(انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد ۱۹۳۴ء)
۱۲۰	علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) (جلد اول)	مرتبہ محمد ایوب قادری	(ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۰ء)
۱۲۱	علم و عمل (وقائع عبد القادر خانی) جلد دوم	مرتبہ محمد ایوب قادری	(ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۰ء)
۱۲۲	علمائے ہند کا شاندار ماضی (جلد اول)	مولانا محمد میاں	(دہلی ۱۹۴۳ء)
۱۲۳	عماد السعادت	غلام علی نقوی	(مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۷ء)
۱۲۴	عمدۃ المطالب فی الانساب آلِ ابی طالب	مطبوعہ	
۱۲۵	عین الولایت	منشی ولایت علی خاں عزیز	(,, ,, ۱۹۵۴ء)
۱۲۶	غلام قادر روہیلہ	سید الطاف علی بریلوی	(مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ سنہ طباعت ندارد)
۱۲۷	فتاوائے عزیزی (جلد اول)	شاہ عبد العزیز دہلوی	بہ ترتیب مولانا محمد احسن نانوتوی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ)
۱۲۸	قاموس الاعلام (حصہ اول)	حکیم شمس اللہ قادری	(حیدرآباد دکن ۱۹۳۵ء)
۱۲۹	قیصر التواریخ (جلد اول)	کمال الدین حیدر	(نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۷ء)
۱۳۰	کاشف الاستار (قلمی)	شاہ محمد حمزہ مارہروی	(مملوکہ محمد ایوب قادری کراچی)
۱۳۱	کلمات الشعراء	محمد افضل سرخوشی	صادق علی دلاوری (شیخ مبارک علی لاہور ۱۹۴۲ء)
۱۳۲	کمالات عزیزی	نواب مبارک علی	(مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۲۹۰ھ)
۱۳۳	کلیات سودا	محمد رفیع سودا	(نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۶ء)
۱۳۴	گل رحمت (قلمی)	سعادت یار خاں	(مخزونہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی)
۱۳۵	گلِ رعنا (تذکرہ شعرائے اُردو)	حکیم عبد الحی	(دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۳۶۴ھ)

۱۳۶ گلزار ہند (رقعات مولوی امام الدین بدایونی مرتبہ حکیم احسان الکریم بدایونی (مطبع قیصری بریلی سنہ ۱۲۹۶ھ

۱۳۷ گل عجائب — اسد علی تمنا اورنگ آبادی (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد سنہ ۱۹۳۶ء

۱۳۸ گلستان بے خزاں — حکیم قطب الدین باطن (نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ء

۱۳۹ گلستان رحمت (قلمی) — محمد مستجاب خاں (مملوکہ محمد ایوب قادری، کراچی)

۱۴۰ گلستانِ طریقت — مولوی محمد حسین (لکھنؤ سنہ ۱۳۰۲ھ)

۱۴۱ گلشنِ ابرار (قلمی) — ریاض الدین سہسوانی (مملوکہ مولوی حمید الدین نظامی بدایونی)

۱۴۲ گلشن بے خار — نواب مصطفٰی خاں شیفتہ (مطبع نولکشور، لکھنؤ سنہ ۱۸۷۴ء)

۱۴۳ گلشن فتوت (قلمی) — نواب کلب علی خاں (مکتوبہ سنہ ۱۲۸۶ھ (بخط منشی امیر احمد مینائی)
مخزونہ رضا لائبریری۔ رام پور)

۱۴۴ گلشن ہمیشہ بہار — نصر اللہ خاں قمر (مطبع فتح الاخبار کول سنہ ۱۲۷۳ھ)

۱۴۵ گلشن ہند — مرزا علی لطف مرتبہ شمس العلماء، مولوی شبلی نعمانی
(عبد اللہ خاں، کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۰۶ء)

۱۴۶ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری — ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی (لاہور سنہ ۱۹۵۵ء)

۱۴۷ مآثر الامراء (جلد اول) — صمصام الدولہ شاہنواز خاں (کلکتہ سنہ ۱۸۸۸ء)

۱۴۸ مآثر الامراء (جلد دوم) — صمصام الدولہ شاہنواز خاں (کلکتہ سنہ ۱۸۹۰ء)

۱۴۹ مآثر الامراء (جلد سوم) — صمصام الدولہ شاہنواز خاں (کلکتہ سنہ ۱۸۹۱ء)

۱۵۰ مآثر الکرام (غلام علی آزاد بلگرامی — (مطبع مفید عام آگرہ سنہ ۱۹۱۰ء)

۱۵۱ محمد خانی تاریخ (قلمی) — حسام الدین گوالیاری (مخزونہ انڈیا آفس لائبریری لندن

۱۵۲ مجموعہ نغز — حکیم قدرت اللہ قاسم حافظ محمود خاں شیرانی
(پنجاب یونیورسٹی، لائبریری، لاہور سنہ ۱۹۳۳ء)

۱۵۳ مختصر تاریخ ریاست رام پور (ٹائپ شدہ) نجم الغنی خاں (مخزونہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی)

۱۵۴ مخزن نکات — محمد قیام الدین قائم مرتبہ مولوی عبد الحق
(انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد سنہ ۱۹۲۹ء)

۱۵۵ مخزن الولایت (ولایت علی خاں) مترجمہ و مرتبہ خصلت حسین صابری (پاکستان اکیڈمی کراچی ۱۹۶۳ء)

۱۵۶ مرقع دہلی درگاہ قلی خاں مرتبہ حکیم مظفر حسین (تاج پریس حیدرآباد دکن)

۱۵۷ مسائل اربعین (شاہ محمد اسحاق دہلوی) مرتبہ مولوی امین الدین جالیسری (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۸ھ)

۱۵۸ مصدر فیوض نذیر الدین حسین (مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

۱۵۹ مفتاح التواریخ (ولیم بیل) (مطبع نولکشور کانپور ۱۸۶۷ء)

۱۶۰ مقالات شبلی (جلد سوم) مولانا شبلی نعمانی مرتبہ سلیمان ندوی
(دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء)

۱۶۱ مقالات شبلی (حصہ پنجم) مولانا شبلی نعمانی مرتبہ سلیمان ندوی (دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء)

۱۶۲ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ترجمہ مفتی انتظام اللہ و مولوی محمد علی (پاکستان ایجوکیشنل پبلشرس
کراچی ۱۹۶۰ء)

۱۶۳ مناقب حسن رسول نما (اردو ترجمہ فوائح العرفان) (لاہور ۱۳۳۹ء)

۱۶۴ مناقب فخریہ غازی الدین نظام (مطبع مجتبائی دہلی)

۱۶۵ مناقب المحبوبین حاجی نجم الدین (مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ)

۱۶۶ منتخب التواریخ (ملا عبد القادر بدایونی) اردو ترجمہ احتشام الدین (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۹ء)

۱۶۷ منتخب اللباب (جلد دوم) (محمد ہاشم خافی خاں (ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۸۶۴ء)

۱۶۸ نجیب التواریخ (قلمی) مرزا نصیر الدین (مملوکہ سید الطاف علی بریلوی، کراچی)

۱۶۹ نزہۃ الخواطر (جلد چہارم) حکیم عبدالحی (دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

۱۷۰ نزہۃ الخواطر (جلد پنجم) حکیم عبدالحی (" " ")

۱۷۱ نزہۃ الخواطر (جلد ششم) حکیم عبدالحی (" " ")

۱۷۲ نزہۃ الخواطر (جلد ہفتم) حکیم عبدالحی (" " ")

۱۷۳ نسب افاغنہ عبدالسلام خاں (مطبع احمدی رامپور ۱۹۱۴ء)

۱۷۴ نظم الجواہر (قلمی) مفتی ولی اللہ فرخ آبادی (مخزونہ رضا لائبریری رام پور)

۱۷۵ نفحۃ الیمن شیخ احمد شروانی بتصحیح مولانا محمد احسن نانوتوی (مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۲۶ھ)

۱۷۶ نقشِ سلیمانی فی البیان مکاتیبِ حافظ رحمت خاں — محمد سلیمان خاں اسد (مطبع محمدی ٹونک ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء)

۱۷۷ نکات الشعراء — میر تقی میر — مرتبہ مولوی عبدالحق (انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد ۱۹۳۵ء)

۱۷۸ نور علمائے حضور — غلام شبیر بدایونی (امیر الاقبال پریس بدایوں)

۱۷۹ واقعاتِ دار الحکومت دہلی (جلد دوم) — بشیر الدین (آگرہ ۱۹۱۹ء)

۱۸۰ وزیرنامہ — محمد امیر علی خاں (مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء)

۱۸۱ وقائع نادری — معصوم علی محشر (نول کشور پریس لکھنؤ)

۱۸۲ وقائع نصیر خانی (مخطوطہ وقائع عبدالقادر خانی جلد دوم) مترجمہ مرتبہ محمد ایوب قادری (آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۱ء)

۱۸۳ ہدایت المخلوق (قلمی) — محمد فضل بدایونی (مملوکہ فرخ علی جلالی، بدایونی)

۱۸۴ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں — ابوالحسنات ندوی (دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء)

۱۸۵ ہندو شعرا — خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی (نامی پریس لکھنؤ ۱۹۳۱ء)

۱۸۶ یادِ ایام — حکیم عبدالحی (علی گڑھ ۱۹۱۹ء)

۱۸۷ یادگار دہلی — ظہیر الدین ولی اللّٰہی (دہلی ۱۹۰۵ء)

۱۸۸ یادگار شعراء — طفیل احمد (ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد ۱۹۴۳ء)

۱۸۹ یادگار ضیغم — نواب محمد عبداللہ خاں ضیغم (مطبع گلزار دکن حیدر آباد دکن ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء)

رسائل

۱۹۰ اُردو ادب — جولائی ۱۹۵۴ء — علی گڑھ

۱۹۱ اُردوئے معلیٰ — جولائی ۱۹۰۴ء — 〃

۱۹۲ العلم — جنوری تا جون ۱۹۵۵ء — کراچی

۱۹۳ العلم جلد ۶ شمارہ ۱ — کراچی

۱۹۴ ندیم (بہار نمبر ۱۹۳۵ء) — پٹنہ

۱۹۵ ندیم (بہار نمبر ۱۹۳۰ء) — پٹنہ

۱۹۶ نقوش لاہور نمبر ۱۹۶۲ء — لاہور

۱۹۷ نیا دور، اپریل ۱۹۵۹ء — لکھنؤ

انگریزی کتب

پرشین لٹریچر۔ سی۔ اے۔ اسٹوری جلد اول حصۂ دوم
مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء

رومانس آف این ایسٹرن کیپٹل ایف۔ بی۔ براڈلے
(لندن ۱۹۰۶ء)

فال آف دی مغل امپائر (جلد سوم) جادوناتھ سرکار (کلکتہ ۱۹۵۲ء)

گلمپسز آف اولڈ ڈھاکہ ایس۔ ایم طیفور (مطبوعہ ڈھاکہ)

ہسٹری آف افغانستان کرنل۔ جی۔ جی میلیسن (لندن ۱۸۷۸ء)

ہسٹری آف فریڈم موفنٹ (جلد اول) (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۵۷ء)

دی ہسٹری آف انڈیا آر۔ لیتھ برج (لندن ۱۸۸۱ء)

دی ہسٹری آف رین آف شاہ عالم ڈبلو۔ فرینکلن (الہ آباد ۱۹۳۴ء)

دی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا ونسنٹ اسمتھ (آکسفورڈ ۱۹۵۸ء)

مفصل فہرست مضامین

مقالہ دوم

مقالہ سوم

مقالۂ چہارم

مقالۂ پنجم

مقالۂ نہم
(علما و حکما) ۳۱۲

مقالہ دہم

مقالہ یازدہم

THE POLITICAL, EDUCATIONAL & CULTURAL

HISTORY OF THE BANGASH RULE

By

MUFTI WALIULLAH FARRUKHABADI

Translated by

HAKEEM SHARIFUZZAMAN AKBARABADI

Edited & Annotated
by

Prof: MOHD AYUB KADRI
M. A.

Foreword by

SYED ALTAF ALI BRELVI

Price Rs. 12-00

Academy of Educational Research, All Pakistan Educational Conference

KARACHI

1965